
گھر کے ہر فرد کے لیے
ماہنامہ
پاکیزہ
کراچی
ستمبر 2017
نگران اعلیٰ
معراج رسول
رفعت سراج اور شیریں حیدر کے ناول کی نئی اقساط



ماہنامہ

پاکیزہ

کراچی

نگرانِ اعلیٰ : معراج رسول

مدیرۂ اعلیٰ : عذرا رسول

مدیرہ : نزہت اصغر

معاون : آمنہ حماد

اشتہارات : محمد شہزاد خان

MEMBER APNS

CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی

رابطہ : شعبہ اشتہارات

محمد شہزاد خان 0333-2256789

دلہن نمبر

سرورق ماڈل: ماہم

[illegible] کاشف

قیمت فی پرچا (پاکستان) 60 روپے

قیمت فی پرچا (سعودی عرب) 12 [illegible]

زرسالانہ (اندرونِ [illegible]

اداریہ

سلسلے وار ناول

منی ناول

ناولٹ

مکمل ناول

افسانے

خصوصی مضامین

پبلشر و پروپرائٹر: ذیشان رسول مقامِ اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکس ٹینشن، ڈیفنس، مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی



مستقل عنوانات

Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.
Postal Address: Box No. 662, G.P.O. , Karachi-74200
Phone: (021)35895313, Fax: 35802551, E-mail address: jdpgroup@hotmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجھے کچھ کہنا ہے......!

قارئین عزیز السلام علیکم......!

☆ تمام امت مسلمہ اور بالخصوص اہلِ وطن کو عید الاضحیٰ کی مبارک باد...... ساتھ ہی ساتھ ہم ان خوش قسمت عازمین کو دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں جنہوں نے اس سال حج کا مقدس فریضہ انجام دیا۔ اللہ پاک ان کی اس عبادت کو قبول فرمائے، الٰہی آمین! حج بلاشبہ ایک روح پرور اجتماعی عبادت ہے۔ ہر مسلمان کی یہی آرزو، یہی تمنا ہوتی ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ایک بار تو ضرور اللہ پاک کے عظیم الشان گھر اور رسول پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کرلے اور جسے یہ نصیب ہوجائے تو وہ اپنا شمار خوش قسمت ترین بندوں میں کیوں نہ کرے۔ اور عبادت تو نام ہی مکمل آمادگی و تسلیم و رضا کا ہے۔ بے شک دینِ اسلام میں جبر نہیں سو جو بھی اس فریضہ کی انجام دہی کی طرف مائل ہوتا ہے وہ اپنی رضا و رغبت اور مکمل سپردگی سے حاضری دیتا ہے۔ ہر سال حاجیوں کی تعداد میں تو الحمدللہ اضافہ ہوتا جاتا ہے مگر دوسری طرف مسلمانوں کی اخلاقی و روحانی زبوں حالی بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔

حج مسلمانوں کے اتحاد اور حُسنِ تفاہم کا بہترین ذریعہ ہے۔ ہمارا رب یہ نہیں چاہتا کہ مسلمان دنیا کے کونے کونے سے صرف ''بدنی طور'' پر مکہ مکرمہ میں جمع ہوجائیں۔ دراصل حج کے وجوب سے پروردگار عالم کا یہ مقصد تھا کہ امت مسلمہ ایک دوسرے کے قریب ایک ہی مرکز پر آسکے، ایک دوسرے سے ملاقات کرے یوں ان کے باہمی روابط مضبوط و مستحکم ہوں جو اسلام کی سربلندی کا باعث ہوں...... امتِ مسلمہ کے روح پرور اجتماع کا یہ نظارہ بلاشبہ بڑا ایمان افروز ہوتا ہے، جب تمام عازمینِ حج میدانِ عرفات میں جلالِ کبریائی کے زیرِ اثر پُر اشک آنکھوں کے ساتھ استغفار و مناجات کے ذریعے مصروفِ عبادت ہوتے ہیں۔

پروردگار عالم کے حضور دعا ہے کہ ہم سب کو حج مبرور عطا ہو الٰہی آمین!

☆ قارئین، ماہ ستمبر اس اعتبار سے سب سے اہم ہے کہ اس ماہ یوم وفات بانی پاکستان حضرت قائد اعظم محمد علی جناحؒ اور یوم دفاع پاکستان بھرپور قومی جذبے سے منایا جاتا ہے۔ ہم ہر سال تجدید عہدِ وفا کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ افواجِ پاکستان کو خراجِ تحسین بھی پیش کرتے ہیں کہ جن کے جوان اس سرزمین کے چپے چپے کی حفاظت پر مستعدی سے مامور ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہماری ارضِ پاک کو دشمن کی میلی نظر سے محفوظ رکھے، آمین۔

مدیرہ

نزہت اصغر



دین کی باتیں

پس شیطان نے ان دونوں کو وسوسہ دیا، تا کہ ان دونوں کے ستر جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھے وہ ظاہر کر دے۔ اور یہ کہا کہ تمہارے پروردگار نے تم کو اس درخت سے نہیں منع کیا مگر (صرف) اس لیے کہ تم دونوں کہیں فرشتے نہ بن جاؤ، یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ (۲۰) اور اس نے ان دونوں کے سامنے قسم کھائی کہ میں ضرور تم دونوں کے خیر خواہوں میں سے ہوں۔ (۲۱) پس اس نے دھوکے سے ان دونوں کو ڈانوں ڈول کر دیا۔ پھر جب ان دونوں نے اس درخت (کے پھل) کو چکھا (تو) ان دونوں کے ستر کھل گئے، اور وہ دونوں جنت کے پتوں سے اپنے آپ کو ڈھانپنے لگے۔ اور ان کے پروردگار نے ان دونوں کو آواز دی۔ کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور میں نے تم دونوں سے یہ نہ کہا تھا کہ یقیناً شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے۔ (۲۲) دونوں بولے اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ اور تو ہمیں اگر نہ ڈھانکے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا۔ البتہ ہم گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (۲۳) (خدا نے) فرمایا اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے۔ اور تمہارے لیے ایک وقتِ معین تک زمین میں ٹھہرنے کی جگہ اور فائدہ اٹھانا ہے۔ (۲۴) فرمایا اس میں تم زندگی بسر کرو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اسی میں سے (زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے۔ (۲۵) اے اولاد آدمؑ یقینا ہم نے تمہارے لیے لباس نازل کیا جو تمہارے ستروں کو چھپاتا ہے اور زینت (بھی) ہے اور پرہیزگاری کا لباس، وہ سب سے اچھا ہے۔ یہ (لباس کا نازل ہونا) اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ (لوگ) نصیحت حاصل کریں۔ (۲۶) اے اولادِ آدمؑ! تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈال دے، جس طرح کہ اس نے تمہارے ماں، باپ کو جنت سے نکالا، ان دونوں سے ان کا لباس اتروادیا، تاکہ ان دونوں کے ستر ظاہر کر دے۔ یقیناً وہ اور اس کا گروہ تمہیں اس طرح دیکھ رہا ہے، کہ تم اس کو نہیں دیکھتے ہو۔ بے شک ہم نے شیطان کو ان لوگوں کا سرپرست قرار دیا ہے۔ جو ایمان نہیں لاتے (۲۷) اور جب وہ کوئی بے حیائی کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی (طریق) پر پایا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے، کہہ دو یقیناً اللہ تعالیٰ بے حیاؤں کا حکم نہیں دیا کرتا۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کے خلاف ایسی بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔ (۲۸) (اے رسولؐ) کہہ دو کہ میرے پروردگار نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے۔ اور (یہ) کہ ہر نماز کے وقت اپنے چہرے (قبلہ کی طرف) سیدھے کر لیا کرو، اور دین کو اسی کے لیے خالص سمجھ کر اس سے دعا مانگو جس طرح اس نے تمہیں پیدا کیا تھا۔ اسی طرح اس کے حضور میں پلٹ کر جاؤ گے۔ (۲۹) ایک گروہ کو اس نے ہدایت کی، اور ایک گروہ ہے کہ ان پر گمراہی ثابت ہو گئی۔ بے شک انہوں نے خدا کو چھوڑ کر شیطانوں کو سرپرست بنالیا ہے، گمان یہ کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ (۳۰)

(سورۂ اعراف ۷، پارہ ۸۔ آیات ۲۰ تا ۳۰)

دین کی باتیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے گرامی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ سَیِّدِ الْمُنْجِیْنَ ط

افضل الانبیا، ختمی مرتبت، سید المرسلین رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفاتی اسمائے مبارکہ میں سے ایک نام سیدنا منج بھی ہے جس کے معنی و مفہوم نجات والے اور نجات کا باعث کے ہیں۔

1۔ **القرآن:** (۱) ترجمہ: اور ان پر سے وہ بوجھ اور طوق جو ان کے سر پر گلے میں تھے اتارتے ہیں۔ (سورۂ اعراف، آیت ۱۵۷)

(۲) ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک بڑی مراد پائے گا۔ (سورۂ احزاب، آیت ۷۱)

2۔ **الحدیث:** (۱) حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرا حال اور میری امت کا حال اس شخص کی مثل ہے جس نے آگ روشن کی، پس ٹڈیاں اور پروانے اس میں گرنے لگے اور وہ ان کو آگ سے ہٹاتا تھا، سنو! میں تمہاری کمر سے پکڑ کر آگ سے بچانے والا ہوں اور تم میرے ہاتھ سے چھوٹتے ہو اور آگ میں گرنا چاہتے ہو۔ (مسلم)

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ہر ایک نبی کے لیے ایک، ایک دعا تھی۔ وہ دعا مانگتے رہے اور دعا قبول ہوتی رہی۔ میں نے اپنی دعا کو اپنی امت کی شفاعت کی خاطر اور قیامت تک کے لیے محفوظ کر رکھا ہے۔ (بخاری)

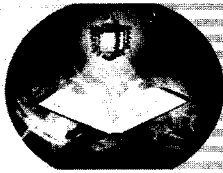
3۔ **الرائے:** (۱) ایسے وقت میں کہ جب انسانیت پر نزع کا عالم طاری تھا دنیا اپنے تمام سازوسامان سمیت ہلاکت کے مہیب وعمیق غار میں گرنے والی تھی۔ عین اس وقت اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی و رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ اس جاں بلب انسانیت کو نئی زندگی بخشیں اور لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ (مولانا ابوالحسن علی ندویؒ)

(۲) اسلام کے ذریعے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس سال کے اندر ہی عربوں کی شدید ترین نفرتوں، انتقامی جذبات، لاقانونیت، عورتوں کی ذلت، سودخوری، شراب خوری اور انسانی قربانیوں سے نجات دلائی۔ پھر اسی مذہب کے ذریعے آسمان کی اس بادشاہت کو انہوں نے عملی طور پر اس زمین پر قائم کر دیا جس کی بشارت بڑے ذوق و شوق سے جناب مسیح نے دی تھی۔ (گبن)

4۔ **الفضائل:** اگر کسی عورت کا خاوند اس پر بہت ظلم کرتا ہو تو وہ عورت نماز عشا کے بعد ترانوے مرتبہ یہ اسم پاک "سیدنا منج" پڑھ لیا کرے اکیس یوم تک بلاناغہ اس پر عمل کرنے سے اس کا خاوند اس پر سختی نہیں کرے گا اور راہ راست پر آجائے گا۔



قیصرہ حیات کی کتاب انوار اسماالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اقتباس



اللہ اور اس کا نور



قرآن پاک سے عشق کی پُرنور داستان ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کے قلم سے

باب ہشتم

قرآن کریم میں حساب کا علم

(30) تکلیف سے اس کو جنا اور اس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ کا چھڑانا تیس ماہ میں ہوتا ہے۔

(40) یہاں تک کہ جب خوب جوان ہوتا اور چالیس برس کو پہنچ جاتا ہے۔ (سورۂ احقاف، (46) آیت 15)

(50) نوح اپنی قوم میں پچاس برس کم ہزار برس رہے۔ (سورۂ عنکبوت (29) آیت 14)

(60) ظہار کا کفارہ 60 روزے لگاتار رکھنا یا 60 محتاجوں کو کھانا کھلانا (سورۂ مجادلہ (58) آیت 4)

(70) پھر ان کو زنجیر میں جکڑو جس کی پیمائش ستر گز ہو۔ (سورۂ حاقہ (69) آیت 32)

(80) مومن عورت پر بدکاری کا الزام لگانے کی سزا اسّی کوڑے۔ (سورۂ نور 24)

(99) حضرت داؤد کے پاس مقدمہ، ایک کے پاس 99 دنبیاں تھیں۔ (سورۂ ص (38) آیت 23)

(100) زنا کار عورت اور زنا کار مرد تو ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو...... (سورۂ نور (24) آیت 2)

(200) اگر تم میں سے بیس آدمی ثابت قدم ہوں تو دو سو کافروں پر غالب ہوں گے۔ (سورۂ انفال (8) آیت 65)

(309) اصحابِ کہف اپنے غار میں 309 سال رہے۔ (سورۂ کہف (18) آیت 22)

(1000) اللہ تعالیٰ کا ایک دن ہمارے 1000 سال کے برابر ہے۔ (سورۂ حج (22) آیت 47) ایک دن ایک ہزار سال (سورۂ سجدہ (32) آیت 5)

(2000) اگر 1000 ثابت قدم ہوں تو

2000 پر بھاری ہوں گے۔(سورۂ انفال (8) آیت 66)

(3000) تین ہزار فرشتے۔(سورۂ آل عمران (3) آیت 124)

(5000) پانچ ہزار فرشتے۔(سورۂ آل عمران (3) آیت 125)

(50,000) عذاب اس روز ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہوگی۔(سورۂ معارج (70) آیت 4)

(100,000) حضرت یونسؑ ہم نے ان کو لاکھ یا اس سے بھی زیادہ لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔(سورۂ صٰفٰت (37) آیت 147)

جمع، تفریق، ضرب اور تقسیم کی امثال۔

ابتدائی گنتی سیکھنے کے بعد ضروری ہے کہ ان کی جمع، تفریق، ضرب اور تقسیم بھی سیکھی جائے۔ ایک بار آپ یہ طریقہ سیکھ لیں تو باقی حساب خود ہی آجاتا ہے جسے یقیناً سیکھنا پڑتا ہے۔ قرآن حکیم میں یہ چاروں طریقے استعمال ہوتے ہیں، جنہیں میں حوالے کے ساتھ پیش کر رہی ہوں۔

جمع: اس کی دو مثالیں ملتی ہیں۔

مثال نمبر 1۔

''اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کی میعاد مقرر کی اور دس راتیں اور ملا کر اسے پورا (چلّہ) کر دیا تو چالیس رات کی مدت پوری ہوگئی۔'' (سورۂ اعراف (7) آیت 142)

مثال نمبر 2:

''جس کو قربانی نہ ملے وہ تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات جب واپس ہو، یہ پورے دس ہوئے۔'' (سورۂ بقرہ (2) آیت 196)

تفریق: اس کی صرف ایک مثال بیان ہوئی ہے۔

''حضرت نوح اپنی قوم میں پچاس برس کم ہزار برس رہے۔'' (سورۂ عنکبوت (29) آیت 14)

حضرت نوحؑ کی عمر معلوم کرنے کے لیے آپ کو ہزار سے پچاس نفی کرنا ہوں گے۔

ضرب میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔

(1) ''اگر تم زکوٰۃ دیتے ہو اور اس سے اللہ کی رضا چاہتے ہو تو یہی لوگ اپنی دولت کو دوچند، سہ چند کرنے والے ہیں۔'' (سورۂ روم 30 آیت 39)

(2) ''دگنا، چوگنا سود مت کھاؤ۔'' (آل عمران 3 آیت 130)

(3) ''اگر نبی کی بیویاں اچھا عمل کریں گی تو... دُگنا ثواب ملے گا اور اگر برا عمل کریں گی تو انہیں دگنی سزا ملے گی۔'' (سورۂ احزاب (33) آیات 31,30)

(4) ''جو نیک کام کرے گا اسے دس گُنا ثواب ملے گا۔'' (سورۂ انعام (6) آیت 160)

مثالیں اور بھی ہیں۔

تقسیم: تقسیم کا عمل اور طریقہ ترکے کے سلسلے میں بتایا گیا ہے اور ہر فرد کا حصہ مقرر کر دیا گیا ہے۔

(1) مرنے والے کی ایک لڑکی ہے تو اسے ترکہ کا دو تہائی ملے گا۔ 2/3

(2) مرنے والے کا ایک لڑکا ہے تو اسے ترکہ کا نصف ملے گا۔ 1/2

(3) ماں، باپ دونوں کا حصہ چھٹا ہوگا (ماں کا بھی اور باپ کا بھی) 1/6+1/6

(4) بیوی کا حصہ 1/8

(5) شوہر کا حصہ 1/4

یہ تمام اور کچھ مزید تفصیل سورۂ نساء (4) میں مل جائے گی۔ وہاں سے پڑھی جاسکتی ہے۔

طاق اور جفت:

سورۂ فجر (89) کی قسم 1۔ اور دس راتوں کی قسم 2۔ اور جفت اور طاق کی 3۔

امید ہے آپ کو یہ تحقیق پسند آئی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک اور سیدھے راستے پر چلنے اور قرآن کے رموز سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

(جاری ہے)

ذکیہ آپا سے پُرعقیدت ملاقات

نزہت اصغر

عزیز قارئین! ماہنامہ پاکیزہ کے حوالے سے بہت سی شخصیات سے ملاقات کا موقع ملا، جن میں ظاہر ہے قارئین اور رائٹرز تو سرِفہرست ہیں ہی، اس کے علاوہ ادب وصحافت کے شعبوں سے تعلق رکھنے والے دیگر افراد بھی شامل ہیں مگر کچھ شخصیات سے ملنا کسی نہ کسی خوشگوار حوالے سے یادرہ جاتا ہے اور دل چاہتا ہے کہ بار، باران کی صحبت میں اٹھا بیٹھا جائے اور خوب باتیں کی جائیں۔ ایسی ہی ایک نہایت قابلِ احترام اور معتبر ہستی ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کی ہے جن سے ماہنامہ دلکش کے اجرا کے زمانے میں بحیثیت ناول نگار اور افسانہ نگار تعارف ہوا۔ پھر ہم نے دلکش کے لیے ذکیہ آپا کا مفصل انٹرویو بھی کیا تھا جس میں انہوں نے اپنی پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے تحقیق کے دوران کے بہت سے حیرت انگیز واقعات بھی بتائے تھے اور پھر انہوں نے قرآن پاک کی کتابت کے بارے میں بھی کئی انوکھے تجربات اور مشاہدات کا بطورِ خاص ذکر کیا تھا۔

آپ سب پاکیزہ بہنیں اکثر و بیشتر ٹیلی فون و خطوط کے ذریعے ذکیہ بلگرامی سے ملنے اور بات کرنے کی خواہش کا اظہار کرتی ہیں کہ ہمیں ان سے دعا کروانی ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ذکیہ آپا نے ایک طویل اور تکلیف دہ بیماری جھیلی مگر اللہ کی مدد سے نہایت تحمل اور برداشت کے ساتھ انہوں نے جو کڑا وقت گزارہ اس میں بلاشبہ ان کے بچوں، عزیز و اقارب، رشتے داروں کی دعاؤں کے ساتھ، ساتھ ان کے چاہنے والوں کی دعائیں بھی شامل رہیں۔ ذکیہ آپا نے آپ سب کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھا ہوا ہے۔

پچھلے کئی دنوں سے عذرا رسول صاحبہ اور میں ذکیہ آپا کی مزاج پرسی کو جانا چاہ رہے تھے اگرچہ ان سے زیادہ دیر بیٹھا نہیں جاتا اور نہ ہی زیادہ بات کی جاتی ہے مگر ہماری آمد کا سن کر وہ بہت نہال ہوئیں اور بڑی گرمجوشی سے ہماری منتظر رہیں۔ ان کے یہ جملے کہ ”آپ لوگ ضرور آئیں مجھے بہت خوشی ہوگی“ ہمارے لیے بہت قیمتی ہیں۔ انہوں نے ہمیں صبح گیارہ ساڑھے گیارہ بجے کا وقت دیا۔ عذرا صاحبہ چونکہ خاص طور پر عیادت کے لیے جانے کے لیے مریض اور ان کے گھر والوں کا آرام اور سہولت کو ضرور مدِنظر رکھتی ہیں اسی لیے ذکیہ آپا سے مناسب وقت اور دن کا پوچھ لیا تھا۔ ذکیہ آپا کا گھر چونکہ عذرا صاحبہ کے گھر کے نزدیک ہی ہے اس لیے وہ حسب عادت مقررہ وقت پر پہنچ گئیں۔ ہم دفتر سے ہو کر ذکیہ آپا کے لیے رسالوں کا تحفہ لے کر پہنچے تو بہت اپنائیت بھرے ماحول میں بے حد خوب صورت باتیں ہو رہی تھیں۔ ذکیہ آپا قرآن پاک کی کتابت کے حوالے سے بہت پُرلطف تجربات کے بیان کے ساتھ حیرت انگیز انکشافات بھی کر رہی تھیں اور ہم ان کی گفتگو کے سحر میں ڈوبتے چلے گئے۔ بناوٹ سے پاک سادہ سے ماحول میں ذکیہ آپا کی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور نہایت تابعدار بہو بسمہ آصف بھی شریکِ گفتگو تھیں پھر انہوں نے کچھ ہی دیر میں پُرتکلف چائے وناشتے کا اہتمام کیا۔ بسمہ ایک تعلیم یافتہ اور مہذب گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں مگر ان کے انداز میں اس قدر سادگی اور متانت ہے کہ کیا بتائیں۔ گفتگو میں ملاحت ونرمی اور ان کے لیے ذکیہ آپا کے محبت اور شفقت بھرے جملے سن کر بہت اچھا لگ رہا تھا۔ یعنی وہ اپنی ماں جیسی ساس کی دستِ راست ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا کہیں۔ اپنے چاہنے والوں کے لیے ذکیہ آپا نے خاص پیغام دیا ہے کہ ”میں کوئی پہنچی ہوئی بزرگ نہیں ہوں، ایک عام انسان ہوں میرے اللہ نے مجھے اس قابل کیا۔“ ہم نے انہیں آپ سب بہنوں کا سلام، پیغام اور دعائیں بھی پہنچائیں اور کئی بہنوں نے ان سے دعا کے لیے کہا تھا تو ان سب کے لیے ذکیہ آپا کا کہنا

تھا کہ بندہ اپنے لیے خود دعا کرے۔ ان کی باتوں کا مفہوم تھا کہ الحمدللہ ہم سب مسلمان ہیں، اپنے اعمال و کردار پر غور کریں کہ کیا چیزیں دعا کی قبولیت کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

قرآن پاک کے احکامات سمجھ کر ہر شخص فلاح پاسکتا ہے۔ قرآن پاک کا حق یہ نہیں کہ اسے اونچی جگہ پر خوب صورت جُزدان میں سجا کر رکھ دیا جائے بلکہ اس میں جو کچھ ہے اسے سمجھیں۔ بے شک آیاتِ قرآنی شفا ہیں تو پھر کیوں انسان بھٹکتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کسی بھی حاجت کے لیے پاک صاف ہو کر دو نفل، نمازِ حاجت کی نیت سے پڑھیں اور اللہ کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے میں اپنے لیے خود دعا کریں۔ ایک جمعرات سے اگلی جمعرات تک کسی ایک حاجت کے لیے قرآن پاک ختم کریں، اگر قرآن باترجمہ پڑھیں تو کیا ہی بات ہے۔ جہاں تک دوسروں کے لیے دعا کی بات ہے تو بندۂ مومن تو پہلے اپنے بھائی کے لیے دعا کرتا ہے پھر اپنے لیے۔ اپنے مرحومین کی دعائے مغفرت بھی دراصل اپنے لیے ہی نیکی کمانا ہے۔



ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی سے عذرا رسول صاحبہ و نزہت اصغر کا اظہارِ عقیدت

باتیں تو بہت ہوئیں کہ پتا ہی نہیں چلا کہ ایک گھنٹا کیسے گزر گیا۔ ذکیہ آپا بے حد خوش تھیں کہ مجھ سے پندرہ منٹ بیٹھا نہیں جاتا کہاں میں اتنی دیر بیٹھ گئی۔ کسی نشست، محفل میں ذکرِ الٰہی ہو اور ایمان افروز گفتگو ہو تو دنیاوی تکلیف یقیناً دور ہو جاتی ہے۔

عذرا صاحبہ، ذکیہ آپا سے قرآن پاک کی کتابت کے حوالے سے مسلسل گفتگو کرتی رہیں۔ زندگی کے دیگر تجربوں اور مشاہدات پر بھی بات ہوئی۔ کہتے ہیں کہ دماغی اپچ ایک جیسی ہو جسے مینٹل اپروچ کہتے ہیں اور بولنے والے اور سامع میں ایک ذہنی ہم آہنگی ہو تو گفتگو کرنے اور سننے کا لطف آجاتا ہے۔ غرضیکہ طبیعت بہت ہی خوش ہوئی اور ایمان کی تازگی کا منفرد احساس ہوا اور اسی احساس سے ہم اپنے قارئین کو بھی روشناس کرانا چاہ رہے تھے تبھی چند سطریں لکھ ڈالیں۔ ہمارے خیال میں ذکیہ آپا کے مداحوں کی کافی تسکین ہوگئی ہوگی۔

اللہ پاک ذکیہ آپا صاحبہ کو صحت و سلامتی سے رکھے اور وہ ایسے ہی ہمیں اپنے ایمان افروز خیالات سے نوازتی رہیں۔ آخر میں ذکیہ آپا نے ہمیں اپنے کتابت شدہ اٹھارھویں قرآن پاک کے نسخے کی زیارت بھی کروائی۔ ہماری تو آنکھیں خیرہ تھیں، اتنی خوب صورت کتابت اور جلد بندی......! سبحان اللہ۔ بہنو! آپ سب دعا کریں کہ ذکیہ آپا اپنا انیسواں قرآن پاک بھی جلد شروع کردیں۔

بہت خوب صورت باتوں، تجربوں اور واقعات کا خزینہ لے کر ہم نے ان سے اجازت چاہی کہ وقتِ ظہر قریب تھا۔ بلاشبہ یہ زندگی کی ایک یادگار نشست تھی۔ اللہ پاک ہم سب کو کامل ایمان کی طاقت اور توفیقِ عملِ مقبول عطا فرمائے، (الٰہی آمین)۔

☆☆☆

۔۔۔۔ پہ کہاں بچیں کہ دل ہے

رفعت سراج

بنی اسرائیل کا سونے کا بچھڑا آج ڈالر، پونڈ، یورو، درہم و دینار کی شکل اختیار کر چکا ہے۔
دل جذبات کا استعارہ ہے مگر اب وہ دل کہاں۔۔۔
سونے کے بچھڑے میں دل بھی سونے کا ہے۔۔۔
دل کو رویا جاتا ہے، جگر کو پیٹا جاتا ہے۔۔۔
کبھی ناقدروں کے حوالے کر دیا جاتا ہے، یاریاں ٹوٹ جاتی ہیں۔
الزام تراشیوں کا ایک طوفان بدتمیزی برپا ہو جاتا ہے۔
دل سے دل کو راہ بھی ہوتی ہے۔۔۔
آج کا انسان یہ راہ سیٹلائٹ کے ذریعے search کرنے کی کوشش کرتا ہے۔
دل اور سونے کا بچھڑا۔۔۔
عبادات، معاملات۔۔۔
جنتِ گم گشتہ کے بے دخل باسیوں کی ازلی کہانی۔۔۔

رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا — جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا
غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے — غمِ عشق گر نہ ہوتا، غمِ روزگار ہوتا
ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا — نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

قسط 14

ماہین تیزی سے آگے بڑھی اور سفینہ کو گلے سے لگالیا اور اس کے رخسار پر بوسہ دیا۔
''سوری...... سفینہ...... شاید میں نے تمہیں ہرٹ کیا ہے...... مگر میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا...... شاید میں کچھ غلط سمجھی۔'' ماہین کے انداز میں، معصومیت اور شرمندگی کا ملا جلا تاثر تھا۔
سفینہ جس انداز میں واش روم میں گئی تھی، ماہین کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اپنے آنسو چھپانے کی کوشش میں وہاں سے گئی ہے۔
وہ ایک شدید قسم کے احساسِ جرم میں مبتلا ہو کر بڑی بے چینی سے سفینہ کے باہر آنے کا انتظار کر رہی تھی۔
اور جب وہ باہر آئی تو اس کی آنکھیں چغلی کھا رہی تھیں کہ وہ بہت روئی ہے۔ ماہین نے بے ساختگی سے گلے لگا کر سوری تو کہہ دیا تھا مگر وہ ایک بحرِ تحیر میں غوطہ زن تھی کہ آخر سفینہ کی یہ کیفیت کیونکر ہوئی؟ بات مذاق سے ہو



کر آنسوؤں تک کیوں پہنچی؟

''اِٹس اوکے.....'' سفینہ نے بہت آہستگی سے ماہین کے بازوؤں کا حلقہ توڑا اور اس کی طرف دیکھے بغیر بیڈ کی طرف بڑھ گئی۔ ماہین اپنی جگہ مجسمے کی طرح اِستادہ تھی...... درحقیقت اسے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی۔

سفینہ بیڈ پر دیوار کی طرف کروٹ کیے لیٹ چکی تھی۔ ماہین کی ہمت نہیں ہورہی تھی کہ پلٹ کر اس کی طرف دیکھے...... حالانکہ دل چاہ رہا تھا کہ سفینہ کے پیچھے پڑجائے اور رونے کی وجہ پوچھے۔

چند لمحات عالمِ سکوت میں رہنے کے بعد وہ سوئچ بورڈ کی طرف بڑھی اور تیز روشنیاں گل کردیں...... اب کمرے میں ہلکی سی روشنی تھی وہ بھی باہر سے کھڑکی کے راستے چھن کر آرہی تھی۔

☆☆☆

تاجور کی حیرت انتہا پر تھی...... زارا بلانے پر بھی ڈائننگ میں نہیں آئی تھی۔ کجا یہ سارا دن مہمانوں کی آمد پر بے پایاں خوشی کا اظہار کرتی نظر آئی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ حیرت پر غصہ غالب آنے لگا تھا۔ یہ تو اعلیٰ درجے کی بداخلاقی اور بدتمیزی تھی۔ چاہے برائے نام کھانا کھاتی مگر مہمانوں کے ساتھ تو بیٹھنا چاہیے تھا۔

''وہ بے بی کا کیا نام ہے؟'' لیڈی صوفیہ اپنے ذہن پر زور ڈالنے لگیں۔

''جی...... زارا...... میرا خیال ہے شاید اس کی کوئی دوست آگئی ہے...... اس کو کمپنی دے رہی ہے۔'' تاجور نے گویا خون کا گھونٹ پیتے ہوئے بات بنانے کی کوشش کی تھی۔ ساتھ ہی اندیشہ مند تھیں کہ کہیں آ بھی نہ جائے۔ سارے ڈنر کا مزہ کرکرا کر کے رکھ دیا تھا۔ لیڈی صوفیہ کی خادمائیں کھانا کھانے میں ان کی مدد کررہی تھیں۔ سوپ تو ان کی خادمہ نے اپنے ہاتھوں سے پلایا تھا۔ وہ بھی بس تین چار چمچ اس کے بعد انہوں نے مزید پینے سے انکار کردیا تھا۔

اتنے پُرتکلف اور پہلی بار گھر میں آنے والے انتہائی اہم مہمان اور وہ تنہا ان کی خاطر مدارات کررہی تھیں۔

پرنس نے سلاد سے اسٹارٹ کیا۔ تاجور کے بے حد اصرار پر تھوڑا سا کُنا پلیٹ میں لے کر آدھے چھلکے سے کھایا تھا۔ انواع واقسام کے کھانے تھے۔ مگر لگتا تھا یہ سب نوکروں کے لیے پکایا گیا ہے۔ تینوں نے اتنی احتیاط سے ڈنر کیا تھا گویا کم کھانے کے مقابلے میں حصہ لے رہے ہوں۔ سویٹ میں لیڈی صوفیہ نے دو چمچ پڈنگ لی تھی، پرنس نے ایک گرم گرم گلاب جامن اور ذرا سی قلفہ آئس کریم لی تھی۔

ڈنر کے دوران خاصی خاموشی رہی تاجور کی کم گوئی کی وجہ ان کا دبا ہوا غصہ تھا...... جو وہ زارا پر نکالنے کے لیے بے تاب تھیں۔

پرنس کی احتیاط کی وجہ سفینہ تھی، لیڈی صاحبہ نے ہر طرح کا تکلف بالائے طاق رکھ کر یوں رشتے کی بات کی تھی گویا مدت سے ان کے درمیان اس ٹاپک پر بات ہوتی چلی آرہی ہو۔

''پتا نہیں مجھے کیوں محسوس ہورہا ہے کہ آپ دونوں کو کھانا پسند نہیں آیا۔ کچھ بھی نہیں لیا آپ نے...... سب ایسے ہی رکھا ہے۔'' تاجور کہے بغیر نہیں رہ سکیں۔

''ارے بھئی کیا مطلب ہے...... آج کے بعد آپ ہمیں کھانے پر نہیں بلائیں گی؟'' لیڈی صوفیہ نے اپنی چمکدار شربتی آنکھیں تاجور کے چہرے پر جمائیں، آنکھوں میں بڑی معصومانہ شرارت جھلک رہی تھی۔

''ہم سے امید بھری باتیں کرنا تاجور...... بچوں کی طرح بہلانے کی کوشش نہ کرنا۔'' وہ مزید گویا ہوئیں...... اعتماد، یقین، امید، لہجہ حسین رنگوں کی بہار کا احساس دے رہا تھا جس میں کمالِ اپنائیت کی شیرینی و حلاوت تھی۔



پرنس کو دادی پر ٹوٹ کر پیار آنے لگا..... درحقیقت آج کی نشست میں تو بات ہی اس کی ہونی چاہیے۔ جو غیر موجود ہونے کے باوجود چاروں اور براجمان تھی۔

''یہ سب تو نصیب کے کھیل ہیں لیڈی صوفیہ..... اگر آسمان پر طے ہو گیا ہے تو زمین پر celebrate بھی ہو گا۔''

''انشاء اللہ.....'' لیڈی صوفیہ نے تاجور کا جملہ مکمل ہوتے ہی برجستہ انشاء اللہ کہا..... انداز ایسا تھا جیسے بچہ ماں کو دیکھ کر ہمکتا ہے.....

تاجور نے یہی بات خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ لیڈی صوفیہ اور پرنس کی ظاہری آرائش میں بہت اہتمام تھا مگر گفتگو میں سادگی اور معصومیت تھی۔ ذرہ برابر تصنع کی رمق نہیں تھی۔

حالانکہ دونوں اپنے ظاہر سے کھلا دھوکا دیتے تھے۔ ملبوسات، لوازمات، خوشبویات..... سب کچھ درجۂ اول کا کہ دیکھنے والے پر رعب و ہیبت طاری ہو جائے۔ صرف ایک نگاہ کے بعد دھاک بیٹھ جائے لیکن جب بات کریں تو انداز ایسا جیسے دریا فطرت کے طے شدہ راستے پر بہتا ہے..... بے حد فطری، بے ساختہ، سادہ اور متحیر کر دینے والی معصومیت.....

تاجور مدتوں سے ایک مخصوص سماجی دائرے میں متحرک تھیں..... لیکن اپنی بچیوں کی معصومیت کے تجربے سے

گزرنے کے بعد آج پہلی بار اندازہ ہوا تھا کہ فطرت جب بے ساختگی سے اپنا اظہار کرتی ہے تو کسی بھی عمر میں معصومیت کا مظاہرہ دیکھا جا سکتا ہے۔

وہ دل کی گہرائیوں سے اپنے مہمانوں کی قدر افزائی کر رہی تھیں۔ بیٹی کی ماں ہونے کے ناتے حد درجہ محتاط ضرور تھیں مگر پرنس کو انہوں نے بہت اپنا، اپنا سا محسوس کیا تھا۔ اعتماد، سادگی اور معصومیت کے علاوہ کوئی اور خیال آ کر نہیں دیا تھا۔

پرنس جیسے جواں مرد کو تو کوئی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا...... ان کی بیٹی کے لیے تو باقاعدہ پیام دیا گیا تھا...... اتنے بڑے شہر میں اچانک ہی امتیاز سے سرفراز ہو گئی تھیں۔

''تاجور formalities میں ٹائم ضائع نہیں ہونا چاہیے۔ وقت سے زیادہ قیمتی کچھ نہیں...... اب یہ دیکھیے میں ninety years کی ہو رہی ہوں...... جب دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آئے گا تو فرشتے ایک سیکنڈ بونس میں نہیں دیں گے۔''

اپنی بات کے اختتام پر لیڈی صوفیہ نے چھوٹا سا قہقہہ لگانے کی کوشش کی مگر اچھو لگ گیا...... خادمہ نے جلدی سے پانی کا گلاس اٹھا کر پیش کیا۔

پرنس جو لیڈی صوفیہ کی باتوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا بہت مسرور نظر آ رہا تھا، لیڈی صوفیہ کی کھانسی سے فکر مند ہو کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

دو گھونٹ پانی پی کر وہ نارمل ہو گئیں۔

"are you ok grand mom?" پرنس نے چیئر دھکیل کر تیزی سے لیڈی صوفیہ کے قریب آ کر سوال کیا۔ انہوں نے نم آنکھوں سے پرنس کی طرف دیکھا۔

"don't bother darling" (پریشان مت ہو بیٹا) تاجور اپنائیت کا فطری مظاہرہ دیکھ کر مبہوت ہو گئیں...... اور لطف اندوز ہوئیں، ڈنر کے بعد وہ ڈرائنگ روم میں کافی ٹیبل کے اردگرد آ کر بیٹھ گئے۔ اب لیڈی صوفیہ کی خادمائیں ڈنر کر رہی تھیں۔

تاجور کا ذہن گھوم پھر کر زارا میں جا اٹکتا تھا۔ آج جو حرکت زارا نے کی تھی، ان کے حساب سے وہ معاف کرنے کے قابل نہیں تھی۔

کافی پینے کے دس منٹ بعد لیڈی صوفیہ اور پرنس اپنے گھر کے لیے روانہ ہو گئے تھے...... پرنس نے ایک نگاہ لاشعوری طور پر ہی سہی زارا کی تلاش میں ضرور دوڑائی تھی۔ والہانہ استقبال کرنے والی لڑکی اچانک کہاں غائب ہو گئی تھی۔

☆☆☆

''my dreams, my wishes پرنس کسی کا بھی ہو...... سفینہ کو فرق نہیں پڑتا مگر مجھے پڑتا ہے۔'' اسے مسلسل ایک کڑھن لاحق ہو چکی تھی۔ زارا ڈارک گرے چم، چم کرتا شب خوابی کا لبادہ پہن کر اپنے دُکھتے سر میں تیل کا مساج کر رہی تھی کہ دروازے پر کسی نے زوردار انداز میں دستک دی۔ وہ اپنے دھیان سے چونک پڑی تھی۔

اس نے اپنے تیل سے چمکتی ہتھیلیوں کی طرف دیکھا۔ دروازہ مقفل تھا۔ کون کہنے سے بات نہیں بنانا تھی، اٹھ کر کھولنا تھا۔ وہ بادلِ ناخواستہ اپنی جگہ سے اٹھی اور دروازے کی طرف بڑھی۔ منتشر و مایوس ذہن میں ابھی کسی نئے خیال و اندیشے نے جگہ نہیں بنائی تھی۔ تاجور کے ردِعمل کی طرف تو اس کا دھیان بھی نہیں گیا تھا ابھی تو وہ حسرتوں کا

ماتم کرنے سے بھی فارغ نہیں ہوئی تھی۔

دروازہ کھولا اور کوفت بھری نگاہیں اٹھا کر سامنے دیکھا۔ تاثرات سرعت سے تبدیل ہو گئے۔ تاجور کڑے تیور سے اس کی طرف گھور رہی تھیں۔

زارا کو ان کی نگاہیں پڑھنے میں دیر نہیں لگی فوراً اپنی کارگزاری ذہن میں گھوم گئی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟ کہاں تو کل سے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا، کہاں ایک دم سے غائب ہو گئیں...... گیسٹ کیا سوچ رہے ہوں گے۔ وجہ بتانا ہوگی...... اس سے زیادہ مجھ سے برداشت نہیں ہوگا۔'' تاجور ایک دم پھٹ پڑی تھیں۔

''اماں...... پتا نہیں اچانک میرے سر میں شدید درد شروع ہو گیا۔ یہ دیکھیں میں oiling کر رہی ہوں۔'' اس نے ثبوت کے طور پر اپنے سر کی طرف اشارہ بھی کیا اور ہاتھ پھیلا کر بھی دکھا دیے۔

تاجور نے چونک کر گہری نظر سے اس کے چہرے پر نگاہ کی۔

''دوا لے لیتیں...... کم از کم مجھے بتاتی تو سہی تم...... جتنی دیر گیسٹ رہے میرا خون کھولتا رہا...... اگر تم ان کے سامنے نہ آئی ہوتیں تب بھی برا نہیں لگتا، ان کے ساتھ بیٹھیں...... باتیں کیں اور اچانک غائب ہو گئیں۔ میں لیڈی صوفیہ کے پاس سے اٹھ کر تمہارے پاس نہیں آسکتی تھی۔ اس لیے کہ مجھے تم سے ہمیشہ کسی حماقت ہی کی توقع رہی ہے، میں نے سوچا پتا نہیں کیا بات ہے...... میرا موڈ خراب ہو گیا تو مہمانوں کو فیس کرنا مشکل لگے گا۔ ذرا سا سر میں درد تھا۔ تم نے سارا ماحول خراب کر دیا۔ لیڈی صاحبہ نے کئی مرتبہ تمہارا پوچھا'' تاجور سر درد کا سن کر قدرے دھیمی ضرور پڑ گئی تھیں مگر لہجہ ہنوز تیکھا تھا۔

''اماں...... سر میں درد ہو تو مسکرایا نہیں جاتا...... اور منہ لٹکا کر مہمانوں کے سامنے بیٹھنا اچھا نہیں لگتا۔'' زارا نے بولتے ہوئے رخ موڑ لیا۔ طبیعت بوجھل تھی، تاجور سے سوال جواب مزید بوجھ بڑھا رہے تھے تاہم پھر بھی اس نے بڑے تحمل سے ماں کو جواب دیا۔

''اب اور آج وہ ہمارے لیے وہ بہت خاص ہو چکے ہیں۔ انہوں نے پہلی ملاقات میں ہی سفینہ کو پرپوز کر دیا ہے۔ پرپوزل اتنا اچھا ہے کہ اس پر غور کرنا پڑے گا۔ سفینہ سے بات کرنا پڑے گی۔ اس لیے اب تم یہ بات اپنے ذہن میں بٹھا لو کہ وہ جب بھی ہمارے گھر آئیں گے انہیں اسپیشل انٹرٹین کرنا ہے۔'' تاجور نے تاکید کے ضمن میں انگلی اٹھا کر کہا۔

اور وہی قصہ انجانے میں چھیڑ بیٹھی تھیں جس کی وجہ سے زارا کے اعصاب شل کر رہ گئے تھے۔

نہ صرف یہ کہ وہ لیڈی صوفیہ صاحبہ اور پرنس کی اہمیت کا احساس دلا رہی تھیں، اپنی سوچ بھی منتقل کر رہی تھیں...... زارا نے کھڑے، کھڑے اندازہ نہیں کیا بلکہ یقین کر لیا کہ تاجور دل و جان سے اس پرپوزل کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں، وہ اندر سے بوسیدہ کاغذ کی طرح چُرمر ہو کر رہ گئی۔

تاجور اس کے رخ پھیرنے کو اپنے غصے کا ردعمل سمجھ رہی تھیں۔ درحقیقت وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں کہ وہ...... بے خبری میں اسے الٹی چھری سے ذبح کر رہی ہیں۔

اس کی بیان کردہ وضاحت کے بعد مزید لعن طعن کرنا انہیں خود بھی اچھا نہیں لگا فوراً ہی دروازے سے واپس پلٹ گئی تھیں۔ ان کے جاتے ہی زارا نے دروازہ دوبارہ بند کر کے مقفل کر دیا۔

''سنا ہے لوگ برباد بھی ہوتے ہیں...... مگر اس طرح کھڑے، کھڑے کون برباد ہوتا ہے۔'' اس کی ذہنی کیفیت ایسی بچے کی طرح تھی جو بازار میں ماں کو پکڑ، پکڑ کر کھینچ رہا ہو اور پسندیدہ کھلونے کی طرف اشارہ کر رہا ہو...... کہ یہی لینا ہے اور وہ کھلونا ماں کی دسترس سے باہر ہو...... تمام تر ضد، ہنگامے کے باوجود کھلونا ملنے کے

امکانات معدوم ہوں۔

☆☆☆

لیڈی صاحبہ اوّل تو تقریبات میں جانے سے ہی گریز کرتی تھیں۔ کبھی جانا پڑ جاتا تھا تو گھر پہنچتے، پہنچتے اتنی نڈھال ہوجاتی تھیں کہ خادمائیں انہیں تھام کر سیدھا بیڈروم کا رخ کرتی تھیں۔ ناتوانی کے باعث اشارے سے پرنس کو شب بخیر کہتی تھیں۔ انہیں سونے سے پہلے کچھ میڈیسن بھی لینا ہوتی تھیں اس لحاظ سے بھی وقت کا ادراک کرنا ہوتا تھا۔ گزشتہ دس، پندرہ سال میں کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ کسی ڈنر کی واپسی کے بعد دونوں دادی، پوتا کچھ دیر کے لیے ساتھ بیٹھے ہوں۔

اعصابی کمزوری اس درجہ پر پہنچ چکی تھی کہ جب تھکاوٹ ہر مصلحت سے ماورا ہوجاتی ہے اور اپنی جان ہی کی فکر پڑجاتی ہے۔

البتہ پرنس کے احساسات بہت لطیف وخوشگوار تھے...... سامنے بڑے روشن امکانات تھے۔ وہ اندازوں سے کھیل رہا تھا۔

تاجور سفینہ کو بتائیں گی...... وہ شاید حیران ہوکر سنے گی، اس کے بارے میں مختلف انداز سے سوچے گی۔

اور جب وہ اس کے بارے میں سوچے گی تو اسے پتا چل جائے گا...... وہ سونے سے پہلے اپنے دل کی طرف متوجہ ہوگا...... اس کا دل اسے بالکل درست اطلاع دے گا۔ دھڑکنیں یا تو طربیہ گیت چھیڑیں گی یا سمٹ کر سکڑ کر خدشہ ظاہر کریں گی...... وہ گھر میں چلتے پھرتے سفینہ کے خیالات موصول کرلے گا اس کی طاقتور گہری خاموشی، خیالات کی ترسیل کو کافی ہوتی تھی اسے متعلقہ فرد یا شخص سے دوبدو گفتگو کی خواہش نہیں رہتی تھی۔

مراقبے کی مشق کرتے ہوئے ایک طویل عرصہ ہوگیا تھا اور وہ اس انکشاف سے گزر چکا تھا کہ خاموشی بہت مؤثر کلام ہوتی ہے۔

اس کے دل کی کیفیات اسے یقین دلا رہی تھیں کہ ابھی ماں، بیٹی کا رابطہ نہیں ہوا۔

اس نے لان میں سفید مرمری سنگی نشست پر بیٹھ کر تاجور کی طرف توجہ کی دل کی کیفیت میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا...... ایک جامد سناٹا محسوس ہوا...... ''شاید وہ گرینڈ مام کی طرح تھک کر سوچکی ہیں۔'' اس کا ذہن سفینہ کی طرف متوجہ ہوا...... اسے طبیعت میں بوجھ محسوس ہوا یوں جیسے کسی نے محبوب کا خط چپکے سے تھما کر کہا ہو کہ اس نامے میں بڑی مجبوریوں کی وضاحتیں ہیں...... پڑھنے سے پہلے ہی جدائی کا ماتم ہو...... عشق کے سفر میں کبھی ندی چڑھ جاتی ہے۔ کبھی پاؤں میں مہندی لگ جاتی ہے۔

☆......☆

انسان کی نفسیات کی کچھ بنیادی خصوصیات ہیں...... پرانے زمانے میں صدری علوم (سینہ در سینہ چلنے والے علوم) کے ذریعے ایک بات واضح کی گئی اور اسے محاورے کی صورت میں بیان کیا گیا کہ آگ اور پھونس اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

فطرت نے ہر شے کو دو رُخوں میں تخلیق کیا اور دونوں رخوں کو باہمی کشش کے قانون کا پابند کردیا۔

پھر اس کے لیے بھی قوانین وضع کیے...... اخلاقیات کا شعور اور فطری پابندیوں کے فضائل وفوائد سے آشنائی دی۔

پرنس مردانہ وجاہت، بہترین اخلاقیات جس میں عورت کی عزت کرنا، صبر وبرداشت، نعمتوں کی کثرت کے باوجود سادگی ومعصومیت، انسانی ہمدردی، اپنی ذات سے فائدہ پہنچانے کی دلی آمادگی...... روحانی مسرت سے چمکتی آنکھیں...... جس طرف دیکھتا تھا مبہوت کردیتا تھا۔

زارا جیسی لڑکیاں جو خواہش و نفس سے مغلوب رہتی ہیں۔ وہ جنسِ مخالف کی پُرقوت کشش کے سامنے چاروں شانے چت ہو جاتی ہیں۔ اور اپنی اس مغلوبیت کو عشق و محبت کا نام دیتی ہیں۔ درحقیقت وہ اپنی ذات کا ایمانداری سے محاسبہ کرنے کے لائق بھی نہیں ہوتی ہیں۔

نفس کے حیوانی تقاضوں کو عشق و محبت کے اعلیٰ صفاتی ناموں سے موسوم کر کے اپنی بپھری ہوئی خواہشات کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ نفسِ حیوانی جنت سے بے دخلی کا باعث بنا اور قیامت تک کے لیے نفس و روح کی کشمکش کا آغاز ہو گیا۔

خیال کی اڑان کو روکنا ایسا ہی ہے جیسے اڑتے ہوئے پرندے کے پر باندھنا...... مگر سماجی رویے جگہ، جگہ پر باندھنے کی کوشش سے باز نہیں آتے۔ خواہش مٹتی ہے، نہ خیال کو جکڑا جا سکتا ہے۔

نمود و نمائش کی عجلت و بے قراری انا، حسد، خود پرستی، خود غرضی یہ روح کی وہ بیماریاں ہیں جو مرتبے میں نتیجے میں کینسر سے کسی بھی طرح کم نہیں۔ بیماری و صحت کا فرق ایسے ہی ہے جیسے روشنی و اندھیرے کا فرق...... ان روحانی بیماریوں کے ہوتے کسی خیر کی توقع کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی دیوانے کو عنانِ حکومت تھما دینا۔

ان روحانی بیماریوں کے ہوتے ہوئے ذہانت کبھی فراست میں تبدیل نہیں ہو سکتی۔ ذہانت تو شیطان کو بھی عطا کی گئی۔ فراست مؤدب روح کا طرۂ امتیاز و شوکت ہے۔ روحانی بیماریوں کی وجہ سے انسانوں کا جمِ غفیر سسکتی ہوئی زندگی گزار رہا ہے۔ ہر دوسرا انسان تقدیر کا گلہ کرتا نظر آتا ہے۔

روحانی بیماریوں کی وجہ سے انسان اپنے دماغ کا سب سے قیمتی اور بہترین حصہ استعمال کرنے سے قاصر رہتا ہے اور اسی وجہ سے فطرت کی پُرخلوص رہنمائی سے محروم رہتا ہے...... شیطانی ذہانت کو استعمال کرتے ہوئے فخر

محسوس کرتا ہے...... رعونت واحساسِ برتری کے خوفناک بوجھ سے بوجھل رہتا ہے، انتشار کی سیاست کھیلتا ہے۔ غلط فیصلے کرتا ہے۔ پتھر بیچ کر ہیرے کا منافع چاہتا ہے۔

زارا بند ذہن کے ساتھ صرف اور صرف اپنی خواہشات کی طرف متوجہ رہتی تھی۔ اسے آج کے بعد صرف اور صرف یہ سوچنا تھا کہ پرنس کو ہر صورت اس کا ہونا چاہیے۔ اگر یہ ممکن نہیں تو سفینہ کے ساتھ بھی نظر نہیں آنا چاہیے...... اس نے اپنے طور پر پرنس کے گھر جانے کا فیصلہ کرلیا۔

بوڑھی دادی سے دوستی کر کے وہ اس گھر میں جب مرضی جاسکتی تھی اور انہیں یقین دلاسکتی تھی کہ وہ سفینہ سے لاکھ درجہ بہتر ہے۔

☆☆☆

تاجور نے آفس پہنچ کر پُرسکون لمحات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سب سے پہلے سفینہ کو فون ملایا۔ حالانکہ گمان غالب تھا کہ وہ کلاس لے رہی ہوگی...... مگر دل مچل رہا تھا کہ بیٹی کو وہ خبر پہنچائیں جس نے رات سے انہیں خوشگوار حیرت میں مبتلا کیا ہوا تھا۔

اور اس وقت پھر خوشگواریت کا سامنا تھا، سفینہ نے کال وصول کرلی تھی۔

''السلام علیکم اماں......'' اس کی مترنم آواز سماعت سے ٹکرائی لہجہ محتاط تھا۔

''وعلیکم السلام بیٹا...... یونہی ایک دم خیال آیا اور میں نے تمہیں ڈائل کردیا اور فون ملاتے ہی پہلا خیال آیا کہ اس وقت تو تم کلاس میں ہوگی۔ کیا کلاس چھوڑ کر باہر آئی ہو......؟'' بیٹی کی آواز نے احساسات سُبک کردیے۔

''پہلا پیریڈ ختم ہوا ہے اماں...... ابھی بریک ہے۔ خیریت ہے ناں، آج تو آپ نے صبح صبح فون کیا؟'' سفینہ کے لہجے میں تجسس نمایاں تھا۔

''اللہ کا شکر ہے۔ رات لیڈی صاحبہ اور پرنس کے ساتھ ملاقات بہت اچھی لگی...... آج کے زمانے میں تو دونوں دادی، پوتا...... عجوبہ ہی ہیں......'' وہ دھیرے سے ہنسیں۔

''جی......؟'' سفینہ کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں...... کوئی منفی خیال تو نہیں آیا کیونکہ تاجور بہت خوشگوار موڈ میں بات کررہی تھیں۔ مگر لفظ ''عجوبہ'' نے مغالطے میں ڈال دیا۔ وہ متحیر سی تھی۔

''اتنے سادہ اور معصوم یقین نہیں آرہا کہ یہ اسی دنیا کے باسی ہیں، صاف...... سیدھی باتیں کرتے ہیں...... میری حیرت کی انتہا نہیں ہے...... ابھی تک حیران ہوں کہ لیڈی صوفیہ نے تمام تکلفات ایک طرف کرتے ہوئے پرنس کے لیے تمہیں پروپوز کردیا۔'' سیل فون سفینہ کے ہاتھ سے پھسلتے، پھسلتے بچ گیا...... وہ گنگ رہ گئی کوئی برجستہ بے ساختہ لفظ بھی منہ سے نہیں نکل سکا۔

''ہیلو، ہیلو...... سفینہ میری آواز آرہی ہے؟'' تاجور اس کی خاموشی پر چونک کر ہیلو، ہیلو کرنے لگیں گمان ہوا کہ شاید رابطہ منقطع ہوگیا ہے۔

''جی اماں...... سن رہی ہوں۔'' بہ مشکل یہ چند الفاظ ادا ہوئے۔

''ہاں تو میں تمہیں بتارہی تھی کہ وہ لوگ تمہیں پروپوز کرچکے ہیں۔ اب تم ویک اینڈ پر آجاؤ تو آرام سے بیٹھ کر ڈسکس کرتے ہیں۔ میں آج ہی تمہاری کراچی کے لیے سیٹ کنفرم کرادیتی ہوں۔''

تاجور کے لہجے سے محسوس ہورہا تھا کہ وہ بہت خوش اور مطمئن ہیں۔

سفینہ کا سکتہ ضرور ٹوٹا تھا مگر ذہن سیلاب کے پانی کی طرح اِدھر اُدھر دوڑ رہا تھا...... حیرت نے فوری ردِعمل کی صلاحیت سلب کی ہوئی تھی۔

''ہیلو......سفینہ......'' وہ پھر رابطہ ٹوٹنے کے خیال سے اندیشہ مند ہوئیں۔

''جی اماں سن رہی ہوں......'' سفینہ نے گویا حلق میں پھنسی گٹھلی نیچے اتاری۔

''بس......اب تم بھی کلاس لینے چلی جاؤ گی اور میرا اسٹم بھی آن ہو چکا ہے......کئی میلز آئی ہوئی ہیں بعد میں تم سے بات کروں گی۔'' تاجور نے لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نظر جما کر اب ذرا بدلے ہوئے لہجے میں بات کی۔ فرائضِ منصبی نے ذہن کا رخ موڑ دیا تھا۔

''اوکے اماں......'' سفینہ نے روبوٹ کے انداز میں کہا تھا۔ درحقیقت خلافِ توقع خبر کے بعد انسانی دماغ کا فطری نظام وقتی طور پر معلق ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

ماہین، سفینہ کو تلاش کرتی ہوئی بالآخر لائبریری پہنچ گئی۔ کیونکہ وہ تمام جگہیں جہاں سفینہ کی موجودگی کا امکان ہو سکتا تھا وہ دیکھ چکی تھی۔

لائبریری میں زیادہ رش نہیں تھا، دو تین ٹیبل پر کچھ اسٹوڈنٹس بیٹھے نظر آئے مگر ان میں بھی سفینہ نہیں تھی۔ ایک پریشانی کی کیفیت نے اسے اب اپنے حصار میں لے لیا......رات کو اس کا بدلہ ہوا رویہ، اترا ہوا چہرہ اور سرد لہجہ دیکھنے کے بعد اسے ایک پل چین نہیں تھا۔ صبح کی افراتفری میں اسے سفینہ سے دو پل سکون سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ کلاس میں بھی نشست آگے پیچھے ملی تھی۔ پیریڈ ختم ہونے کے بعد وہ جانے کیسے آنکھ بچا کر نکل گئی تھی۔ ماہین کو خواہ مخواہ محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس سے خفا ہے۔ بے چینی کی وجہ یہی احساس تھا۔

پھر یک دم اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں......سفینہ کتاب تلاش کرتی نظر آ گئی۔ ماہین گویا چھلانگیں مارتی اس تک پہنچی تھی۔

''ناراض ہو؟'' اس نے اسٹوڈنٹس کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

''کس خوشی میں......؟'' سفینہ کی فطری مسکراہٹ نے ماہین کو ایک زور کا جھٹکا لگایا۔ وہ اپنے سادہ اور خوش اخلاق لہجے میں بہت آہستہ سے پوچھ رہی تھی۔

''صبح سے لفٹ ہی نہیں کرا رہی ہو......میں سمجھی......''

''اچھا سمجھا کرو......برا سوچنے سے کچھ نہیں ملتا......'' سفینہ نے شوخ انداز میں سرگوشی کی تو ماہین کو مارے حیرت کے جیسے چکر آنے لگے۔

''تم خیریت سے تو ہو ناں......؟'' ماہین بدقّت گویا ہوئی تھی۔

''لائبریری میں کھڑی ہوئی ہوں......غور سے دیکھو......یہ کلینک نہیں ہے۔'' سفینہ مطلوبہ کتاب لے کر لائبریرین کی طرف بڑھ گئی جو بڑے کڑے تیور کے ساتھ دونوں کو گھور رہی تھی غالباً وہ بے دھیانی میں شاید کچھ اونچا بول رہی تھیں۔ سفینہ اس کی نظروں سے قدرے گڑبڑا گئی۔ جبکہ ماہین نے ڈھٹائی سے نظروں کا رخ موڑ لیا تھا۔ اور بڑی پھرتی سے باہر نکل گئی۔ اور باہر نکل کر ایک طرف کھڑی ہو کر سفینہ کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگی۔

سفینہ کو باہر آنے میں چند منٹ لگ گئے تھے۔ وہ بھی بڑی عجلت کے انداز میں باہر آئی تھی، اسے یقین تھا کہ ماہین انتظار کر رہی ہوگی۔ ماہین کے قریب سے سیدھی گزری تو ماہین کو شرارت سوجھی۔

''ہاؤ......'' اس نے سفینہ کو جیسے ڈرانے کے بجائے چونکایا۔

سفینہ نے اپنے پہلو میں دیکھا اور ماہین کی طرف دیکھ کر مسکرا دی۔

''یہ بچوں والی حرکتیں چھوڑو......آخر کب بڑی ہوگی؟'' اس نے کتاب ماہین کے کندھے پر رکھ کر دباؤ

ڈالتے ہوئے نصیحتیں کیں۔

"مجھے نہیں بننا تم جیسا...... ہم "کنٹراسٹ" میں ایسے ہی ٹھیک ہیں...بوڑھی روح......" اس نے بھی سفینہ کے بازو میں چٹکی کاٹ کر بدلہ لے لیا۔

"اُف......!" سفینہ نے بازو سہلایا۔

"تھینک گاڈ...... تمہارا موڈ تو ٹھیک ہوا...... اب تمہاری فوٹو پہلے والی ہے۔" سفینہ کی حسین دلفریب مسکراہٹ نے جیسے ماہین کو ہلکا پھلکا کر دیا تھا۔

"میرے موڈ کو کیا ہوا تھا...... میں تو ٹھیک تھی...... بس تم یونہی اندازے لگاتی رہا کرو...... فضول لڑکی......" سفینہ نے خوشگوار موڈ میں چھیڑ چھاڑ کی تو ماہین کو یقین آ گیا کہ اس کے اپنے خیالات واقعی مفروضوں پر مبنی تھے۔ سفینہ کو کوئی مسئلہ نہیں دونوں وسیع احاطے سے گزر کر کاریڈور کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

سفینہ نے کن انکھیوں سے ماہین کی طرف دیکھا۔

"ماہین کو دھماکا خیز خبر سناؤں یا ابھی رہنے دوں......" وہ متذبذب ہو کر سوچ رہی تھی۔ حالانکہ خبر ایسی تھی جو ہمیشہ ہم جولی کے ساتھ سب سے پہلے بانٹی جاتی ہے۔

مگر خطرہ یہ تھا کہ ماہین مفروضوں پر اتنا تنگ کرتی تھی خبر ملنے کے بعد تو اس نے ناطقہ بند کر دینا تھا۔

اور پھر ابھی بات نامکمل تھی...... تاجور تو اسے کراچی بلا رہی تھیں...... آمنے سامنے بیٹھ کر نہ جانے کیا باتیں ہونا تھیں...... وہ فون پر تو اسی طرح ظاہر کر رہی تھیں گویا اب جو بات بھی ہے وہ فون پر نہیں سامنے بیٹھ کر ہی ہوگی۔

"اللہ جانے وہ کیا بات ہے...... جو اماں فون پر کر کے ایک side نہیں ہونا چاہ رہیں۔"

"افوہ...... اب کیا ہوا......؟ کہاں پہنچی ہوئی ہو؟" موڑ پر مڑتے ہوئے ماہین نے ٹہوکا دیا...... جیسے اس کی خاموشی سے چڑ گئی ہو۔

"پیریڈ شروع ہونے والا ہے۔ کوئی خاص تیاری نہیں مجھے تو ٹینشن شروع ہو گئی ہے۔"

"کتنا شوق ہے تمہیں ٹینس رہنے کا...... شکر ہے خدا کا...... ٹینشن، مال میں نہیں سیل ہوتی ورنہ تم تو فوراً خرید کر لے آتیں۔" ماہین نے مصنوعی خفگی سے گھورا۔

"تمہیں بخاری صاحب کا پتا ہے ناں...... کیسے کامپلیمنٹس پاس کر دیتے ہیں۔ آسرا ہی نہیں کرتے۔"

"ہر روز کسی نہ کسی کی باری آ جاتی ہے۔ تم اکیلی نہیں ہو......" ماہین نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔

"تم تو ایک نمبر کی ڈھیٹ ہو......" سفینہ نے ماہین کا بازو پکڑ کر زور سے ہلایا۔ سامنے سر بخاری کلاس میں جاتے دکھائی دیے۔ ساری شوخیاں دھری کی دھری رہ گئیں۔ دونوں نے جیسے دوڑ لگائی تھی۔ کیا باتیں کر رہی تھیں کچھ یاد نہیں رہا۔

☆☆☆

اسٹوڈیو میں بہت مدھر موسیقی کا سحر طاری تھا۔

وہ بلائنڈز جو صبح کے نوخیز اجالے کا استقبال کرنے کے لیے سمیٹ دیے جاتے تھے آج پھیلے ہوئے تھے۔

پرنس قیمتی، پُرشکوہ آرام دہ کرسی پر دھیرے، دھیرے ہلکورے لے رہا تھا۔ ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

اس کی توجہ سفینہ کے دل پر تھی...... اور اپنے دل کی دھڑکنوں کو دوسری طرف کے خوشگوار احساسات سے مطلع کیا...... وہ اس وقت روحانی مسرت سے دوچار تھا...... رات والا بوجھل پن طبیعت پر نہیں تھا۔

انسانی احساسات بھی کیا کرامات دکھاتے ہیں...... مایوس، ناامید، انسان کوئی غیر متوقع خوش خبری سن کر لمحوں میں پچھلی کیفیات سے نکل جاتا ہے۔

اور بعض اوقات خوشی کی انتہا پر حادثات پیش آتے ہیں...... اور کیفیت میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے جو اکثر طویل عرصے تک قائم رہتی ہے۔

وہ تو کچھ ضروری کام نپٹائے اسٹوڈیو میں داخل ہوا تھا کہ اندر داخل ہوتے ہی یوں محسوس ہوا جیسے کوئی وزن اٹھایا ہوا تھا جو وہ اسٹوڈیو کے دروازے سے باہر رکھ کر اندر داخل ہوا تھا۔

بس یونہی...... بغیر کسی خیال پر مرتکز ہوئے اسے اپنی روح بے حد ہلکی پھلکی محسوس ہوئی۔ وہ اپنی کیفیت پر چونکا نہیں بس پُر مسرت احساس سے کھل اٹھا تھا...... گنگنانے کو جی چاہا...... اور دل سے سفینہ کے تصور میں ڈوب جانے کو جی چاہا...... اس نے نصرت فتح علی کی آواز میں گایا ہوا بلھے شاہ کا کلام منتخب کیا۔

تازہ پھول روزانہ اسٹوڈیو میں کرسٹل کے گلدانوں میں سجا دیے جاتے تھے۔ جب وہ اسٹوڈیو میں داخل ہوتا تو ایک دلنواز سحر انگیز خوشبو اس کے استقبال کو موجود ہوتی تھی۔

جے تو رب نوں منانا\
پہلوں یار نوں منا\
رب من جاندا اے\
یار نوں منانا او کھا اے

(اگر تو رب کو منانا چاہتا ہے تو پہلے محبوب کو منا، رب مان جاتا ہے لیکن روٹھے محبوب کو منانا بہت مشکل ہے۔)

پتا نہیں کیوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ خفا ہے، کوئی شکایت ہے...... مگر اچانک سے محسوس ہوا کہ وہ کچھ سوچ رہی ہے اس کا حال اچھا ہے۔ خوش ہے، خوشی کی انتہا پر بے یقینی کی کیفیت بھی بھرپور قوت سے حملہ آور ہوتی ہے۔

''یونہی کہیں میرا دل مجھے دھوکا تو نہیں دے رہا؟''

عین اسی لمحے لیڈی صوفیہ کی نازک، کمزور مگر مترنم آواز سماعت سے ٹکرائی۔

"when you do things from your soul,you feel a river moving in you and you feel joy." (جب کچھ بھی آپ اپنی روح کی مکمل آمادگی کے ساتھ کرتے ہیں تو اپنے اندر ایک دریا کو بہتا ہوا محسوس کرتے ہیں...... مسرت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ جلال الدین رومی)...... "what a poetry

what a fantasy" رومی کا حسین خیال بانٹنے کے بعد وہ اب بے ساختگی سے شاعری کی تعریف کر رہی تھیں۔

پرنس صرف سنبھلا ہی نہیں پھرتی سے اٹھ کھڑا بھی ہو گیا۔

''آپ کس وقت آگئیں مجھے پتا ہی نہیں چلا......'' وہ لیڈی صوفیہ کو بے ساختگی سے اپنے مضبوط بازو کے حصار میں لیتے ہوئے بہت پیار سے گویا ہوا۔

''میوزک کی وجہ سے شاید تمہیں ڈور کھلنے کا پتا نہیں چلا۔'' وہ بھی محبت سے لبریز شیریں لہجے میں گویا ہوئیں۔ ''تم مسکرا رہے تھے...... اور میں اللہ کی حسین مصوری سے لطف اندوز ہو رہی تھی...... اپنے خیال میں کھوئے بہت اچھے لگ رہے تھے۔ اور مجھے ایک دم سے رومی یاد آ گیا۔ روحانی مسرت ایک خزانہ ہے...... الحمد للہ کہ تمہیں میسر آیا......

ویسے تو جب تم پر نظر پڑتی ہے ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ کہنا کبھی نہیں بھولتی...... اکثر لوگوں کو میں ولا قوۃ الا باللہ کہتے سنتی ہوں مگر سورۂ کہف میں ایسے ہی ہے۔ ہماری سوسائٹی میں لوگ کتنی گاسپ کرتے ہیں...... اور اس الہامی کتاب کو وقت نہیں دیتے...... اس لیے مسلم اتنا suffer کر رہا ہے۔'' وہ اپنے مخصوص انداز میں بہتی ہوئی اس کنارے

سے اس کنارے پہنچ گئیں۔

''میں نے کبھی آپ کا کوئی آرڈر اَوائڈ نہیں کیا گرینڈ مام......''

''میں نے تمہیں کبھی آرڈر دیا ہی نہیں......'' لیڈی صوفیہ نے پرنس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر پیشانی پر پیار بھرا بوسہ ثبت کیا۔

''ہم جن سے محبت کرتے ہیں، وہ ہم پر حکومت کرتے ہیں......اور ہم خود انہیں اجازت دیتے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ دھیرے سے ہنسیں۔

''سفینہ کو یاد کر رہے تھے۔ بہت اچھی مصروفیت مل گئی ہے تمہیں۔'' لیڈی صوفیہ نے گہرے راز دار دوست کے انداز میں پوتے سے چھیڑ چھاڑ کی۔

''نہیں بس......ایسے ہی......'' پرنس نے شریر انداز میں نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر کوئی بہانہ بنانے کی کوشش کی۔

''چلو گرینڈ مام سے کبھی کبھی جھوٹ بولنے میں کوئی حرج نہیں......مگر اپنے آپ سے جھوٹ کبھی نہ بولنا......کیونکہ ......یہ جھوٹ ایک وائرل ہے......وبائی بیماری ہے۔ جو حیرت انگیز طور پر آنے والی نسلوں تک سے روحانی مسرت چھین لیتی ہے......جو موجود ہے اسے آنے والوں کا خیال کرنا چاہیے۔'' بولتے، بولتے انداز خود کلامی میں تبدیل ہو گیا۔

''زندگی کھیل نہیں......بہت بھاری ذمے داری ہے......اگر جو کوئی سمجھے......'' وہ زیادہ دیر کھڑی رہنے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھیں۔ نظر کا زاویہ بدلا پرنس کو خود بخود پتا چل گیا کہ وہ بیٹھنا چاہتی ہیں۔ اس نے فوراً کرسی کھینچ کر ان کے قریب کی اور بہت پیار سے تھام کر بٹھا دیا۔ چھڑی قریب ہی دیوار سے ٹکا دی۔ میوزک بند کر دیا۔

''پرنس......'' لیڈی صوفیہ کی خوابیدہ سی آواز نے ماحول میں ارتعاش سا پیدا کیا۔

''یس گرینڈ مام......''

''honestly ہم لاتعداد انسانوں میں سے بہت blessed لوگ ہیں......ہم نے سچی، خالص، محبتوں کو بھی انجوائے کیا ہے ورنہ محبت کے نام پر اس دنیا میں پاکیزہ دلوں کی بہت بے حرمتی کی جاتی ہے۔ محبت ایک اعزاز ہے۔ اسے مزار کا لنگر بنا کر رکھ دیا ہے۔ کبھی مفادات کو محبت کا نام دیا جاتا ہے کبھی مصلحتوں کو، کبھی مجبوریوں کو، میں خالص، دیانتدار محبت کے ذائقے سے آشنا ہوں......اسی لیے تمہارے گرینڈ فادر سے خود کو کبھی دور محسوس نہیں کرتی۔ oh my God آسمان جیٹ پلین سے ایسے پٹ گیا تھا......جیسے ساری دنیا کے چیل، کوّے اسکاٹ لینڈ میں آ گئے ہوں......کانوں کے پردے پھٹنے لگتے تھے۔'' لیڈی صوفیہ نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

''شکر ہے تم نے انسانیت کو کند چھری سے ذبح ہوتے نہیں دیکھا۔ موت کی آخری ہچکی......یقیناً اس کی آنکھوں کے سامنے آخری تصویر میری ہو گی۔'' پرنس دبے پاؤں آگے بڑھا اور بٹن پش کر کے خادمہ کو طلب کیا۔ لیڈی صوفیہ کی آنکھیں بند تھیں۔ پیشانی پر پسینے کی بوندیں چمک رہی تھیں۔

اسٹوڈیو میں بغیر اجازت اندر آنا منع تھا۔ صرف گھر کی صفائی کرنے والا اسٹاف ایک مخصوص ٹائم میں اپنا کام کرتا تھا۔

C.C کیمرے کراماً کاتبین کے فرائض انجام دیتے تھے۔ ہاؤس منیجر گھر میں ہونے والی تمام حرکات و سکنات سے باخبر رہتا تھا۔ رات کو سونے سے پہلے دن کے تمام معاملات سوفٹ ویئر میں محفوظ کر دیتا تھا پرانے وقتوں کی طرح روزنامچہ لکھنے کی نہ ضرورت تھی نہ مجبوری......آج کے ترقی یافتہ دور میں یوں بھی ذہین، ہوشیار، کامیاب شخص وہی گردانا جاتا ہے جو وقت اور پیسے کی قدر (vlue) کو محفوظ کرنا جانتا ہے۔ خادمہ آ گئی تھی اس کے ہاتھ میں چھوٹا

سا بہت دلکش فیروزی شیشے کا گلاس تھا جس میں تازہ رس تھا۔

پرنس نے بہت پھرتی سے گلاس خادمہ کے ہاتھ سے لے کر لیڈی صوفیہ کے ہونٹوں سے لگا دیا تھا۔

بظاہر معاملہ تشویش ناک نظر آتا تھا۔ درحقیقت وہ اس وقت صرف اور صرف اپنے محبوب شوہر سے ہمکلام تھیں۔

سفینہ پس منظر میں جا چکی تھی۔

انہوں نے جوس کا صرف ایک گھونٹ پیا...... اور گلاس پرے کر دیا...... خادمہ نے مہکتا ہوا ٹشو پیپر پیک سے کھینچا اور پیشانی سے پسینہ جذب کرنے لگی۔

☆☆☆

''ماما...... کیا کہہ رہی ہیں؟''

''رئیلی......؟'' ماہین کی آواز میں خوشی کی بھرپور کھنک نمایاں تھی۔

''ارے، سفینہ نے تم سے ذکر نہیں کیا؟'' افزیہ کو پہلے حیرت ہوئی پھر سوچا شاید تاجور کی ابھی بیٹی سے بات ہی نہ ہوئی ہو۔

''تاجور کو میں نے خود فون کیا تھا صبح، صبح ...... اصل میں شرمندگی بھی بہت تھی کہ ہم ڈنر میں شریک نہ ہو سکے...... خیر...... تاجور نے بتایا کہ رات کمال ہی ہو گیا...... لیڈی صوفیہ نے بغیر کسی فارمیلٹی کے دو چار باتیں کرنے کے بعد اپنے آنے کا مقصد بتا دیا کہ وہ سفینہ کو پروپوز کرنے آئی ہیں۔''

''اوہ نو...... ماما...... کہیں خوشی سے میں مر ہی نہ جاؤں۔'' ماہین کی درحقیقت حیرت و خوشی سے حالت غیر ہو رہی تھی۔

''بے وقوف کیا تم سفینہ سے زیادہ خوش ہو کر دکھاؤ گی...... کوئی مقابلہ ہو رہا ہے......؟ ایک تو یہ لڑکیاں بس ایموشنل ہو جاتی ہیں۔'' افزیہ کو بیٹی کے منہ سے نکلنے والے کلمات غیر مرتب و احمقانہ محسوس ہوئے تھے۔

دوستوں کی خوشی پر سب خوشی کا اظہار کرتے ہیں...... مگر اس طرح کے الفاظ تو من چاہی خوشی پا کر اس کے منہ سے نکلتے ہیں جو بے چینی سے کسی مخصوص خوش خبری کا انتظار کر رہا ہوتا ہے۔

افزیہ نے ماہین کی جذباتیت و بے ساختگی کو اس کی کم عمری و کم عقلی سے تعبیر کرتے ہوئے نظر انداز کر دیا۔

''اچھا ماما...... آپ سے بعد میں بات کرتی ہوں۔ اس وقت میرے پیٹ میں شدید درد ہو رہا ہے۔'' یہ کہہ کر ماہین نے اپنی طرف سے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔ درحقیقت مارے خوشی کے اس کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔

''یہ معجزہ ہے۔'' وہ سوچ رہی تھی۔ اب اسے سفینہ کی کھوج لاحق ہو چکی تھی۔

☆☆☆

سفینہ لاشعوری طور پر ماہین سے چھپتی پھر رہی تھی۔ اس وجہ سے نہیں کہ اسے فرشتوں سے پتا چل چکا ہو گا۔ بلکہ اس وجہ سے کہ وہ اس کا چہرہ پڑھنے میں ملکہ رکھتی تھی۔

وہ خود کو نارمل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس خوش خبری کو بڑے ظرف سے ہضم کرنا چاہ رہی تھی۔

خود کو ہر پہلو سے یقین دلانا چاہ رہی تھی کہ یہ گہری نیند میں دیکھا جانے والا خواب نہیں، ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ یہ خوش خبری باوثوق ذرائع سے اس تک پہنچی ہے۔ خوشگوار تصورات کے درمیان کئی بار زارا کا رف اسکیچ حائل ہوا۔ مگر مسرت کی لہریں اتنی طاقت ور تھیں کہ اس تصوراتی خاکے کو اٹھا کر پٹخ دیتی تھیں۔

البتہ اسے ایک دلنواز انکشاف کا سامنا ضرور تھا۔ کیا وہ واقعی پرنس کی محبت میں گرفتار ہو چکی تھی...... اب تک تو اس کی انا یہ باور کراتی رہی کہ اس نے پرنس کی جادو بھری نگاہ میں اپنے لیے چاہت کی دمک دیکھی تھی...... اس وجہ

سے وہ اکثر اس کے خیالات پر حاوی ہو جاتا تھا ورنہ یہ محبت وحبت اس کے بس کی بات نہیں۔ وہ بہت عملی سوچ کی حامل ثابت ہوتی چلی آ رہی ہے۔ خیالات میں کھوئے رہنا اس کے نزدیک قیمتی اور کارآمد وقت ضائع کردینے کے مترادف تھا۔

ابھی چھوٹی سی عمر میں سب کچھ کیسے احاطہ علم میں آ جاتا...... کہ فطرت آپ کے رویوں، معلومات اور موڈ کی پابند نہیں ہوتی۔ فطرت ازل سے اپنے طے شدہ قانون کے مطابق عمل کرتی ہے۔ جس طرح دریا کو تخلیق کرنے کے بعد اسے بہنے کا راستہ بتا دیا تھا۔

اسی طرح فطرت اپنا اظہار کرتی ہے...... اور کوئی مصنوعی رکاوٹ اسے اظہار سے نہیں روک سکتی۔

انسان کا شرف اس کا دل ہے دماغ نہیں...... دماغ تو چیونٹی کے پاس بھی ہوتا ہے تب ہی وہ جینے کے اہتمام کرتی ہے۔ ناموافق حالات کے لیے اپنی خوراک ذخیرہ کرتی ہے، جان کا خطرہ بھانپ کر راستہ تبدیل کر لیتی ہے۔

انسان کو دل دیا گیا...... ہر دل میں پورا کائناتی پروگرام محفوظ ہے۔ اور یہ سارا کائناتی نظام محبت کی قوت سے متحرک ہے۔

جب محبت فطری انداز میں مظاہرہ کرتی ہے تو دل بے خبر نہیں رہتا...... رہ ہی نہیں سکتا۔

کسی کے چاہنے کی خبر اسے دل سے ہی ملی تھی...... مگر دماغ نے دل کی بات ہنسی میں اڑائی تھی کہ تم تو کھیلنے کے لیے چاند بھی مانگتے ہو...... تمہاری خواہشات، الامان، الحفیظ...... سفینہ محبت کے جذبات میں اس طرح بھیگ رہی تھی کہ اپنے ہی خیالات سے خوفزدہ ہو رہی تھی...... جیسے وہ کسی جرم کی مرتکب ہو رہی ہو...... اس نے کبھی ایسی زندگی کا تصور نہیں کیا جس میں وہ سارے ضروری کام چھوڑ کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھی رہے۔

مگر اس وقت عجیب بے بسی کی کیفیت تھی...... جیسے کوئی دور بیٹھ کر ریموٹ سے اسے کنٹرول کر رہا تھا۔ وہ اپنے ارادے کے زور پر کچھ بھی نہیں کر پا رہی تھی۔

☆☆☆

ساحل...... آوٹ ڈور پلانر کے ساتھ سائٹ سے واپس آفس آیا تو اسے اطلاع ملی میم تاجور نے اسے طلب کیا ہے۔

ٹریفک جام کے تصور سے ہی وہ تھک کر چور ہو گیا......

''یہ کیا بات ہوئی جب اس آفس میں اسے اس کا کام بتا دیا ہے تو پھر دوڑیں کیوں لگوا رہی ہیں؟'' اندر ہی اندر وہ جل بھن کر رہ گیا۔

''ٹائم بتایا ہے، کب تک پہنچنا ہے؟'' اس نے ریسپشن پر ڈیوٹی دینے والے نوعمر نوجوان سے دریافت کیا۔

''سر میم اِدھر ہی ہیں...... وہ لغاری صاحب کے آفس میں آپ کا ویٹ کر رہی ہیں۔''

''اوہ مائی گاڈ......'' ساحل تو جیسے گہری نیند سے ہڑبڑا کر جاگا...... اور اپنے فل لگژری آفس کی طرف دوڑ لگائی تاکہ پہلے اپنے حلیے کا جائزہ لے۔

''بس... bosses کو بھی ہر وقت اپنی importance بتانے کی پڑی رہتی ہے۔ ٹک کر اپنی چیئر پر بیٹھیں...... ہمیں بھی چین، سکون سے کام کرنے دیں اتنے منکر نکیر یہاں بھی بٹھائے ہوئے ہیں، وہ کان بھرنے کی ڈیوٹی میں کبھی کوتاہی نہیں کر سکتے...... ہوں...... دس، دس ہزار کے نوکر...... یہی کام کر سکتے ہیں......'' حقارت آمیز خیال نے چہرہ بگاڑ دیا۔

''یار کوئی معمولی سی خواہش بھی پوری نہیں ہو سکتی...... اتنی دھول مٹی اڑاتا یہاں پہنچا تھا...... سوچا تھا کہ نیم گرم

اِسراف کی ممانعت

اسلام میں اِسراف اور فضول خرچی منع ہے، کیونکہ اسلام اعتدال کی تعلیم دیتا ہے۔ ایک طرف تو اسلام نے بخل، کنجوسی اور دل کی تنگی کو منع کیا ہے اور دوسری طرف اسراف اور فضول خرچی سے بھی روکا ہے۔

مسلمانوں کو ہر صورت میں اعتدال اور میانہ روی اپنانے کی تاکید کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں اِسراف اور فضول خرچی کو شیطانی عمل اور فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''اور اسراف و بے جا خرچ کرنے سے بچو۔ بلاشبہ بے جا خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔'' (سورۂ بنی اسرائیل: آیت نمبر 26.27)

خرچ کرنے کے بارے میں اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ انسان اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال کی جائز ضروریات مناسب طریقے سے پوری کرے۔ غریب رشتے داروں، تیموں، مسکینوں اور حاجت مند مسافروں پر اپنا مال خرچ کرے۔ اپنی دولت سے ان محروم لوگوں کا حق ادا کرے جو اپنی بنیادی ضروریات بھی پوری کرنے کے قابل نہیں ہوتے، اور یہ لوگ خودداری اور شرم و حیا کی وجہ سے امیر و کبیر اور دولت مند لوگوں سے سوال بھی نہیں کر سکتے۔ ہمیں ایسے لوگوں کی ہر حال میں اور ہر ممکن طریقے سے مدد کرنی چاہیے۔

مرسلہ: جبین نیاز، ملتان

پانی کا شاور لوں گا۔ امپورٹڈ جیل کے جھاگ سے لطف اندوز ہوں گا۔ اورنج جوس پیوں گا...... پتا نہیں کتنے گھنٹے سر پر سوار رہیں گی۔ تھوڑے پیسے جمع ہو جائیں، میں تو اپنا بزنس شروع کر دوں گا...... لعنت بھیج دوں گا اس غلامی کی زندگی پر۔''

اس نے کوٹ اتار کر اسٹینڈ پر لٹکایا...... ٹائی کی گرہ ڈھیلی کی اور چیئر کے بجائے لیدر کے سیاہ صوفے پر ڈھیر ہو گیا...... مگر اگلے ہی لمحے انٹر کام کی گھنٹی نے اٹھا کر کھڑا کر دیا...... دوسری طرف آپریٹر یاددہانی کرا رہی تھی کہ میم تاجور اس کا wait کر رہی ہیں۔

''یار سانس تو لینے دو...... آرہا ہوں۔'' اوسط درجے کی زندگی پر سمجھوتا کرنے والوں کی ایک خصوصیت بہت نمایاں ہے۔ کھانا وقت پر کھاتے ہیں، نمک، مرچ کی کمی بیشی پر بڑی تفصیل سے بات چیت بھی کرتے ہیں۔ عموماً ان کی پلیٹیں کھانے کے بعد بھی اتنی صاف نظر آتی ہیں کہ کام چور بیوی یا نوکر ٹشو پیپر سے پونچھ کر دوبارہ استعمال کے قابل بنا سکتے ہیں۔

اور پیٹ کے نام پر بڑے، بڑے بزنس جمانے والے چائے، بسکٹ، ڈسپرین کے ساتھ اِدھر اُدھر بھاگتے دوڑتے نظر آ رہے ہوتے ہیں۔

اکثر لنچ پر میٹنگ بھی نمٹا دیتے ہیں، ہاتھ میں نوالہ، نظر آئی فون پر یا سامنے بیٹھے شخص پر، سیدھے کان سے دائیں والے کی بات الٹے کان سے بائیں ہاتھ والے کے پوائنٹس بھی لیے جا رہے ہوتے ہیں۔

ساتھ ہی اس کے بعد والی میٹنگ پر بھی توجہ...... اب آزاد زندگی گزارنے کا عادی...... بہت اچھا سا کھانا

کھانے کا شوقین گزشتہ طرزِ زندگی سے آناً فاناً کیسے چھٹکارا پا سکتا تھا۔ قدم قدم پر لگتا تھا لوگ اس کے دشمن ہیں...... سکون سے بیٹھنے نہیں دیتے۔ سیلف میڈ لوگوں کی سوچ دونوں قسم کے گروہ سے مختلف ہوتی ہے۔ صفر سے آغاز کرنے والوں کی براہِ راست منزل پر نگاہ ہوتی ہے، ان کی فطرت میں ایک قابلِ ستائش صبر کا عنصر واضح ہوتا ہے۔ گفتگو نپی تلی اور محتاط ہوتی ہے۔ آہستہ، آہستہ منزل کی طرف بڑھتے ہوئے قدم، قدم پر اپنی انا کو بھی فراموش کرنا پڑتا ہے۔ پُر امید ہوتے ہیں، قوتِ برداشت کمال ہوتی ہے...... اس بات پر یقینِ کامل رکھتے ہیں کہ پہاڑ کی چوٹی تک پہنچنے کے لیے دھیرے، دھیرے قدم اٹھانا پڑتا ہے۔ ایک جست میں چوٹی تک پہنچنے کا خیال اتنا ہی غیر فطری ہے جیسے آگ سے تپش کے بجائے ٹھنڈک کی توقع کرنا۔

وہ تو اس ملک کے ان نوجوانوں میں سے ایک تھا جو short cut میں اپنی توانائیاں کھپاتے رہتے ہیں اور ضائع بھی کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے جلدی تھک جاتا تھا...... اور تھکاوٹ کی وجہ سے چڑچڑا پن بھی حاوی ہو جاتا تھا۔ رئیسوں سے حسد، اعصابی دباؤ کی وجہ سے سینے میں پلنے والا کینہ نڈھال کر دیتا تھا۔

انسان کا اصولِ خدمت اور آرزوئیں محبت سے سرشار ہوں تو روح طاقتور اور توانا ہوتی ہے اور منفی جذبات کو پوری قوت سے مسترد کرتی رہتی ہے۔

اس نے اپنی قوتِ ارادی کو متحرک کیا...... گہری، گہری سانسیں لیں۔ تاجور کے سامنے جانے کے لیے ذہن بنانا شروع کر دیا۔

جو ہاتھ آچکا تھا اسے محفوظ کرنے کی تگ و دو تو بہر حال کرنا تھی۔ یہ الگ بات کہ (شارٹ کٹ) مختصر ترین راستے سے منزل تک پہنچنے کی خواہش اپنی جگہ تھی۔

☆☆☆

''اماں پوچھیں گی تمہیں اس طرح منہ اٹھا کر پرنس کے ہاں جانے کی کیا ضرورت تھی تو کہہ دوں گی کہ میں نے loose کیا تھا اس لیے گلٹی فیل ہو رہا تھا۔ چین ہی نہیں آرہا تھا...... ہائے اماں غلطی ہو گئی تھی ناں......'' زارا نے آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے خود کو ہی آنکھ ماری...... اس وقت وہ بہت احتیاط سے چہرے پر سیرم لگا رہی تھی...... چہرہ دمک رہا تھا۔

چھوٹی سی عمر میں بڑی، بڑی تمنائیں...... فطری امر ہے، انسان توازن کھونے لگتا ہے۔ سائنس تو یہ بھی ثابت کر چکی ہے کہ دودھ پیتے بچوں میں بھی حسد کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔ پنگھوڑوں میں لیٹ کر ردِعمل دے رہے ہوتے ہیں۔

نامعلوم کتنی حسینائیں پرنس کا تصور کر کے ٹھنڈی آہیں بھرتی ہوں گی۔ مگر وہ صرف یہی کر سکتی تھیں کیونکہ ان کے پاس ''سفینہ'' نام کی کوئی سیڑھی نہیں تھی...... اس نے تو سفینہ کو سچ مچ ''سفینہ'' ہی بنا لیا تھا۔ جس پر سوار ہو کر سرکش موجوں کا مقابلہ کر کے کنارے لگنے کا عزم صمیم کر لیا تھا۔ بے بی پنک کلر کا بے وزن سے ریشمی لباس کا انتخاب کیا تھا۔

پرنس کی دادی سے دوستی کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اس کی لُک کسی پرنس سے کم نہ ہو۔ وہ بہت پُر امید تھی۔ سفینہ کو تو وہ شروع سے ہی سیدھی اور بے وقوف گردانتی تھی۔ بچپن میں چھوٹی موٹی چوریاں پکڑی جاتی تھیں تو سفینہ ہی پھنستی تھی وہ صاف بچ نکلتی...... اس وجہ سے بھی وہ بہت پُر اعتماد رہتی تھی...... ویسے بھی اصولِ فطرت ہے۔ مکر کرنے والوں کو قدرت تمام ترکیبیں آزمانے کی کھلی چھٹی دیتی ہے اس لیے کہ آخر کار ایک دن یہ ساری ترکیبیں ان پر ہی الٹ پڑنا ہوتی ہیں۔

قدرت ان کی نیت و ارادے کے حساب سے کامیابیاں دیتی چلی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے یقینِ کامل ہو جاتا ہے کہ ایک عالم ان کی ذہانت کے سامنے ڈھیر ہے۔ معصوم اور سادہ مزاج لوگوں کو مشکل حالات میں غیبی مدد

ضرور ملتی ہے کیونکہ وہ فطرت سے تصادم کا راستہ اختیار نہیں کرتے......

درحقیقت پرنس سے کم تو اس کا آئیڈیل ہی نہیں تھا۔ شکل بھی بہت پیاری اور بھولی بھالی تھی۔

سفینہ کے نقوش میں تیکھا پن تھا اور اس کا چہرہ گول اور بھرا، بھرا تھا۔ سفینہ کو دیکھ کر نازک سی باربی ڈول کا تصور بنتا تھا اور وہ پرانے زمانے کی وکٹورین گڑیا جیسی لگتی تھی...... بھرے، بھرے گال، بھرے، بھرے ہونٹ، موٹی، موٹی بھاری پپوٹوں والی روشن و کشادہ آنکھیں جو مسکارے کے استعمال کے بعد مزید کشادہ محسوس ہوتی تھیں۔

سفینہ کی گردن بہت نمایاں تھی، اس کی بھرے، بھرے جسم کی وجہ سے دبی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ قد و قامت میں دونوں تقریباً برابر تھیں۔

امید اور کامیابی کا زعم اس کے چہرے کو ایک انوکھی دمک دے رہا تھا...... میچنگ سینڈل نکالتے ہوئے یونہی ایک اندیشے نے ناگ کے پھن کی طرح سر اٹھایا۔

''وہ لوگ تو سفینہ کو پرپوز کر چکے ہیں...... اب اماں نے تو بس جواب دینا ہے۔ اگر وہ ناکام ہوگئی......'' اسے اپنے ہی خیال سے سخت کوفت و الجھن ہوئی۔

انڈین ڈراموں کی رسیا کے ذہن کے پردے پر ایک کے بعد ایک ڈراما چلنے لگا۔

''پھر میں سفینہ سے صاف کہہ دوں گی...... کہ تم درمیان سے ہٹ جاؤ...... ورنہ میں خودکشی کرلوں گی۔ سفینہ ویسے ہی ڈرپوک اور نرم دل ہے۔ ڈر جائے گی۔ پرنس کو روز خواب میں دیکھتی ہوں...... my God وہ سفینہ کا ہو جائے گا۔ oh no...... سفینہ کی وجہ سے ہمیشہ میری انسلٹ ہوتی ہے مجھے ڈی گریڈ کیا جاتا ہے۔ سفینہ کو میرٹ سرٹیفکیٹس ملتے ہیں، ہونہہ اس میں بہت پوٹینشل ہے...... بہت جلد وہ ملک کی بزنس ٹائیکونز میں count ہوگی...... اگر وہ سفینہ کو پرپوز نہ کرتے تو شاید مجھے اتنی زیادہ پوٹینشل بھی نہ ملتی جب تک تھک کر مر نہ جاؤں...... ہار تو نہیں مانوں گی......'' وہ لڑکھڑانے کے بعد سنبھلنے لگی۔

☆☆☆

کمال ہوگیا تھا...... اس نے صرف پچاس منٹ میں سفینہ کی تصویر مکمل کی تھی۔ زرد جالی کے دوپٹے سے آدھا چھپا ہوا چہرہ...... مونالیزا جیسی پُراسرار مسکراہٹ...... ہونٹوں پر کم آنکھوں میں زیادہ تھی۔

اس نے جی بھر کر تصویر دیکھی...... مختلف زاویوں سے دیکھی۔

''جب یہ تصویر دیکھو گی تو مجھے پتا ہے تم کیا کہو گی......'' وہ سفینہ کی تصویر سے باتیں کر رہا تھا۔ ''میں اس وقت تمہاری کیفیات کے ساتھ، ساتھ بہہ رہا ہوں تب ہی تو اتنی جاندار تصویر تخلیق ہوگئی۔ میں ابھی سے تمہاری طرف سے تصویر کے نیچے ہی تمہاری فیلنگز لکھ دیتا ہوں۔'' اس نے آتشی گلابی مارکر اٹھا کر تصویر کے نیچے شعر لکھ دیا۔

حُسنِ صد رنگ میں اِک سادہ سی تمنا بھی تو تھی
جانیے آپ سے تصویر بنائی نہ گئی

شعر کے آخر میں اس نے کونے میں from safeena لکھ دیا۔ اور اپنے مخصوص انداز میں ہنس دیا۔

''جب اسے یہ تصویر دوں گا اور وہ دیکھے گی تو وہ کتنا انجوائے کرے گی۔'' وہ آنے والے خوش کُن لمحات کا تصور کرتے ہوئے نہال تھا۔

''سفینہ میں خدا تو نہیں کہ تمہارے خیال پڑھ سکوں...... مگر سیکڑوں میل کی دوری سے بھی تمہاری کیفیات محسوس کرسکتا ہوں۔ ان کیفیات نے ہی تو مجھے پوری قوت سے یقین دلایا کہ مجاز سے حقیقت کا سفر شروع ہوگیا

ہے.....وارداتِ عشق وقوع پزیر ہو چکی۔'' معاً پرنس کی کیفیات تبدیل ہوگئیں وہ کھڑے، کھڑے، بت کی طرح ساکت ہوگیا۔مراقبے کی حالت تھی.....خیال کسی ایک نکتے پر مرتکز ہو گیا تھا۔

روحانی مسرت اوجِ کمال پر تھی۔

☆☆☆

''پکڑی گئیں.....'' ماہین نے پیچھے سے آ کر سفینہ کو بری طرح دبوچ لیا۔سفینہ جو اپنی دُھن میں مگن دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہورہی تھی، اچانک حملے سے قدرے لڑکھڑا گئی۔

''کیا ہوگیا ہے؟ کبھی تو سیریس ہوجایا کرو.....'' وہ خود کو ماہین کی گرفت سے آزاد کراتے ہوئے مصنوعی برہمی کا اظہار کررہی تھی۔

''سیریس کی بچی.....اندر چلو.....ذرا تمہاری ٹھیک سے خبر لیتی ہوں'' اس نے سفینہ کو اندر کی طرف دھکیلا اور دونوں ہاتھ استعمال کیے جیسے بند گاڑی کو دھکا لگا رہی ہو پھر خود بھی اندر داخل ہوئی اور دروازہ بند کردیا۔

''ہونہہ.....یعنی ہمیں بے وقوف بنارہی تھیں۔ حالانکہ ہماری شکل پر لکھا ہے کہ کسی کو کوشش و محنت کرنے کی ضرورت نہیں۔ جس دن عقل بٹ رہی تھی ہم جنت میں فرشتے کے کندھوں پر چڑھ کر پائن ایپل توڑ رہے تھے۔ وہ تو پائن ایپل کھانے کے بعد پتا چلا کہ ہماری absent لگ گئی.....افسوس تو بہت ہوا پھر دل کو تسلی دی.....ہم اکیلے نہیں ہیں۔ کچھ لوگ باغ میں سن باتھ لے رہے تھے وہ بھی رہ گئے۔ جہاں تک مجھے یاد آرہا ہے اچھے خاصے لوگ تھے۔''

ایک تو طبیعت باغ و بہار تھی پھر ماہین کے پُرمزاح برجستہ جملے.....سفینہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوگئی۔ جانے کتنے عرصے بعد وہ اتنا کھل کر ہنسی تھی۔ ہنستے، ہنستے آنکھوں میں آنسو آگئے۔

''for your kind information جنت میں دھوپ نہیں نور ہوتا ہے۔ فضول بکواس کرنے سے پہلے proper ہوم ورک کرلیا کرو۔'' سفینہ نے دوپٹے سے اپنی آنکھیں رگڑیں۔

''اچھا زیادہ گھمانے کی ضرورت نہیں.....پہلے تو یہ بتاؤ اتنی امپورٹنٹ نیوز مجھ سے شیئر کیوں نہیں.....اب میں پورے ایک ویک کے لیے تم سے ناراض ہونے والی ہوں۔'' ماہین نے اسے بازو سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔

''نیوز.....کیسی نیوز.....کون سی نیوز.....؟'' سفینہ نے چندرا کر معصوم شکل بنا کر ماہین کی طرف دیکھا۔

''ارے تم پرنس ڈیانا بننے جارہی ہو.....مجھے ممی نے سب بتادیا ہے۔'' ماہین نے گھورا۔

''اللہ نہ کرے.....کیوں مجھے پرنس ڈیانا بنارہی ہو.....سوائے تاج و دولت اور دو بچوں کے اسے کیا ملا.....قابلِ رحم زندگی.....حسرت ناک موت.....'' سفینہ نے یہ کہہ کر ایک دھپ بھی جڑ دیا۔

آج تو اس کے انداز ہی بدلے ہوئے تھے.....ہر بات پر بھرپور ردِعمل ظاہر کررہی تھی۔

''اچھا تو تمہیں آنٹی نے بتادیا۔ ظاہر ہے ان سے تو کچھ چھپایا نہیں جاسکتا۔ لیڈی صاحبہ تو انکل آنٹی کو بہت importance دیتی ہیں۔ فیملی فرینڈ ہیں۔''

''قوم سے خطاب کرنے کی ضرورت نہیں.....سیدھے، سیدھے بتاؤ تم نے یہ خبر مجھ سے کیوں چھپائی؟''

''چھپائی نہیں.....موقع نہیں ملا.....میں فرسٹ پیریڈ کے بعد باہر آئی تو اماں کا فون آیا.....اور انہوں نے بتایا کہ ایسا کچھ ہوا ہے.....'' اب سفینہ نے قدرے سنجیدگی سے اپنی طرف سے صفائی پیش کی۔

''لیکن لائبریری میں تو تم مجھے ملی تھیں۔''

''تو وہاں تم سے ''یہ والی'' باتیں کرتی.....؟'' سفینہ نے یوں دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کچھ تو عقل سے کام لے لیا کرو۔

''مگر ہم تو باہر بھی آ گئے تھے......'' ماہین نے کسی منجھے ہوئے اینکر کی طرح الفاظ دبوچ کر سوال داغ دیا۔

''کلاس شروع ہونے والی تھی یار......'' سفینہ نے اس کے بازو میں چٹکی کاٹی۔

''اُف...... دیکھنے میں کتنا چھوٹا ہے......'' اس نے سفینہ کی طرف غور سے دیکھا۔ بازو بھی سہلا رہی تھی۔

''کیا......؟'' سفینہ حیران ہوئی۔

''تمہارا پیٹ...... اتنی بڑی خبر چھپائے پھر رہی تھیں...... پیٹ میں ہلکا سا بھی درد نہیں ہوا۔''

''میرے پیٹ کو عادت ہے...... اس لیے کبھی درد نہیں ہوتا۔'' سفینہ نے شوخی سے جواب دیا۔

''مائی گاڈ...... یعنی تم مجھ سے بہت کچھ چھپاتی ہو...... دوست کس لیے ہوتا ہے بھئی؟'' اس نے دانت پیسے۔

''ظاہری بات ہے اتنی بڑی خوش خبری ہے بلکہ bang ہے سکون سے سناتی...... تم کون سا کہیں فلائی کر رہی تھیں۔'' سفینہ نے اب بہت اپنائیت سے ماہین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر گال سے لگایا۔

''خوش خبری... اہوں...... جب پرنس کی بات کرتی تھی تو تم کیسے پوز دیتی تھیں، وہ تمہارے دل میں رہتا ہے۔ تمہاری آنکھیں انفارم کرتی تھیں لیکن تم...... مجھ سے جھوٹ بولتی تھیں خود کو دھوکا دیتی تھیں، ہے ناں......؟'' ماہین نے مصنوعی خفگی کا تاثر دیتے ہوئے کہا۔

''یہ بات نہیں ہے ماہین...... تم دوست ہو اور دوست اسے کہتے ہیں جس پر اعتماد کرتے ہیں۔ دراصل میں کچھ دنوں سے بہت زیادہ کنفیوزڈ اور ڈپریسڈ تھی...... سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ تم سے شیئر کر کے مجھے حاصل کیا ہوگا خود تو پریشان تھی...... تمہیں بھی ڈسٹرب کر دیتی۔'' سفینہ اب سنجیدگی سے بات کرنے لگی۔ ماہین حیران و پریشان اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''تم کیوں ڈپریسڈ تھیں؟'' وہ جیسے رونے کو ہو گئی۔ اس کی دوست پریشان تھی اور وہ اس کو تنگ کر رہی تھی...... معصوم سا احساسِ جرم دل کی کسی لہر کے ساتھ ہلہلا کر اٹھا۔

''بس تھی کوئی وجہ...... خیر اب وجہ خود بخود ختم ہو گئی...... پرنس کبھی اس لڑکی کو پرپوز نہیں کر سکتے جس کے لیے وہ ذہنی اور دلی طور پر تیار نہیں ہوں...... کون ہے جو انہیں مجبور کرے گا۔ ان کی گرینڈ ماما تو ان پر جان دیتی ہیں...... بہت ڈیسنٹ ہیں...... وہ پرنس کی خوشی کے لیے سب کچھ کر سکتی ہیں۔''

''اچھا...... بس تم نے تو اب ساری زندگی ان کی تعریف کرنی ہے...... مگر میں ابھی تک ایک ہی جگہ پھنسی ہوئی ہوں۔'' ماہین الجھن بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''کہ......؟'' سفینہ نے مختصر ترین استفسار کیا۔

''وہ وجہ کیا تھی؟ جواب نہیں ہے۔ میری awareness کے لیے ہی بتاؤ۔'' ماہین نے بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ آنکھیں پڑھ رہی تھی۔

سفینہ نے فوراً نظریں جھکا لیں۔ جیسے اسے بولنے میں دقت پیش آ رہی ہو۔

''بتاؤ ناں سفینہ......'' ماہین مصر ہوئی۔

''میں نے اسٹوڈیو میں زارا کا رف اسکیچ دیکھا تھا۔ It was very shocking کیونکہ پرنس کی آنکھوں نے تو مجھے وہ پیغام دیا تھا جس نے مجھے اپنے آپ سے بے خبر کر دیا تھا۔ ان کو تو سب دیکھتے ہیں...... خاص بات تب ہے جب وہ کسی کو دیکھیں۔ سچ میں شروع میں تو میں اسے صرف اپنی خوش فہمی ہی سمجھ رہی تھی۔'' سفینہ بول رہی تھی ماہین ایک ٹک بس اسے دیکھے جا رہی تھی۔

''اور تم نے فرض کر لیا کہ زارا اور پرنس کا کوئی چکر چل رہا ہے۔ what,s a nonsense سفینہ...... زارا

کا تمہیں اچھی طرح پتا ہے۔ وہ تو اتنی بے وقوف ہے کہ سب کچھ اس کی شکل پر ٹائپ ہو جاتا ہے۔ پرنس اس کو لفٹ کراتا تو وہ تمہارے کان کھا جاتی۔"

"توبہ تم تو بالکل اماں جیسی اردو بولتی ہو......" سفینہ ہلکی پھلکی ہو کر مسکرائی۔

"ارے کہاں...... ہم تو جی بھر کر اردو کی انسلٹ کرتے ہیں...... ستیاناس ہو گیا ہے اس زبان کا...... رومن کی وجہ سے تو کفن دفن کی نوبت آ گئی ہے...... تم دیکھنا ابھی اس زبان کا مزید برا حال ہونے جا رہا ہے۔ اب تو اردو میں انگلش کے علاوہ ڈھیر ساری چیاؤ...... پیاؤ...... شونگ شنگ...... تام چام بھی سننے کو ملے گی......" ماہین نے جس برجستگی کا مظاہرہ کیا تھا سفینہ کو ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو گئی۔

"تمہاری وجہ سے میری لائف میں کتنی رونق ہے۔" سفینہ نے ماہین کو اپنے بازوؤں کے گھیرے میں قید کر لیا...... روحانی مسرت پل، پل مظاہرے کو بے تاب تھی...... چھپائے نہ چھپتی تھی......

"بس اب تو کوئی اور رونقیں لگانے آ پہنچا ہے۔" ماہین نے اس کی ٹھوڑی چھو کر چھیڑا۔

"خیر جو ہوا...... ہو چکا...... لیکن اس ساری suffering میں تمہیں ایک بات کا یقین مل گیا...... کہ تم پرنس کی محبت میں گوڈوگٹوں تک ڈوب چکی ہو۔" ماہین اب سفینہ کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔ جذباتیت کا بھونچال تھم چکا تھا...... دوست کی عظیم الشان خوش خبری نے اس کے انگ، انگ...... میں بھی مسرت کا احساس بھر دیا تھا۔

"لیکن سفینہ، زارا کا اسکیچ پرنس کیوں بنائے گا؟ رف اسکیچ تھا۔ اس لیے زارا سے کچھ مل رہا ہوگا۔"

"ہاں...... اب تو میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔" سفینہ کی شاد و آباد آنکھوں میں چاہے جانے کے اعزاز نے نشہ سا بھر دیا تھا۔

☆☆☆

"مجھ سے ملنے آئی ہے؟ لیکن...... سیکریٹری نے تو مجھے نہیں بتایا...... مجھے بھی یاد نہیں آ رہا کہ میں نے کسی کو ملاقات کے لیے وقت دیا ہو......" لیڈی صوفیہ اپنی شکن آلود پیشانی کو مسلتے ہوئے یادداشت پر زور ڈالنے لگیں۔

"میم ان کو کیا جواب دینا چاہیے۔ وہ wait کر رہی ہیں۔" انجیلا نے مؤدبانہ دریافت کیا۔

"انجیلا کیا ہو گیا ہے تمہیں...... یہ...... وہ...... ان...... ان کر رہی ہو اس کا کوئی sweet name بھی ہوگا......" بڑھاپے کے کمزور اعصاب تھے۔ لیڈی صوفیہ جھنجلا رہی تھیں۔

"میم...... مس زارا...... یہ نام بولتی ہیں وہ۔" انجیلا نے بڑے ادب سے جواب دیا۔

"زارا......؟ I do,nt know" لیڈی صوفیہ کی یادداشت نے ساتھ چھوڑ دیا۔ "سیکریٹری سے کہو گیسٹ سے تمام particulars حاصل کر لے۔ میں اس طرح کسی سے ملاقات نہیں کرتی۔ میں اس طرح منہ اٹھا کر کبھی کسی سے نہیں ملتی...... مجھے تیار ہونے میں خاصا ٹائم لگتا ہے۔"

"او کے...... میم...... میں سیکریٹری کو آپ کی انسٹرکشنز پہنچا دیتی ہوں۔" انجیلا سر جھکا کر بیڈروم سے باہر چلی گئی۔

"زارا......؟ who is مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہے؟ اوہ...... شاید کسی این جی او کی ورکر ہو سکتی ہے۔ ڈونیشن لینے آئی ہو گی۔" اپنا سا اندازہ لگا کر لیڈی صوفیہ نے بہرحال اپنے اس ذہنی خلفشار سے تو جان چھڑا لی تھی۔

(جاری ہے)

سوال

نگہت اعظمی



پیر کی صبح ہمیشہ کی طرح بوجھل اور اکتاہٹ سے بھری ہوئی تھی۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ آنکھ بھی دیر سے کھلی۔ پھر گاڑی نے اسٹارٹ ہونے میں نخرے دکھائے۔ گاڑی کو راضی کر کے سڑک پر لائی تو تھوڑے فاصلے کے بعد ہی ٹریفک جام ملا۔ راستے میں ایک چھوٹے سے ایکسیڈنٹ کا بھی نظارہ ہوگیا۔ لوگوں کی گالم گلوچ سن کر بھی طبیعت بحال نہ ہوسکی۔ بالآخران تمام دل شکن مسائل سے نبرد آزما ہو کر جیسے ہی آفس

میں قدم رکھا...... میرے جونیئر آفیسر بابر صاحب نے ملک الموت کی طرح نازل ہو کر یہ ہولناک خبر سنائی۔

''میم، کرنل باجوہ نے آپ کی پریزینٹیشن دیکھنی ہے اس کے لیے تمام آفیسرز کو نو بجے کانفرنس روم میں حاضر ہونے کے آرڈرز دے دیے گئے ہیں۔''

مجھے یہ پریزینٹیشن جمعہ کو دینی تھی مگر کرنل صاحب کی مصروفیت کی وجہ سے یہ ملتوی ہو گئی۔ میرا خیال تھا اب دوبارہ جمعے کو ہی میری باری آئے گی۔ لیکن مجھے کیا پتا تھا کہ بغیر اطلاع کے مجھ پر یہ آفتِ ناگہانی ٹوٹ پڑے گی۔ پونے نو بج رہے تھے۔ میرے پاس صرف پندرہ منٹ تھے۔ میں نے خونخوار نظروں سے بابر صاحب کو دیکھا۔ ان کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں، اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ اس خبر کو سنتے ہی میرے اندر کہیں کڑھن اور جلن پیدا ہو رہی ہو گی۔ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ ابھی تک میری پریزینٹیشن مکمل نہیں ہوئی، میں نے لاحول پڑھ کر ان کی طرف دیکھا اور بظاہر مسکراتے ہوئے لیپ ٹاپ آن کیا۔

''نو پرابلم، میری پریزینٹیشن بالکل تیار ہے۔ میں نے کل ساری رات جاگ کر تیار کر لی تھی۔'' بابر صاحب کی خوشی کو خاک میں ملانے کے لیے میں نے جھوٹ کا سہارا لیا اور میرے اس جھوٹ نے ان کی آنکھوں کی چمک کو ماند کر دیا۔

میں نے u s b لگا کر آخری مرتبہ پوری پریزینٹیشن کو چیک کیا۔ کچھ تبدیلیاں کیں یہاں تک کہ اوپر سے آرڈر آ گئے کہ سب آفیسرز کانفرنس روم میں جمع ہو چکے ہیں۔ بس میرا انتظار ہے۔

میں نے لیپ ٹاپ بند کیا اور اسے بابر صاحب کے حوالے کر کے کانفرنس روم کی راہ لی۔ سارے آفیسرز آ چکے تھے۔ صرف کمانڈنٹ کرنل باجوہ کے آنے کی دیر تھی۔ چند لمحوں بعد وہ بھی داخل ہو گئے۔ ان کے داخل ہوتے ہی ہم سب اپنی، اپنی جگہوں پر کھڑے ہو گئے پھر ان کے بیٹھتے ہی ہم سب نے اپنی نشستیں سنبھال لیں۔

آغاز تلاوتِ قرآن پاک سے ہوا۔ اسکرین پر سورۂ اخلاص کی تلاوت کی گئی۔ اس کا ترجمہ پڑھا گیا۔ پھر میں نے کرنل باجوہ کی اجازت سے پریزینٹیشن کا آغاز کیا۔ یہ presentation ہماری لیبارٹری کی ایک مشین کے سلسلے میں تھی جو تقریباً ستر لاکھ کی تھی اور جسے ہم خریدنا چاہتے تھے۔

اسکرین پر اس مشین کی ساری تفصیلات مع تصاویر کے دکھائی جا رہی تھیں۔ آدھے گھنٹے کی پریزینٹیشن کے بعد سوالات کا آغاز ہوا۔ درمیان میں چائے اور بسکٹ بھی سرو کیے گئے۔

پریزینٹیشن بہت اچھی رہی، آخر میں کرنل باجوہ نے حسبِ عادت دو چار تعریفی جملے بھی کہے اور میں ساتھی آفیسرز کی مبارک باد سمیٹ کر کانفرنس روم سے باہر آ گئی۔

آفس میں آتے ہی میں نے روٹین کی ڈاک چیک کی۔ جواب طلب لیٹرز کے جواب تیار تھے، ان کی غلطیوں کی تصحیح کر کے انہیں آگے بھیج دیا۔ جن لیٹرز میں جواب طلب کوئی بات نہیں تھی۔ ان پر ریمارکس لکھ کر انہیں آگے بڑھا دیا۔

ان کاموں سے فارغ ہو کر بابر صاحب کی شکایت پر لیبارٹری کے دو افراد کو بلوایا۔ ان کی سستی اور بغیر بتائے چھٹی کرنے پر ان کی ڈانٹ ڈپٹ کی۔ ابھی یہ سلسلہ جاری تھا کہ فون کی بیل بجی۔ میں نے کال ریسیو کی دوسری طرف میجر کمال تھے۔ انہیں ایک الیکٹریشن کی ضرورت تھی، ان کے گھر میں بجلی کا کوئی مسئلہ ہو گیا تھا۔ لیبارٹری کے علاوہ میرے پاس دو اور سیکشن بھی تھے جن میں زیادہ تر الیکٹریشن، پلمبرز اور کلرک ہوتے تھے۔ ان کی درخواست پر میں نے الیکٹریشن نثار کو میجر کمال کے گھر روانہ کیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر سکون کی سانس بھی نہ لینے پائی تھی کہ سائرہ کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ بہت کمزور اور پریشان نظر آ رہی تھی، اسے دیکھتے ہی میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔

''السلام علیکم...... کیسی ہو؟'' میں نے بظاہر انتہائی خوش اخلاقی سے خیر مقدم کیا۔

''میم طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' اس کی آواز سے نقاہت برس رہی تھی۔

''ہمت کرو...... تم تو بہت بہادر ہو۔ اس بیماری سے لڑنے کے لیے تو بہت ہمت پیدا کرنی پڑتی ہے۔'' میں نے اسے دلاسا دیا۔

''ہمت تو بہت کرتی ہوں لیکن اس بیماری کا مقابلہ آسان نہیں، اس میں ہمت کے ساتھ، ساتھ پیسوں کی بھی بہت ضرورت ہوتی ہے۔''

''یہ تو ہے۔'' میں اندر ہی اندر کانپ کر رہ گئی، مجھے معلوم تھا اب وہ مجھ سے پیسے مانگے گی۔ وہ ہر تیسرے، چوتھے مہینے میرے پاس آتی اور ٹیسٹ اور دواؤں کے لیے اچھی خاصی رقم لے جایا کرتی تھی۔

''ڈاکٹر نے ایم آر آئی کا مشورہ دیا ہے اس کے لیے بیس ہزار چاہیے ہیں، کچھ انجیکشن بھی لکھے ہیں۔'' بالآخر اس نے اپنے آنے کا مقصد بتا ہی دیا۔

''اوہ......'' میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کیونکہ میری عادت تھی میں ''نہ'' نہیں کر سکتی تھی اور دینا میں چاہ نہیں رہی تھی۔

''ڈاکٹر نے کہا ہے جلد از جلد یہ ٹیسٹ کروالیں ورنہ یہ پھیل کر جگر تک پہنچ جائے گا۔'' اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں اور ہونٹ کپکپا رہے تھے۔

''کتنے پیسے چاہئیں؟'' میرا دل پسیجنے لگا۔

''سارا خرچہ تو پچاس ہزار کا ہے، بیس ہزار میں نے اپنے ماموں سے لے لیے ہیں آپ تیس ہزار کا بندوبست کر دیں تو......'' اس کے چہرے پر اتنی شرمندگی تھی کہ میں اس سے نظریں نہ ملا سکی۔

''تیس ہزار......'' میرا چوڑیاں بنوانے کا خواب دھندلانے لگا۔ پہلے ہی پیسے کم پڑ رہے تھے اگر تیس ہزار اور نکل جاتے تو پھر اس خواہش کو اگلی کمیٹی تک ملتوی کرنا پڑتا۔

''میم اگلے مہینے میری کمیٹی نکلنے والی ہے اگر آپ اس وقت تیس ہزار دے دیں تو میں اگلے مہینے واپس کر دوں گی۔'' ایسے وعدے وہ نہ جانے پہلے کتنی دفعہ کر چکی تھی لیکن اس نے ایک دفعہ بھی میری دی ہوئی رقم واپس نہیں کی تھی۔

''میم آپ کسی سے لے کر دے دیں۔ ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ آپ کو فوری ٹریٹ منٹ کی ضرورت ہے، میم میں آپ کو بتا نہیں سکتی مجھے کتنی تکلیف ہے، میں رات کو سو بھی نہیں سکتی۔'' اس نے اس طرح التجا کی کہ میرا دل پھر موم ہو گیا۔ لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اسے جب بھی پیسے لینے ہوتے وہ اسی طرح جذباتی طور پر مجھے بلیک میل کرتی اور نہ چاہتے ہوئے بھی میں اسے کچھ نہ کچھ دینے پر مجبور ہو جاتی۔ اس کی شہرت کچھ زیادہ اچھی نہیں تھی۔ آفس کے لوگ اس کے بارے میں بڑی عجیب و غریب باتیں کیا کرتے تھے۔

''میم آپ نہیں جانتیں یہ بہت چالاک ہے، اپنی بیماری کا بہانہ بنا کر لوگوں سے رقمیں وصولتی ہے۔''

''ایسے تو نہ کہیں...... یہ تو شکل سے ہی بیمار لگتی ہے۔''

''میم آپ اس سے رپورٹس منگوائیں، آپ کو سب پتا چل جائے گا۔'' اور لوگوں کے کہنے پر میں نے کئی دفعہ اس سے رپورٹس لانے کے لیے کہا۔ لیکن ہر دفعہ وہ کوئی ایسا بہانہ بناتی کہ میں خاموش ہو جاتی۔ وہ میرے بالکل سامنے بیٹھی امید اور ناامیدی کی کیفیت میں میری طرف دیکھ رہی تھی...... میں نہ چاہتے ہوئے بھی اسے دیکھنے پر مجبور تھی۔

''ہو سکتا ہے لوگ ٹھیک ہی کہتے ہوں۔ یہ جھوٹ بولتی ہو، فراڈ کرتی ہو، دھوکے سے لوگوں سے رقمیں وصولتی ہو...... لیکن اگر لوگوں کا کہا ہوا جھوٹ ہوا اور یہ سچی ہوئی؟'' میں خوف سے کانپنے لگی، کینسر کا عفریت مجھے اپنے سامنے بڑھتا ہوا دکھائی دینے لگا۔

''اچھا دیکھو میں کوشش کروں گی...... مگر میں دس ہزار سے زیادہ نہیں دے سکوں گی۔'' میں نے احسان کا کوڑا اس پر برسا کر خود کو آنے والے خطرے سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔

''چلیں ٹھیک ہے...... مجھے باقی پیسوں کے لیے کسی اور کے پاس جانا پڑے گا۔'' وہ بے حد تھکے اور افسردہ لہجے میں یہ جملہ کہہ کر آفس سے نکل گئی۔

''ہونہہ اس کا تو ہمیشہ یہی طریقہ رہا ہے۔ آخر میں کہاں تک اس کی مدد کروں، میرے بھی تو ہزاروں اخراجات ہیں، میرے پاس کون سے خزانے ہیں جس میں سے میں اسے دیتی رہوں۔'' اس کے لہجے نے مجھے اندر سے زخمی کر دیا تھا اور میں اپنے زخموں پر اپنے ہی الفاظ کے مرہم رکھ رہی تھی۔

☆☆☆

میرے چار بھائی تھے، بڑے دو بھائیوں کے بچے مجھ سے عمر میں تھوڑے ہی چھوٹے ہیں اور دو چھوٹے بھائیوں کی شادیاں اس وقت ہوئیں جب میں میٹرک میں تھی۔ چاروں بھائی مجھے بہت چاہتے تھے، میں بھی ان سے بے تحاشا محبت کرتی تھی۔ ایف ایس سی میں میری بورڈ میں پانچویں پوزیشن تھی۔ جس کی وجہ سے مجھے اسکالر شپ پر Nust میں ایڈمیشن مل گیا۔ میں نے بڑی اعزازی GP کے ساتھ الیکٹریکل انجینئرنگ میں گریجویشن کیا۔ پھر ایم ایس کرنے کے بعد فوج جوائن کر لی۔ مجھے چھ ماہ کی ٹریننگ کے بعد کیپٹن کا عہدہ مل گیا۔ اور ایک سال بعد ہی میری شادی ایک میجر سے ہو گئی۔ ہم دونوں کی پوسٹنگ کراچی ہو گئی تھی۔ جہاں ہمیں آفس کے قریب ہی بہت خوب صورت گھر دیا گیا تھا۔ اس گھر کو ہم دونوں نے مل کر خوب سجا کر رکھا تھا۔ میری دو بچیاں تھیں، ہم دونوں کی تنخواہ ملا کر تقریباً لاکھ سے اوپر تھی لیکن میرے میاں اپنے گھر میں سب سے بڑے تھے اور سب سے لائق تھے۔ اس لیے ماں، باپ کی ساری امیدیں انہی سے وابستہ تھیں۔ ان کی تین بہنیں شادی شدہ تھیں اور تین بہنوں کی شادیاں ہونی تھیں۔ اس لیے میرے میاں کو اپنی آدھی تنخواہ گھر بھیجنی پڑتی۔ ہم بڑا کھینچ تان کر اخراجات پورے کرتے تھے۔ لوگوں کو ہمارے اندرونی مسائل کا علم نہیں تھا۔ وہ ہماری ظاہری چمک دمک دیکھ کر ہم سے مرعوب رہتے۔

میں فطرتاً بہت رحم دل اور خدا ترس تھی۔ اسی لیے جب سے مجھے سائرہ کی بیماری کا پتا چلا تھا میں دل کھول کر اس کی مدد کرتی تھی۔

میری سائرہ سے ملاقات آفس جوائن کرنے کے دوسرے دن ہی ہو گئی تھی۔ میرا یونٹ کے کمانڈنٹ سے انٹرویو تھا۔ میں نے ان کے کمرے میں داخل ہو کر انہیں سلیوٹ کیا۔ انہوں نے جواب دے کر مجھے سامنے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ابھی میرے انٹرویو کا آغاز نہیں ہوا تھا کہ آفس کا دروازہ کھول کر ایک بہت اسمارٹ اور خوب صورت سی لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔

''سر سکندر کا فون آیا ہے اس کی طبیعت خراب ہے، وہ آج آفس نہیں آئے گا۔ اس نے اپنے دوست کو بھیجا ہے، وہ پاسپورٹ آفس میں کام کرتا ہے، سر وہ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔''

''ٹھیک ہے آپ اسے بٹھائیں، میں دس منٹ بعد کال کرتا ہوں۔''

''جی سر......'' اس نے انتہائی تابعداری سے جواب دیا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

''مجھے آپ کو دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے کہ اب ہماری بیٹیاں بھی ہر فیلڈ میں آگے بڑھ رہی ہیں......'' ان کا انداز بہت مشفقانہ تھا میرا مورال بہت اونچا ہو گیا۔ انہوں نے پندرہ بیس منٹ تک میرا انٹرویو لیا۔ اور میں انتہائی خوش، خوش کمرے سے نکلی تو ساتھ والے چھوٹے سے کمرے میں وہ فون پر کسی سے بات کر رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ تعظیماً کھڑی ہو گئی۔

''میم آپ بیٹھیں......'' وہ فون رکھ کر مجھ سے مخاطب ہوئی...... میرے پاس فی الحال کوئی کام نہیں تھا۔ میں اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''میرا نام سائرہ ہے اور میں کرنل صاحب کی پی اے ہوں۔''

''آپ یہاں کب سے جاب کر رہی ہیں؟''

میں نے اخلاقاً پوچھا۔

''میم مجھے تو دس سال ہو گئے ہیں۔''

''دس سال.....'' میں حیران رہ گئی۔ وہ خاصی کم عمر لگ رہی تھی۔

''آپ تو بہت ینگ لگ رہی ہیں......'' میں نے فوراً ہی اس کے سامنے دل کی بات کہہ دی۔

''میم میں میرڈ ہوں اور میری چار بیٹیاں ہیں۔'' اس نے مزید میری حیرت میں اضافہ کیا۔

''واقعی.....! مجھے یقین نہیں آرہا۔''

''اکثر لوگوں کو یقین نہیں آتا۔ لیکن یہ حقیقت ہے۔'' وہ دھیمے سے مسکرا کر بولی اور اس کی مسکراہٹ نے اس کے چہرے پر روشنی بکھیر دی۔

''میم آپ کو کسی بھی مدد کی ضرورت ہو، مجھے بتا دیجیے گا۔ میں ہر وقت حاضر ہوں۔'' تھوڑی دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد میں اٹھنے لگی تو بڑی محبت سے مجھ سے ہاتھ ملا کر کہا۔ میرے دل میں اس کا پہلا تاثر بہت خوشگوار احساسات سے مزین تھا۔

شروع شروع کے دنوں میں مجھے گھر کو سیٹ کرنے کے لیے اس کی مدد کی ضرورت پڑی تو اس نے بغیر حیل وحجت کے میرا ساتھ دیا۔ آفس کے لوگوں کے ساتھ اس کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ مجھے جب بھی کسی پلمبر، الیکٹریشن، جمعدار یا کارپینٹر کی ضرورت ہوتی۔ میں اس سے کہہ دیتی۔ وہ کسی سینئر افسر سے کہلوا کر فوراً بجھوا دیتی۔ اس طرح مجھے جب بھی کمانڈنٹ سے بات کرنی ہوتی وہ فوراً مجھے نمبر ملوا دیتی۔ وہ جتنی اسمارٹ اور خوب صورت تھی اس کا بات کرنے کا انداز بھی اتنا ہی خوب صورت تھا۔ مجھے اس سے بات کرنا اچھا لگتا تھا۔ تھوڑے دنوں بعد مجھے آفس میں کمرا مل گیا۔ میں اپنے کمرے میں بیٹھنے لگی تو وہ اکثر دن میں ایک آدھ بار ضرور چکر لگاتی۔ کبھی وہ اکیلی آتی اور کبھی یونٹ کی دوسری لڑکیوں کے ساتھ...... وہ عام طور پر کسی کی برائی نہیں کرتی تھی۔ لیکن آفس کی دوسری لڑکیاں اس کی غیر موجودگی میں اس کے خلاف بہت

باتیں کرتی تھیں۔ جس پر یقین کرنے کو میرا دل نہیں چاہتا تھا مگر پھر بھی تھوڑا بہت یقین کرہی لیتی تھی۔ وہ طلاق یافتہ تھی۔ لوگ تو نہ جانے کیا کچھ کہتے تھے لیکن اس نے مجھے یہ بتایا تھا کہ اس کے شوہر نے اسے صرف اس لیے طلاق دی تھی کہ اس نے مسلسل چار بیٹیاں پیدا کی تھیں۔ اور وہ کوئی بیٹا نہ پیدا کرسکی اور چوتھی بیٹی کی دفعہ کچھ ایسی پیچیدگی پیدا ہوگئی کہ وہ آئندہ ماں بننے کے قابل نہیں رہی اور یہ اتنا بڑا جرم تھا کہ جس پر اسے کسی طور معافی نہیں مل سکتی تھی لہٰذا اس کے شوہر نے اسے بچیوں سمیت واپس اس کے باپ کے گھر بھجوادیا اور خود اپنی کزن سے شادی کرلی جو اس کی محبت میں ابھی تک کنواری بیٹھی تھی۔ جب وہ بچیوں کو لے کر اپنے باپ کے گھر آئی تو وہاں بھی دو بہنیں شادی کے انتظار میں بیٹھی تھیں لیکن اس کے باوجود اس کے ماں، باپ نے بڑی خوش دلی سے اسے اپنے گھر میں جگہ دی۔

سنا تھا وہ آفس کے بعد کسی ڈاکٹر کے کلینک پر بھی کام کرتی تھی۔ وہاں سے گھر آتے، آتے رات کے دس بج جاتے لیکن اس کا کمال یہ تھا کہ اتنی محنت اور مشقت کے باوجود وہ ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہتی۔

☆☆☆

''میم کچھ نہ پوچھیں۔ سائرہ نے تو سارے محکمے کو بدنام کیا ہوا ہے۔'' جمعے کا دن تھا۔ مرد حضرات نماز کے لیے گئے ہوئے تھے۔ سارے ڈیپارٹمنٹ میں سناٹا چھایا ہوا تھا تو وہ تینوں ہنستی کھلکھلاتی میرے آفس میں داخل ہوئیں اور آتے ہی رسمی گفتگو کے بعد سائرہ کے خلاف باتیں کرنے لگیں۔ حالانکہ جمعے کا دن تھا اور میں کم از کم اس دن کسی کی غیبت سننا نہیں چاہ رہی تھی لیکن اس گناہ میں ایسی کشش ہے کہ میں نہ چاہتے ہوئے بھی اس کارِ بد میں شریک ہوگئی۔

وہ تینوں میرے ہی ڈیپارٹمنٹ میں کام کرتی تھیں۔ لیکن تینوں کے سیکشن الگ، الگ تھے۔ عارفہ لیبارٹری میں لیب اسٹنٹ تھی۔ شازیہ کلرک تھی جبکہ عظمیٰ ٹیلی فون آپریٹر تھی۔ بظاہر ان تینوں کی سائرہ سے بہت گہری دوستی تھی۔ لنچ بھی چاروں ساتھ کرتی تھیں۔ شاپنگ پر بھی مل کر ہی جاتی تھیں۔ میرے پاس بھی چاروں اکٹھی آتی تھیں لیکن آج سائرہ چھٹی پر تھی، وہ نہیں آئی تھی اس لیے تینوں کو اس کے خلاف بولنے کا موقع مل گیا تھا۔

''ایسا کیا کردیا اس بیچاری نے......؟ وہ تو صبح سے رات تک کولہو کے بیل کی طرح کام کرتی ہے۔'' میں نے کمزور سے لہجے میں اس کی طرف داری کی کیونکہ اس قسم کی چٹپٹی باتیں سننے میں مجھے بھی مزہ آتا تھا۔

''ہاں......واقعی کام تو وہ بہت کرتی ہے......؟'' شازیہ نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر کہا۔

''کیا مطلب......؟'' میں نے مزید کریدا۔

''چھوڑو ناں کیوں خواہ مخواہ کسی کی غیبت کرکے اپنی زبان کو ناپاک کررہی ہو۔'' عارفہ بظاہر تو شازیہ کو منع کررہی تھی لیکن انداز اکسانے والا تھا۔

''یہ غیبت نہیں ہے، وہ جو کرتی ہے سب کو پتا ہے۔'' شازیہ نے فوراً اپنے گناہ کا عذر پیش کیا۔

''کیا وہ خود بتاتی ہے؟'' مجھے حیرانی ہوئی۔

''میم آپ بہت سادہ ہیں۔'' عارفہ کا انداز تمسخرانہ تھا۔

''وہ بھلا کیوں بتانے لگی اور ایسی باتیں کون بتاتا ہے۔ لیکن ایسی باتیں بھلا کہیں چھپ سکتی ہیں۔'' عظمیٰ نے انتہائی کٹیلے لہجے میں کہا۔ اس کا رنگ گہرا سانولا تھا۔ وہ بے حد دبلی پتلی تھی اس کی عمر چالیس کے قریب ہوچکی تھی اور وہ ابھی تک کنواری تھی۔ اسے تمام خوب صورت لڑکیاں بدچلن نظر آتی تھیں۔

''میم آپ کو پتا ہے سائرہ کی کتنی تنخواہ ہے......'' شازیہ نے بات کو آگے بڑھایا......میں ان سب کی آفیسر تھی۔ یہ آفس کی سیاست کا حصہ تھا کہ جو بھی فرد باس کی نظروں میں اچھا ہو......اسے ضرور برا ثابت کرنا ہے چونکہ وہ سب جانتی تھیں کہ میں سائرہ کو پسند کرتی ہوں اس لیے وقتاً فوقتاً اس کی غیر موجودگی میں وہ اپنا فرض ادا کرتی تھیں۔ اس وقت بھی وہ اپنے فرض

کی انجام دہی میں تن دہی سے جتی ہوئی تھیں۔
''میرا خیال ہے پندرہ بیس ہزار تو ضروری ہوگی۔'' میں نے اپنا خیال ظاہر کیا۔
''اس کی تنخواہ بیس ہزار ہے۔ شام کو پارٹ ٹائم نوکری سے آٹھ ہزار ملتے ہیں یہ بھی اس نے خود بتایا ہے۔ اب آپ خود سوچیں آج کل اٹھائیس ہزار میں کیا ہوتا ہے جبکہ اس کی چار بیٹیاں ہیں، باپ ریٹائر ہیں، بھائی ہے نہیں...... پھر چاروں بچیاں پڑھ رہی ہیں تو وہ کس طرح اتنے ٹھاٹھ باٹ سے رہتی ہے۔'' شازیہ نے فوراً حساب کتاب کر کے اس کی پوزیشن کو مشکوک کر دیا۔
''اس کی بہنیں بھی تو جاب کرتی ہیں۔''
''میم...... بہنیں بھی ایسی ہی ہیں...... ایک بہن بیوٹی پارلر میں جاب کرتی ہے۔ دوسری کسی شپنگ کمپنی میں receptionist ہے اور تیسری بہن کسی سرکاری ادارے میں کلرک ہے۔'' عارفہ نے مزید تفصیل بتائی۔
''لیکن اسے دیکھ کر تو لگتا ہے جیسے اس کا تعلق اچھی خوشحال فیملی سے ہے۔ ڈریسنگ تو بہت اچھی کرتی ہے۔'' میں نے حقیقت بیان کی۔
''ڈریسنگ کیا۔ آپ اس کی جیولری دیکھیں...... میک اپ دیکھیں جو face wash وہ استعمال کرتی ہے، وہ آپ بھی نہیں کرتی ہوں گی۔'' شازیہ کا لہجہ بہت زہریلا تھا۔ وہ آج نہ جانے کیا ثابت کرنے پر تلی ہوئی تھی۔
''جبھی تو...... دنیا ایسے ہی تو باتیں نہیں بناتی...... اور شوہر نے ایسے ہی تو طلاق نہیں دی ہوگی۔'' اس نے مزید جملہ کہہ کر اپنے زخموں پر مرہم رکھا۔
''ظاہر ہے، گھر بسانا آسان نہیں ہے، اپنے آپ کو ختم کرنا پڑتا ہے۔ تب ہی گھر آباد ہوتے ہیں۔'' عارفہ جو ہمیشہ اپنے شوہر کی زیادتیوں کی شکایت کرتی تھی۔ فخریہ لہجے میں بولی۔ اور یہ جملہ سنتے ہی عظمیٰ کے چہرے کی تاریکی کچھ اور گہری ہوگئی۔

''میم آپ تو ابھی نئی آئی ہیں آپ کو پتا ہی نہیں......'' اور پھر وہ تینوں میرے اور قریب آئیں اور چند لمحوں بعد مجھے احساس ہوا جیسے فضا میں چھوٹے بڑے کئی سانپوں کی سرسراہٹیں گونج رہی ہوں۔

☆☆☆

اس دن کے بعد سے میں خاصی محتاط ہوگئی۔ جبکہ سائرہ اسی طرح خوش اخلاقی سے مجھ سے ملتی پھر کچھ دنوں بعد میں نے سنا وہ دبئی جا رہی ہے...... میں پھر... بدگمانیوں کا شکار ہوگئی۔ اور پھر چند دنوں بعد اس نے خود میرے پاس آکر اس خبر کی تصدیق کر دی۔
''میم میری کزن دبئی میں رہتی ہے، میرا اس کے ساتھ بوتیک کھولنے کا ارادہ ہے۔''
''دبئی میں بوتیک......؟'' میں سخت حیران تھی۔
''ابھی تو میں نے پچاس سوٹ تیار کروائے ہیں...... اگر کام چل نکلا تو پھر...... مزید تیار کراؤں گی۔''
''مگر اس کے لیے تو بہت پیسوں کی ضرورت ہوگی۔'' میں اس سے شاید جیلس ہو رہی تھی۔
''ابھی تو میری کزن نے مجھے پیسے بھجوائے ہیں...... بس میم دعا کریں۔ اللہ اس کام میں برکت دے۔ آپ تو جانتی ہیں آج کل کتنی مہنگائی ہے، بچیاں بھی بڑی ہو رہی ہیں، ان کی تعلیم پھر ان کی شادیاں...... سمجھ میں نہیں آتا کیا ہوگا۔'' وہ بہت زیادہ پریشان اور فکر مند لگ رہی تھی۔
''اچھا میم اب میں چلتی ہوں، آپ میرے لیے دعا کرتی رہیے گا۔'' وہ اپنے سارے پلان بتا کر کھڑی ہوگئی اور چلتے ہوئے ہاتھ ملا کر رخصت ہوئی تو میں نے اطمینان کی سانس لی۔
پتا نہیں کیا درست تھا اور کیا غلط...... میں فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ صحیح اور غلط کا فیصلہ کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ جب آنکھوں پر شک کے پردے پڑے ہوں اور چاروں طرف بدگمانیوں کے سانپ لہرا رہے ہوں...... زندگی کا چلن اتنا سادہ نہیں...... کبھی جو ہوتا ہے وہ نظر نہیں آتا اور کبھی جو نظر آتا ہے وہ ہوتا نہیں ہے۔

سائرہ چھٹی لے کر دبئی چلی گئی اور ہم سب زندگی کے کھیل میں پھر سے اپنے، اپنے حصے کا پارٹ ادا کرنے لگے۔ وہ نہیں تھی تو اس کا ذکر بھی کم ہو گیا۔

پھر مجھے دوسرے ڈیپارٹمنٹ میں بھیج دیا گیا۔ ان تینوں کا آنا بھی کم ہو گیا۔ یہاں کام بھی زیادہ تھا۔ اس لیے فضول باتوں کے لیے وقت ہی نہیں ہوتا۔ اب بھی کبھار ہی میرے ذہن میں اس کا خیال آتا۔

پھر ایک دن میں نے سنا کہ وہ واپس آ گئی۔ ان دنوں میں چھٹیوں پر تھی۔ میں واپس آفس آئی تو پتا چلا کہ وہ بہت بیمار ہے۔ اتنی زیادہ کہ پہچانی نہیں جاتی۔

پھر کہانیاں بننے لگیں۔ عجیب و غریب کہانیاں، بے حیائی اور بے شرمی کے تاروں سے بُنی ہوئی رنگ برنگی، چسکے دار کہانیاں، تنہا عورت، طلاق یافتہ، چار بچیاں......صبح سے شام تک کام کرنے والی، ویل ڈریسڈ، خوب صورت، دبئی کا چکر......بیماری، کہیں کوئی جھول نہیں تھا۔ مضبوط پلاٹ ......ہر رنگ، ہر انداز جو کہانی کو رنگین بنا دے......

☆☆☆

''میم سائرہ بہت بیمار ہے......'' چھٹیوں کے بعد میں نے آفس جوائن کیا تو لوگوں سے ملتے جلتے خیریت دریافت کرتے ہوئے کسی نے مجھے اس کے بارے میں بتایا۔

''اوہ، یہ تو بہت برا ہوا۔'' مجھے خاصا دکھ ہوا۔

''وہ دبئی سے آنے کے بعد ایک ہی دفعہ آفس آئی تھی۔ بہت کمزور ہو گئی ہے رنگ تو بالکل سیاہ ہو گیا ہے۔'' آذر صاحب جو ہمارے آفس میں ہیڈ کلرک تھے۔ انہوں نے بڑی دلسوزی سے یہ خبر سنائی۔

''اللہ خیر کرے......ایسا کیا ہو گیا......؟'' میرا دل دھک، دھک کرنے لگا۔

''سنا ہے شاید کینسر ہو گیا ہے، پرسوں آپریشن ہو گا۔''

''کینسر......'' الفاظ میرے لبوں تک آتے، آتے دم توڑ گئے۔ مجھ سے کچھ نہ بولا گیا۔

''دعا کریں، اللہ پاک شفا دے اتنی اچھی لڑکی ہے، بچیوں کا ساتھ ہے، اللہ اس کی بچیوں پر رحم کرے۔''

☆☆☆

دو دن بعد اس کا آپریشن ہو گیا اور کامیاب ہوا۔ آفس کی طرف سے اسے خاصا قرضہ ملا۔ اور لوگوں نے بھی پیسے جمع کر کے اس کی مدد کی۔

وہ صحت یاب ہو کر آفس آئی تو بالکل بدلی ہوئی تھی۔ چہرے پر بشاشت نہ آنکھوں میں چمک اسے دیکھ کر خوف سا آتا تھا۔ چند مہینوں میں وہ ہڈیوں کا ڈھانچا بن گئی تھی۔

☆☆☆

اس نے دوبارہ آفس جوائن کر لیا تھا۔ آفس کی طرف سے اس کو خاصی مراعات ملی ہوئی تھیں۔ اس کا علاج جاری تھا۔ ریڈیو تھراپی ہو رہی تھی اور وہ بھی کسی پرائیویٹ اسپتال میں جس کے لیے اسے اکثر پیسوں کی ضرورت رہتی۔ اب اس کا آئے دن کا یہ معمول بن گیا تھا وہ آفس کے لوگوں سے کسی نہ کسی ٹیسٹ یا دوا کے لیے پیسے مانگا کرتی۔

اس کی بیماری کو پانچ سال ہو گئے تھے۔ شروع، شروع میں لوگوں نے دل کھول کر مدد کی۔ پھر آہستہ، آہستہ سب نے ہاتھ کھینچنے شروع کر دیے کوئی کب تک کسی کا ساتھ دے سکتا ہے۔ پھر سب ہی سرکاری ملازم تھے، نہ جانے کتنے جتن سے زندگی کی گاڑی گھسیٹ رہے تھے سب کا یہی حال تھا کہ سر چھپائیں تو بدن کھلتا ہے۔ سب کی چادریں چھوٹی تھیں اور اب تو یہ حال ہو گیا تھا کہ لوگ اس کی صورت دیکھتے ہی بہانے سے کھسک جاتے تھے۔

میں بھی کسی حد تک انہی لوگوں میں شامل تھی۔ میری بھی یہی کوشش ہوتی کہ جب وہ میرے پاس آتی، میں بھی بہانہ بنا کر آفس سے چلی جاتی یا اپنے آپ کو کام میں مصروف ظاہر کرتی تاکہ وہ اکتا کر چلی جائے لیکن وہ بھی ایک نمبر کی ڈھیٹ تھی۔ گھنٹا، گھنٹا بھر خاموش بیٹھی رہتی۔ بالآخر مجبور ہو کر میں اس کی مانگی

ہوئی رقم سے آدھی یا چوتھائی رقم دینے کا وعدہ کر لیتی۔ میں نے اس دفعہ کمیٹی سے دو چوڑیاں بنانے کا سوچا تھا لیکن اس کی منت سماجت کے بعد میں پھر مجبور ہو گئی۔ دوسرے ہی دن میں نے پورے تیس ہزار اس کے حوالے کر دیے۔ رقم دیکھتے ہی اس کے چہرے پر جو چمک اور روشنی پیدا ہوئی اس نے میری چوڑیاں نہ بننے کے ملال کو تھوڑا کم کر دیا۔

☆☆☆

دو دن بعد ہی میری پوسٹنگ کے آرڈر آ گئے۔ ہماری خوش قسمتی تھی کہ مجھے اور میرے میاں کو ایک شہر میں پانچ سال اکٹھے رہنے کا موقع مل گیا۔ اور یہ موقع ہمیں کیسے ملا تھا۔ اس کے پیچھے ایک طویل کہانی ہے۔ یہ تو ہم ہی جانتے ہیں کہ ہم نے کتنی بھاگ دوڑ کی تھی اور کن، کن لوگوں سے سفارشیں کروائی تھیں۔ کیسے، کیسے بہانے تراشے تھے لیکن اس دفعہ ہماری کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکی۔ میرے بھائی کے سسر کے کزن جرنیل تھے۔ ان تک سے سفارش کروائی۔ لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا اور ہمیں رختِ سفر باندھنا ہی پڑا۔ میری پوسٹنگ پنڈی ہوئی تھی اور میرے شوہر کی کوئٹہ...... ہم دونوں کو بے شمار مسائل کا سامنا تھا۔ اسی دوران مجھے اڑتی، اڑتی خبر ملی کہ سائرہ کی طبیعت بہت خراب ہے اور اب وہ اسپتال میں ایڈمٹ ہے۔

☆☆☆

مجھے پنڈی جا کر رپورٹ کرنی تھی۔ میری اتوار کی فلائٹ تھی۔ دو دن پہلے آفس میں فیئر ویل تھی۔ میرا دل بہت اداس ہو رہا تھا۔ پانچ سال ایک جگہ کام کرتے، کرتے صرف لوگوں سے ہی نہیں اس جگہ سے بھی انسیت ہو جاتی ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں فوجیوں کے دل بہت سخت ہوتے ہیں، ان پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا۔ ان کے دل شاید محبت اور انسیت کے جذبوں سے نا آشنا ہوتے ہیں جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ فوجی بھی عام انسانوں کی طرح دل رکھتے ہیں اور ان کے دل بھی جذبات اور احساسات سے مالا مال ہوتے ہیں۔ ہر دفعہ پوسٹنگ کے وقت ہم دونوں کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ ساتھ رہنے والوں کو چھوڑنے کا دکھ، نئی جگہ اور آنے والے مسائل کا خوف اور میں تو عورت ہونے کی وجہ سے کچھ زیادہ ہی حساس تھی اور ابھی مجھے فوج کو جوائن کیے ہوئے بہت زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ فوجی ٹریننگ کے بعد یہ میری پہلی پوسٹنگ تھی۔ میرا دل پانی، پانی ہو رہا تھا۔ اور پارٹی کے دوران ہی مجھے خبر ملی کہ صبح کو سائرہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ دل غم سے مزید بوجھل ہو گیا۔

پارٹی بہت شاندار رہی سب نے حسبِ معمول میری بہت تعریفیں کیں۔ آفس کی طرف سے بہت قیمتی تحائف بھی ملے لیکن ان میں سے کوئی چیز بھی میری افسردگی کو دور نہ کر سکی۔ ساری رات مجھے نیند نہیں آئی۔ میں مسلسل سائرہ کے بارے میں سوچتی رہی۔ چند لمحے کے لیے آنکھیں بند ہوتیں تو بھی اس کا چہرہ نظروں میں پھرتا رہتا۔

☆☆☆

صبح ہوتے ہی ضروری کام نمٹا کر میں اپنے میاں کے ہمراہ اس کے گھر پہنچی۔ اس کا گھر اور اس کی بچیوں کو دیکھ کر میں حیران رہ گئی۔ گھر بہت صاف ستھرا اور سلیقے سے سجا ہوا تھا۔ بیٹیاں بھی بہت اچھے لباس میں تھیں۔ گھر میں رشتے دار خواتین جمع تھیں۔ سب نے حیرانی سے مجھے دیکھا، میں ان سب کے لیے اجنبی تھی۔

”میرا نام انعم ہے، میں سائرہ کے آفس سے آئی ہوں۔“ میں نے ایک خاتون سے اپنا تعارف کروایا۔

”اوہ...... آپ کیپٹن انعم ہیں۔ آیئے تشریف لایئے۔“ خاتون کے ساتھ بیٹھی اس کی بڑی بیٹی مریم نے فوراً مجھے پہچان لیا۔ میں نے اسے گلے سے لگا کر دلاسا دیا۔

”سائرہ کی والدہ کہاں ہیں؟“ میں نے باقی تینوں اور اس کی بہنوں سے مل کر اس کی والدہ کے بارے میں پوچھا۔

”نانو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، وہ اپنے کمرے

میں ہیں۔''

''کیا میں ان سے مل سکتی ہوں؟''

''جی.....ضرور.....وہ تو خود آپ سے ملنا چاہتی ہیں، آپ نے جس طرح امی کا ان کی بیماری میں ساتھ دیا۔ اس کے لیے وہ اور ہم سب آپ کے بہت شکر گزار ہیں۔'' سائرہ کی بیٹی کے اس طرح سب کے سامنے کہنے پر میں خوشی اور شرمندگی کی عجیب سی کیفیت کا شکار ہوگئی۔ وہ مجھے لیے ہوئے اپنی نانی کے پاس آئی، انہیں دیکھ کر مجھے بہت دکھ ہوا غم اور دکھوں سے ان کا خوب صورت چہرہ کملایا ہوا تھا۔

''بہت افسوس ہوا، اللہ تعالیٰ آپ کو صبر دے۔'' میں نے ان کا ہاتھ تھام کران سے تعزیت کی۔

''تم نے جو کچھ کیا، خدا تمہیں اس کا اجر دے۔ تم نے میری بیٹی کا بڑا ساتھ دیا۔ خدا تمہیں ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ وہ تمہاری بڑی تعریف کرتی تھی۔'' ان کے جملوں نے میرے اندر گھٹیا سی خوشی پیدا کردی۔ میری انا کا بت اپنی چھب دکھلانے لگا۔

''آپ مجھے شرمندہ نہ کریں جو کچھ میں نے کیا وہ تو میرا فرض تھا۔''

''میرا.....فرض.....'' اس لفظ نے مجھے میری ہی نظروں میں شرمندہ کردیا.....کیا واقعی.....جو کچھ میں نے اس کے ساتھ کیا تھا فرض سمجھ کر کیا تھا۔ اگر واقعی فرض سمجھ کر کرتی تو کیا اسے گھنٹوں اپنے سامنے بٹھائے رکھتی؟ اسے دینے کے لیے بے شمار بہانے بناتی؟ اس سے بار، بار اپنے آفس کے چکر لگواتی؟ اسے پیسے دے کر اپنی انا کی آب یاری کرتی؟

''میرے مرنے کے دن تھے اور وہ چلی گئی۔'' وہ میرا ہاتھ تھام کر سسکنے لگیں۔ میں آہستہ، آہستہ ان کا ہاتھ تھپکنے لگی۔

''کوئی بتائے اب میں کیا کروں گی۔ کیسے اس کی بچیوں کو پڑھاؤں گی۔ اسے کتنا شوق تھا کہ اس کی بچیاں پڑھ لکھ کر باعزت زندگی گزاریں۔ وہ تو ان بچیوں کی خاطر صبح سے رات گئے تک کام کرتی تھی۔ تین، تین جگہ نوکریاں کرتی، لوگوں کی باتیں سنتی اب جب سے بیمار ہوئی تھی اتنی محنت نہیں کرسکتی پھر بھی بچیوں کی ہر ضرورت پوری کرتی۔ اپنا علاج سرکاری اسپتالوں میں کراتی تھی۔ اور بچیوں کو پرائیویٹ کالجوں میں پڑھا رہی تھی۔'' وہ صدمے اور غم کی کیفیت میں نہ جانے کتنے راز افشا..کررہی تھیں۔

''واقعی دنیا ٹھیک کہتی تھی.....'' میری اس سے ہمدردی غصے میں بدلنے لگی۔

''چند دن پہلے مریم کا یونیورسٹی میں داخلہ ہونا تھا۔ پچاس ہزار چاہیے تھے۔ پتا نہیں اس نے کس سے لیے اور جس دن اس نے فیس جمع کرائی اس سے اگلے دن ہی شدید بیمار ہو کر اسپتال میں داخل ہوگئی۔''

''اوہ.....تو اصل کہانی یہ تھی۔'' میں حیرت زدہ تھی۔

''اس کا مطلب ہے کہ وہ بیماری کا بہانہ بنا کر لوگوں سے پیسے وصولتی تھی۔ جبھی وہ کسی کو اپنی رپورٹس نہیں دکھاتی تھی کہ سب کو حقیقت پتا چل جائے گی۔ آج مجھے پتا چلا لوگ ٹھیک کہتے تھے۔ وہ جھوٹ بولتی تھی، لوگوں کو فریب دیتی تھی، وہ غلط تھی، اس نے جو کچھ کیا سب غلط تھا۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔ اس نے مجھے کتنا بے وقوف بنایا..... بیماری کے بہانے کتنے ہزاروں روپے مجھ سے ہتھیا لیے۔ یہ تو سراسر بلیک میلنگ تھی۔ اس نے مجھے دھوکا دیا۔ میرے ساتھ فراڈ کیا۔'' غم و غصے سے میرے اندر شعلے بھڑکنے لگے۔

''اس نے ایسا کیوں کیا؟ کیا تھا اگر وہ صحیح راستہ اختیار کرتی۔ سچ بولتی۔ لوگوں کو سچ بتا کر بچیوں کی تعلیم کے لیے پیسے مانگتی۔ کیا اگر وہ سچ بولتی تو لوگ اسے پیسے نہ دیتے؟ جس طرح وہ اپنے علاج کے لیے پیسے مانگتی تھی۔ بچیوں کی تعلیم کے لیے نہیں مانگ سکتی تھی؟ کیا مجھ سے مانگتی تو میں اسے نہ دیتی.....؟'' سب سے پہلے میں نے اپنے آپ سے ہی سوال کیا؟

اور پھر تھوڑی دیر بعد ہی میرے اندر کی بھڑکتی ہوئی آگ ٹھنڈی ہوگئی کیونکہ میرے سوال کا جواب نفی میں تھا۔

اسٹیج پر آنکھوں کو خیرہ کرتی روشنیوں میں جگمگ کرتی پیاری سی دلہن، اس کے گرد اس کی کزنز اور سہیلیوں کا ہجوم.....ہال میں موجود تمام میزیں مہمانوں سے پُر، خوب صورت لباس، میک اپ، زیورات اور خوشبوئیں...... خواتین کے نہ ختم ہونے والے قصے، تبصرے، نوجوان لڑکیوں کی گپ شپ، غرض وہی ایک روایتی سا شادی بیاہ کا ماحول...... جس کا حصہ آج میں بھی تھی... بلکہ زبردستی بنادی گئی تھی۔

ہم بتلائیں کیا

ہالہ احمد



ہوا کچھ یوں کہ ہمارے پرانے محلے دار جواب کسی دوسرے علاقے میں شفٹ ہو چکے تھے۔ ان کی اکلوتی بیٹی کی شادی خانہ آبادی کا دعوتی کارڈ ہمیں بھی موصول ہوا۔ ابا تو خیر اب شادی وادی ٹائپ کی کسی محفل میں جانے سے گریز ہی کرتے تھے۔ اماں بھی اپنے گھٹنوں کے درد کی وجہ سے شادی میں جانے سے اچانک انکاری ہوگئیں۔ ہاں مگر پرانے تعلقات نبھانے کی غرض سے بھابی اور مجھے خاص تاکید کی کہ تم دونوں شادی میں ضرور جاؤ گی اور ہماری نمائندگی کروگی۔ میں نے اپنے ٹیسٹ کی تیاری کے خوب بہانے کرنے کی کوشش کی مگر بھابی بھی اماں کی ہمنوا ہوگئیں۔ اصل میں وہ خود بھی اکیلی نہیں جانا چاہتی تھیں سو کمپنی کی غرض سے میرا ان کے ساتھ جانا بہت ضروری تھا۔ یوں آج میں بھابی کے ساتھ اس خوب صورت ماحول کا حصہ بنی ہوئی تھی۔

بھابی کو تو ان کی ایک پرانی کلاس فیلو مل گئیں سو وہ تو اُن کے ساتھ باتوں میں مصروف ہوگئیں اور میں دل ہی دل میں پیچ وتاب کھاتی معصوم سی شکل بنائے بیٹھی تھی۔ اتنے میں کھانا کھلنے کا اعلان ہوگیا۔ سب مہمان خواتین کے چہروں پرخوشی اور اطمینان کی جھلک میں نے اپنی نشست پر بیٹھے، بیٹھے محسوس کی۔ بھوک تو خیر مجھے بھی لگی ہوئی تھی مگر میں خواتین کے جم غفیر میں غوطہ لگانے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھی مگر...... بھلا ہو ہماری بھابی صاحبہ کا...... اپنی سہیلی کے ساتھ باتوں میں اتنی مصروف کہ کھانا لینے کے لیے بھی نہیں ہلیں، وہیں سے مجھے حکم جاری ہوا کہ ان کے لیے بھی پلیٹ بنا کر لے آؤں۔ لو جی اب تو ہمت کرنا ہی تھی۔ چارو ناچار مرے مرے قدموں سے کھانے کی ٹیبل تک گئی۔ بڑی مشکل سے دو پلیٹیں حاصل کیں جو اس وقت مجھے کسی تمغے سے کم نہیں لگ رہی تھیں۔ چمچ کسی بھی طرح میرے ہاتھ نہیں لگ رہے تھے۔ حالانکہ پلاؤ کی خوشبو مجھے تمام رسے تڑوانے پر مجبور کر رہی تھی۔ مگر خواتین توبہ، توبہ...... دھکم پیل کی ماہر معلوم ہو رہی تھیں۔ اور میں ٹھہری انڈرویٹ دھان پان سی...... بھلا میرا ان سے کیا مقابلہ......؟ سوفی الحال چمچ حاصل کرنے کی تمنا کو دل میں ہی دبا کر اب میں نے ڈشز کی طرف رخ کیا۔ ایک قدم کسی طرح آگے بڑھاتی تو دو قدم پیچھے دھکیل دی جاتی۔ بڑی مشکلوں سے دو لڑکیوں کے درمیان ایک جھروکا نظر آیا اور اس جھروکے سے قورمے کی ڈش کا مکھڑا...... جسے دیکھتے ہی میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور گھس گئی اس جھروکے میں...... قورمہ ڈالنے کا معرکہ سر ہوا تو اب نان اٹھانے کا مرحلہ درپیش ہوا۔ پلیٹیں ہاتھ میں تھامے میں کچھ دیر کھڑی رہی کہ شاید کوئی جھروکا یہاں بھی نظر آجائے۔ آہستہ، آہستہ سرکتے ہوئے میں آگے بڑھتی جا رہی تھی اب میرے اور نان کی ڈش کے بیچ صرف ایک رکاوٹ، مطلب ایک خاتون رہ گئی تھی۔ اچانک مجھے ایک خیال آیا کہ یہ ''رکاوٹ'' خود دھڑا دھڑ نان اٹھائے چلی جا رہی ہے کیوں نہ اسے ہی کہہ دوں کہ دو نان میرے لیے بھی اٹھا لو۔ سو وقت ضائع کیے بغیر میں نے اپنا کندھا ان کے کندھے سے ملا کر اور اپنا منہ ان کے کان میں گھسیڑ کر بڑی عاجزی سے درخواست کی۔

''باجی! دو نان مجھے بھی پکڑا دیں پلیز......'' کہ ایک بچہ ان کے کندھے سے لگا تھا تو دوسرا ان کا پلو پکڑے ریں، ریں کر رہا تھا۔ اپنی طرف سے تو میں نے بڑی رعایت برتی تھی کہ آنٹی کے بجائے باجی کہہ کر پکارا کیونکہ میں خود تو ابھی کالج کے دوسرے سال میں تھی۔ مگر انہیں یہ رعایت ایک آنکھ نہ بھائی۔ مجھے نان پکڑانا تو دور کی بات انہوں نے اپنے اٹھائے نان بھی واپس ڈش میں پٹخے اور بڑے جلال سے میری طرف پلٹیں۔

''یہ باجی کیسے بولا......ہیں؟ کم از کم تمہاری باجی تو نہیں ہوں میں۔ ذرا خود کو دیکھو، بڑی چھٹکن بن رہی ہو، کسے خبر ایک کلاس میں کتنے سال لگائے ہوں۔''

اس وقت ان کے تیوروں سے گھبرا کر میں یہ کہنا بھول گئی کہ ''دو ایجادیں'' تو آپ کے ساتھ اس وقت مجھے نظر

آ رہی ہیں کسے خبر کتنے بچے مزید آپ نے گھر میں چھپائے ہوں۔ جبکہ وہ بلا تکان بولے جا رہی تھیں۔

''دیکھو ذرا چھوٹا بننے کا کیسا شوق ہے لوگوں کو۔ بھئی پہلے دیکھ تو لو...... جسے باجی کہہ رہی ہو وہ تمہاری باجی ہے بھی یا نہیں۔''

''جی، جی غلطی ہوگئی بس سوری یا..... میرا مطلب ہے سوری...... صرف سوری...... قسم سے۔'' مشکل سے ان سے جان چھڑا کر وہاں سے مڑی تو کسی نے از راہِ ہمدردی دو نان میرے ہاتھ میں تھما دیے۔ جنہیں دبوچ کر میں تو وہاں سے الٹے قدموں دوڑی۔

بھابی کو کھانا دیا اور اپنا لے کر کھسیانی بلی کی طرح اپنی سیٹ پر آ بیٹھی۔ ''حد ہوگئی بھئی۔'' دو نوالے لے کر ہی میرے دماغ کی بتی روشن ہونے لگی تو غصہ بھی آنے لگا۔ اتنے میں میری ساتھ والی خالی سیٹ پر ایک لڑکی آ کر بیٹھی۔ کھانا کھاتے کھاتے یونہی اِدھر اُدھر کی باتیں بھی شروع ہوگئیں۔ اور باتوں ہی باتوں میں یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ موصوفہ کا نام فریحہ ہے۔ میں تو کافی خوش کہ بھابی کو باتوں سے فرصت نہیں تھی تو مجھے بھی بولنے کے لیے ایک ساتھی مل گیا تھا۔ اچانک کھانا کھاتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔

''میں ذرا کولڈ ڈرنک لے آؤں۔ بڑی جلدی ختم ہو جاتی ہیں۔'' میں نے موقع غنیمت جانا اور معصوم سی فرمائش داغ دی۔

''فریحہ! تم میرے لیے بھی کولڈ ڈرنک لے آؤ گی پلیز......؟'' مجھے اس کی درست عمر کا تو اندازہ تو نہیں ہوا تھا۔ اور پھر شائستگی اور تمیز سے کسی کو باجی شاجی بولنے کا مزہ تو میں خوب چکھ چکی تھی سو اس کے معاملے میں، میں نے اپنے تئیں بہت احتیاط برتی۔ اور اپنائیت و بے تکلفی سے آپ جناب کا تکلف بھلا کر سیدھا نام لینے پر ہی اتر آئی۔ بجائے اس کہ کہ وہ اس عزت پر اترائی مگر اس کے تو چہرے کے تاثرات ہی یک لخت تبدیل ہوگئے۔

بیٹی کی رخصتی پر ایک ماں کی دعا

تو جہاں رہے وہاں پیار ہو
تیرے ہر قدم پہ بہار ہو
تری آنکھوں میں کبھی نمی نہ ہو
کسی شے کی تجھے کمی نہ ہو
تجھے جو لگے وہ نظر نہ ہو
کسی دکھ کو تیری خبر نہ ہو
تیری راہ میں قوسِ قزح رہے
تجھ سے راضی رب کی رضا رہے
خوشی تیرے پاؤں کی دھول ہو
دعا یہ میری بس قبول ہو

از: فصیحہ آصف خان، ملتان

''کچھ تو تمیز سے کام لو تم کس طرح آرام سے میرا نام لے رہی ہو اور تم، تم کر کے بات کر رہی ہو؟ زیادہ سے زیادہ بھی ہوئی تو ایف اے، بی اے کی اسٹوڈنٹ ہوگی تم...... اور میں چار سال پہلے ایم اے بھی کر چکی ہوں۔ سمجھیں تم؟ ہم عمر نہیں ہوں میں تمہاری، کمال ہے کوئی تمیز ہی نہیں ہے تمہیں۔'' ان کے چلّانے سے کئی لوگ متوجہ ہو چکے تھے۔ اور میرا وہ حال کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں...... مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ مجھ سے قورمے کی دفعہ غلطی ہوئی تھی یا کولڈ ڈرنک کی دفعہ...... بھابی مجھ سے بار، بار پوچھ رہی تھیں کہ ہوا کیا ہے؟ اور میرے ذہن میں ایک ہی جملہ آ رہا تھا کہ کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا؟'' اسی اثنا میں کسی نے میرے ہاتھ میں ٹھنڈی ٹھار کولڈ ڈرنک تھما دی۔

یہ غالباً نہیں بلکہ یقیناً وہی ''ہمدرد مددگار'' تھیں جنہوں نے نان میرے ہاتھ میں تھمائے تھے۔

ناولٹ

میری دھوپ کی تم ہی چھاؤں

سحرش فاطمہ



آذر اپنے کمرے میں تیار ہو رہا تھا تبھی نعیمہ اس کے پاس چلی آئیں۔

''مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔'' آذر گھڑی باندھتے ہوئے انہیں دیکھنے لگا۔

''جی امی، کہیں کیا بات ہے؟'' وہ تیاری میں عجلت دکھانے لگا۔

''اب تمہاری شادی ہو جانی چاہیے، میں ویسے تو اور لڑکیاں بھی دیکھ رہی ہوں پر جب گھر میں ہی ایک



لڑکی موجود ہو تو بھلا باہر کیوں دیکھیں؟'' نعیمہ کی بات پر وہ گھڑی پہننا ہی جیسے بھول گیا۔

''میں کچھ سمجھا نہیں امی۔'' کندھے اچکاتے ہوئے آذر نے جیسے لاعلمی کا اظہار کیا۔

''ہاں...... بھئی میں معظمہ کی بات کر رہی ہوں' اتنا بھی نہیں سمجھے؟'' وہ سامنے رکھی چیئر پر اطمینان سے آ کر بیٹھ گئیں جس سے آذر کو لگا کہ کہیں وہ لمبی بات نہ کرنے لگ جائیں۔

''مجھے بہت کام ہیں۔ ابھی میں جا رہا ہوں۔''

''میری بات کا جواب تو دو پہلے۔'' نعیمہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''امی! کیا اچھا لگ گیا ہے آپ کو، آپ کی حسین و جمیل بھتیجی میں؟'' اس نے حسین لفظ کو ذرا کھینچ کر کہا تھا۔

''بری بات ہے جیسی بھی ہے ناں بہت سوں سے اچھی ہے، سلیقے والی ہے، پڑھی لکھی ہے۔ ڈاکٹر بننے جا رہی ہے، گھر داری میں بھی آگے، آگے ہے اور کیا چاہیے۔'' نعیمہ اچھے سے جان گئی تھیں آذر، معظمہ پر کس بات کی وجہ سے طنز کر رہا تھا۔

''مجھ سے پوچھ رہی ہیں تو آپ میرا جواب سمجھ گئی ہوں گی۔'' اتنا کہہ کر وہ رکا نہیں' اپنا لیپ ٹاپ کا بیگ اٹھایا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

''یار میں کیا کروں؟ تم خود بتاؤ میں کیسے ملوں؟ آتے جاتے وقت بھائی ساتھ ہوتے ہیں، ان کا بس چلے تو کلاس روم تک چھوڑ آئیں۔'' میشل کسی سے فون پہ بات کر رہی تھی کہ آذر کو اس کے کمرے کے ادھ کھلے دروازے سے آواز آئی۔

''کون ہے فون پر؟'' آذر نے اندر آ کر پوچھا۔

''جج' جی بھائی وہ رمشا...... رمشا ہے فون پہ......''

میشل اچانک آذر کی آواز سن کر چونکی اور گھبراتے ہوئے جواب دیا۔

آذر نے فون اس سے چھینا اور اپنے کان سے لگایا دوسری طرف سے لڑکی کی ہیلو، ہیلو کی آواز پہ اس نے گھبرائی ہوئی میشل کو دیکھا اور فون اسے تھماتے ہوئے لمبے، لمبے ڈگ بھرتا ہوا چلا گیا۔

میشل نے ایک لمبی سانس خارج کی اور پھر سے فون پر بات کرنے لگی۔

''شکر ہے تم نے فون عامر سے لے لیا تھا ورنہ میری صحیح والی درگت بن جانی تھی۔'' میشل نے رمشا کو بتا کر فون منقطع کر دیا۔

''اس گھر میں میری تو کوئی سنتا ہی نہیں ہے، احساس نام کی چیز نہیں کسی کو...... اور تم......'' نعیمہ، میشل کے کمرے میں بڑبڑاتی ہوئی آئیں۔

''میں...... میں کیا؟'' میشل نے انگلی سے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''سارا دن اس موبائل سے کھیلتی رہتی ہو، یہ نہیں کہ دو گھڑی کو ماں باپ کے پاس بھی آ کر بیٹھ جاؤ۔''

''امی آپ لوگوں کے ساتھ ہی تو ہوتی ہوں بھئی کیا ہو گیا ہے۔'' میشل ان کی بات پہ تھوڑا اونچی آواز میں بولی۔

''ہاں تو تب بھی احسان ہی کرتی ہو ساتھ بیٹھ کر...... ٹک، ٹک تو تب بھی لگی رہتی ہے۔''

میشل سمجھ گئی کہ توپ کا رخ آج اس پر اور اس کے موبائل پر ہے۔

''اچھا آرام سے بیٹھیں، یہاں کیا کھڑی، کھڑی ہی مجھے کھری کھری سنا کر محاورہ ثابت کرنا ہے؟'' میشل کو مسکرانا پڑا۔

''چلیں آئیں بیٹھیں یہاں...... تحمل سے بتائیں کیا بات ہے' اتنا غصہ کیوں ہیں؟''

نعیمہ بیٹھ تو گئیں لیکن منہ پھیر لیا تھا۔

''اوہو امی اب بتائیں بھئی میں سن رہی ہوں۔''

''تمہارے چاچا کی بیٹی معظمہ بھی تو تمہارے ساتھ ہی پڑھتی ہے ناں۔'' نعیمہ نے میشل کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''ہاں تو؟'' میشل نے حیرانی سے دیکھا۔

''وہ بھی تو گھر کے کام کرتی ہے پڑھائی کے ساتھ، ساتھ۔''

اس بات سے میشل کو چڑ تھی کہ نعیمہ، معظمہ کو زیادہ

ترجیح دیتی تھیں۔
''امی ......اس کی مرضی وہ جو چاہے کرتی پھرے مجھے یہ سب نہیں کرنا آپ میرا اس کلو سے موازنہ نہ کیا کریں۔'' میشل آرام سے معظمہ کو برا بھلا کہہ جاتی تھی۔
''بری بات، تم دونوں بھائی بہن کو پتا نہیں اس بیچاری سے کیا مسئلہ ہے۔'' ماں کی بات پر وہ بڑبڑاتی رہ گئی۔
''اور تمہارے کیا اتنے سارے دوست ہیں جو ہر وقت موبائل پر لگی رہتی ہو؟ معظمہ کے بھی تو ہوں گے وہ تو نہیں اتنا موبائل پکڑتی۔''
''اُف امی، سب کے دوست ہوتے ہیں اور میرا اور معظمہ کا تو گروپ ہی ایک ہے، ہم تو ہر وقت ساتھ رہتے ہیں۔'' میشل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
''اور اب اگر اسے شوق نہیں تو مجھے کیوں روک ٹوک کر رہی ہیں؟ ہر کسی کی اپنی مرضی ہوتی ہے، اس کو جو اچھا لگتا ہے وہ کرتی ہے، مجھے یہ سب اچھا لگتا ہے میں یہ کر رہی ہوں آپ بلا وجہ ہر بات میں مجھے معظمہ جیسا بنانے کی کوشش نہ کیا کریں۔'' میشل نے چڑ کر جواب دیا۔
''مجھے کیا، میں تو تمہیں سمجھانے کے لیے ہی بولتی ہوں، آخر کو تم دونوں اِسی گھر کی بچیاں ہو اور اتنا فرق؟''
''آپ پھر شروع ہو گئیں۔''
''اچھا، اچھا میں تو بس ایسے ہی ...... چلو میں جا رہی ہوں اور تم بھی اس موئے موبائل کی جان چھوڑ کر کچھ کام کر لو، کچن میں جا کر چائے ہی چڑھا دو میرے لیے۔'' نعیمہ نے جاتے، جاتے تنبیہ کی۔
میشل کا فون بجنے لگا۔
''اُف ایک تو اسے فون کرنے کا بہت شوق ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے نام دیکھ کر آنے والی کال کاٹ دی اور میسج کرنے میں مصروف ہو گئی۔

☆☆☆

شیراز اور انس دونوں جڑواں بھائی تھے لیکن کہیں سے بھی جڑواں نہیں لگتے تھے پڑھائی میں ایک آگے تھا تو دوسرا کام چلاؤ...... وقت گزرتا رہا، ان کی زندگی میں نعیمہ اور جویریہ آئیں دونوں دیورانیاں کم بہنیں زیادہ لگتیں۔ .... بھائیوں میں پیار تھا تو دونوں کی بیویوں نے بھی رشتے کو برقرار رکھا ایک دوسرے کے ساتھ حسنِ سلوک سے .....
نعیمہ کے ہاں پہلی اولاد بیٹا ہوئی جس کا نام جویریہ نے آذر رکھا پر اس کی اپنی گود سونی ہی رہی، وہ آذر سے لاڈ پیار کرتی رہتی...... پھر چھ سالوں بعد جب نعیمہ کے ہاں میشل ہوئی تب جویریہ کے ہاں معظمہ ہوئی...... دونوں بچیوں میں ایک مہینے کا فرق تھا تو ساتھ، ساتھ رنگت میں بھی رہا...... میشل ایسی گوری تو معظمہ اس کے مقابلے میں گہرا گندمی رنگ لیے ہوئے تھی...... وقت کا دھارا تیزی سے بہتا جا رہا تھا...... معظمہ کے بعد اس کی چھوٹی بہن بھی ہوئی منال نام اس کی چچی نعیمہ نے ہی رکھا۔
چونکہ نعیمہ اور جویریہ کا آپس میں اتنا لگاؤ تھا کہ جویریہ دل میں ہی سوچے بیٹھی تھی کہ آذر اور معظمہ کا رشتہ ابھی سے پکا کر دیں پر اس کی رنگت کی وجہ سے وہ چپ ہی رہیں لیکن نعیمہ، معظمہ کو بہت پیار کرتیں اسے میشل جیسا ہی رکھا اور گھر کی چھوٹی تو منال تھی، وہ سب کی چہیتی ہی رہی۔
جہاں میشل کو نعیمہ نے اتنے ناز نخرے سے رکھا وہیں جویریہ نے معظمہ کی پرورش میں بھی کسر نہ چھوڑی، اسے گھریلو کام بھی سکھائے جس بنا پر نعیمہ کا بھی دل کرتا تھا کہ میشل بھی سیکھے لیکن اس کی عادت میں یہ چیزیں نہیں تھیں۔ وہ اپنے منفرد مزاج کی وجہ سے کسی کام کو ہاتھ بھی نہیں لگاتی تھی۔
یہ گھر اگرچہ روایتی لڑائی جھگڑوں سے پاک گھر تھا البتہ بچوں میں نوک جھوک چلتی رہتی جن سے ماں باپ لطف اندوز ہوتے کیونکہ رونق تو بہر حال ان بچوں کے دم سے ہی تھی گھر میں۔

☆☆☆

''تم سارا وقت موبائل پہ ہی لگی رہتی ہو، کبھی تو مجھے حیرانی ہوتی ہے، تم پڑھتی کب ..... ہو گی؟''
اگلے دن یہ دونوں کزنز ایک ساتھ بیٹھی کسی اسائمنٹ کا کام کر رہی تھیں کہ میشل کو فون پر حد درجہ مصروف دیکھ معظمہ نے کہا۔
''تمہیں کیا پتا، کتنا مزہ آتا ہے سب سے بات

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



کرنے میں، ہر وقت رابطے میں رہنے سے...... تم تو ہو ہی بڑھی روح۔“میشل نے معظمہ کو جواب دیا۔

”یہ تو اچھی بات ہے کہ سب سے بات چیت ہو لیکن ہر وقت کر، کر کے بیزار نہیں ہو جاتیں؟“

”بیزار؟ وہ کیوں؟ اب ایک ہی بندے سے تو بات نہیں کرتی ناں میں، اتنے سارے تو میرے چاہنے والے ہیں مس معظمہ انس......!“میشل نے دونوں ہاتھ کے انگوٹھوں سے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے گویا اتراتے ہوئے کہا۔

”چلو بس، بس......! جیسے تم تو کوئی حور پری ہو ناں کہیں کی شہزادی میشل شیراز۔“معظمہ نے منہ چڑاتے ہوئے کہا۔

”جلو تم تو بس...... تم تو حسین ہی نہیں ہو، تم کیا جانو مجھ پہ کتنے لوگ مرتے ہیں۔ تمہیں کیا پتا تم پر تو بس ترس ہی کھایا جاسکتا ہے رنگ نہ روپ چہ چہ......!“میشل نے اس کی گندمی مائل رنگت کا مذاق اڑایا۔

میشل جانتی تھی معظمہ کی یہ دکھتی رگ ہے، اس لیے میشل نے بول دیا اور یہ حقیقت تھی کہ میشل بہت گوری تھی اور معظمہ اس کے مقابلے میں سانولی...... لیکن پڑھائی اور گھر داری میں وہ میشل سے آگے تھی۔

”چلو یہ بھی اچھا ہے، نہ میں کسی کی نظر میں ہوں گی نہ میرے پیچھے کوئی کتے کی طرح لگا رہے گا۔“معظمہ نے میشل کو اس کے ہی انداز میں جواب دیا اور کتابیں سمیٹ کر وہاں سے چلی گئی۔

چھٹی کے وقت مجبوراً ہی سہی دونوں ساتھ گھر کے لیے نکلیں۔ ایک دوسرے سے بات تو دور دیکھنا تک گوارا نہیں کیا۔

☆☆☆

”امی جلدی کریں بہت بھوک لگ رہی ہے۔“

میشل گھر آتے ہی کھانے کا شور مچانا شروع ہو گئی۔

”پہلے فریش تو ہو لو...... تم دونوں بھائی بہن کا بس چلے تو آسمان سر پہ ہی اٹھا لو......“نعیمہ نے کھانا لگانا شروع کر دیا۔

”نہیں ہونا مجھے کوئی فریش، وریش، یونیورسٹی میں آپ کی لاڈو معظمہ سر کھاتی ہے اور گھر آؤ تو آپ لوگ۔“

میشل کا تیکھا مزاج نعیمہ کو بالکل نہیں بھایا۔

”کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ فریش ہی ہونے کو کہا تھا، کھانا سکون سے کھاؤ گی تو اچھا رہتا...... مرضی ہے تمہاری۔“نعیمہ نے کندھے اچکائے۔

”اور تمہیں اب معظمہ سے کیا مسئلہ ہو گیا ہے؟ وہ بیچاری تو......!“

”بیچاری! ہاں بڑی بیچاری ہے اس سے تو برداشت ہی نہیں ہوتا کہ لوگ میری تعریف کریں یا مجھ سے دوستی کریں میرے آگے پیچھے پھریں...... جلتی ہے وہ۔“میشل اتراتے ہوئے بولی۔

”پاگل تو نہیں ہو گئی ہو، وہ کیوں جلے گی...... پیاری بچی ہے تمہارے جیسی نہیں۔“نعیمہ کھانا کھاتی میشل کے بالوں پہ ہاتھ پھیرنے لگیں۔

”صحیح کہا آپ نے میری طرح وہ خوب صورت بالکل بھی نہیں......نہیں ہے وہ میرے جیسی۔“میشل نے ہنسنا شروع کر دیا۔

”چپ چاپ کھانا کھاؤ اور فضول نہ بولا کرو۔“

”کبھی، کبھی تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں آپ کی بیٹی ہوں ہی نہیں، کہیں بدل تو نہیں لیا تھا اسپتال میں؟ یا جان بوجھ کر تو معظمہ کو نہیں بدل لیا کہ ہائے میری بیٹی اتنی سوہنی ہے جو یہ چاچی کی کیوں ہو تو بدل لیا ہوگا، ہے ناں؟“ میشل نے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے کہا۔

”تو یہ کتنی فضول سوچ ہے تمہاری؟ تم میڈیکل کالج ہی جاتی ہو ناں یا کسی ڈرامے والے کالج میں؟“

”ارے امی...... سچ بتا رہی ہوں مجھے تو ایسا ہی لگتا ہے۔“میشل مزے سے ماں کو دیکھ رہی تھی جو کانوں کی لو کو ہاتھ لگائے توبہ، توبہ کر رہی تھیں۔

”بس بھی کریں، آپ کی باتوں سے ہی پیٹ بھر گیا ہے میرا۔“کرسی کھسکا کر وہ اٹھ گئی۔

”اب کہاں جا رہی ہو کھانا تو کھاؤ؟“نعیمہ سر پکڑ کر رہ گئیں۔

''اپنے کمرے میں اور کہاں!''
میشل کا موڈ شدید خراب تھا۔
''میشو بیٹا باہر آ کر کھانا کھالو۔'' نعیمہ نے اس کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔
''میرا دل نہیں ہے، مجھے سونے دیں۔'' میشل نے اونچی آواز میں جواب دیا۔
''لگتا ہے کسی سے جھگڑا ہوا ہے چلو جب موڈ بحال ہو جائے گا آ جائے گی خود ہی۔'' نعیمہ نے بھی سوچا اور میشل کو اسی کے حال پر چھوڑ کر چلی آئیں۔

☆☆☆

معظمہ گھر آئی تو اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کمرے میں جائے اور زور، زور سے روئے لیکن افسردہ چہرہ لیے وہ گھر کے کام کرنے لگ گئی۔
''کیا بات ہے، اداس ہے میری گڑیا؟'' جویریہ نے معظمہ کو دیکھا۔
''میں بتاؤں امی، میں بتاؤں؟'' منال، معظمہ سے آٹھ سال چھوٹی تھی ہمیشہ بڑی بہن کو تنگ کرتی۔
''تمہیں تو میں بتاتی ہوں رکو، آج تو تمہارے منہ میں لال مرچ مسالا ڈال کے رہوں گی۔'' معظمہ نے منال کی چوٹی پکڑی۔
''ارے بال کھینچ کے نکال دوگی کیا چھوڑو اسے۔'' جویریہ نے روکا۔
''اس سے کہہ دیں امی مجھے اب تنگ کیا ناں تو اچھا نہیں ہوگا۔'' معظمہ نے انگلی اٹھا کر خبردار کیا۔
''توبہ ہے معظمہ، اب چپ چاپ دونوں کھانا کھاؤ اور معظمہ تم میرے کمرے میں آ جانا کچن سمیٹ کر۔''
''جی امی۔'' معظمہ نے ماں کی بات کا سر ہلا کر جواب دیا۔
کچھ ہی دیر میں وہ ماں کے کمرے میں تھی۔
''کیا بات ہے؟ تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کوئی مسئلہ ہوا ہے کہیں؟ کسی نے کچھ کہہ دیا ہے؟'' جویریہ پریشانی سے گویا ہوئیں۔
''اوہو، امی میری پیاری امی کیوں پریشان ہوتی ہیں بس تھک گئی تھی اس لیے شاید آپ کو ایسا لگا اور کچھ نہیں۔'' معظمہ نے ماں کے گلے میں باہیں ڈالیں۔
''سچ کہہ رہی ہو ناں؟'' انہوں نے معظمہ کی ٹھوڑی پہ ہاتھ رکھا۔
''ہاں بابا، آپ بھی ناں بس۔'' اس نے ماں کو گلے لگا لیا۔
''اچھا اب بس، بس زیادہ بڑی نہ بنو۔'' جویریہ نے اسے خود سے الگ کیا۔
''اچھا پھر کیا بنوں؟'' معظمہ کے سوال پہ وہ مسکرادیں۔
''میری پیاری سی گڑیا بس اور کچھ نہیں۔'' دونوں کھلکھلا اٹھیں۔
''سچ کہوں مجھے بہت فکر ہوتی ہے تمہاری۔''
''کیوں؟ میں کیا چھوٹی سی بچی ہوں؟'' معظمہ نے ناک پھلا کر کہا۔
''میری جان...... میرے لیے تو تم چھوٹی سی بچی ہی رہو گی ناں۔'' معظمہ کے ماتھے کو پیار سے چوم کر کہا۔
''اچھا بس، بس...... میں جا رہی ہوں بہت تھک گئی ہوں ایک تو ہماری چھوٹی اماں بھی کم نہیں، پورا کمرا بکھیر رکھا ہوگا اس نے۔'' معظمہ مسکراتے ہوئے اٹھ گئی۔

☆☆☆

''میشل بیٹا رات ہو چکی اب باہر بھی آ جاؤ...... سارا دن کمرے میں بند رہی ہو آؤ بھی اب باہر۔'' نعیمہ نے دروازہ کھٹکھٹایا...... چابی لگانے کا بھی فائدہ نہ تھا، میشل نے کنڈی لگادی تھی۔
''جواب دے رہی ہو نہ باہر آ رہی ہو، ہوا کیا ہے آخر؟'' نعیمہ کو فکر لگ گئی انہوں نے آذر کو پکارا۔
''کیا ہو گیا ہے بھئی؟'' آذر جھنجلایا سا آیا۔
''میشل جب سے گھر آئی ہے کمرے میں بند ہے، باہر نہیں آ رہی نہ کوئی جواب دے رہی ہے۔'' نعیمہ کی فکرمندی پہ آذر ہنس پڑا۔
''امی کوئی جھگڑا ہوا ہوگا کسی سے غصے میں ہوگی رہنے دیں خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔''

''تمہیں کیا فکر، ماں ہوں ناں بچوں کی فکر تو ہوگی ناں۔'' نعیمہ کو برا لگا۔ ''معظمہ بھی تو ہے ناں، اس نے کبھی پریشان نہیں کیا کسی کو۔''

''آپ کا معظمہ نامہ پھر شروع ہوگیا؟'' آذر نے ہاتھ سر پہ مارا۔ باہر سے نعیمہ اور آذر کی آوازیں آرہی تھیں اور میشل کو واقعی تپ چڑھ گئی تھی معظمہ نامے پہ......

''معظمہ یہ، معظمہ وہ بس امی کو تو وہی پسند ہے کالی کلوٹی ہنہ۔'' میشل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ باہر آئے اور امی کو چپ کرادے۔

رات کافی ہوجانے پہ وہ باہر آئی اور کچن کی طرف گئی اور نوڈلز بنانے کا سوچا۔

''اور امی کہتی ہیں معظمہ کو کھانا پکانا آتا ہے...... مجھے بھی تو آتا ہے ناں نوڈلز بنانا۔'' وہ اپنے سے ہی باتیں کرنے لگ گئی اور نوڈلز بنا کر پیالے میں ڈال کر کمرے میں چلی گئی۔

اگلی صبح میشل اٹھی اور کالج جانے کے لیے تیار ہونے لگی کہ اچانک دروازے پہ دستک ہوئی۔

''تم کالج جارہی ہو؟ ابھی کچھ دیر پہلے چچی آئی تھیں۔ بتارہی تھیں کہ آج تم لوگوں کی چھٹی ہے پھر کیوں جارہی ہو؟'' آذر کے سوال پہ میشل نے تھوک نگلا۔

''وہ...... مجھے کچھ...... نوٹس بنانے ہیں اس لیے جانا ضروری ہے۔'' میشل نے جواب دیا۔

''اور اب کیا میں کالج بھی معظمہ کی مرضی سے آیا جایا کروں گی؟ اس کی مرضی وہ نہ جائے۔'' یہ کہہ کر اس نے بکس اٹھائیں اور بیگ میں رکھنے لگی۔

''ہاں ویسے کہہ تو تم ٹھیک ہی رہی ہو...... چلو میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔'' آذر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں، کیوں کیا ضرورت ہے اور ڈرائیور ہے ناں میں چلی جاؤں گی۔'' میشل نے جلدی جلدی کہا۔

''پکی بات ہے ناں؟ چلو جب آنا ہو مجھے یا ڈرائیور کو فون کردینا۔'' آذر کی بات پہ اس نے اثبات میں سر ہلایا اور کمرے سے باہر آگئی۔

''تم نے رات کو پھر یہ فضول چیز کھائی؟'' نعیمہ کا اشارہ نوڈلز کی طرف تھا۔

''اُف امی، اب مجھے بس یہی بنانا آتا ہے میرے لیے یہی کافی ہے اب پلیز مجھے لیکچر نہ دینا شروع ہوں۔''

میشل نے ناشتا کرنا شروع کیا۔

''ہاں صحیح ہے، میں ہوتی کون ہوں؟ جو جی میں آئے کرو...... بس خوش۔'' نعیمہ نے ہاتھ جوڑے۔

''کیا آپ چاہتی ہیں کہ میں ناشتا بھی نہ کروں؟''

''اچھا بابا، کرو ناشتا۔ ویسے جویریہ تو کہہ رہی تھی کہ......''

''ہاں مجھے پتا ہے کہ آج ہماری کوئی بھی کلاس نہیں ہے معظمہ نہیں جارہی لیکن مجھے جانا ہے مجھے کام ہے کچھ۔'' میشل نے ماں کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''ہم...... م...... چلو ٹھیک ہے۔'' اس نے ناشتا کیا اور پھر کالج کے لیے نکل گئی۔

رستے بھر اس کا موڈ خراب رہا۔ ڈرائیور کو روانہ کرتے ہی اس نے فون نکالا اور نمبر ڈائل کیا۔

''ہاں سنو میں کالج کے باہر ہوں تم لوگ کہاں ہو؟''

''اچھا ٹھیک ہے، میں تھوڑا آگے جا کر کھڑی ہوجاتی ہوں مجھے آ کر لے جاؤ۔'' یہ کہہ کر اس نے فون بند کردیا۔

کچھ دیر میں ایک گاڑی آئی جس میں میشل کا پورا گروپ موجود تھا۔

''کتنی دیر لگا دی یار حد ہے۔'' میشل نے گاڑی میں بیٹھتے ہی غصے کے انداز میں کہا۔

''او یار نہ پوچھ، بہانے سے نکلے ہیں وقت تو لگنا تھا ناں۔'' علی نے جواب دیا۔

''ہاں میرا بھی مت پوچھو...... معظمہ کی امی نے بتا دیا تھا کہ آج کلاسز نہیں ہیں تو وہ نہیں جارہی، میں نے بھی نوٹس کا بہانہ کردیا...... پتا نہیں یہ میری کزن کیوں ہے سدا کی دشمن۔'' میشل کا موڈ بگڑ رہا تھا۔

''جلتی ہوگی تم سے آخر تم اتنی خوب صورت جو ہو۔'' عامر جو ڈرائیو کررہا تھا اس نے سامنے کے شیشے سے میشل کو دیکھ کر کہا اور وہ مسکرادی۔

''اچھا بتاؤ...... آج کا کیا پلان ہے؟'' رمشا نے

اس سے پوچھا۔

”مجھے نہیں پتا بس ایسی جگہ لے جاؤ جہاں بس ہم ہوں اور کوئی نہیں۔“

”بیٹا تمہیں جنگل میں نہ لے جائیں وہاں کوئی نہیں ہوگا۔“ رمشا نے اسے دیکھ کر کہا جو مزے سے آنکھیں بند کیے بیٹھی ہوئی تھی۔

”وہاں تمہارے رشتے دار بھٹک رہے ہوں گے، مجھے نہیں جانا وہاں۔“ آنکھیں بند کیے... ہی اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

”اچھا وہ صرف میرے رشتے دار ہوتے ہیں؟ بیٹا ان کا تعلق سب سے ہی ہوتا ہے۔“

”اچھا ایسا کرتے ہیں میرے پاپا کا ایک فلیٹ ہے وہاں چلتے ہیں جب بھی انہیں کوئی پارٹی کرنی ہوتی ہے یا کوئی مہمان آتا ہے وہیں چلے جاتے ہیں میرے پاس چابی بھی ہے چلتے ہیں وہیں۔“ عامر نے بیک ویومرر سے میشل کو دیکھا جواب بھی آنکھیں بند کیے ہوئے تھی۔

”ہاں یہ صحیح ہے شام تک وہیں رکیں گے، میشل، رمشا کوئی مسئلہ تو نہیں ہے ناں؟“ علی نے پیچھے مڑ کر دونوں سے پوچھا۔

”بھئی مجھے تو جلدی گھر جانا ہوگا بلکہ کالج سے ہی گھر جانا ہوگا۔“ میشل نے فوراً آنکھیں کھولیں اور کہا۔

”اوہ یار میں تو کہتا ہوں آج فل ٹائم پارٹی کرتے ہیں جلدی گھر جانے کا کیا فائدہ؟“ عامر نے میشل سے کہا۔

”نہیں نہیں بھائی ہنگامہ کردے گا، سمجھا کرو ناں۔“ میشل نے جھرجھری لے کر کہا۔

”اگر اتنا ہی ڈرتی ہو تو پھر آئی کیوں؟“ رمشا نے ہنکارا بھرا۔

”اگر اتنا ہی مسئلہ ہے تو مجھے واپس کالج لے چلو، میں نے نہیں جانا تم لوگوں کے ساتھ۔“ میشل نے بھی اپنا منہ بسور کر کہا۔

”او ہو اب میرا یہ مطلب بھی نہیں تھا یار میشو۔“

”تو خود بتاؤ کیا کروں؟ گھر پر ہوتی تو امی پھر سے معظمہ کی باتیں شروع کردیتی ہیں۔“ میشل نے ہنکارا بھرا۔

''اچھا چلو اب موڈ نہ خراب کرو۔'' علی نے اسے ملتجی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' گہری سانس لیتے ہوئے وہ بولی۔

☆☆☆

''معظمہ تم سے ایک بات پوچھوں؟'' جویریہ نے کچن میں کام کرتی بیٹی کو پکارا۔

''جی امی کہیں......'' اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

''خوشبو تو زبردست آرہی ہے بھئی۔'' انہوں نے سونگھتے ہوئے کہا۔

''امی..... کیا بات ہے؟'' ہنوز مسکراتے ہوئے معظمہ نے ماں سے پوچھا۔

''مجھے تو حیرت ہوتی ہے اور خوشی بھی، ماشاء اللہ میری بیٹی کھانا بھی اچھا پکا لیتی ہے اور ساتھ ہی پڑھائی میں بھی ہوشیار ہے۔ اور بہت جلد وہ ڈاکٹر بھی بن جائے گی۔''

''امی..... ڈاکٹر بھی تو آپ اور بابا ہی بنانا چاہتے تھے۔ باقی کھانا پکانا تو آپ سے ہی سیکھا ہے تو کیوں اچھا نہیں پکاؤں گی؟'' بیٹی کی بات سن کر جویریہ مسکرائیں۔

''ہاں، یہ بات تو تم نے صحیح کہی، اچھا خیر میں تم سے واقعی کچھ پوچھنے آئی تھی۔''

''جی امی پوچھیں کیا بات ہے؟'' وہ سنک میں رکھے برتنوں کی جانب آئی اور ساتھ ہی ساتھ ماں سے بھی مخاطب تھی۔

''وہ اصل میں بات یہ ہے کہ...... اچھا یہ آج میشل کالج کیوں گئی ہے؟'' جویریہ کی بات پر معظمہ برتن دھوتے دھوتے رکی۔

''امی...... مجھے کیا پتا...... ہوگا اسے کوئی کام، مجھے نہیں تھا میں نہیں گئی......''

''ہم...... ہم...... بات تو تمہاری صحیح ہے ضرور کوئی کام ہی ہوگا۔ خیر پتا نہیں نعیمہ بھابی کہہ رہی تھیں آج کل اس کا مزاج بھی عجیب ہوتا جارہا ہے۔'' جویریہ نے فکرمندی سے کہا۔

''امی...... آپ اتنی فکر نہ کریں...... میشل عجیب ہو رہی ہے یا جو بھی ہمیں کیا؟'' معظمہ کام چھوڑ کر ماں کے پاس آئی۔

''نہیں بیٹا، ایسا نہیں کہتے تمہاری کزن ہے وہ۔'' جویریہ کی بات سن کر اس کی آنکھ بھر سی گئی۔

''ہاں کزن ہے تب ہی میرے ساتھ ایسا کرجاتی ہے۔'' معظمہ نے سوچا اور تھکے قدموں سے واپس جا کر برتن دھونے لگی۔

''کچھ گڑبڑ ہے شاید ان دونوں کے بیچ۔'' جویریہ نے سوچا اور اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

''اب میں آپ کو کیسے بتاؤں، سمجھاؤں...... میشل میرے رنگ روپ کو لے کر مجھے کتنا ستاتی ہے۔'' بے دلی سے سوچتی ہوئی معظمہ کام کرنے میں لگی رہی۔

☆☆☆

''آذر بچے، کیا میشل نے کوئی وقت بتایا تھا تمہیں یا ڈرائیور کو کہ کب تک لینے آنا؟'' نعیمہ فکرمندی سے گویا ہوئیں۔

''نہیں تو...... ہاں میں نے یہ کہا تھا کہ جب فارغ ہو جائے تب کال کرلے پھر ڈرائیور آجائے گا۔''

''ایسا بھی کیا تھا نوٹس بنانا کہ جب کلاسز نہیں تھیں تب ہی جانا تھا۔ کیا معظمہ کو نوٹس نہیں بنانے تھے؟''

''اب اس میں معظمہ کہاں سے آگئی بھئی۔'' ماں کی بات سن کر آذر چڑا۔

''وہ تو نہیں گئی ناں تو پھر میشل کیوں؟''

''حد کرتی ہیں آپ امی...... میشل اپنے طور پر پڑھ رہی ہے معظمہ کا اپنا طور طریقہ ہوگا۔ وہ جائے نہ جائے میشل اپنا پڑھے گی یا معظمہ کے مطابق؟''

''یہ تم دونوں آخر معظمہ کے نام سے اتنا چڑ کیوں جاتے ہو؟ اور میں اس لیے کہتی ہوں کہ دونوں ایک ہی کلاس میں ہیں تو ظاہر ہے ایک جیسا ہی کام ہوگا ناں!'' نعیمہ کا چہرہ دیکھ کر آذر مسکرایا۔

''اچھا ناں، چلیں آپ زیادہ نہ سوچیں بلکہ میں خود ہی چلا جاتا ہوں۔''

''نہیں بس اب رہنے دو۔''

''ویسے امی اس نے کہا تو تھا کہ وہ فون کرلے گی پھر اب شاید زیادہ مصروف ہوگی آپ فون کرلیں اور

پوچھ لیں اگر گھر آنا ہوا تو میں ہی چلا جاتا ہوں ناں۔'' آذر نے اپنے طور پر تسلی دی۔

''نہیں بس مجھے تھوڑا عجیب لگ رہا ہے، گھبراہٹ سی ہو رہی ہے۔ تم فون کر کے پوچھو ناں تم۔''

''اچھا بابا کرتا ہوں فون۔'' آذر نے موبائل جیب سے نکالا اور میشل کا نمبر ڈائل کیا۔

''اوہو وہ تو فون ہی نہیں اٹھا رہی ......شاید لائبریری میں ہو گی وہاں سائلنٹ کر دیا ہو گا ناں۔'' آذر نے اطمینان سے جواب دیا پر نعیمہ کو پھر بھی تسلی نہیں ہوئی۔

''اُف یہ لڑکی بھی ناں......اب دیکھو ایسے وقت میں معظمہ ساتھ ہوتی تو اچھا رہتا۔ میرا تو دل بیٹھا جا رہا ہے۔'' سہ پہر ہونے کو آ رہی تھی۔

''ارے امی ...... اب اس میں بھی معظمہ؟ کیا ہو گیا آپ کو......اچھا آپ آرام کریں، میں کالج ہی چلا جاتا ہوں بس۔'' آذر جھنجلایا اور کہتا ہوا چلا گیا باہر۔

میشل جو اپنے دوستوں کے ساتھ عامر کے والد کے فلیٹ میں موجود تھی۔ اِس بات سے بے فکر کہ گھر میں اس کے لیے سب کتنا پریشان ہو رہے ہوں گے۔

''اچھا میشو یہ تو بتاؤ تمہاری امی نے یہ نہیں پوچھا کہ معظمہ کیوں نہیں چل رہی؟'' رمشا نے میشل کو چھیڑا۔

''بھئی ان کا بس چلے تو وہ معظمہ ہر وقت میرے ساتھ ہی چپکی رہے......ہونہہ۔'' میشل کا لہجہ کڑوا ہوا۔

''ایک بات تو ہے۔ تم جتنی خوب صورت ہو معظمہ نہیں، اسے اپنے گروپ میں رکھنا بھی مجھے تو ہرگز پسند نہیں۔'' علی جو قالین پہ لیٹا ہوا تھا اچانک اٹھ بیٹھا۔

''یار یہ بھی سمجھو اس بیچاری پہ احسان ہی ہے۔ ورنہ اس کے کوئی دوست بن ہی نہ پائیں۔'' رمشا نے بجائے میشل کے جواب دیا۔

''اچھا اب ہم یہاں اپنی باتیں کریں؟ ہر کوئی معظمہ، معظمہ کیے جا رہا ہے۔'' میشل نے گہری سانس لی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ چلو اب سب ریلیکس ہو جاؤ اور کچھ منگوانا ہو تو بتا دو میں دیکھتا ہوں۔'' عامر نے بات ختم کرنا چاہی۔

میشل اٹھی۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' رمشا نے پوچھا

''ہم......م......ہاں میں ذرا گیلری میں جانا چاہ رہی تھی۔ موسم بھی اچھا ہو رہا ہے۔'' میشل نے عامر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اچھا اچھا جاؤ، عامر بتاؤ کہاں ہے گیلری؟'' رمشا نے عامر سے پوچھا۔

''چلو میں لے کر چلتا ہوں۔'' میشل نے اثبات میں سر ہلایا اور عامر کے ساتھ چل دی۔

''واہ گیلری سے سمندر کتنا پیارا دکھ رہا ہے۔'' کھلی فضا میں آتے ہی میشل نے گہری سانس لی اور سمندر کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی لہروں کو دیکھا۔

''میرا بس چلے تو میں ہر وقت سمندر کو دیکھوں۔'' عامر، میشل کی اڑتی ہوئی زلفوں کو دیکھ رہا تھا۔

''میشل۔'' عامر نے اسے پکارا۔

''ہاں۔'' میشل ہنوز سمندر کو دیکھے جا رہی تھی۔

''کیا واقعی تم مجھ سے پیار کرتی ہو؟'' عامر کی بات سن کر میشل حیران ہو گئی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟ یہ کیسا سوال کر رہے ہو؟''

''کیسا سوال کیا مطلب؟ صاف پوچھ رہا ہوں، کیا تم مجھ سے پیار کرتی ہو؟'' میشل کو بانہہ سے پکڑ کر اس نے اپنی طرف کیا۔

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ہے؟ میں، میشل شیراز تم سے پیار کروں گی؟'' میشل اس سے اپنی بانہہ چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

''کیوں......کیوں نہیں کر سکتیں؟ میں جب کرتا ہوں تو تم کیوں نہیں؟'' عامر نے غصے سے اسے دیکھا۔

''فضول میں بھی ایسی سوچ لانے کی ضرورت نہیں۔'' میشل نے گھورتے ہوئے کہا۔

''لیکن تم تو مجھ سے ہر وقت باتیں کرتی ہو اور اب بھی تم میرے گھر ہو۔''

''تمہارے گھر صرف میں نہیں اور لوگ بھی ہیں

اور بات کرنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ میں تم سے پیار کرنے لگ جاؤں۔" اس کی بات سن کر عامر کو برا لگا۔

"ہاں واقعی صحیح کہہ رہی ہو، واقعی یہ سب کر کے بھی پیار تھوڑی نہ ہو جاتا ہے۔" عامر نے اپنا لہجہ نرم کیا۔

"تم صرف میرے ایک اچھے دوست ہو اور میں تمہیں وہی سمجھتی ہوں۔"

"اچھا چلو چھوڑو...... میں نے ویسے ہی بس ایک بات کی تھی۔ خیر جانے دو...... سوری۔" عامر نے ٹھنڈی سانس لی۔

"ٹھیک ہے پر اب ایسی کوئی بات نہیں ہوگی اور ٹائم دیکھو کتنا ہو گیا ہے، یہ رمشا لوگ کہاں چلے گئے ہیں؟"

"ہوں گے یہیں کہیں تم آؤ اندر چلو، کچھ کھا کر پھر کالج چھوڑ آتا ہوں۔"

عامر کی بات سن کر میشل نے سر اثبات میں ہلایا۔

آذر کالج آچکا تھا میشل کا پورا نام بتا کر لائبریری میں چیک کروایا لیکن وہاں میشل نام کی کوئی لڑکی صبح سے نہیں آئی تھی، نہ ہی کوئی آئی ڈی کارڈ موجود تھا۔

آذر فون پہ فون کر رہا تھا لیکن میشل وہ بھی ریسیو نہیں کر رہی تھی۔ وہ غصے میں فون کیے جا رہا تھا کہ اچانک اس کے سامنے ایک گاڑی رکی اور میشل اس گاڑی سے اتری اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔

"بھائی...... آپ۔" میشل آذر کو اپنے سامنے دیکھ خوف زدہ ہو گئی۔

"کہاں گئی تھیں تم؟ کالج میں نہیں تھیں ناں، تم کہاں تھیں آخر اور کون تھا تمہارے ساتھ؟"

میشل چپ کھڑی آذر کو دیکھنے لگی آذر نے اس کا بازو زور سے پکڑا اور گاڑی کی طرف لایا۔

"بھائی آرام سے......" میشل کی آواز سے اس کی تکلیف پتا لگ رہی تھی۔

"کون تھا تمہارے ساتھ اور جھوٹ بول کر تم گئی تھیں ناں گھر سے؟ اب بتاؤ بھی۔"

آذر غصے سے دیکھ رہا تھا اور میشل بازو دبا رہی تھی۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں میشو......"

"وہ...... وہ...... بھائی وہ......" میشل کے چہرے پہ گھبراہٹ واضح تھی۔

"وہ کیا میشل، بتاؤ فوراً۔"

"وہ...... وہ معظمہ کا دوست تھا۔" میشل نے کہہ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

"گاڑی میں بیٹھو۔" آذر نے دروازہ کھولا میشل بیٹھ گئی اور وہ بھی ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔

"وہ بھائی...... وہ اصل میں معظمہ نہیں آئی تو اس لیے اس کے دوست نے بلوایا تھا کچھ کام تھا معظمہ سے تو...... م...... مجھے کہا کہ میں جا کر بتا دوں میرے ساتھ رمشا بھی تھی۔" میشل نے معظمہ پہ سارا نام لگا دیا اور صفائی سے جھوٹ بولا۔

"معظمہ ایسی بھی ہو سکتی ہے؟" آذر نے ابرو اچکاتے ہوئے سوچا اور اسٹیئرنگ پہ ہاتھ مارا۔

"آئندہ تم اس کے معاملے سے دور ہی رہنا اور اب اگر جھوٹ بول کر نکلیں تو بہت برا حشر ہوگا۔" آذر نے خود پہ قابو پاتے ہوئے میشل کو دیکھا اور اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا، میشل معصوم چہرہ بنائے بیٹھی ہوئی تھی۔

یہ لوگ گھر آ چکے تھے نعیمہ نے سکھ کی سانس لی۔ میشل تو کمرے میں آ گئی اور آذر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ جا کر معظمہ کا گلا دبا دے۔

شام میں معظمہ، میشل کے پاس آ رہی تھی تو لاؤنج میں آذر بیٹھا ہوا ملا۔

"السلام علیکم آذر بھائی۔" معظمہ نے سلام کیا لیکن آذر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اس بات سے قدرے بے خبر کہ میشل، آذر کو اس کے بارے میں نہ جانے کیا، کیا کہہ بیٹھی تھی وہ اتنا اگنور ہونے کے باوجود میشل کے پاس گئی۔

"میشل...... کیا کر رہی ہو؟" معظمہ اس کے کمرے میں بنا دستک کے آ گئی تھی۔

"اوہ...... معظمہ بی بی تشریف لائی ہیں...... اب کیا سمجھانے آئی ہیں آپ؟" میشل نے طنزیہ انداز

میں کہا۔

''میں کیوں سمجھانے آؤں گی؟ بور ہو رہی تھی سوچا یہاں آ جاؤں۔'' اس نے اپنے آنے کا جواز بتایا۔

''اچھا..... آپ بور بھی ہوتی ہیں..... کیا بات ہے؟'' ہاتھ کے اشارے سے میشل نے کہا۔

''اچھا..... خیر..... آج تم کالج گئی تھیں..... خیریت تھی امی نے بتایا تھا، میں نہیں گئی تو تم کیوں گئیں؟''

''تمہیں اس سے کیا مطلب، میں جاؤں یا نہ جاؤں میری مرضی، تمہیں کچھ بولنے کی یا پوچھنے کی ضرورت نہیں، میں تمہارے آگے جواب دہ نہیں۔'' میشل نے ابرو اچکا کر معظمہ کو دیکھا اور گود میں رکھا تکیہ اٹھا کر دوسری جانب پھینکا۔

''تمہارے آج کل تیور ہی بدل سے گئے ہیں، کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ تم پہلے تو ایسی نہیں تھیں یار۔'' معظمہ کو شدید حیرانی ہوئی۔

''دیکھو..... تم میری کزن ہو، وہی بن کے رہو، سوال جواب کر کے میرا سر نہ کھایا کرو۔'' میشل کا انداز مزید تلخ ہو گیا تھا۔ ''اور ہاں..... تم سے صرف امی ابو ہی متاثر ہو سکتے ہیں، میں اور بھائی تو کبھی نہیں..... اس لیے اپنا یہ بھول پن میرے سامنے نہ دکھایا کرو۔''

''تمہیں کیا ہو گیا میشل؟ ہم اچھے دوست بھی تو تھے پر جب سے اس کالج میں آئے ہیں اور یہ رمشا وغیرہ......''

''میرے دوستوں کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔'' معظمہ کا لہجہ جتنا ہلکا تھا میشل کا اتنا ہی سخت۔

''میشو..... ٹھیک ہے رہو انہی دوستوں کے ساتھ..... میرا سمجھانا واقعی فضول ہی ہے۔''

''تو ایسا کرو اب چلی جاؤ۔'' میشل نے معظمہ کی بات پر طنزیہ مسکرا کر کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' وہ باہر نکلی تو آذر سامنے کھڑا تھا۔

''میری بہن سے دور رہو اور ہاں اپنے مسئلوں میں میری بہن کو گھسایا تو تمہارا حشر نشر کر دوں گا۔'' اتنا کہہ کے وہ چلا گیا۔

''کیا ہو گیا ہے دونوں کو؟ ایسی کون سی بات ہے جو دونوں مجھ سے یوں کر رہے ہیں اور میرا کون سا مسئلہ آ گیا جو آذر بھائی نے اس طرح بات کی؟'' معظمہ کو میشل کا رویہ تو برا لگتا ہی تھا اب کی بار آذر کا بھی ایسا انداز اسے سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔ وہ چپ چاپ اپنے پورشن کی طرف چلی گئی۔

☆☆☆

''مجھے تو سمجھ ہی نہیں آ رہا کیا کروں میں آذر کا۔'' نعیمہ نے شیراز صاحب سے کہا۔

''کیوں، کیا کہتا ہے وہ؟'' شیراز صاحب بھی بیوی کی بات پر فکرمندی سے گویا ہوئے۔

''شادی نہیں کرنی جس، جس کا نام لوں کوئی تصویر دکھاؤں کوئی نہ کوئی نقص نکال دیتا ہے، تنگ کر کے رکھ دیا ہے۔'' نعیمہ نے انگلیوں کی... پوروں سے ماتھے کو دبایا۔

شیراز صاحب نے گہری سانس لی۔

''آج کل کے بچے ہیں ان سے بات کرنا فضول ہے اس سے پوچھ لو اسے کوئی پسند ہو گی ناں بس پھر دیکھا جائے گا۔''

''نہیں بھئی کوئی پسند نہیں اسے، پتا نہیں کیا سوچ رکھا ہے اس نے تو معظمہ تک کے لیے منع کر دیا......''

''کیا؟ لیکن وہ تو لاکھوں میں ایک بچی ہے اور اوپر سے ہماری بیٹی جیسی ہے دونوں ساتھ پلے بڑھے پھر کیوں منع کر دیا ہے؟'' شیراز کو حیرت ہوئی۔

''بھئی اب مجھے کیا پتا، میں کیا جواب دوں اس کا۔'' نعیمہ نے آذر کی کہی ہوئی بات کو چھپا لیا۔

''اچھا ابھی تو سو جاؤ اس موضوع پہ پھر بات کریں گے۔'' شیراز صاحب نے کہا تو انہوں نے لائٹ آف کر دی اور بستر پر آ بیٹھیں نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

☆☆☆

''ارے آذر بھائی..... آج آپ ہماری طرف کیسے آ گئے؟ بلکہ کیوں آ گئے؟'' منال نے آذر کو دیکھا تو شرارتی انداز میں آنکھ مٹکا کر بولی۔

''ہاں منی، اصل میں تم آکر ہمارا سر نہیں کھاتی ناں اس لیے میں آگیا یہاں۔''

''توبہ، توبہ...... اس عمر میں جھوٹ نہ بولیں میں کب کھاتی ہوں آپ کا سر؟'' منال نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

''ایک منٹ...... کیا مطلب ہے تمہارا ''اس عمر سے؟ میں کیا انکل ہوں؟'' آذر نے کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر جھک کر پوچھا۔

''ہاں اور کیا، ہم سب میں بڑے آپ ہیں تو ہوگئے ناں بڈھے۔'' زبان چڑاتے ہوئے منال نے کہا تو آذر نے صوفہ کشن اٹھایا اور مارنے لگا ہی تھا کہ منال نے چلانا شروع کر دیا۔

''آپی...... آپی...... یہ دیکھیں مجھے مار رہے ہیں...... باہر آئیں ناں جلدی سے...... ہائے اوئی مار دیا۔''

''بڑی ڈرامے باز ہو تم منی۔'' آذر اسے دیکھ رہا تھا۔

''آپی جی...... جلدی آئیں، یہ اب مجھے ڈانٹ بھی رہے ہیں۔'' ابھی منال اور بھی کچھ کہتی کہ آذر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

معظمہ کمرے سے باہر نکلی آذر اسے دیکھتا ہی رہ گیا وہ ہائی پونی میں کاسنی رنگ کی شلوار قمیص میں حقیقتاً بڑی کھل رہی تھی۔

''کیا ہوا ہے منال کیوں چلا...... ارے آذر بھائی آپ!'' وہ بنا دیکھے بول رہی تھی اچانک آذر پہ نظر پڑی تو چونک سی گئی...... آذر چپ چاپ کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

''آذر بھائی!'' منال نے چٹکی کاٹی۔

''اوئے مار دیا تم نے تو آج۔'' آذر نے اپنا بازو سہلایا اور جیسے اپنے حواس میں لوٹا۔

''آپ یہاں خیر سے آئے ہیں؟''

''وہ...... ہاں...... چچی سے کام تھا انہوں نے بلوایا تھا...... آیا تو یہ ڈرامے باز مل گئی۔'' آذر نے منال کو گھورا۔

معظمہ جانتی تھی کہ آذر برا نہیں ہے البتہ غصے میں آئے تو واقعی برے سے بھی برا بن جاتا ہے پر اس دن اتنا غصہ کیا اور آج ٹھیک سے بات کرتا آذر اسے حیران کر رہا تھا۔

''آپ کمرے میں جائیں، وہ وہیں ہوں گی۔''

معظمہ کے کہنے پہ وہ چچی کے کمرے میں چلا گیا۔

''اور تم...... چلو میرے ساتھ کچن میں۔'' معظمہ، منال کو کان سے پکڑتی ہوئی لے گئی۔

''ارے اس کی کیا ضرورت تھی۔'' معظمہ ٹرالی دھکیلتی ماں کے کمرے میں آئی اور کباب، بسکٹ وغیرہ پیش کرنے لگی تبھی آذر کہنے لگا۔

''بھئی ضرورت کی کیا بات ہے، میرے بیٹے جیسے ہو تم اور اتنے دنوں بعد آئے ہو تو خاطر داری تو بنتی ہے ناں۔'' جویریہ نے معظمہ کو دیکھا اور پھر جواب دیا۔

''میں تو نعیمہ بھابی سے کہتی ہوں کہ میشل کو کھانا پکانا سکھا دیں بھئی معظمہ بھی تو پڑھائی کے ساتھ، ساتھ یہ سب کرتی ہے۔''

''جی چچی۔'' آذر چائے پیتے ہوئے صرف اتنا ہی کہہ سکا۔

''امی...... سیکھ لے گی وہ بھی۔ ابھی پڑھائی تو کرلے وہ۔'' معظمہ نے نرم لہجے میں کہا۔ چائے اچھے ماحول میں پی گئی تھی۔

☆☆☆

ان دونوں کے امتحانات نزدیک تھے اور اب وہ دن رات پڑھائی میں مشغول رہتی تھیں...... کلاسز ختم ہو چکی تھیں۔

''عامر میری بات سمجھنے کی کوشش کرو...... کتنی دفعہ کہوں مجھے تم میں وہ دلچسپی نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔ میں تم سے مل لیتی ہوں کافی ہے۔'' وہ فون پر بات کر رہی تھی۔ ''اب یہ تحفے تحائف میں گھر میں کیا بتاؤں گی؟ تم پاگل ہو گیا؟ بنا مجھ سے پوچھے یہ کر دیا؟ اب میں کیا جواب دوں گی؟ بس، بس...... ! مجھ سے فی الحال بات نہ کرنا جب تک میں نہ کہوں۔'' اور میشل نے فون ہی بند کر دیا۔

موبائل ہاتھ میں لیے اِدھر سے اُدھر کمرے میں ٹہلنے لگی۔

”اُف اب میں کیا کروں؟ جتنا منع کروں اتنا ہی زچ کرنے میں آگے، آگے رہے گا۔“ ایک ہاتھ کمر پہ اور دوسرا ماتھے پہ رکھے وہ سوچ بچار میں تھی۔

پوری رات اسی سوچ میں گزاری۔

اگلے دن دروازے کی ہر گھنٹی پر کان دھرتی رہی۔ کون آیا کون گیا سب کی معلومات رکھنے لگی لیکن عامر کا تحفہ نہیں آیا......اس دن ان دونوں کا پہلا پرچہ تھا...... دوپہر میں جب میشل گھر آئی تو آذر اس کے کمرے میں ہی موجود تھا۔

”بھائی......آپ یہاں؟“ اٹکتے ہوئے میشل نے کہا۔

”ہاں......پرچہ کیسا ہوا؟“ آذر نے نارمل انداز میں پوچھا۔

”آسان تھا......اچھا ہوا۔“ میشل بیڈ پہ آ کر بیٹھ گئی تھی......

”یہ عامر نے تمہیں پارسل کیوں بھیجا ہے؟“ آذر نے غصے سے اسے دیکھا۔

”م......مجھے؟ مجھے کیوں بھیجے گا؟ وہ......وہ تو......معظمہ کا د......دوست ہے۔“

”تو اس نے پھر تمہارے نام کیوں بھیجا ہے؟“ آذر چلاتے ہوئے اٹھا۔

میشل بوکھلا گئی لیکن فوراً ہی گھبراہٹ پر قابو پایا۔

”آپ نہیں جانتے......معظمہ نے کہا ہوگا اسے تاکہ اس پر شک نہ جائے۔“ میشل پورے اعتماد سے بولی۔

”جا کر دے آؤ بلکہ میں ہی دے آتا ہوں۔“ آذر جانے لگا تو میشل نے اس کا بازو پکڑ کے روکا۔

”ارے رہنے دیں ناں......میں اسے دے دوں گی اور سمجھا بھی دوں گی۔“

”ٹھیک ہے......ورنہ میں اس کو ٹھیک ٹھاک سنا بھی دیتا۔“ آذر باہر چلا گیا تو کمرے میں میشل نے سکون کی سانس لی۔

”اُف یہ لڑکا تو مجھے مروانے پہ تلا ہوا ہے۔“ پارسل اٹھا کے اس نے بیڈ پہ پھینکا اور فریش ہونے چلی گئی۔

☆☆☆

امتحانات سے فارغ ہو کر ان دونوں کی تو جیسے عید ہو گئی تھی، پڑھائی ختم ہو چکی تھی اور ان سب نے اب اپنے کزنز کے ساتھ وقت گزارنا شروع کر دیا تھا۔

ان کا نتیجہ آ چکا تھا اور اب ہاؤس جاب کے لیے اپلائی کرنا تھا......آذر کے لیے رشتے کی تلاش جاری تھی لیکن نعیمہ کے دل میں اب بھی معظمہ ہی تھی۔

”اُف کتنا مزہ آ رہا ہے اب ہم باقاعدہ ڈاکٹر بن گئے ہیں۔“ میشل اور معظمہ ڈاکٹرز انٹرنی اسٹاف میں موجود تھیں اور سب سے مل رہی تھیں۔

”ہاں واقعی، ایک خوشی سی ہوتی ہے جب آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔“ یہ زینب تھی دوسرے میڈیکل کالج کی۔

”نہیں ابھی مقصد پورا نہیں ہوا ہے، ابھی ہم صرف نام کے ساتھ ڈاکٹر لگا رہے ہیں کامیابی تب ہوگی جب ایک سال بعد ہم پوری طرح سے ڈاکٹر بن جائیں گے۔“ معظمہ نے کہا اور سب نے اس کی بات کی تائید کی لیکن میشل ناک بھوں چڑھانے لگی۔

”بس اس کا لیکچر شروع ہو گیا۔“ بیزاری سے میشل نے کہا۔

”میرے خیال سے تو یہ محترمہ غلط نہیں...... دیکھیں ناں ابھی تو ہم مختلف شعبوں میں جائیں گے، سیکھیں گے، عمل کریں گے اس کے بعد ہم ایک شعبے کو منتخب کر کے اس میں مہارت حاصل کریں گے اور پھر صحیح والے ڈاکٹر کہلائیں گے۔“ راحم جو اُن سب کے گروپ میں الگ ایک کونے میں بیٹھا تھا آگے بڑھ کر بولا۔

”جو بھی ہے ڈاکٹر تو ہم ویسے بھی ہیں ناں بس بات ختم۔“ میشل نے کہا۔

”ہیلو ینگ ڈاکٹرز، کیسے ہیں سب؟“ ان کے روم میں ایک سینئر ڈاکٹر آیا تھا۔ سب نے کھڑے ہو کر اس کا خیر مقدم کیا۔

”میرا نام ڈاکٹر ابراہیم ہے میں یہاں آپ کو لسٹ

دوں گا اس کے مطابق ہی آپ لوگ ڈیوٹیز دیں گے اور مختلف ڈاکٹرز کے پاس جائیں گے اور ہر ہفتے مجھے رپورٹ ملا کرے گی...... سمجھ گئے آپ لوگ؟'' سب نے ایک ساتھ ہاں کہا اور اپنی، اپنی لسٹ لے گئے۔

''واہ بھئی ہم تو ساتھ ہیں۔'' میشل نے رمشا کو دیکھا اور خوش ہوگئی۔

''آپ کا کس ڈاکٹر کے پاس نام لکھا ہے؟'' راحم نے معظمہ سے پوچھا۔

''جی...... ڈاکٹر اعظم کے پاس...... اور آپ؟''

''ارے میرا بھی ان کے ساتھ ہے۔'' راحم نے مسکرا کر کہا۔

''میرا بھی ہے۔'' انہی کے ساتھ انٹرنی گروپ میں سے ایک اور لڑکی نے کہا۔ ''میرا نام انیلا ہے...... چلو ساتھ چلتے ہیں۔'' تینوں مسکراتے ہوئے ساتھ چلے گئے۔

ان کے سینیئرز بدلتے رہتے تھے کبھی ساتھ ہوتے کبھی الگ الگ لیکن انٹرنی روم میں یہ لوگ سب موجود ہوتے وہاں شغل لگاتے رہتے۔

''اوئے تمہیں پتا ہے عامر نے یہاں ٹرانسفر کروایا ہے۔'' رمشا نے میشل کو بتایا۔

''اُف نہیں کر یار اب وہ پکائے گا بہت۔''

''وہ تو تمہارا اتنا اچھا دوست تھا اور تم بھی تو اس سے...... میرا مطلب پسند وغیرہ......'' میشل کی بات پر رمشا نے کہا تو میشل نے ہاتھ اٹھا کر بات روکی۔

''مجھے عامر میں کوئی دلچسپی نہیں، اس کی بات نہ کی جائے تو بہتر ہوگا اب۔''

یہ دونوں بات کر کے چپ ہوئے ہی تھے کہ دیکھا راحم اور معظمہ ساتھ، ساتھ چلتے ہوئے آرہے تھے۔

''واہ بھئی کیا بات ہے بڑی، دوستی کرلی ہے دونوں نے۔'' میشل نے طنزیہ کہا۔

''ہاں تو اچھا ہے ناں شروعات ساتھ جو ہوئی تو اب ساتھ ہی کام کر رہے ہیں، دوستی تو ہونی تھی۔'' راحم نے مسکرا کر جواب دیا۔

''اچھا تو ہم بھی تو ہیں، ہم سے تو دوستی کا نہیں سوچا پورے گروپ میں یہی ملی تھی۔'' میشل ہنسنے لگی۔

''ہاں پورے گروپ میں مجھے یہی اچھی لگی تو اسی سے دوستی کروں گا ناں۔'' راحم نے زبان چڑائی۔

''اچھی کا تو پتا نہیں پر خوب صورت تو نہیں ہے ناں۔'' میشل نے اترا کر کہا۔

''خوب سیرت تو ہے ناں۔'' راحم یہ کہہ کر آگے بڑھنے لگا۔

''معظمہ ہمیں ایک فائل پہ کام کرنا تھا ناں چلو چلتے ہیں۔''

معظمہ نے غصہ ہوتی میشل کو دیکھا اور اس کے ساتھ ہی آگے بڑھ گئی۔

''حد ہوگئی معظمہ نہ ہوئی کوئی حور پری ہوگئی۔'' میشل نے صوفے کے ہتھے پہ ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

''چھوڑو یار۔'' رمشا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''راحم سے تو میں دوستی کر کے ہی رہوں گی اب۔'' میشل نے کہا اور رمشا مسکرا دی۔

''چلو ہم بھی راؤنڈ پہ چلتے ہیں۔'' میشل نے اثبات میں سر ہلایا اور دونوں چلی گئیں۔

معظمہ کو میشل کا سب کے سامنے مذاق اڑانا بالکل پسند نہیں تھا لیکن وہ کہتی نہیں تھی، چپ رہتی اس کے بدلے دوسرے کہہ جاتے اگر وہ کہہ دیتی تو سامنے والا چپ بھی ہوسکتا تھا میشل کی فطرت میں دراصل جو عجیب چڑچڑاپن آیا تھا۔ وہ اس کی ماں کے ہر وقت معظمہ کے گن گانے سے آیا تھا۔

''تمہیں جواب دینا نہیں آتا؟'' راحم جو معظمہ کے ساتھ چل رہا تھا اچانک بولا۔

''کس بات کا جواب؟'' معظمہ نے ناسمجھی سے کہا۔

''واہ...... تمہاری کزن ہے ناں میشل! اور تم اس کی ہر بات سن لیتی ہو جبھی وہ بولتی ہے اتنا۔''

''ویسے راحم آپ غصے میں بھی اچھے لگتے ہیں۔'' معظمہ نے موڈ کو نارمل کرنے کے لیے کہا تھا۔

راحم رکا تو معظمہ بھی رک گئی۔

''معظمہ تم بہت اچھی ہو۔'' راحم اسے پیار بھری نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔

''راحم!'' معظمہ نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہاں کہو۔'' راحم نے سینے پر ہاتھ باندھے اور مسکرا کر کہا معظمہ مزید کنفیوز ہوگئی۔

''اچھا ابھی میرا موڈ صحیح کرنے کے لیے غصے کی حالت میں بھی کہا کہ میں اچھا لگتا ہوں اور میں نے بس اتنا کہہ دیا کہ تم اچھی ہو، حالت دیکھو اپنی ذرا۔''

معظمہ جھینپ گئی۔

''تمہیں پتا ہے ہمیں یہاں کتنا وقت گزارنا ہے ساتھ میں؟'' راحم نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔

''کیا میں تمہیں اچھا نہیں لگتا؟'' راحم نے اس کا ہاتھ تھام کر پوچھنا چاہا معظمہ نے جھٹ ہاتھ چھڑایا۔

''پسند ہو لیکن...... دیکھو پہلے ہم انٹرن شپ ختم کرلیں پھر اس بارے میں کچھ سوچیں گے۔'' معظمہ کا بہت پُراعتماد لہجہ تھا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ معظمہ کو میں یعنی راحم پسند ہے، ہے ناں؟'' راحم نے اسے چھیڑا۔

''راحم! راؤنڈ پہ چلیں؟''

معظمہ کی بات سن کر وہ ہنسا اور دونوں ساتھ وارڈ میں چلے گئے۔

''بھئی بڑے چرچے ہو رہے ہیں تمہاری کزن اور راحم کے۔'' انٹرنی گروپ میں سے ایک لڑکے نے میشل کو بتایا۔

''اچھا تو میں کیا کروں پھر؟'' میشل کا روکھا انداز اس انٹرنی کو مزہ دینے لگا۔

''کرو گی تم کیوں کچھ، وہ تو تمہاری کزن نے کردیا...... حیرت ہے تم خوب صورت ہو پھر بھی راحم اسے پسند کرتا ہے۔''

میشل جسے معظمہ ویسے ہی پسند نہ تھی اس بات پر تو اسے آگ لگ گئی۔

''اپنے کام سے کام رکھا کرو تم سمجھے۔'' میشل نے یہ کہا اور وہ انٹرنی کندھے اچکا گیا۔

''او ہیلو، یہ اکڑ ہے ناں کسی اور کو جا کر دکھانا۔ ڈاکٹر بننے چلی ہو اور نرمی سے گفتگو تو جیسے کرنی آتی ہی نہیں۔'' وہ لڑکا بھی منہ بسورتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

میشل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی بھی طرح سے راحم کو اپنی طرف کرلے۔ وہ خوب صورت تھی اس میں کوئی شک نہیں تھا لیکن کوئی لڑکا اسے چھوڑ کر اس کی کزن کی طرف مائل ہوجائے یہ اسے گوارا نہیں ہو رہا تھا۔

''میشل ان سے ملو یہ ہیں ہمارے نئے انٹرنی...... ڈاکٹر عامر۔'' رمشا نے پُرجوش طریقے سے عامر سے ملوایا۔

''او ہنہ، اسے کون نہیں جانتا۔'' میشل کو جب دلچسپی ہی نہیں تھی تو اس نے سر جھٹکا۔

''اچھی بات ہے کہ یہ تمہیں ابھی تک یاد ہے۔ تم دونوں باتیں کرو میں کافی لے کر آتی ہوں۔'' رمشا انہیں چھوڑ کر چلی گئی۔

''عامر...... تم نے یہاں ٹرانسفر بھلے کروالیا ہو لیکن مجھ سے کوئی امید وابستہ نہ کرنا۔'' میشل اٹھی اور اس کے سامنے جا کر کھڑی ہوگئی۔

''میں صرف تمہارے لیے ہی یہاں آیا ہوں اور تم......'' عامر اسے دیکھنے لگا۔

''عامر پلیز...... کالج کی دوستی جو تھی وہ کالج تک ہی تھی۔ اب یہاں آکر تم یہ ڈرامے نہ ہی کرنا تو اچھا ہوگا اور میں کہہ چکی ہوں ناں تو بس بات یہیں ختم۔''

میشل جانے لگی تھی کہ عامر نے اس کا بازو پکڑا۔

''میشو...... چلو آج پھر سے دوستی کرلیتے ہیں۔''

میشل نے سر گھما کر اسے دیکھا۔

''تم جتنی بھی کوشش کرلو عامر اب کچھ نہیں ہوسکتا۔'' وہ تڑخ کر بولی عامر کی گرفت ڈھیلی ہوگئی تھی میشل نے بازو چھڑایا اور جانے ہی لگی تھی کہ رمشا آگئی۔

''ارے باپ رے...... دیکھ کر چلا کرو ابھی کافی گر جاتی۔''

''رمشا اپنے دوست کو کافی پلا دو اور میری طرف سے معذرت کرلینا۔'' میشل کہتی ہوئی اس کے برابر سے گزر گئی۔

شکرِ خداوندی ایمانِ محکم کی دلیل

شکر کیا ہے؟ اس کی امام راغب اصفہانی نے بڑی عمدہ تشریح فرمائی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ ''شکر کے معنی ہیں، کسی احسان وانعام کا ادراک وتصور اور اس کا اظہار واعتراف......'' اس کے برعکس والی کیفیت کفر ہے۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا۔ ''اور جو شکر کرتا ہے، اپنے بھلے کے لیے کرتا ہے اور جس نے کفر کیا تو بلاشبہ اللہ بے نیاز ہے۔'' شکر کیا ہے؟ یہ کہ انسان کو نعمت کا احساس ہو اور وہ اس کا اظہار کرے اور کفر کے معنی ہیں چھپا دینا، دبا دینا لہٰذا جب یہ شکر کے مقابلے میں آئے گا، اس کا مفہوم ہوگا ناشکرا پن یا کفرانِ نعمت...... عقل کا وظیفہ کیا ہے؟ یہ کہ وہ اپنے محسنِ حقیقی کو پہچانے اور اس طرح اس کے شکر اور احسان مندی کے جذبے سے اس کا ذہن وقلب سرشار ہو جائے۔ ذرا غور کیجیے کہ جب انسان عہدِ طفولیت میں ہوتا ہے تو اس کے ذہن کی دنیا بھی اتنی محدود ہوتی ہے کہ وہ اپنے والدین ہی کے بارے میں سمجھتا ہے کہ یہی میرے رازق ہیں، یہی میرے محافظ ہیں، یہی میرا دکھ درد محسوس کرنے والے ہیں، مجھے کوئی تکلیف ہو تو اسے یہی رفع کرنے والے ہیں لہٰذا اس کا غیر شعوری جذبۂ تشکر اپنے والدین کی ذات پر مرتکز رہتا ہے لیکن جیسے جیسے فکرِ انسانی کا ارتقا ہوتا ہے اور عقل اپنی ارتقائی منزلیں طے کرتی ہے،

''رمشا یہ اسے کیا ہو گیا ہے؟'' عامر نے دونوں ہاتھ اپنی جینز کی پاکٹ میں ڈالے اور حیرت سے رمشا کو دیکھا۔

''ارے بھئی کچھ نہیں......اور پلیز تم بھی اس سے اب یہ پسند، پیار وغیرہ کی باتیں کرنا چھوڑ دو۔ جب میشل کو یہ اچھا ہی نہیں لگتا تو کیوں چاہتے ہو کہ وہ تمہارے ساتھ یونہی بدتمیزی کرے؟'' رمشا آکر صوفے پہ بیٹھ گئی تھی۔

''آؤ......کافی پیو۔'' عامر بھی اس کے ساتھ آکر بیٹھ گیا تھا۔

☆☆☆

دن گزرتے جا رہے تھے اور معظمہ اور راحم ہر وقت جیسے ساتھ، ساتھ ہوتے...... میشل سے یہ سب برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ دوسری طرف نعیمہ نے پھر سے آذر کو معظمہ کے لیے راضی کرنے کی کوشش کی۔

''امی آپ کیوں اس بات کے پیچھے پڑ گئی ہیں جب میں کہہ چکا ہوں مجھے نہیں کرنی اس سے شادی۔''

''تو کس سے کرنی ہے بتا کے جان چھڑاؤ۔'' نعیمہ بیٹے کی ہٹ دھرمی سے اکتا چکی تھیں۔

''جس سے بھی کروانا چاہیں آپ کی مرضی!''

آذر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ معظمہ کی ان حرکات کا بتائے جو بھی میشل نے اسے بتائی تھیں...... آذر، معظمہ سے نفرت سی کرنے لگا تھا لیکن سب کے سامنے اظہار نہیں کرتا تھا۔

''تمہاری بھی منطق سمجھ سے باہر ہے۔ کرنی کسی سے بھی ہے تو معظمہ میں کیا حرج ہے؟ گھر کی بچی ہے، گھر میں ہی ہو گی۔'' نعیمہ نے دکھی ہوتے ہوئے کہا۔

''آپ کو میری شادی کروانی ہے یا اس کی بربادی؟'' آذر نے تلخی سے کہا۔

''یہ کس طرح بات کر رہے ہو؟''

''امی...... میں کہہ چکا ہوں بار، بار نہیں کہوں گا۔ مجھے معظمہ سے نہیں کرنی شادی باقی جس سے بھی کروا دیں۔''

آذر کا دوٹوک انداز نعیمہ کی سمجھ سے باہر تھا۔

☆☆☆

''ہماری ڈیوٹیز بدلتی رہتی ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کسی ڈاکٹر کی ڈیوٹی میں میرا اور راحم کا نام شامل ہو جائے؟'' میشل نے رمشا کو فون کیا تھا اور دونوں اپنی ڈیوٹیز کے حوالے سے بات کر رہی تھیں۔

''پتا نہیں یار، مجھے تو ایسے عجیب کھڑوس قسم کے

انسان کا شعور پروان چڑھتا ہے اور اس کے ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ پھر انسان کو معلوم ہوتا چلا جاتا ہے کہ میں تو بہت سوں کا زیر بار احسان ہوں۔ میرا وطن ہے، میری قوم ہے، میرے اعزا و اقربا ہیں۔ یہ سب کے سب میرے محسن ہیں، میری بھلائی کے لیے سوچتے ہیں، میں درجہ بدرجہ ان سب کا زیر بار احسان ہوں، اسی طرح گویا جذبہ شکر پھیل رہا ہے پھر انسان یہاں تک سوچتا ہے کہ یہ زمین جس سے مجھے غذا حاصل ہو رہی ہے، یہ سورج جس سے سارا نظام چل رہا ہے، فصلیں پک رہی ہیں، بارشیں ہو رہی ہیں جن سے مُردہ زمین پھر زندہ ہو جاتی ہے تو میں ان میں سے ہر چیز کا زیر بار احسان ہوں، میری جو ضروریات پوری ہو رہی ہیں تو اس پوری کائنات کی ایک، ایک شے میری ضروریاتِ زندگی کی بہم رسانی میں لگی ہوئی ہے۔ اسی طرح یہ شکر پھیل کر کائنات کی وسعتوں کو اپنے اندر سمو لیتا ہے۔ الغرض شکر تقاضائے فطرت ہے کہ اپنے اصل محسن و منعم اور خالق و مالک کو پہچان لے۔ ان دونوں کے امتزاج سے اللہ کے شکر و امتنان کے جذبات کا چشمہ دل کی گہرائیوں سے ابلتا ہے اور اس کی حمد و ثنا کے زمزمے انسان کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں پھر شکرِ خداوندی کا تقاضا ہے کہ انسان اللہ کا حق لازمی ادا کرے۔

از: تحسین عباس، لاہور

ڈاکٹر ملتے ہیں کہ دل کرتا ہے انہیں مار ہی ڈالوں۔“ رمشا نے اپنا دکھڑا رویا۔

”واقعی، ہم نئے ڈاکٹرز کو تو خوب بے عزت بھی کر دیا جاتا ہے۔“

”ویسے جس طرح راحم اور تمہاری کزن معظمہ ساتھ ہوتے ہیں اصل مزے تو ان کے ہیں۔“

”رمشا......!“

”ہاں کہوں میشو۔“

”رمشا میں ایسا کیا کروں کہ راحم مجھ سے دوستی کر لے۔“ میشل نے گہری سانس لی۔

”اس کا نمبر تو ہوگا ناں تمہارے پاس اسے کال کرو اور بتاؤ کہ تم اس میں دلچسپی رکھتی ہو اور کیا؟“

”اُف میں نے کتنے میسج کیے اسے بتایا بھی کہ یہ میرا نمبر ہے لیکن وہ جواب نہیں دیتا اور اسپتال میں اسے معظمہ سے ہی فرصت نہیں ملتی......اب میں کیا کروں یار۔“ میشل کی بے چینی اس وقت دیکھنے لائق تھی، رمشا ہنسنے لگی۔

”اچھا پھر تو تم اللہ، اللہ کرو اور کیا ہو سکتا ہے۔“

”کیا مطلب اس بات کا؟“ میشل نے پوچھا۔

”بھئی میرا مطلب کہ اب دعا ہی کر سکتے ہیں اور کیا۔“ رمشا نے پھر ہنسنا شروع کر دیا اور میشل منہ بنا کر رہ گئی۔

☆☆☆

”میں نے آذر کے لیے لڑکی پسند کر لی ہے اگلے ہفتے جا کر بات پکی کر لیں گے۔“ صبح صبح ہی نعیمہ نے ناشتا کرتے ہوئے دھماکا کیا۔

”کیا بات ہے بھئی، اب آذر بھائی کی شادی ہوگی اور میری شاپنگو۔“ ٹوسٹ کھاتے ہوئے میشل نے کہا۔

”آذر کیا کہتے ہو تم؟“ نعیمہ نے آذر کو دیکھا۔

”امی آپ کو میں نے اختیار دے دیا تھا آگے کیا بولوں۔“ وہ چپ چاپ ناشتا کرتا رہا۔

”کیا فرمانبرداری ہے بھئی......خیر میں تو چلی...... چلیں اللہ حافظ!“

”میشل جوس تو پورا پی کے جاؤ۔“ نعیمہ نے پیچھے سے آواز لگائی۔

”امی دیر ہو گئی ہے۔ بائے، بائے۔“ اونچی آواز میں وہ کہتی ہوئی چلی گئی۔

آذر کا رشتہ جویریہ کی بہن کی سسرال میں ہوا تھا......لڑکی خوب صورت تھی منگنی کے فنکشن کا انتظام

بھی خوب اچھا کیا ہوا تھا سب کزنز ہلا گلا کر رہے تھے، آذر بھی خوش تھا۔

میشل نے رمشا کو بھی دعوت دی تھی۔

"یار علینہ بھابی تو بہت پیاری ہیں۔" رمشا بولی۔

"ہاں پر مجھ سے کم۔" میشل کو علینہ کی تعریف بھی اچھی نہیں لگی۔

"اوہو، تمہارا بھی کسی سے مقابلہ ہے کیا؟" رمشا کی بات پہ وہ مسکرائی۔

"اچھا تم نے کہا تھا تم میرے کام کا حل نکالو گی۔" میشل نے اس کی کہی ہوئی بات یاد دلائی۔

"اوہ ہاں...... یہاں نہیں میں اسپتال لے کر آؤں گی وہ چیز۔" رمشا نے ہلکی آواز میں کہا۔

منگنی کی تھکاوٹ کے باوجود وہ اگلے دن اسپتال گئی رمشا سے جو خاص ملنا تھا۔

"میشل...... یہ لو اور اسے اپنے تکیے یا کشن میں ڈالنا اور بند کر دینا جس پر سر رکھ کر تم سوتی ہو۔" رمشا نے اسے ہدایت دی اور کچھ، کچھ سمجھتے ہوئے۔ اس نے وہ چیز لے لی...... گھر آ کر اس نے ایک الگ سے کشن لیا چھوٹا سا اور اس میں وہ ڈال دیا۔

اس دن کے بعد سے وہ روز راحم کو میسج کرتی پر وہ جواب نہ دیتا دوسری طرف معظمہ کو راحم اور اچھا لگنے لگا اس نے ماں کو راحم کے بارے میں بتا دیا تھا اور وہ خوش ہو گئیں۔ آذر کی منگنی ہو جانے پر وہ معظمہ کے لیے زیادہ فکر ہونے لگی تھیں۔

"راحم!" میشل راؤنڈ پر تھی جب اس نے راحم کو اکیلے دیکھا۔

"جی مس میشل کہیں۔" راحم کے ہاتھ میں فائل تھی اسے بند کرتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

"شکر ہے مجھے تم اکیلے تو ملے آج۔"

"کیوں...... ویسے تو روز سلام دعا ہو ہی جاتی ہے پھر آج اکیلے دیکھ کر کس بات کا شکر منا رہی ہو؟" راحم نے تیکھے انداز میں پوچھا۔

"کبھی تو اچھے سے بھی بات کر لیا کرو۔" میشل نے روہانسی ہو کر کہا۔

"اچھا کہو کیا بات ہے؟ مجھے اور بھی کام ہیں۔"

"میں تم سے دوستی کرنا چاہتی ہوں، تم نہ میرے کسی میسج کا جواب دیتے ہو نہ کال اٹینڈ کرتے ہو، کیوں؟"

"میں تمہارے کسی بھی ایسے فضول سوال کا جواب دینے کے موڈ میں نہیں ہوں میشل۔" اس نے سختی سے کہا۔

"کیوں، میں اتنی بری ہوں کیا؟" میشل کے پوچھنے پہ راحم نے حقارت سے اسے دیکھا۔

"نہیں، نہیں تم کوئی بری تھوڑی ہو برے تو ہم ہیں جو آپ کی قدر نہیں کرتے...... مجھے پلیز اب کوئی میسج وغیرہ مت کرنا اور کالز بھی نہیں کرنا۔" اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے اور وہ چلا گیا۔ وہ میشل جیسی لڑکی کی نادانیوں پر حیران ہوتا تھا۔

میشل معظمہ کو ہی برا بھلا کہنے لگی۔

☆☆☆

علینہ اور آذر ایک دوسرے سے بات کرتے تھے، ملتے تھے دونوں اپنی اس منگنی سے خوش تھے ان کے ملنے جلنے پر بھی کوئی پابندی نہیں تھی اور نہ ان دونوں کو اعتراض تھا دوسری طرف راحم نے معظمہ کے ہاں گھر والوں کو بھیج دیا اور ان کا رشتہ پکا ہو گیا......

"کیا بات ہے بھئی، تمہاری کزن تو بہت تیز نکلی۔ رشتہ ہی پکا کروا لیا۔" رمشا اور میشل روم میں بیٹھے کچھ فائلز ڈسکس کر رہے تھے کہ رمشا نے اس پر چوٹ کی۔

"صحیح کہہ رہی ہو۔ مجھے اندازہ نہیں تھا معظمہ اتنی گھنی ہو گی۔"

"ہیلو گرلز، کیا ہو رہا ہے؟" ایک انٹرنی نے آ کر پوچھا۔

"دکھ نہیں رہا...... کام کر رہے ہیں؟" رمشا نے جواب دیا۔

"اچھا، اچھا۔ ویسے میشل مبارک ہو، تمہاری کزن نے تو ہمیں مٹھائی تک نہیں کھلائی اور تم نے ہمیں بتانا بھی مناسب نہیں سمجھا؟ کیوں بھئی کیا ہم سب

دوست نہیں؟‘‘

’’وہ کیا ہے ناں۔ جنہوں نے منگنی کی ہے یہ بات جا کر ان سے ہی کہو تو اچھا ہے۔ مجھ سے شکایت کس بات کی؟ اور میں مبارکبادیں کیوں وصول کروں؟‘‘ میشل نے تلخ لہجے میں کہا۔

’’ارے تو کزن ہو آخر... اس لیے پوچھا تھا۔‘‘

’’کیا ہو رہا ہے یہاں؟‘‘ راحم روم میں آیا اور لیب کوٹ صوفے پہ رکھا اور آ کر بیٹھ گیا۔

’’کچھ لوگ ہیں جو آپ کی منگنی کی مبارکبادیں مجھے دے رہے ہیں۔‘‘ میشل نے تیکھے انداز میں ابرو اچکا کر کہا۔

’’اوہو، کیا نام ہے تمہارا؟ ہاں حمزہ، وہ کیا ہے ناں جس کی منگنی ہوئی ہوا سے ہی مبارکباد دو اور بلکہ دعوت لینی ہو وہ بھی بتا دو۔ لیکن مہربانی کر کے ان کو مبارکباد نہ دو جو اس بات سے بالکل خوش نہیں۔‘‘ راحم نے کن انکھیوں سے میشل کو دیکھا اور طنزیہ مسکرایا۔

’’ارے دوست ہو تو تمہارے جیسا... بس ہم راؤنڈ مار کر یہیں ملتے ہیں اور میں سب کو بلا کر لاتا ہوں پھر تمہاری طرف سے کچھ کھانے پینے کو مل جائے تو مزہ آ جائے گا۔‘‘

’’ہاں، ہاں ضرور۔ بھئی خوشی کی بات ہے تو اچھے سے منانا چاہیے ناں، کیوں میشل؟‘‘ راحم نے میشل کو دیکھا۔

’’ہاں بالکل، خوشیاں تو منانے کے لیے ہی ہوتی ہیں۔ ٹھیک ہے راؤنڈ کے بعد سب یہیں ملتے ہیں۔‘‘ میشل نے اپنی فائل اٹھائی اور رمشا کے ساتھ چلی گئی۔

ان لوگوں نے مل کر پارٹی کی اور دونوں کو خوب چھیڑا۔

’’رمشا یہ دیکھو تمہارے تعویذ نے تو کچھ اثر ہی نہیں کیا اور راحم مجھ سے دور ہو گیا۔‘‘ میشل افسردہ شکل لیے اس کے سامنے تھی اور بہت دھیرے آواز میں بولی۔

’’ارے تو کیا ہوا؟ منگنی ہی تو ہوئی ہے شادی تھوڑی جو تم ہمت ہار کے بیٹھ گئی ہو میں تمہارے لیے کوئی اور طریقہ نکالتی ہوں۔‘‘

’’یہ کس طرح کا تعویذ تھا کہ وہ میرا ہو ہی نہ سکا۔ مجھ سے بات بھی سیدھے انداز میں نہیں کرتا۔‘‘

’’میشو، ہر چیز وقت لیتی ہے یار... ہو سکتا ہے تم دل سے نہ کر رہی ہو۔‘‘

’’کیا مطلب تمہارا؟ میں دل سے چاہتی ہوں کہ وہ میرا ہو جائے، مجھ سے دوستی کرے، اِس لڑکی سے دور ہو جائے اور تم یہ کہہ رہی ہو؟‘‘ میشل نے آنکھیں پھاڑ کر رمشا کو دیکھا۔

’’او ہو اچھا ناں، ہو سکتا ہے یہ تعویذ اتنا طاقت ور نہ ہو میں پوچھواؤں گی کچھ اور...... تم بے فکر رہو۔‘‘ رمشا نے میشل کو تسلی دی۔

’’وہ دیکھو عامر کیسے تمہیں دیکھ رہا ہے۔‘‘

’’مجھے عامر سے نفرت سی ہو گئی ہے۔‘‘ میشل نے اپنی جانب متوجہ عامر کو ناگواری سے دیکھا۔

میشل کو اب بھی راحم کو اپنا کرنے کی ضد تھی۔ وہ راحم کے پاس جاتی جب بھی وہ اکیلے ہوتا اسے منانے کی کوشش کرتی لیکن وہ اسے کوئی لفٹ نہیں دیتا تھا۔ عامر اس کے انداز و طور طریقے نوٹ کرتا رہتا تھا۔

☆☆☆

علینہ اکثر گھر بھی آ جاتی تھی پر میشل اسے زیادہ لفٹ نہیں کراتی تھی بس سلام دعا کرتی جبکہ معظمہ اور منال کو علینہ کے آنے کا علم ہوتا تو وہ آ کر ملتیں، علینہ کو وہ اور اچھی لگنے لگی تھیں۔

’’آذر...... یہ میشل مجھ صحیح سے بات نہیں کرتی کیوں؟‘‘ اس روز علینہ نے واپسی میں جاتے ہوئے آذر سے پوچھا۔

’’ارے نہیں، تمہیں ایسا لگ رہا ہو گا یہ تو جب تم جاتی ہو سارا وقت تمہاری بات کرتی ہے۔‘‘

’’یہ تو تم کہہ رہے ہو پر میں جو نوٹ کر رہی ہوں وہ شاید تم نہ کر سکو خیر بہر حال۔‘‘ علینہ نے آذر کو جواب دیا اور میوزک لگا دیا آواز جان بوجھ کے بڑھا دی تھی۔

’’علینہ اسے غلط نہ سمجھو، چھوٹی ہے لاڈلی بھی تو ہے ناں۔‘‘ آذر نے تھوڑی آواز کم کر کے کہا لیکن

علینہ منہ پھیرے بیٹھی رہی۔
''لاڈلی ہے چھوٹی بھی ہے لیکن میں اس کی ہونے والی بھابی ہوں۔ مجھے عزت تو دے کم از کم... میرے ساتھ بیٹھ کر بھی ایسا لگتا ہے جیسے احسان کر رہی ہو۔''
''اوہو علینہ کیا ہو گیا ہے؟'' آذر نے چڑ کر کہا۔
''تمہاری وہ کزن معظمہ بہت اچھی ہے، کافی سلجھی ہوئی لگتی ہے۔ میں جب، جب آتی ہوں وہ دونوں بہنیں مجھ سے ملنے آتی ہیں۔ ان سے مل کر لگتا ہے کہ ہاں میری کوئی اہمیت ہے ورنہ......''
''اب تم بھی معظمہ کے گُن گاؤ گی؟'' آذر مزید تپ گیا۔
''ہاں تو جو اچھے ہوں گے ان کی تعریف کرنے میں کیا حرج؟''
''اچھا اب کچھ دیر خاموش رہو گی؟ میں گاڑی چلا رہا ہوں۔'' آذر نے روکھے لہجے میں کہا جس پہ علینہ خاموش ہو گئی اور پورا سفر ان کے درمیان خاموشی ہی رہی۔

☆☆☆

''میرا دل کرتا ہے جیسے ہم صبح کی ڈیوٹیز میں ساتھ ہوتے ہیں ویسے ہی رات میں بھی ہوا کریں۔'' راحم نے معظمہ سے فون پر بات کرتے ہوئے کہا۔
''لو یعنی آپ چاہتے ہیں کہ پھر ہم راؤنڈ پہ جایا ہی نہ کریں؟'' معظمہ نے راحم کو چھیڑا۔
''ویسے سوچو، ہم ہر وقت ساتھ رہیں اور رات کو بھی اُف...... کیا رومینٹک ماحول ہوگا ناں۔ میں تم اور اسپتال اور وہاں پھیلی دوائیوں کی خوشبو۔''
''توبہ ہے راحم، یہاں بھی رومینس!''
''ہاں تو اور کیا۔ ویسے ایک رات کی ڈیوٹی ساتھ کرنی چاہیے۔ کیا کہتی ہو؟ میں ڈاکٹر ابراہیم سے بات کروں؟''
''کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دن میں مل لیتے ہیں کافی نہیں؟''
معظمہ کی بات پہ راحم ہنسا۔
''نہیں ناں، کافی نہیں ہے۔ میں تو چاہتا ہوں تم میرے ساتھ ہر وقت ہو۔''
''اچھا اب بس بھی کریں۔'' معظمہ جھینپ گئی تھی۔
''معظمہ تم مجھے پسند تو کرتی ہو ناں لیکن کبھی آئی لو یو نہیں کہا۔ آج ذرا کہہ دو، سچ بتا رہا ہوں بہت سکون کی نیند آئے گی۔''
''راحم، مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا۔''
''معظمہ ہم منگیتر ہیں بھئی...... اور جب تھوڑا بہت اظہار کر چکی ہو تو اس میں حرج کیا ہے؟''
معظمہ، راحم کی بات پہ خاموش ہو گئی۔
''اچھا بابا اچھا اب نہیں کہوں گا کچھ بھی۔ چلو اب آرام کرو کل ملتے ہیں۔''
''جی...... اچھا۔ اللہ حافظ۔''

☆☆☆

''میں تم سے پیار کرنے لگی ہوں راحم۔'' میشل نے راحم کو میسج کیا۔
راحم جو ابھی معظمہ سے بات کر کے فارغ ہوا تھا کہ میشل کا میسج پڑھا۔
''جواب تم اچھے سے جانتی ہو اس بات کا...... میں تمہیں میسج ہرگز نہ کرتا پر اب تمہیں سمجھ جانا چاہیے کہ میں تمہارا رشتے میں کیا لگتا ہوں۔'' پہلے راحم نے سوچا کہ جواب نہ دے لیکن پھر بیزاری سے میسج ٹائپ کیا اور بھیج دیا۔
''میں تم سے واقعی پیار کرتی ہوں تبھی اظہار کر رہی ہوں...... تم سے معظمہ نے کبھی اظہار کیا ہے؟'' میشل نے جان بوجھ کے معظمہ کا نام لیا۔
''پیار کے اظہار کے لیے لفظوں کی ضرورت نہیں پڑتی میشل...... وہ سمجھ جاتے ہیں جو پیار کرتے ہیں۔'' راحم نے جواب بھیجا۔
''اچھا تو تم جو معظمہ سے اظہار کرتے رہتے ہو وہ کیا ہے پھر؟ تم اسے نہ بتاتے تو وہ بھی نہ جانتی۔'' یہ ایک سچ ہی تھا جو میشل نے لکھ بھیجا تھا اور راحم نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

(دوسرا اور آخری حصہ اگلے ماہ)

''آؤ، آؤ فرخندہ بوا آج کیسے آنا ہوا یہاں؟'' سعیدہ بیگم نے رشتے والی بوا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''بس ذرا پڑوس میں گئی تھی جمیلہ کی بیٹی کے رشتے کے سلسلے میں تو سوچا تم سے بھی ملتی جاؤں۔'' فرخندہ بوا چادر اتارتے ہوئے بولیں۔

''اچھا کیا جو آ گئیں بہت دن سے تم سے ملاقات بھی نہیں ہوئی تھی......'' سعیدہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بس بہن کیا بتاؤں گھر کے کاموں میں کیسے دن گزر جاتا ہے پتا ہی نہیں چلتا، آج بھی جمیلہ کے کہنے پر آئی تھی اُس کی بیٹی کے لیے دو تین رشتے بتائے تھے میں نے۔ اس میں سے ایک پسند آ گیا تو بس کہہ رہی تھی کہ لڑکے والوں کو کہوں کہ کسی دن آ کر ان کی بیٹی کو دیکھ جائیں تاکہ بات آگے بڑھے۔'' فرخندہ بوا نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

حاصلِ زندگی

حنا دیہ احمد



''اچھی بات ہے، اللہ پاک تمام بچیوں کا نصیب اچھا کرے.....صاعقہ بیٹا جلدی سے بوا کے لیے شربت بنا کے لاؤ......'' سعیدہ بیگم نے بوا سے بات کرنے کے بعد بیٹی کو آواز دی۔

''تم بتاؤ سعیدہ، صاعقہ کے لیے کیا سوچا ہے۔خیر سے ہمارے محلے میں سب سے زیادہ تعلیم صاعقہ نے حاصل کی ہے۔اب کب اس کے ہاتھ پیلے کر رہی ہو؟ یہی عمر تو ہوتی ہے لڑکیوں کی شادی کی اس سے زیادہ دیر نہیں کرنی چاہیے ورنہ پھر بہت مشکل ہوتی ہے رشتے کرنے میں۔'' انہوں نے سعیدہ بیگم کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

''بس بوا میں تو خود چاہتی ہوں کہ اس سال صاعقہ امتحان دے کے فارغ ہو تو اس کے ہاتھ پیلے کردوں، تم تو جانتی ہو صاعقہ کو خود بھی کتنا شوق ہے پڑھائی کا اوپر سے میری اور اللہ جنت نصیب کرے اس کے باپ کی بھی خواہش تھی کہ صاعقہ پڑھ لکھ کے کچھ بنے۔اب خیر سے اس کا ماسٹرز مکمل ہونے کو ہے تو چاہتی ہوں میں کہ اب وہ اپنے گھر کی ہو جائے۔''

''سلام بوا! یہ شربت لیں۔'' صاعقہ نے شربت بوا کو پیش کرتے ہوئے کہا۔

''جیتی رہو بیٹی کیسی جا رہی ہے تمہاری کالج کی پڑھائی۔'' بوا نے شربت لیتے ہوئے پوچھا۔

''بوا کالج نہیں یونیورسٹی۔'' صاعقہ نے مسکراتے ہوئے بوا کو سمجھایا۔

'' ارے ہاں۔ہاں وہی، وہی۔'' بوا نے جھینپتے ہوئے کہا۔

بس بوا اب تین ماہ ہیں اس کے بعد امتحان ہیں، آپ کو دعا ضرور کرنی ہے۔''

''دعا کیوں نہیں کروں گی اور تم ماشاء اللہ خود اتنی لائق ہو اتنا سارا سفر تم نے اپنی محنت سے طے کیا ہے تو آگے بھی ضرور کامیاب ہوگی۔پورے محلے میں کوئی لڑکی تم جتنا نہیں پڑھ پائی کسی نے میٹرک کیا تو کوئی کالج سے آگے نہ پڑھ سکی ہے۔ایک تم ہی واحد لڑکی ہو محلے کی جو اتنا آگے گئی ہو دیکھنا تم ضرور کامیاب ہوگی۔'' بوا نے خالی گلاس صاعقہ کو پکڑایا اور وہ مسکراتے ہوئے اندر کچن میں چلی گئی۔

''بوا بس اب تم میری صاعقہ کے لیے رشتہ ڈھونڈنا شروع کردو بس اس بات کا خیال کرنا کہ لڑکا پڑھا لکھا ہو زیادہ نہ سہی لیکن کم از کم اپنی صاعقہ جتنا پڑھا تو ہو اسی محلے کا ہو یا تمہارے کسی جاننے والوں میں سے ہو کیونکہ میں بیوہ عورت کہاں معلومات کراتی پھروں گی اس لیے کوشش کرنا کہ اپنے علاقے میں سے کوئی اچھا رشتہ مل جائے۔'' سعیدہ بیگم نے فرخندہ بوا کو اپنی مجبوری بتاتے ہوئے کہا۔

''میں کوشش کرتی ہوں سعیدہ، تم تو جانتی ہو اپنے محلے میں زیادہ کہاں کسی نے تعلیم حاصل کی ہے پھر بھی تم گھبراؤ نہیں، اللہ خیر کرے گا۔'' فرخندہ بوا نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

سعیدہ بیگم ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ پانچ بہنوں اور دو بھائیوں میں وہ دوسرے نمبر پر تھیں تعلیم کا شوق تھا لیکن باپ کی آمدن زیادہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کے والدین نے انہیں پانچویں جماعت کے بعد اسکول سے ہٹوا دیا اور سعیدہ گھر میں ماں بہنوں کا ہاتھ بٹانے لگیں......وقت گزرا اور سعیدہ نے جوانی کی دہلیز پہ قدم رکھا تو اُن کے لیے جبار احمد کا رشتہ آ گیا جو آٹھ جماعتیں پاس تھے اور ایک ورکشاپ پہ کام کرتے تھے۔ جبار احمد جوان تھے، محنتی تھے ان کے کام کی لگن کو دیکھتے ہوئے سعیدہ بیگم کے والدین نے رشتے کے لیے ہاں کر دی اور سعیدہ بیگم بیاہ کر جبار احمد کے گھر آ گئیں جہاں اس گھر میں جبار احمد کے ماں باپ، جیٹھ جیٹھانی، ایک کنوارا دیور اور نند سب ایک ساتھ رہتے تھے......سعیدہ بیگم نے اپنی خدمت اور اخلاق سے جلد ہی اس گھر کے مکینوں کے دلوں میں جگہ بنالی جہاں سعیدہ کو جبار جیسا محبت کرنے والا شخص ملا وہیں عزت و احترام کرنے والا سسرال ملا، شادی کے دو سال بعد سعیدہ بیگم کی گود میں صاعقہ آ گئی۔ جبار احمد جو پہلے ہی سعیدہ کو چاہتے تھے بیٹی کی پیدائش کے بعد سعیدہ کا پہلے سے زیادہ خیال رکھنے لگے۔

وقت کا پہیا چلتا رہا دیور، نند کی شادی اور ساس سسر کی وفات کے بعد گھر کو بیچ کر اپنے، اپنے حصے لے کے سب الگ ہو گئے...... جبار اور سعیدہ نے اپنی بیٹی صاعقہ کے ساتھ الگ دنیا آباد کی جہاں ان دونوں کا مقصد صاعقہ کو تعلیم دلوانا تھا اور وہ ساری خوشیاں دینی تھی جو سعیدہ اور جبار کو اپنے حالات کی وجہ سے نہ مل سکی تھیں لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ شادی کے آٹھ سال بعد ہی جبار احمد کا ایک ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا اور وہ سعیدہ بیگم اور صاعقہ کو اس بھری دنیا میں اکیلے چھوڑ کر چلے گئے۔ سعیدہ بیگم کے لیے یہ ایک بہت بڑا صدمہ تھا لیکن انہوں نے اس مشکل وقت میں ہمت سے کام لیا اور بجائے کسی پہ بوجھ بننے کے انہوں نے خود اپنی ذمّے داری اٹھانے کا فیصلہ کیا اور جو ہنر ان کی ماں کے پاس تھا جسے انہوں نے اپنی ماں سے سیکھ کر گھر کی

ذمّے داری میں ان کا ساتھ دیا آج وہی ہنر انہیں اپنے گھر کو چلانے کے لیے استعمال کرنا پڑا یعنی کپڑوں کی سلائی کے ہنر کو اپنا ذریعۂ معاش بنایا خود مشکلیں کاٹیں لیکن صاعقہ کو اعلیٰ تعلیم دلوانے کا اپنا اور جبار کا خواب وہ کبھی نہ بھولیں کیونکہ وہ یہ بات بخوبی سمجھتی تھیں کہ آج اگر ان کے پاس تعلیم ہوتی تو ان کے حالات مختلف ہوتے وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتیں تو وہ صاعقہ کو اس سے بہتر زندگی فراہم کر سکتی تھیں اسی لیے انہوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ چاہے جو بھی حالات ہوں وہ صاعقہ کو تعلیم ضرور دلوائیں گی جس کے لیے انہوں نے دن رات محنت کی اور اللہ کی مدد اور ان کی انتھک محنت کا ہی نتیجہ تھا کہ آج صاعقہ یونیورسٹی میں اکنامکس میں ماسٹرز کر رہی تھی۔ صاعقہ کو بھی ماں کی مشکلات کا اندازہ تھا اس لیے اس نے چھوٹی عمر میں ہی محلے کے بچوں کو ٹیوشن پڑھا کے ماں کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا تھا، اتنی مشکلیں کاٹنے کے بعد اب بس سعیدہ بیگم کی یہی خواہش تھی کہ ان کی بیٹی کو ایک پڑھا لکھا شریکِ حیات مل جائے۔

☆☆☆

”امی، امی کہاں ہیں آپ؟“ صاعقہ نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے ماں کو پکارنا شروع کیا۔

”کیا ہوا صاعقہ یہیں کچن میں تو ہوں۔“ سعیدہ

بیگم نے دوپٹے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے کہا۔
''امی آج میں بہت، بہت خوش ہوں۔'' صاعقہ نے ماں کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔
''اچھا مجھے بھی تو پتا چلے کہ میری بیٹی کیوں اتنی خوش ہے۔'' سعیدہ بیگم نے بیٹی کے مسکراتے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''امی مجھے اپنی یونیورسٹی میں لیکچرار کی نوکری کی آفر ہوئی ہے ماہانہ چالیس ہزار تنخواہ امی، آج مجھے لگتا ہے ہمارے خواب پورے ہوگئے، ہمیں ہماری محنت کا پھل ملا ہے امی اور یہ سب آپ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے یہ دیکھیے میرا اپائنٹمنٹ لیٹر.....'' صاعقہ نے ماں کو لیٹر دیتے ہوئے کہا۔
''بیٹا یہ تو سچ میں بہت خوشی کی بات ہے میں کہتی تھی ناں کہ محنت کبھی رائگاں نہیں جاتی، محنت کا پھل ضرور ملتا ہے اور میری بیٹی تو ہے ہی اتنی لائق اسے تو کامیاب ہونا ہی تھا۔'' سعیدہ بیگم نے نم آنکھوں سے بیٹی کو دیکھتے ہوئے کہا۔
''میری محنت سے زیادہ یہ آپ کی محنت اور دعاؤں کا نتیجہ ہے امی.....'' صاعقہ نے ماں کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔
''اب بس یہی دعا ہے میری یارب کہ صاعقہ کا کسی اچھے پڑھے لکھے لڑکے سے رشتہ طے ہو جائے۔'' سعیدہ نے دل میں دعا کرتے ہوئے بیٹی کے ماتھے پہ پیار کیا۔

☆☆☆

''فرخندہ بوا ایک سال ہونے کو ہے اور تم نے اب تک میری صاعقہ کے لیے کوئی اچھا پڑھا لکھا لڑکا نہیں ڈھونڈا، اب تو وہ خود اپنا کمانے بھی لگی ہے۔ سگھڑ، سلیقہ مند میری بیٹی ہے۔ تمہیں اب تک کوئی اس کے لائق رشتہ نہیں ملا۔'' سعیدہ بیگم نے پریشانی سے بوا سے ذکر کیا۔
''میں کوشش کر رہی ہوں سعیدہ لیکن کیا کروں تم جانتی تو ہو کہ اپنے محلے میں کہاں زیادہ پڑھے لکھے لڑکے ہیں چند اک ہیں جو اپنی صاعقہ جتنا پڑھے ہیں باقی سب تو اس سے کم پڑھے لکھے ہیں اور ان پہ تم راضی نہیں ہو، ہاں تم کہو تو کسی اور جگہ پتا کروں لیکن ان کی ذمے داری میں نہیں لوں گی، میرا کام صرف رشتہ بتانا ہوگا آگے تم خود معلومات اور چھان بین کرنا۔'' فرخندہ بوا نے صاف، صاف کہا۔
''اور وہ جو تم نے کہا تھا کہ بتیس لڑکے پڑھے لکھے ہیں اپنے محلے کے ان کا کیا بنا؟'' سعیدہ بیگم نے عجلت سے پوچھا۔
''بس کیا بتاؤں آج کل کے لڑکوں کا، ایک لڑکا کہہ رہا تھا کہ لڑکی زیادہ سے زیادہ بیس بائیس برس کی ہو جبکہ اپنی صاعقہ تو خیر سے چھبیس میں لگنے والی ہے اور دوسرا لڑکا چاہتا ہے کہ لڑکی نوکری نہ کرے اب اگر صاعقہ نوکری چھوڑ دے تو شاید وہاں بات بن سکتی ہے اس کے علاوہ ایک اور رشتہ بھی ہے لڑکا بہت اچھا ہے اور اس کے گھر والے پڑھی لکھی بہو چاہتے ہیں لیکن لڑکا خود انٹر پاس ہے، باپ کی بیماری کی وجہ سے آگے نہ پڑھ سکا اور باپ کے ساتھ دکان پر بیٹھ گیا اب تو خیر سے اس نے اپنی الگ دکان بھی لے لی ہے اچھا خاصا گھرانا ہے، ہے بھی اپنے علاقے کا کوئی کمی نہیں سوائے کم پڑھا لکھا ہونے کے، ایک دو اور بھی رشتے ہیں لیکن دوسرے محلے کے.....تم کہو تو وہاں بات چلاؤں کہ آ کے لڑکی کو دیکھ جائیں، آگے تم خود پتا کر لینا۔''
''بوا میں اکیلی عورت کہاں پتا کرواتی پھروں گی، نہ میں کسی کو زیادہ جانتی ہوں۔'' سعیدہ کئی سال سے یہاں رہ رہی تھیں مگر زیادہ لوگوں سے واقفیت نہ تھی۔
''اب تم سوچ لو سعیدہ تمہیں کیا کرنا ہے، ایسا نہ ہو یہ وقت بھی گزر جائے محلے میں تو ویسے ہی صاعقہ کی عمر کو لے کے باتیں بننا شروع ہوگئی ہیں۔ سب کہہ رہے ہیں کہ سعیدہ نے بیٹی کو زیادہ پڑھا کے غلطی کی ہے۔ اچھا چلو ایک ہفتے بعد آؤں گی جواب لینے تم تب تک اچھی طرح سوچ لینا۔'' یہ کہہ کے بوا نے چادر اوڑھی اور چلتی بنی۔
سعیدہ بیگم یہ بات بخوبی جانتی تھی کہ صاعقہ نوکری چھوڑنے کو کبھی راضی نہیں ہوگی اور کہیں رشتہ کرنے کی ان کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اب تو محلے کی اکثر عورتیں بھی صاعقہ کی عمر کو لے کے باتیں بنانے لگی تھیں اور اکثر عورتوں کا کہنا تھا کہ یہ سب کچھ صاعقہ کی تعلیم کی وجہ سے ہو رہا تھا، سعیدہ نے تو صاعقہ کو تعلیم دلا کے اس کے مستقبل کو محفوظ کرنا چاہا، اسے اپنے پاؤں پہ کھڑا کرنا چاہا

لیکن آج لوگ اسی تعلیم کو موردِ الزام قرار دے رہے تھے۔

”اے میرے رب اب تو ہی مجھے کوئی راستہ دکھا۔“

”کیا ......کیا بات ہے امی؟ آج آپ کافی پریشان لگ رہی ہیں۔ کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھایا آپ نے۔“ صاعقہ نے ماں کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

”بس بیٹا آج فرخندہ بوا آئی تھیں، وہ کہہ رہی تھیں کہ ایک رشتہ ان کی نظر میں ہے۔ لڑکا پڑھا لکھا ہے اچھے کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق ہے عمر بھی مناسب ہے، تیس کے لگ بھگ ہے لیکن اس کی خواہش ہے کہ اس کی بیوی نوکری نہ کرے بلکہ گھر میں رہے اگر تم نوکری چھوڑ دو تو“ صاعقہ جو ماں کی بات سن رہی تھی اس بات پر ایک دم سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”نہیں امی، یہ بات نہیں ہو سکتی۔ آپ سب کو بتا دیں کہ میں یہ نوکری کبھی نہیں چھوڑ سکتی۔ اتنی مشکلوں سے محنت سے میں نے یہ مقام حاصل کیا ہے۔ معاشرے میں نام حاصل کیا ہے اور آپ کہہ رہی ہیں کہ میں یہ نوکری چھوڑ دوں، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا اور آپ ہی بتائیں اگر میں نوکری چھوڑ دوں تو یہ گھر کیسے چلے گا؟ میرے اور آپ کے اخراجات کون اٹھائے گا، آپ کو کیا لگتا ہے کہ آج کل کے اس نفسا نفسی کے دور میں کون اتنا اچھا ہے جو کسی دوسرے کا بوجھ اٹھائے اور ان کی ذمے داری کو خندہ پیشانی سے نبھائے۔ میں نہیں چاہتی کہ کوئی آپ کو بوجھ سمجھے یا آپ کو اپنی کسی ضرورت کے لیے پریشان ہوتا دیکھوں اور نہ ہی میں یہ دیکھ سکتی ہوں کہ اب آپ اس عمر میں کام کریں اس لیے آپ فرخندہ بوا کو صاف، صاف بتا دیں کہ جو بھی رشتہ دیکھیں ان لوگوں کو بتا دیں کہ میں نوکری کبھی نہیں چھوڑوں گی۔“ صاعقہ نے حتمی لہجے میں کہا۔

”لیکن بیٹا! اس کے علاوہ جو رشتے ہیں وہ سب لڑکے تم سے کم پڑھے لکھے ہیں، میں کسی کم تعلیم یافتہ لڑکے سے تمہاری شادی کیسے کر دوں؟“ سعیدہ بیگم نے بیٹی کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”امی آپ کی اور اس گھر کی ذمے داری اب میری ہے اور مجھے اس کو نبھانے میں کوئی قباحت نہیں...... یہ مقام، یہ عہدہ سب آپ کی وجہ سے مجھے ملا ہے اور میں اتنی خود غرض نہیں ہو سکتی کہ آپ کو جب میری سب سے زیادہ ضرورت ہے، میں آپ کا ساتھ چھوڑ دوں...... میں نہ کسی دوسرے شہر جاؤں گی اور نہ ہی کسی دوسرے محلے...... مجھے آپ کے قریب ہی رہنا ہے، چاہے اس کے لیے مجھے اپنے سے کم پڑھے لکھے شخص سے ہی شادی کیوں نہ کرنی پڑ جائے ویسے بھی کم یا زیادہ تعلیم ہونے سے زیادہ ضروری ہے کہ وہ میری مشکلات کو سمجھے، اس میں میرا ساتھ دے نہ کہ اس کے پاس ڈگری تو ہو لیکن اندر سے وہ ایک پڑھا لکھا جاہل ہو پھر آپ ہی بتائیں کیا فائدہ ایسی ڈگری کا؟“

”لیکن ایک کم پڑھے لکھے شخص کے ساتھ تمہاری ذہنی مطابقت میں بھی تو بہت فرق ہوگا، سوچوں میں فرق ہوگا بیٹا۔“ سعیدہ بیگم نے پریشانی سے کہا۔

”امی میں جانتی ہوں آپ میرے لیے پریشان ہیں، آپ کو میری وجہ سے لوگوں کی باتیں سننا پڑتی ہیں، یہی محلے والے جو آپ کی بہت عزت کرتے تھے، آج آپ کو باتیں سنا رہے ہیں، میری عمر میری ڈگری کو شادی نہ ہونے کی وجہ ٹھہرا رہے ہیں اور یہ سب آپ کے لیے بہت تکلیف دہ ہے لیکن امی آپ ہی بتائیں یہ جو نام نہاد پڑھے لکھے ہیں جن کو صرف اپنی خواہشات، اپنی مرضی کا خیال ہے دوسرے فریق کی مرضی، اس کی مجبوری کا کوئی خیال نہیں کیا ایسے شخص کے ساتھ میری ذہنی مطابقت ہو پائے گی؟“ سعیدہ بیٹی کا منہ تکنے لگیں بات تو وہ صحیح کہہ رہی تھی۔

”شادی کا مقصد تو امی ایک دوسرے کا بوجھ بانٹنا ہوتا ہے ایک دوسرے کی ذمے داریوں میں ساتھ دینا ہوتا ہے...... اگر ایک لڑکا یہ چاہ سکتا ہے کہ اس کی بیوی اس کے گھر کے کام کاج گھر کی ذمے داریوں میں شوہر کا ساتھ دے اس کا ہاتھ بٹائے تو لڑکی کیوں نہیں چاہ سکتی کہ اس کا شوہر بھی اس کی ذمے داریوں کو سمجھے، اس میں اس کا ساتھ دے؟ اور اگر یہ بات ایک کم پڑھا لکھا شخص سمجھ رہا ہے تو میرے نزدیک اسے زندگی کا صحیح شعور ہے۔ ویسے بھی تعلیم کا اصل مقصد تو شعور دینا ہی ہے ناں! اور امی

میں نے ایسے بہت سے لوگوں کو بھی دیکھا ہے جن کے پاس ڈگری تو ہے لیکن زندگی کا شعور نہیں ، بہت سے پڑھے لکھے والدین کی اولاد کے کردار میں جھول ہوتا ہے جبکہ بہت سے بغیر تعلیم یافتہ والدین کی اولاد کو زندگی کا شعور ہوتا ہے اور اس کی سب سے بڑی مثال آپ خود ہیں۔ امی آپ نے جس طرح میری پرورش کی ہے وہ قابلِ رشک ہے آپ کو ہزار پڑھی لکھی عورتوں سے زیادہ زندگی کا شعور ہے، آپ کی سوچ کئی پڑھی لکھی عورتوں سے زیادہ بہتر اور مضبوط ہے، آج اس مقام پر میں آپ کی وجہ سے ہی ہوں اور یہ سب آپ نے بغیر کسی ڈگری کے کیا ہے امی اور مجھے آپ پر فخر ہے۔'' اتنا سب کہہ کے صاعقہ اندر چلی گئی اور سعیدہ کے لیے سوچ کے دروازے کھول گئی سعیدہ کو آج صحیح معنوں میں تعلیم کا مقصد سمجھ آیا تھا اور وہ اب ایک فیصلہ کر کے مسکرا دیں اب بس انہیں اس فیصلے کے متعلق صبح صاعقہ سے رائے لینا تھی۔

☆☆☆

''مبارک ہو بہن! صاعقہ کی بات طے کر دی تم نے۔'' جمیلہ کے ساتھ محلے کی چند عورتیں سعیدہ کو مبارک دینے آئی تھیں۔

''خیر مبارک ہو! آئیں بیٹھیں۔'' سعیدہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''لیکن بہن بوا فرخندہ بتا رہی تھی کہ لڑکا اپنی صاعقہ سے کم پڑھا لکھا ہے بس کالج گیا تھا اس کے بعد باپ کے ساتھ جنرل اسٹور پر بیٹھ گیا تھا۔ تم تو کہتی تھیں کہ .... تمہارا داماد صاعقہ جتنا پڑھا لکھا تو ہو تو اب کیسے یہ رشتہ کر لیا؟'' جمیلہ نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔ باقی کی عورتیں بھی اثبات میں سر ہلا رہی تھیں جیسے جمیلہ ان کے خیالات کی بھی ترجمانی کر رہی ہو۔

''بس سمجھو کہ انسان سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ اور ہے یا بس یوں کہہ لو کہ صاعقہ کا نصیب یہاں جڑا تھا۔'' سعیدہ نے رسانیت سے جواب دیا۔

''ویسے اچھا ہوا آپا تم نے صاعقہ کا رشتہ طے کر دیا ورنہ کب تک لڑکی کو گھر بٹھا کر رکھتیں؟ ستائیس کی ہو گئی تھی صاعقہ، شکر مانو کہ لڑکے والے مان گئے ورنہ آج کل کے لڑکوں کو تو کم عمر لڑکیاں چاہیے ہوتی ہیں۔'' ایک اور پڑوسن نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

''اب شادی کب کر رہی ہو؟ یہ نہ ہو کہ اس میں ایک اور سال لگا دو اور صاعقہ کی عمر......''

اندر بیٹھی صاعقہ سب کی باتیں سن رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ حوا کی بیٹی کو اپنی ہی صنف کی جانب سے آج بھی سوالات کا، ان کی نظروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کوئی گناہ نہ کر کے بھی وہ قصوروار سمجھی جاتی ہے۔ کبھی بڑی عمر، کبھی تعلیم، کبھی نوکری کو ان کا قصور سمجھا جاتا ہے۔ جب رشتہ نہیں ہو رہا تھا تو لوگوں کے سوالات کے رشتہ کیوں نہیں ہو رہا؟ جب ہو گیا تو یہاں کیوں کیا؟ اتنی دیر سے کیوں کیا؟ کم پڑھا لکھا وغیرہ، وغیرہ۔

باہر ابھی تک تبصرے ہو رہے تھے اور صاعقہ جانتی تھی کہ اس کی ماں کس ہمت سے لوگوں کے سوالات کے جوابات دے رہی تھی۔ یہی لوگ ہیں جو نہ جینے دیتے ہیں نہ مرنے دیتے ہیں لیکن صاعقہ مطمئن تھی کہ اس نے اپنے سے کم پڑھے لکھے شخص کا انتخاب کیا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ عادل خود پڑھنا چاہتا تھا لیکن حالات نے اسے کالج کے بعد پڑھنے کی اجازت نہیں دی۔ عادل کو صاعقہ کی نوکری کرنے پر کوئی اعتراض نہیں تھا بلکہ وہ تو خود ایک پڑھی لکھی بیوی کی خواہش رکھتا تھا۔ لڑکے والوں کے خلوص اور سلجھے ہوئے انداز نے سعیدہ بیگم اور صاعقہ کو اس رشتے کو ہاں کرنے پر مجبور کیا تھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ حالات کا تقاضا تھا کہ اب صاعقہ کے معاملے میں مزید دیر کرتی تو یہی محلے والے جو کبھی صاعقہ کی تعریف کرتے اس کی تعلیم کو سراہتے تھے کل کو اسی تعلیم کو صاعقہ کا رشتہ نہ ہونے کی وجہ بتاتے اور سعیدہ کو اپنی بیٹی پر بھی مکمل اعتماد تھا کہ وہ اپنی تعلیم کے زیور سے عادل اور اس کے گھر والوں کی زندگی میں تعلیم کا چراغ ضرور روشن کرے گی۔ اور اپنی بہترین تربیت سے نئی نسل کی پرورش کرے گی۔

تو میرا نصیب ہے

فرحت انصاری



وہ یونیورسٹی روٹ سے اتر کر مین روڈ عبور کر کے ذیلی سڑک پر آ گیا تھا پھر طویل سڑک عبور کر کے بائیں سمت مڑ گیا۔ اور اب چند ثانیے بعد بڑے سے براؤن آہنی گیٹ کے سامنے کھڑا تھا۔ لف پریکٹیکل اور اب دھوپ کی تمازت نے اسے خاصا تھکا ڈالا تھا۔ اس نے چند ثانیے ٹھہر کر اپنے بال سیٹ کیے اور گیٹ پر لگی اطلاعی گھنٹی بجائی۔

''حارث بھیا آ گئے عینی۔'' اندر سے فوراً زینی

کی چہکتی چیخ نما آواز برآمد ہوئی۔ وہ عینی کو اطلاع دے کر فوراً گیٹ کی طرف لپکی۔ حارث کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''السلام علیکم بھیا۔'' حسبِ توقع سامنے زینی تھی۔ اس نے اپنی مخصوص مسکراہٹ سمیت اسے اندر داخل ہونے کا راستہ دیا۔

''وعلیکم السلام ماسی!'' وہ اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگاتا اندر داخل ہوگیا۔ بنی سنوری عینیہ اس کے سامنے تھی وہ ڈارک بلو کلر پر سفید کڑھائی کے سوٹ میں ہم رنگ آویزے پہنے بے حد پیاری لگ رہی تھی اس کی دودھیا رنگت مزید کھل گئی تھی۔ اس کے گورے گالوں پر گلابیاں گھلی ہوئی تھیں۔ حارث کی شوخ نظریں اس پر جم کر رہ گئیں۔ زینیہ لفظ ماسی پر بدمزہ ہوکر رہ گئی۔ حارث اسے اسی نام سے چھیڑتا تھا اور وہ ہر بار تپ بھی جاتی۔ حارث اس کی اس حالت سے خوب حظ لیتا۔

''ماسی سے بنا کر رکھیے گا۔ ہوسکتا ہے اسی میں آپ کا بھلا ہو۔'' وہ زینیہ سے پانچ سال بڑا تھا ان دونوں میں بے حد بے تکلفی تھی۔ زینیہ نے شوخی بھری ذومعنی بات کی تو وہ جواباً گڑبڑا کر نظریں پھیر گیا۔

''مما، حارث بھیا آگئے ہیں، وہ عینیہ کو وردہ کے ہاں چھوڑ دیں گے۔'' عینیہ کو اپنی فرینڈ کے بھتیجے کی برتھ ڈے میں جانا تھا۔ تیار ہوکر بابا کا انتظار کررہی تھی۔ بابا نے آفس سے جلدی آنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ لیٹ ہورہی تھی اور بابا کے انتظار میں ٹہل رہی تھی کہ حارث آگیا۔ وہ بے حد تھکا ہوا تھا۔ اس پل اگر اسے مما، بھابی یا ہانیہ میں سے کوئی کام کا کہتا تو وہ فوراً انکار کردیتا مگر اب دل کا معاملہ تھا اس کی تھکن لمحوں میں اڑنچھو ہوگئی۔ اس نے ممنونیت سے زینیہ کو دیکھا جس کی نگاہوں میں مسلسل شوخی ناچ رہی تھی جبکہ عینیہ جی بھر کر بدمزہ ہوئی تھی۔ اسے اپنا یہ فرسٹ کزن زہر لگتا تھا۔ حارث اپنی ڈیشنگ پرسنلٹی کی وجہ سے لڑکیوں میں بےحد مقبول تھا۔ وہ جہاں جاتا لڑکیاں اس کے گرد منڈلانے لگتیں اور وہ راجا اندر بنا لڑکیوں سے گھل مل جاتا۔ عینیہ کو اس کی یہی عادت زہر لگتی تھی۔ اسے حارث کے اس چھچھورے پن سے چڑ تھی۔ عینیہ نے غصیلی نگاہوں سے بہن کو دیکھا جو اسے نظرانداز کیے کچن میں مصروف ماں سے مخاطب تھی۔

''مما، بابا آتے ہوں گے۔'' وہ ماں کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بول اٹھی۔

''تم اتنی دیر سے میرا سر کھائے جارہی تھیں اب حارث کے ساتھ چلی جاؤ۔'' وہ مما سے بابا کا پوچھ، پوچھ کران کا ناک میں دم کرچکی تھی پر اس نے حارث کے ساتھ جانے سے انکار کردیا تو انہیں اس پر شدید تاؤ آگیا وہ اسے لتاڑ کر دوبارہ کچن میں چلی گئیں۔

''اچھا......'' وہ مرے، مرے لہجے میں کہتی زینیہ اور حارث کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتی آگے بڑھ گئی، حارث گاڑی باہر نکالنے لگا۔ زینیہ نے بہن سے نگاہ بچاکر اسے وکٹری کا نشان بنایا۔ وہ دبی مسکراہٹ سے ہنس دیا۔ عینیہ جلتی بھنتی فرنٹ سیٹ پر آن بیٹھی تھی۔ حارث کی ساری تھکاوٹ محبت کی خوشبو میں ڈھل گئی تھی۔

☆☆☆

''عینی پلیز...... مجھے یہ ٹاپک سمجھادو۔'' زینیہ کے اینول ایگزامز قریب تھے۔ وہ کافی دیر سے کیمسٹری کا نیومیریکل سولو کرنے کی کوشش کررہی تھی مگر اس سے صحیح حل نہیں نکل رہا تھا۔ بابا کی شدید خواہش تھی کہ ان کی دونوں بیٹیاں ڈاکٹر بنیں۔ عینیہ کا میڈیکل میں ایڈمیشن کچھ مارکس سے رہ گیا تھا۔ اب زینیہ بابا کی خواہش پوری کرنے کے لیے سخت محنت کررہی تھی۔ وہ انٹر پارٹ ٹو کی اسٹوڈنٹ تھی۔ اس نے پین نوٹ بک پر پٹختے ہوئے زچ ہوکر اسے مخاطب کیا۔

''تم جاؤ جاکر اپنے حارث بھیا سے سمجھو۔'' عینیہ کو اس پر سخت تاؤ تھا جو اتنے روز گزرنے کے بعد بھی ختم نہیں ہوا تھا۔ ان دونوں میں بات چیت ہوتی تھی مگر وہ اس پر اپنی خفگی جتانے کا کوئی موقع نہیں جانے دیتی تھی۔

''حارث بھیا۔'' وہ بھی اسی کی بہن تھی اس نے

بہن کی خفگی کو خاطر میں لائے بنا منہ صحن میں اترتی سیڑھیوں کی طرف کر کے بہ آواز بلند حارث کو پکارا تھا۔

''کیا ہوا زینی؟'' وہ تو جیسے ہر لحہ نیچے سے اپنے نام کی پکار کا منتظر رہتا تھا۔ دل محبوب کی دید کا کوئی لمحہ گنوانے پر تیار نہیں تھا۔ وہ بوتل کے جن کی طرح فوراً بالکونی میں آلٹکا۔

''بھیا مجھے آپ سے ایک سوال سمجھنا ہے۔'' زینیہ نے تابعداری کا شاندار مظاہرہ کرتے ہوئے فوراً اپنا مسئلہ بیان کیا۔

''جسٹ اے منٹ۔'' وہ چٹکی بجاتا پیچھے ہٹا اور اگلے لمحے سیڑھیوں پر قدموں کی آہٹ ہوئی عینیہ کے سر پر لگی اور تلوؤں پر بجھی، وہ پاؤں پٹختے ہوئے اندر چلی گئی۔ حارث نیچے آیا تو وہ دشمن جاں غائب تھی۔ وہ سرد آہ کھینچتا اشارتاً زینیہ سے اس کے متعلق پوچھتا زینیہ کے قریب آبیٹھا۔ اس نے آنکھ کے اشارے سے کمرے کی سمت اشارہ کیا۔

زینیہ نے اس کے سامنے بک رکھی تھی۔ حارث بی فارمیسی کے بعد کیمسٹری میں ایم فل کر رہا تھا۔ اس نے فارماسیوٹکس کے بجائے کیمسٹری کو ترجیح دی تھی چونکہ ایم فل (کیمسٹری) میں خاصا اسکوپ تھا اسی لیے اسے اپنا فیوچر برائٹ نظر آرہا تھا۔ وہ بے حد ذہین و محنتی تھی، اس نے فارمیسی میں شاندار مارکس لیے تھے اور وہ اب ایم فل میں بھی کافی محنت کر رہا تھا۔ حارث نے نوٹ بک لے کر نیومیریکل سمجھانا شروع کیا۔

''آہ...... تمہاری بہن میرے ہاتھوں ضائع ہوگی۔'' اس نے نیومیریکل سمجھا کر جواب چیک کیا تو وہ غلط تھا۔ دراصل اس کے حواسوں پر اس وقت عینیہ سوار تھی۔ اس نے مصنوعی غصے سے دانت کچکچائے تھے۔

''پھر ہوگئی آپ دونوں کی شادی۔'' وہ بے تکلفی سے شوخی پہ مائل تھی۔

''آہ سسٹر...... تم نے سیدھا دل پر ہاتھ مارا ہے۔'' وہ شوخی سے دل پر ہاتھ رکھے نیچے ڈھے گیا۔

زینیہ بے ساختہ کھلکھلادی۔

☆☆☆

''حارث......'' وہ ڈیپارٹمنٹ سے نکل کر پارکنگ ایریا میں داخل ہو رہا تھا۔ جب اس کے پیچھے دلکش نسوانی آواز ابھری وہ طویل سانس بھرتا نہ چاہتے ہوئے بھی رک گیا۔

''آج میرا روٹ مس ہوگیا ہے، مجھے گھر ڈراپ کردو۔'' حارث کبھی کبھار گاڑی پر یونیورسٹی آجاتا تھا۔ آج بابا اور چچا آفس لیٹ گئے تھے۔ وہ یونیورسٹی کے لیے نکلنے لگا تو اس نے بابا سے گاڑی مانگ لی تھی۔

جاثیہ اس کے ہم قدم ہوگئی۔ اس کی اور جاثیہ کی ملاقات جلد دوستی میں ڈھل گئی تھی۔ وہ حسب عادت ہر خوب صورت لڑکی سے جلدی دوستی کرلیتا تھا۔ جاثیہ ڈیپارٹمنٹ میں سب سے زیادہ خوب صورت تھی۔ کئی لڑکے اس کے لیے تڑپتے تھے مگر اس نے حارث سے دوستی کی تھی۔ حارث نے تو دوستی برائے دوستی کی تھی جبکہ جاثیہ خاصا سیریس ہوچکی تھی وہ دوستی کی حدود سے کچھ آگے نکل آئی تھی۔

حارث نے جب کچھ غلط محسوس کیا تو اس نے رفتہ رفتہ راہیں بدلنا شروع کیں مگر وہ اس کے گلے کی ہڈی بن گئی تھی جسے نہ وہ نگل سکتا تھا اور نہ ہی اگل سکتا تھا۔ وہ مارے مروت کے دوستی نبھائے جا رہا تھا۔ اس نے جاثیہ کو صاف الفاظ میں دونوں کے رشتے کے متعلق باور کروادیا تھا مگر وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی یا شاید اسے اپنے حسن پر ناز و یقین تھا کہ حارث ایک نہ ایک دن ضرور اس کی طرف ملتفت ہوگا۔

''جاثیہ پلیز...... ہم صرف اچھے دوست ہیں۔'' وہ حارث کی سنگت کے بہانے ڈھونڈتی، اسے حارث سے محبت ہوگئی تھی اور وہ اسے پانا چاہتی تھی، اس نے دانستہ روٹ مس کیا تھا حارث نے زچ ہوتے ہوئے اسے نرمی سے دوبارہ باور کرایا۔

''آئی نو حارث......'' وہ جواباً ذومعنی شوخی سے مسکرائی تھی، اس نے اپنے ریشمی بالوں پر ٹکے سن گلاسز

کو آنکھوں پر ٹکاتے ہوئے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ چڑ گیا تھا۔

''پلیز جاشیہ...... میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔'' اس نے پہلے جتنی بھی لڑکیوں سے دوستی کی تھی ان میں سے کوئی بھی اس حد تک انوالو نہ ہوئی تھی سو اسے کبھی کوئی پرابلم بھی نہیں ہوئی۔ وہ اپنی کزن عینیہ سے محبت کرتا تھا اور اسی سے شادی بھی کرنا چاہتا تھا جبکہ جاشیہ اس سے امیدیں وابستہ کیے بیٹھی تھی وہ اسے کسی دھوکے یا خوش فہمی میں نہیں رکھنا چاہتا تھا۔

''مجھ میں کس چیز کی کمی ہے حارث......'' وہ پہلی بار ملتجی ہوئی تھی، اس کے ہر انداز میں التجا تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ حارث کو کسی بھی قیمت پر منالے...... اس کے قدم ڈھیلے پڑ گئے۔

''تم بے حد اچھی لڑکی ہو جاشیہ...... تمہیں کوئی بھی بہترین لڑکا مل جائے گا۔'' حارث نرمی و بے بسی سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ بند گلی میں کھڑا تھا۔ اسے آگے کوئی رستہ نظر نہیں آرہا تھا۔ جاشیہ سے دوستی اسے راس نہیں آئی تھی۔ اسے پہلی بار اپنی ''غلطی'' کا شدت سے احساس ہوا تھا۔

''وہ بہترین لڑکا تم کیوں نہیں ہو سکتے ہو حارث۔'' جاشیہ تڑپ کر رونکھی ہوگئی۔ وہ محبت کی... پُرخار وادی میں اتنا آگے بڑھ چکی تھی کہ اسے واپسی کا سفر جان لیوا لگ رہا تھا۔

''میں اپنی کزن سے محبت کرتا ہوں جاشیہ۔'' اس کے لہجے میں ناکردہ احساسِ گناہ جاگ اٹھا تھا۔ جاشیہ نے کرب سے آنکھیں موند لیں۔ کتنا جاں گسل لمحہ ہوتا ہے محبوب کے منہ سے اس کے محبوب کا ذکر سننا۔ وقت جیسے تھم کر رہ جاتا ہے۔ جاشیہ ساکت رہ گئی۔ اس کی پلکوں پر آنسو مچلنے لگے۔ محبت نے اسے مشکل دوراہے پر لا پٹخا تھا۔

☆☆☆

''یار آج کل تم اور جاشیہ زیادہ تر اکٹھے رہتے ہو۔'' وہ تیمور کے ساتھ لائبریری میں تھا۔ وہ دونوں نوٹس تیار کرنے کے لیے ریفرنس بک ڈھونڈ رہے تھے۔ آخر کار انہیں تھوڑی تگ و دو کے بعد مطلوبہ کتاب مل گئی۔ وہ اسے ایشو کروا کر باہر نکلا تو تیمور نے گفتگو چھیڑ دی۔

''وہ مجھ سے محبت کرتی ہے مگر میں اس سے شادی نہیں کرسکتا۔ مجھے عینیہ سے محبت ہے۔'' اس نے لاچاری سے اپنے دوست تیمور کے سامنے اپنا مسئلہ بیان کیا۔ وہ حارث کی عادت سے واقف تھا۔ مگر اسے اس کی یہ عادت پسند نہ تھی۔ صنفِ مخالف میں کشش محسوس کرنا فطری بات ہے۔ مگر تفریح لینا بالکل نامناسب ہے۔

''جاشیہ بہت اچھی لڑکی ہے حارث......'' تیمور کو جاشیہ اچھی لگتی تھی۔ اسے حقیقتاً جاشیہ سے ہمدردی محسوس ہوئی تھی اس کا دل دکھ رہا تھا۔

''تیمور میں لڑکیوں سے دوستی ضرور کرتا ہوں مگر میں فلرٹی نہیں ہوں یار...... مجھے اس کے جذبات کا جیسے ہی علم ہوا میں نے اس سے دور ہو جانا چاہا، میں اسے دھوکا نہیں دینا چاہتا ہوں۔'' حارث فطرتاً اچھی طبیعت کا مالک تھا۔ اس کا مقصد کسی کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ اس نے دوست سے حالِ دل بیان کیا۔ وہ حقیقتاً جاشیہ کے لیے فکرمند تھا۔ تیمور کے چہرے پر تفکر کا جال پھیل گیا۔

☆☆☆

''ہانیہ...... ارے ہانی کدھر ہو تم۔'' ہانیہ اور عینیہ دونوں کلاس فیلوز تھیں۔ موسم خاصا خوشگوار ہو رہا تھا۔ وہ اسٹڈی سے اکتائی تو اوپر چلی آئی تاکہ وہ ذرا ریلیکس ہوسکے۔ پھر وہ اسے پکارتی کمرے میں آئی مگر وہ خالی تھا۔ وہ پلٹی تو سامنے سے آتے حارث سے ٹکرا گئی۔

''سوری حارث بھیا۔'' چونکہ غلطی اسی کی تھی اس نے فوراً معذرت کرلی۔ اس کی خوبی تھی کہ وہ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے فوراً اپنی غلطی مان لیتی تھی۔ حارث دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اسے شوخی سے تکنے لگا۔ وہ فیروزی کلر کے پرنٹڈ سوٹ میں ملبوس

لانبے ریشمی بالوں کی سیدھی مانگ نکالے معصومیت بھری سادگی میں غضب ڈھا رہی تھی۔

''حارث۔'' وہ اس کی راہ میں حائل تھا۔ وہ جھنجلا گئی۔

''جی جانِ حارث۔'' اس نے شوخی سے سرگوشی کی تو وہ تلملا کر رہ گئی۔ حارث کی نظریں ہمیشہ اس کا سامنا ہوتے ہی جگمگانے لگتیں۔ وہ اس کی آنکھوں کی بڑھتی چمک فوراً محسوس کرلیتی۔ وہ بلاشبہ کسی بھی لڑکی کا نصیب بنتا تو وہ خود پر نازاں ہوتی......لیکن اسے حارث سے چڑ تھی۔ وہ لڑکیوں سے دوستی کرنے کی عادت کی بنا پر اسے اِک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ وہ ہر بار اس کا سامنا ہونے پر غصہ کرتی۔ وہ اس کی کزن تھی اسے لگتا جیسے وہ اسے بھی دوسری لڑکیوں کی طرح ٹریٹ کرتا ہے بلکہ اسے تو زینیہ اور اس کی بے تکلفی بھی ایک آنکھ نہ بھاتی۔

''بدتمیز کہیں کے۔'' وہ غصے سے اس کی بات پر بڑبڑاتی اس کے پیر پر زور سے پیر مار کر چلی گئی۔ وہ تکلیف سے پاؤں پکڑ کر بلبلاتا اچھل کود کرنے لگا۔

☆☆☆

''جاثیہ...... مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔'' تیمور کے بلانے پر وہ چونکی تھی۔ حارث کے انکار کے بعد وہ کافی بدل گئی تھی۔ وہ نہ تو کلاس کی کسی ایکٹویٹی میں حصہ لیتی اور نہ ہی کسی کلاس فیلو سے بات کرتی۔ وہ جیسے خود سے بھی روٹھ گئی تھی' اس نے اپنی دنیا خود تک محدود کرلی تھی۔ وہ سارا وقت چپ چاپ اپنے کام سے کام رکھتی اور حارث کا سامنا کرنے سے حتی الوسع اجتناب کرتی۔ وہ لاسٹ پریڈ اٹینڈ کر کے کلاس روم سے نکل کر پارکنگ کی طرف بڑھ رہی تھی کہ اسے تیمور نے بیچ راہ میں روک لیا تھا۔

''جی کہیے......'' وہ ٹھہر کر نرمی سے تیمور سے مخاطب ہوئی۔ اس کی جھیل سی آنکھوں میں بے نام اداسی ٹھہری تھی۔ تیمور کا دل دکھ سے بھر گیا۔

''جاثیہ......ایکچوئیلی مجھے تم اچھی لگتی ہو۔'' تیمور نے اس کی اداس آنکھوں میں جھانکا۔ آنکھوں کی چمک ماند پڑ چکی تھی' وہ لمحہ بھر کو ٹھٹکی اسے تیمور سے یہ توقع ہرگز نہیں تھی۔

''جی......!'' وہ ٹھٹکا کر پیچھے ہٹی تھی۔ اسے کلاس میں کافی لڑکے پسند کرتے تھے اور اس سے دوستی کے خواہاں تھے مگر اس نے صرف حارث کو چاہا تھا اور اس سے محبت میں ناکامی کے بعد خود پر سخت خول چڑھا لیا تھا۔ تاکہ کوئی اس کے قریب نہ آئے۔ محبت خیرات میں ملنے والی چیز نہیں ہے۔ ورنہ وہ اپنا سب کچھ دان کر کے محبت پالیتی۔ اس نے محبت میں زخم کھایا تھا وہ دوبارہ کوئی دکھ نہیں جھیلنا چاہتی تھی۔

''جاثیہ پلیز...... مجھے غلط نہیں سمجھیے گا۔'' تیمور نے نرمی سے اسے مخاطب کیا۔ وہ اس کی حارث سے دوستی کے متعلق جانتی تھی وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اسے شک بھری نظروں سے دیکھے۔ حارث نے بھی اسے دھوکا تو نہیں دیا تھا' محبت کسی کو مجبور کر کے نہیں کروائی جاسکتی ہے۔ اسی لیے نہ تو تیمور' جاثیہ کے لیے کچھ کرسکتا تھا اور نہ ہی وہ اپنے دل میں موجود اس کی چاہت دبا پایا۔

''تیمور میں لیٹ ہورہی ہوں۔'' جاثیہ خود کو سنبھال کر نرمی سے کہتی آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ وہیں کھڑا اس کا نقشِ پا تکتا رہا۔

☆☆☆

''واٹ مما...... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟'' بڑے ابو نے حارث کے لیے عینیہ کا رشتہ مانگا تھا۔ بابا نے بھائی سے سوچنے کا وقت مانگا تھا۔ وہ دراصل بیٹی کی رائے لینا چاہتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے رسماً مہلت مانگی تھی۔ مما اور بابا کو حارث بے حد پسند تھا۔ وہ گھر کا لڑکا اور دیکھا بھالا تھا۔ انہیں اس کے متعلق چھان پھٹک بھی نہ کرنا پڑتی۔ اسے مشہور میڈیکل کمپنی میں آفر ہوئی تھی وہ جاب کے لیے سیریس تھا۔ وہ حسبِ معمول مما کو دودھ دینے آئی کہ انہیں دوا کھانی ہوتی ہے تو مما نے اسے بٹھا لیا۔ وہ ان کی بات سن کر بے ساختہ تڑپ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے چہرے پر ناگواری پھیلی تھی۔

''بیٹا کیا تمہیں کوئی اور پسند ہے؟'' بابا دونوں بیٹیوں کے اچھے دوست تھے انہوں نے دوستانہ انداز میں عینیہ سے استفسار کیا۔ انہیں عینیہ کے ناگوار انداز سے دکھ ہوا تھا، وہ تو خود کو ایک بیٹی کے فرض سے سبکدوش تصور کر کے ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے۔

''نو بابا..... مگر حارث نہیں۔'' وہ بے اختیار رو دی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

''بیٹا تمہاری ناپسندیدگی کی کیا وجہ ہے؟'' مما بھی پریشان ہو گئی تھیں۔ انہوں نے نرمی سے وجہ پوچھی۔ ان کے گمان میں بھی نہ تھا کہ عینیہ، حارث کو ناپسند کرتی ہو گی۔ وہ اس کا سامنا ہونے پر اکثر نارمل رہتی تھی۔ ان کے لہجے میں تاسف تھا۔

''مما پلیز حارث نہیں..... کہیں اور کر دیں کسی سے بھی مگر وہ نہیں۔'' وہ بلکتی ہوئی ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں اظہارِ نفرت کرتی انکار میں سر ہلاتی ان کی ممتا بھری آغوش میں سما گئی۔ اس نے کبھی حارث کے کسی سیریس رومانس یا فلرٹ کا نہ سنا تھا مگر اسے اس کی لڑکیوں سے دوستی بھی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ وہ سمجھ نہ سکی کہ وہ مما کو کیا بتائے۔ اس نے گول مول لفظوں میں واضح انکار کیا تھا۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ، ہم کچھ سوچتے ہیں۔'' ماحول پر بھاری پن طاری ہو گیا تھا۔ مما اور بابا کے چہروں پر تفکر کی لکیریں پھیل گئیں۔ مما نے اس کا کندھا تھپتھپا کر حوصلہ دیتے ہوئے جانے کی تاکید کی تھی وہ آنسو پونچھتی اٹھ گئی۔

☆☆☆

رات دھیرے، دھیرے سرک رہی تھی، وہ کھلے آسمان تلے، تخت پر نیم دراز تھا۔ عینیہ نے صاف انکار کر دیا۔ وہ اس کی نفرت کو ہمیشہ غصہ سمجھتا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس سے اتنی نفرت کرتی ہے کہ وہ اس کا نام سنتے ہی صاف انکار کر دے گی۔ اس نے عنیہ سے شدید محبت کی تھی۔ اس سے جدائی کا تصور سوہانِ روح تھا۔

بے شک وہ لڑکیوں سے جلد فری ہو جاتا تھا مگر اس نے کبھی کسی لڑکی کو دھوکا نہیں دیا تھا۔ اس نے عینیہ سے بھی فری ہونے کی کوشش کی مگر وہ ہر بار اس کی کوشش ناکام بنا دیتی۔ بابا کو عینیہ بچپن سے اس کے لیے پسند تھی۔ وہ بچوں کی بچپن کی منگنی کے سخت خلاف تھے اسی لیے انہوں نے بھتیجی کا رشتہ نہ مانگا۔ حارث کو جوں ہی جاب کی آفر ہوئی انہوں نے فوراً بھائی کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا تھا۔

چچا اور چچی بھی خوش تھے انہیں حارث پسند تھا۔ وہ جب بھی نیچے جاتا چچی اس کی خوب آؤ بھگت کرتیں۔ وہ اکثر عینیہ اور زینیہ سے نوک جھوک کرتا اور چچی ہر بار اس کی سائڈ لیتی تھیں۔ وہ دونوں اپنی ماں سے خفا ہو کر منہ پھلا لیتیں مگر چچی اس کے لاڈ اٹھاتے نہ تھکتیں۔

''عینی..... مت کرو ایسا.....'' اس کا دردِ دل بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ وہ سوچوں کے جال میں پھنسا نڈھال سا ہو گیا۔

''مجھ میں کیا کمی ہے حارث.....'' دفعتاً اس کی یادداشت کے پردے پر اِک آواز ابھری اس نے تڑپ کر آنکھیں میچ لیں۔ وہ دھک رہ گیا۔ کہیں اسے جاثیہ کی بددعا تو نہیں لگی۔ وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھا اور آنکھیں کھولے سامنے نیم تاریکی میں گھورنے لگا۔ اس نے کبھی کسی لڑکی کو دکھ دیا تھا اور نہ ہی کسی کو دھوکا..... پھر اس کے ساتھ ایسا کیوں ہوا تھا۔ کہیں اس نے انجانے میں تو جاثیہ کا دل نہیں دکھا دیا۔ وہ سوچ، سوچ کر پریشان ہوتا رہا۔

☆☆☆

ماہِ رمضان کا آغاز ہو چکا تھا گھر میں بوجھل خاموشی چھائی رہتی تھی۔ مما اور بابا اگرچہ اس سے خفا نہ تھے مگر وہ اس سے ضرورتاً بات کرتے تھے۔ اس نے والدین کے قدرے بدلے رویّے کو اپنا وہم سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔ زینیہ بھی اکثر منہ پھلائے رہتی۔

نمازِ ظہر اور تلاوتِ قرآن پاک کے بعد مما کے ستانے کا وقت ہوتا تھا۔ وہ نمازِ عصر کے وقت اٹھتیں۔ اس دوران بابا آفس سے آجاتے۔ زینیہ اور عینیہ کے

ذمے افطاری تیار کرنا تھا۔ وہ دونوں کالج سے آکر فریش ہو کر افطاری کے کچھ لوازمات تیار کر کے فریج میں رکھ دیتیں۔ اور تلنے والی چیزیں افطاری سے تھوڑی دیر پہلے تلتیں۔ ان کے ہاں افطاری کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ عینیہ اب دہی بھلے تیار کر رہی تھی۔ زینی اس سے ذرا کھنچی کھنچی رہتی تھی۔ اس نے اپنی ناراضی چھپانے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ عینیہ نے دہی منگوانے کے بہانے اسے مخاطب کیا تھا۔ زینیہ نے خاموشی سے دہی اس کے سامنے لا رکھا۔

''زینی ذرا ٹماٹر دینا۔'' وہ پکوڑے کے لیے بیسن گھول رہی تھی۔ اس نے قصداً اسے زچ کرنے کے لیے کہا۔ اس سے زینیہ کی یہ ناراضی ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ وہ اسے منانا چاہتی تھی مگر وہ کیا کہہ کر اسے مناتی۔ ان دونوں میں ڈائریکٹ کوئی جھگڑا یا ناراضی تو نہیں تھی۔ مما اور بابا سنبھل کر نارمل ہو چکے تھے۔ انہوں نے بیٹی کے فیصلے کو دل سے قبول کر لیا تھا۔ زینی نے سابقہ خاموشی سے اسے ٹماٹر لا کر دے دیے۔

''زینی تم مجھ سے خفا ہو؟'' وہ ڈائریکٹ مدعا پر اتر آئی تھی۔ زینی کا رویّہ بدلا تھا اگر وہ اس سے خفا نہ ہوتی تو اسے ترنت (فوراً) انکار کر دیتی۔ عینی نے اس کے کندھے تھام لیے۔

''نہیں......'' زینی مختصراً جواب دے کر بیسن گھولتی رہی۔ اس نے بیسن گھول کر فریج میں اور رکھا اور رکھائی سے منہ پھلائے ہوئے چلی گئی۔ عینیہ اور اس کی کافی دوستی تھی۔ اس نے کبھی آپی یا باجی کہنے کا تکلف نہ پالا تھا۔ وہ بے تکلفی سے اس کا نام لیتی عینیہ نے بھی کبھی اسے نہ ٹوکا تھا۔ اس کا اتنا حق تو بنتا تھا کہ وہ بہن پر اپنی خفگی باور کراتی۔ اس نے انجانے میں ایک بہترین ہم سفر کھو دیا تھا۔ حارث اسے بے حد چاہتا تھا وہ یقیناً اسے خوش و خرم رکھتا۔ عینیہ اس کی سنگت میں مثالی خوشگوار زندگی گزارتی مگر وہ کوئی ٹھوس وجہ بتائے بغیر انکار کر چکی تھی۔ مما اور بابا نے دل پر جبر کیے بیٹی کی خوشی کے لیے کڑوا گھونٹ پی لیا تھا۔ اس نے عینیہ سے

وقت وقت کی بات

ایک مالدار نوجوان سے ایک بھکاری نے کہا۔

''صاحب! کیا بات ہے؟ دو سال پہلے آپ مجھے دس روپے دیا کرتے تھے۔ پچھلے سال پانچ روپے دینے لگے اور آج صرف ایک روپیہ!''

نوجوان بولا۔ ''بھئی پانچ سال پہلے میں کنوارا تھا، پچھلے سال میری شادی ہو گئی اور اب میں ایک بچے کا باپ ہوں۔''

از: ناہید اختر ندا، لیہ

دلچسپ خیالات

☆ نیکی کر کے ایسے بھول جاؤ جیسے مرد شادی کر کے مسکرانا بھول جاتے ہیں۔

☆ خوش فہمیوں کی عینک جب اترتی ہے تو ہر چیز صاف دکھائی دیتی ہے۔ حتیٰ کہ اپنی اوقات بھی......کامیاب وہی ہے جو اس عینک کو وقت سے پہلے اتار دے۔

مرسلہ: مہرین ضیا بنگش، کراچی

اصل وجہ

استاد (شاگرد سے)۔ ''بجلی کہاں سے آتی ہے؟''

شاگرد۔ ''میرے ماموں کے گھر سے۔''

استاد نے حیرانی سے پوچھا۔ ''وہ کیسے......؟''

''شاگرد۔ ''کیونکہ جب بھی بجلی جاتی ہے تو میرے ابو کہتے ہیں سالوں نے پھر بجلی بند کر دی۔''

مرسلہ: زرینہ خان، بہارہ کہو

بات کرنا چاہی تو مما نے اسے روک دیا۔ وہ اس پر کوئی ذہنی دباؤ نہیں ڈالنا چاہتی تھیں۔ آخر زندگی اسی کو گزارنا تھی۔ عینیہ کی آنکھوں میں دکھ سے نمی تیرنے لگی تھی۔ زینیہ نے کن انکھیوں سے اس کی نم آنکھوں کو دیکھا۔ اس کا دل لمحہ بھر کو پگھلا۔ اگلے پل سے عینیہ کی فضول ہٹ دھرمی یاد آئی تو وہ آگے بڑھ گئی۔ عینیہ لب کچلتی انگلیاں مروڑتی نمی اپنے اندر اتارنے لگی تھی۔

☆☆☆

حارث کی پسندیدگی گھر میں کسی سے چھپی نہیں تھی صدیق صاحب بیٹے کی تعلیم مکمل ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ دونوں بھائیوں کی کلاتھ مارکیٹ میں کپڑوں کی دکانیں تھیں۔ چھوٹے بھائی رفیق نے کاروبار ٹھپ ہونے پر مقامی فرم میں جاب ڈھونڈ لی تھی۔ صدیق صاحب کا کاروبار خوب چل رہا تھا۔ سعد باپ کا ہاتھ بٹاتا تھا، حارث جاب کرنا چاہتا تھا۔ اسے جو ہی جاب آفر ہوئی اس نے فوراً کنٹریکٹ سائن کر لیا۔ وہ ایگزامز کے بعد رزلٹ کا انتظار کر رہا تھا۔ سب کو ہی عینیہ پسند تھی۔ انہوں نے رشتہ مانگا تو بھائی نے رسماً سوچنے کے لیے مہلت مانگی اور چند روز بعد انکار کر دیا۔ انہیں عینیہ کے انکار کا سن کر صدمہ ہوا تھا۔ مگر رفیق کی بات میں بھی وزن تھا۔ عینیہ کو اپنی زندگی جینے کا حق حاصل تھا۔ انہوں نے بھتیجی کی خوشی کے لیے مصلحتاً ہامی بھر لی تھی، وہ اس پر جبر نہیں کرنا چاہتے تھے۔

☆☆☆

وہ یونیورسٹی سے آ کر نمازِ ظہر کے بعد سوئی تو ڈور بیل پر آنکھ کھلی۔ بیل کافی دیر سے ہو رہی تھی۔ وہ کسلمندی سے بستر پر پڑی رہی۔ مما بھی سو رہی تھیں۔ بابا بھی کسی کام سے گئے ہوئے تھے۔ گرمی زوروں پر تھی اور اسے روزہ بھی ستا رہا تھا۔ اس کا اٹھنے کا قطعاً موڈ نہیں تھا۔ آنے والا بھی اپنے نام کا کوئی ڈھیٹ تھا۔ اس نے بیل پر انگلی رکھی تو ہٹانے کا نام نہیں لیا۔ ناچار مما کی نیند کا سوچ کر اسے اٹھنا ہی پڑا۔ اس نے سستی سے دوپٹا اوڑھ کر ڈھیلے قدموں سے آ کر گیٹ کھول دیا

اور سامنے نگاہ پڑتے ہی وہ بھونچکا رہ گئی۔

”آپ؟“ مارے حیرت کے اس کی رہی سہی نیند بھی اڑنچھو ہو گئی تھی۔ اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔

”آپ اندر آنے کو نہیں کہیں گی۔“ تیمور کے چہرے پر شوخ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ اسے دلچسپی سے تک رہا تھا۔

”آئیں......“ وہ خفیف ہو کر پیچھے ہٹی۔ اس کے ہمراہ ایک گریس فل دراز قد خاتون بھی تھیں۔ وہ یونیورسٹی میں کافی خاموش اور لیے دیے رہتی تھی۔

اب وہ وقت گزرنے کے ساتھ، ساتھ نارمل ہوتی گئی۔ تیمور کو اسی وقت کا انتظار تھا۔ وہ محبت کے دکھ سے سنبھل چکی تھی۔ اسے کسی مخلص چاہنے والے ہم سفر کی اشد ضرورت تھی جو اس کے بکھرے وجود کو اپنی محبت سے سنوار دیتا۔ تیمور اپنی ماں کو لے کر ان کے ہاں آ گیا تھا۔ اس نے جاثیہ سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ سیدھے سبھاؤ اس کا ہاتھ مانگنا چاہتا تھا۔

”بیٹا اور آپ کے کیا مشاغل ہیں؟“ سلمٰی بیگم کو بیٹے کی پسند پہلی نظر میں ہی بھا گئی تھی۔ جاثیہ اس اثنا میں مما کو جگا کر لے آئی تھی۔ چونکہ ان لوگوں کا روزہ تھا وہ کھانے پینے کے تکلف میں نہ پڑی تھی۔ سلمٰی نے جاثیہ کو محبت سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

”آنٹی مجھے کوکنگ کرنا پسند ہے۔“ جاثیہ نے شرگیں مسکراہٹ سے نظریں جھکائے جواب دیا۔ اس کے دل میں تیمور کے لیے نرم گوشہ ابھرا تھا۔ اس نے کسی فلرٹ یا دوستی کے بجائے عزت سے اس کا ساتھ چاہا تھا۔ تیمور نے اسے معتبر کر دیا تھا۔ جاثیہ کو کوکنگ کرنا بھاتا تھا وہ ہر ویک اینڈ پر کوئی نہ کوئی نئی ڈش ٹرائی کرتی رہتی تھی اور اس کی بنائی ہر ڈش بابا بے حد شوق و رغبت سے کھاتے تھے۔

”واؤ......“ تیمور اکثر گھر میں اپنی بہنوں اور بھابیوں سے کہتا کہ وہ امورِ خانہ داری خصوصاً کوکنگ میں دلچسپی رکھنے والی سے شادی کرے گا۔ وہ چھ بہن، بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا اور لاڈلا ہونے کی وجہ

سے وہ سب کی چھیڑ چھاڑ کا بھی نشانہ بنتا رہتا تھا۔ تیمور کے ہونٹ اس حسین اتفاق پر سیٹی کے مانند گولائی میں پھیل گئے تھے۔ سلمیٰ بھی اس اتفاق سے کافی محظوظ ہوئی تھیں۔

کچھ دیر بعد وہ لوگ چلے گئے۔ سلمیٰ بیگم جاتے سمے اپنا خاندانی تعارف اور آمد کا مقصد بتا گئیں۔ مما کا ذہن گہری سوچ میں ڈوبتا چلا گیا۔

رات میں جاثیہ کی مما نے شوہر کو سلمیٰ بیگم اور تیمور کی آمد کا بتایا۔ کونسلر کا حوالہ سن کر بابا کافی مطمئن تھے۔ خرم علی عوامی فلاح و بہبود کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور وہ عوام میں خاصے مقبول بھی تھے۔ مما اور بابا نے باہمی رضامندی سے ہامی بھرتے ہوئے بیٹی کی رائے لینا بھی ضروری سمجھا تھا۔ مما کو بھی تیمور پسند آیا تھا......بیٹیوں والے مناسب رشتوں کے متمنی ہوتے ہیں۔ جاثیہ ان کی اکلوتی اولاد تھی۔ انہوں نے اس کی ہر خواہش پوری کی تھی۔ وہ اس کی مکمل رضامندی سے حتمی فیصلہ کرنا چاہتی تھیں۔

''بیٹا مجھے تیمور بے حد بھایا ہے، تمہیں وہ کیسا لگتا ہے؟'' مما نے لگی لپٹی رکھے بغیر اس کی رضا پوچھی تھی۔

''مما جو آپ کی پسند ہو، مجھے قبول ہے۔'' جاثیہ نے اپنا مکمل احتساب کیا تھا۔ وہ محبت کی کٹھنائیاں سہہ کر نرم پڑ چکی تھی۔ اس کے دل کی سرزمین غیر آباد تھی۔ دل کا مکین مدت ہوئی دل سے نکل چکا تھا۔ اس نے پوری دیانت داری سے دل میں جھانک کر تیمور کے حق میں فیصلہ کیا تھا۔ وہ بہتر و مخلص ہم سفر ثابت ہوتا۔

''اللہ تمہارے نصیب بہترین کرے بیٹا۔'' وہ مطمئن و شاداں سی اسے دعائیں دیتی اٹھ گئیں۔ جاثیہ نے کمرے کی کھڑکی کھول دی، دل کی گھٹن زدہ وادی میں نرم ہوا کا جھونکا دھیرے، دھیرے اترنے لگا تھا۔ اس عید زندگی نے خوشیوں سے بھرپور ہونا تھی۔ اس کے لبوں پر نرم مسکان پھیل گئی۔

☆☆☆

''خبر تھی کہ دھماکا......'' اس نے سنا تو ساکت رہ گئی۔ بات کچھ خاص نہیں تھی مگر دل کو بہت لگی تھی۔ ہوا کچھ یوں کہ تایا ابو کے دیرینہ دوست نے حارث اور اپنی بیٹی کے رشتے کی بات چلائی تھی۔ رشتہ معقول تھا سو تایا ابو اور تائی کا جھکاؤ بھی اسی سمت تھا۔ گھر میں سب حارث کی منگنی اور رشتے کی باتیں کر رہے تھے گھر والوں کی باتیں کسی نشتر کے مانند دل میں گڑی جا رہی تھیں۔

وہ کمرے میں اندھیرا کیے بستر پر لیٹی سوچوں میں گم تھی۔ اس نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ زینیہ اسے بلانے آئی تھی' اس نے بھوک نہ ہونے کا بہانہ بنا دیا تھا۔ وہ لاشعوری طور پر نہ جانے کب حارث کو چاہنے لگی تھی اسے خود بھی خبر نہیں ہوئی تھی۔ وہ اس کی لڑکیوں سے دوستی سے چڑتی تھی وہ اسے ناپسند کرتی تھی۔ محبت نے انجانے میں اس پر شب خون مارا تھا۔

''مجھے اس سے نفرت ہے۔'' دل و دماغ سچائی واضح کر رہے تھے اور وہ سر نفی میں ہلاتی ہوئی جھٹلا رہی تھی۔ حارث کا بہانے، بہانے سے آنا۔ اسے مخاطب کرنا، اس کی اِک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب ہونا اسے سب کچھ یاد آ رہا تھا۔ حارث کا التفات اور پھر اس کے انکار کے بعد اس کا لیا دیا انداز......اسے نہ جانے کیوں بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔

''عینی، یمنیٰ بھابی بہت پیاری ہیں، وہ قورمہ بہت اچھا پکاتی ہیں، ان پر بلیک کلر بے حد جچتا ہے اور......'' زینی بھی لڑکی دیکھنے گئی تھی وہ جب سے لوٹی تھی اسی کی تعریف میں رطب اللسان تھی۔

''تو میں کیا کروں......؟'' وہ خود پر ہنستے ہوئے نئے ادراک سے ہراساں تھی اس پر طرہ یہ کہ زینیہ مسلسل اس منحوس لڑکی کی تعریفیں کیے جا رہی تھی۔ لفظ بھابی تو سیدھا تیر بن کر اس کے دل میں جا گڑا تھا۔ ضبطِ گریہ سے آنکھوں میں سرخی پھیلی تھی وہ ضبط کی طنابیں دامن سے کھو بیٹھی اور غصے سے اس پر الٹ پڑی۔ یمنیٰ کی تعریفوں میں مصروف زینیہ نے چونک کر بہن کو دیکھا۔ اس کے حسین مکھڑے پر بارہ بج رہے تھے۔ احساسِ زیاں اس کے وجود سے لپٹا تھا، قیمتی متاع لٹ جانے کا

دکھ اس کے چہرے پر لیبل کے مانند چسپاں تھا۔

''عینی۔'' وہ متفکر سی بات ادھوری چھوڑ کر بہن کا کندھا استفہامیہ انداز میں ہلانے لگی تھی۔

''زینی، میرے سر میں درد ہے پلیز یہاں سے چلی جاؤ۔'' عینی، بہن کی تشویش وتفکر بھری محبت پر نادم ہو کر رہ گئی۔ زینیہ نے تو حارث سے شادی سے انکار پر اس سے دنوں بول چال بند رکھی تھی پھر وہ بھی مما اور بابا کی طرح نارمل ہوتی چلی گئی تھی۔ حارث اس کے جوگ میں ساری عمر کنوارا تو نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ کس بات پر اتنی ہائپر ہو رہی تھی۔ وہ ندامت سے چور دھیمے لہجے میں کہتی رخ موڑ گئی۔

کہیں کوئی گڑبڑ ضرور تھی زینیہ کو زیادہ دیر نہ لگی تھی وہ بہن کا مبہم رویہ کھوج چکی تھی۔ اس کے لبوں پر شوخ و معنی خیز مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔''اب آیا ناں اونٹ پہاڑ کے نیچے۔'' اس کے چہرے پر لحہ بہ لحہ معنی خیز مسکراہٹ گہری ہوتی گئی جبکہ عینیہ اس سے اپنے آنسو چھپانے کی سعی میں نڈھال ہوئی جا رہی تھی۔

''عینیہ، تایا ابو اور تائی امی حارث بھیا کی شادی اسی عید پر کرنا چاہتے ہیں۔'' لوہا خوب گرم تھا، زینیہ نے کاری ضرب لگائی۔ وہ بجھے دل سے کالج آنے، جانے اور گھر کے کاموں میں لگی رہتی۔ بے کیف سی اداسی اسے ہمہ وقت گھیرے رکھتی۔ احساسِ زیاں اسے کسی پل چین نہ لینے دیتا تھا۔ اس نے انجانے میں اپنے پیروں پر خود کلہاڑی ماری تھی۔ وہ کسی کو کیا دوش دیتی۔ اس نے تو کسی کی خوشیوں کی پروا نہیں کی تھی۔ شاید اسی لیے اسے قدرت نے یہ سزا دی تھی۔ آنسو ہمہ وقت اس کی حسین پلکوں پر ٹکے رہتے اور بات بے بات آنکھوں کے گوشوں سے نکلنے کو بے تاب رہتے۔

رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس کی عبادت وظائف ودعاؤں میں شدت آ گئی تھی۔ اس کی یہ تبدیلی زینیہ سے مخفی نہ رہ سکی۔ اس نے اپنا شک وہم جانچنے کو عینیہ کو دانستہ ستانے کی ٹھانی۔

''اچھا......'' اس کے لبوں سے سرسراہٹ نکلی تھی۔ وہ عید کے لیے سلا جوڑا تہ کر کے رکھ رہی تھی، اس کے دوپٹا تہ کرتے ہاتھ ساکت رہ گئے۔ وہ خود کو سمجھا، سمجھا کر تھک گئی تھی۔ دلِ ناداں اسی کے نام کی مالا جپتا رہتا تھا۔ درد کی شدید ٹیسیں وجود میں اٹھیں اور سارے بدن کو تڑپا گئیں۔

''بے وقوف وہ تمہاری خاطر جوگ تو لینے سے رہا۔'' دماغ نے دل کی نادانی پر اسے بری طرح گھرکا تھا۔ سارا قصور اور فساد اسی دل کا توڑا لا ہوا تھا۔ دل نہ اس کی محبت میں تڑپتا اور نہ وہ بے قرار ہو کر اسی کو ہمہ وقت سوچتی۔

''وہ مجھ سے محبت کرتا تھا۔'' دل کو بہت کچھ یاد آیا تھا۔ دل تو اس کی محبت کا عادی تھا۔ وہ اسے کسی اور کا ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ دل نے دماغ کی گھرک پر بچوں کی طرح منہ بسورتے ہوئے اپنے حق میں دلیل دی۔

''کیسی محبت؟ جسے تم نے دھتکار دیا تھا۔'' دماغ کو غصہ آنے لگا۔ جو حارث اس کی ایک جھلک دیکھنے کے بہانے ڈھونڈتا تھا اور وہ اسے دیکھتے ہی چڑ جاتی تھی۔

''محبت اتنی ارزاں نہیں ہوتی ہے کہ یوں اتنی جلد خفا ہو جائے۔ محبت اپنا وجود منوا کر رہتی ہے۔'' دل کسی کی کہاں سنتا ہے وہ دماغ کے غصے کو خاطر میں لائے بنا کہنے سے باز نہیں آیا۔''محبت تو انسان کو کندن بناتی ہے۔ محبت جیسا انمول جذبہ انسان کے وجود سے آسانی سے ختم نہیں ہوتا ہے۔''

''وہ تمہارے لیے فراق میں مجنوں بننے سے رہا...... وہ ایک پریکٹیکل انسان ہے، مس عینیہ رفیق۔'' دماغ نے حقیقت کا تلخ آئینہ اسے دکھایا۔ تلخ حقیقت کا عکس دل پر پڑا تو دل کا درد بڑھنے لگا تھا۔ ٹیسیں دل پر چٹکیاں لینے لگیں تو اذیت قطرہ، قطرہ روح تک کو گھائل کرنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں دھیرے، دھیرے نمی اترنے لگی۔

''واؤ...... عینیہ تمہارا سوٹ بہت پیارا ہے۔'' اس کی لحہ بہ لحہ متغیر ہوتی رنگت اور زلزلوں کی زد پہ آیا وجود زینیہ کو صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ اس کا یا پلٹ پہ متحیر مگر

مسرور تھی۔

اس کی دلی خواہش تھی کہ عینی کی شادی حارث بھیا سے ہو۔ لڑکی کو بیاہ کے بعد عزت دینے والے قدردان لوگ ملیں تو لڑکی کی قسمت چمک اٹھتی ہے۔ وہ تایا ابو کے گھر خوش و خرم رہتی۔ وہ اس کی آنکھوں میں جھلملاتی نمی بھی دیکھ چکی تھی۔ زینیہ سوٹ کی تعریف کرتی مسرور سی پلٹ گئی تھی۔ شک یا وہم یقین کی صورت ڈھل چکا تھا۔ عینیہ سرہلاتی دوپٹا تہہ کرکے پلٹی تو کمرا خالی تھا۔ خود میں گم عینیہ کو اس کے جانے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔ اس نے آنکھوں کے گوشے جھلساتے آنسو ضبط کرنے کی کوشش ترک کر دی۔ آنسو تواتر سے گالوں پر پھسلنے لگے تھے۔

☆☆☆

گھر میں حارث کی منگنی کی تیاریاں زور شور سے جاری تھیں۔ سب تیاریوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ مما اور زینیہ کا جوش و خروش دیدنی تھا۔ حارث کی منگنی عید کے روز طے تھی۔ زینیہ نہایت جوش سے اسے روزانہ ہر رپورٹ سناتی۔ یمنیٰ کیسی ہے۔ اس کی پسند ناپسند...... اور ہر شے اسی کی پسند سے خریدی جا رہی تھی۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی زینیہ کی باتیں سننے پر مجبور تھی۔

عید کا چاند نظر آ گیا تھا۔ سب تایا ابو کے پورشن میں جمع تھے۔ باتوں کی آوازیں نیچے اسے بخوبی سنائی دے رہی تھیں۔ وہ دردِ دل سے بے حال صحن میں لگے پودوں کے قریب رکھی چیئر پر بیٹھی تھی۔ اچانک حارث کی نگاہ اس پر پڑی۔ اس کے چہرے پر درج دکھ کی تحریر نے اسے تڑپا دیا۔

”زینی کی بچی...... اسے سچ بتا دو یار۔“ وہ عینیہ کی خاطر اپنی دوست سے الجھ پڑا۔ یہ آئیڈیا بھی اسی کا تھا۔ اس نے سب سے پہلے عینیہ کی بدلی کیفیت نوٹ کرکے حارث کو بتایا تھا۔ دراصل گھر والے لڑکی دیکھنے گئے ہوئے تھے مگر یمنیٰ عمر میں حارث سے بڑی نکلی تھی۔ تائی امی کی چھوٹی بہن اپنے بیٹے کے لیے کئی لڑکیاں دیکھ رہی تھیں۔ یمنیٰ دلکش نقوش کی حامل خوب صورت لڑکی تھی۔ انہوں نے سبھاؤ سے بات کرکے وہیں اپنے بھانجے کا ذکر کر ڈالا۔ انہیں یقین تھا کہ بہن کو یمنیٰ ضرور پسند آ جائے گی۔ اور ہوا بھی ایسا ہی...... ان کی بہن نے اسے بطور بہو پسند کر لیا اور چٹ منگنی پٹ بیاہ کے مصداق یمنیٰ اور نجیل کا عید کے دو ہفتے بعد بیاہ تھا۔

جن دنوں یمنیٰ کا رشتہ طے ہو رہا تھا۔ انہی دنوں عینیہ سارا دن بولائی، بولائی پھرتی رہتی تھی۔

زینیہ نے نوٹ کیا تو پختہ یقین ہونے کے بعد اس نے سب کو اپنے پلان میں شامل کرلیا۔ وہ بہن کو ذرا تنگ کرنا چاہ رہی تھی۔ حارث نے اختلاف کیا تو بھابی اور ہانیہ نے اسے فوراً بیاہ سے پہلے زن مریدی کا طعنہ دے مارا۔ وہ بلبلا کر نہ چاہتے ہوئے بھی مان گیا۔ اس سے عینیہ کا یاسیت بھرا چہرہ سہانہ جا رہا تھا۔ اس کی محبت بھری نظریں عینیہ کے پُرسوز حسین مکھڑے پر جمی تھیں۔

''بھیا...... اس نے بھی آپ کو ستایا تھا ناں......''

زینیہ نے ہنس کر اسے گویا رضامندی دے دی۔ وہ واقعی بہت سزا کاٹ چکی تھی، اسے بھی اپنی بہن پر ٹوٹ کر پیار آ رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر کندھے اچکاتے ہوئے ہانیہ کو دیکھتے ہوئے اسے نیچے جانے کا اشارہ کیا۔

''عید مبارک عینی۔'' اجازت ملنے کی دیر تھی وہ بوتل کے جن کی طرح اس کے سر پر موجود تھا۔ عینی چونک کر اسے دیکھتے ہوئے سیدھی ہوئی۔

''خیر مبارک......'' عینی نے آنکھوں میں بے ساختہ اُمڈتی نمی اندر دھکیل کر چہرے پر جبری مسکراہٹ طاری کی۔ وہ دشمنِ جاں کل کسی اور کا ہونے والا تھا۔ حقیقت تلخ تھی مگر سہنا مجبوری تھی۔

''تم نے مجھے منگنی کی مبارک باد نہیں دی۔'' وہ اسے حقیقت بتانے آیا تھا۔ مگر اب دل اسے ذرا ستانے پر مائل ہونے لگا۔ وہ اس کے انکار پر کتنا تڑپا تھا۔ بابا اور چچا تو اس رشتے کے زبردست حامی تھے۔ انہیں عینیہ کی پسند کا علم ہوا تو وہ بھی بچوں کے پلان میں شریک ہو گئے۔ حالانکہ تایا ابو نے مخالفت کی تھی مگر وہ بھابی کے کہنے پر مجبوراً مان گئے تھے۔ حارث نے اس کے حسین مکھڑے پر آئی بالوں کی لٹ کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے مصنوعی گلہ کیا۔

''سوری حارث......'' وہ آسانی سے اپنی غلطی مان کر نادم ہو گئی۔ حارث کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا۔

''عینیہ، میں تمہارے لیے گفٹ لایا تھا۔'' حارث اس کے لیے تازہ پھولوں کے گجرے لایا تھا۔ اس نے عینیہ کی سمت گجرے بڑھائے۔

''تم یہ یمنیٰ کو دے دینا۔'' دل کی دنیا میں کہرام مچ گیا تھا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو دل اسی کے ہاتھوں پہننے کی خواہش کرتا۔ اس نے نرمی سے لینے سے انکار کر دیا۔

''اسے تو تجمل دے گا۔'' اس کی نظروں میں دنیا بھر کی شوخی اور چہرے پر خوب صورت مسکراہٹ تھی۔

''تجمل اور یمنیٰ؟'' عینیہ کے ذہن میں زوردار جھماکا ہوا۔ وہ کرنٹ کھا کر اچھلی اور حارث کو بغور دیکھنے لگی۔ وہ مذاق کے موڈ میں بالکل نہیں لگ رہا تھا۔ چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔

''حارث......!'' اس کی لبوں سے ابھرا۔

''جی جانِ حارث۔'' حارث کی شوخی قابلِ دید تھی۔ عینیہ بے یقینی سے اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھے گئی۔

''مجھ سے شادی کرو گی؟'' حارث نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ بے یقینی سے یقین کا سفر طے کر کے آئی تو آنکھیں خوشی و مسرت کے آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

''تم......!'' وہ اسے مصنوعی غصے سے مکے مارنے لگی۔

''ارے، ارے یار اس بیچارے کا کوئی قصور نہیں ہے۔'' اوپر سے لڑکیوں کا ٹولا آ رہا تھا۔ بھابی فضا میں لہراتا مکا دیکھ کر شوخی سے چہکیں۔ وہ سارا پلان سمجھ گئی۔ دل کی دنیا میں محبت کے پھولوں کی دلفریب مہک اتر گئی۔ حارث اس کا تھا صرف اور صرف اس کا۔

''آئی لو یو حارث۔'' وہ دھڑکتے دل سے دھیما اقرار کر گئی۔ اقرارِ محبت، روح کو تازگی بخشتا ہے۔ حارث کی روح تک سرشار ہو گئی۔ عینیہ کسی ٹرانس میں محو اسے تکے جا رہی تھی۔

''اوہ، اوہ......'' سب نے شوخی سے زوردار ہنکارا ابھرا تو وہ شرما کر تیزی سے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔ حارث کا جاندار قہقہہ اس کے ہمراہ تھا۔ روشن چاند کی مسحور کن چاندنی بھی مہک اٹھی اور فضا میں محبت کی گنگناہٹ پھیل گئی۔

ننھی خواہش

فرح طاہر

”امی، وہ دوسری گلی میں جو عالم انکل رہتے ہیں ناں......اس بار وہ بہت موٹی تازی گائے لے کر آئے ہیں......پچھلی بار بھی انہوں نے ہمیں گوشت بھیجا تھا ناں...... اس بار بھی وہ گوشت بھیجیں گے تو آپ اس گوشت کی نہاری بنانا......بالکل ویسی نہاری جیسی گلی کے نکڑ والے رفیق چاچا بیچتے ہیں......“ بہت پُرجوش لہجے میں اس نے وقت سے پہلے اپنی فرمائش نوٹ کروادی تھی جسے سن کر طلحہ فوراً بولا۔



''اونہہ تم نہاری کی بھوکی ہو...... ہر وقت تمہارے دماغ پر نہاری کا بھوت چڑھا رہتا ہے۔ حالانکہ ابا کبھی، کبھی ناشتے یا رات کے کھانے میں نہاری لے آتے ہیں......ورنہ رفیق چاچا کی نہاری شوربا اگر بچ جاتا ہے تو وہ خود ہی ہمارے گھر دے جاتے ہیں...... پھر بھی تمہارا نہاری سے پیٹ نہیں بھرتا......'' طلحہ نے ناک چڑھا کر اس کا مذاق اڑایا تھا۔

عید قربان کے مفہوم سے اچھی طرح واقف وہ بھی تھے بلکہ دل سے اس فریضے کی ادائیگی کرنا چاہتے تھے۔ مگر قربانی انہیں جانور کی نہیں بلکہ اپنی خواہشات کی دینی پڑجاتی تھی۔

مگر بچے تو بچے ہی ہوتے ہیں ہر آنے والی عید دلوں میں جوت جگاتی کہ اس بار شاید ہم بھی بکرا قربان کر پائیں۔

''تم چھوڑو نہاری کو...... اس بار ہم باربی کیو کا لطف لیں گے......'' طلحہ نے آنکھیں بند کر کے چٹخارا لیا تو ننھی نے قدرے حیران ہو کر پوچھا۔

''باربی کیو...... وہ کہاں سے آئے گا......؟''

اس کی چھوٹی سی آنکھوں میں بہت سی حیرانی نمایاں تھی۔ جسے محسوس کر کے طلحہ نے کہا۔

''کہیں سے نہیں آئے گا...... بلکہ میں خود جاؤں گا لینے......'' اتنا کہہ کر وہ ذرا رکا پھر اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

''پچھلے محلے میں جو بڑا سا نیلے رنگ کا بنگلا ہے ناں وہاں میرے دوست کی امی کام کرتی ہیں وہ بتا رہا تھا کہ اس عید پر وہ لوگ باربی کیو کی پارٹی منائیں گے......تو اس نے کہا تھا میں بھی وہاں آجاؤں پھر اس کی امی اسے اور مجھے بھی بہت سی بوٹیاں اٹھا کر دیں گی......اُف کتنا مزہ آئے گا ناں......'' آنے والے وقت کے تصور نے اس کے منہ سے رال ٹپکا دی تھی۔

اور میں جو ایک طرف بیٹھی خاموشی سے ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ بہت اچھی طرح اس حقیقت سے واقف تھی کہ سب جھوٹ ہے فسانہ ہے۔ اس کے باوجود بھی نہ جانے کیوں ان کی خوش گمانیوں کی مردہ تتلیوں کو ہاتھ میں اٹھا کر پھونک مار کر انہیں اڑانے کی کوشش میں خود کو بھی خوش گمان ہوتا محسوس کرنے لگی تھی۔

''شاید اس بار حقیقت میں ایسا کچھ ہو ہی جائے......''

گلابی تازہ گوشت سے بنی نہاری......اور باربی کیو کی خوب مسالا لگی بوٹیاں......خوش گمانیاں انتہا کو پہنچنے لگی تھیں ایسے میں امی ہمیشہ کی طرح ہمیں خوش گمانیوں سے کھیلتے دیکھ کر وہاں سے چپکے سے اٹھ کر اس طرح دبے پاؤں چل دیتیں کہ کہیں ان کی گھسی ہوئی جوتی کی مریل سی چاپ ہمیں حقیقت کی دنیا میں لا کر ان کی طرف متوجہ نہ کردے......شروع، شروع میں تو میں بڑی حیران ہوتی پھر امی کو یوں اپنے درمیان سے اٹھ کر جاتا دیکھ میں سب سوچوں کو جھٹکتی اس سوچ میں پڑجاتی کہ آخر امی اس طرح ہمیں یوں چھوڑ کر خود کہاں چلی جاتی ہیں؟ پھر ایسے میں ایک دن جب امی ہمیں انہی خواہشوں میں مگن دیکھ کر چپکے سے ہمارے پاس سے اٹھیں تو میں بھی دبے پاؤں ان کے پیچھے چلی آئی...... میں جاننا چاہتی تھی کہ ایسے وقت میں ہر بار امی کو اپنی کون سی بھولی بسری مصروفیت یاد آجاتی ہے جس کی تکمیل کی خاطر وہ یوں اٹھ کر مقناطیسی انداز میں چل پڑتی تھیں......اسی لیے آج میں اس راز سے پردہ اٹھانے کے لیے امی کے پیچھے، پیچھے چل رہی تھی...... امی میرے آگے بڑے ناپ تول کر ہلکے، ہلکے قدم اٹھا رہی تھیں۔ پھر ایک دم ان کی چال میں واضح فرق نمایاں ہونے لگا......تو میں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا......ان کے ناپ تول کر اٹھتے قدموں کی چال پہلے دھیمی ہوئی پھر سست......اس کے بعد ٹوٹی پھوٹی پھر ان کی چال بالکل لنگڑی، لولی محسوس ہونے لگی۔ اور پھر اس وقت مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا جب خود کو گھسیٹ کر آگے بڑھتی امی نے اپنے پہلو میں گرے ہاتھ کو پہلے

دیوار سے لگایا اور پھر ہاتھ کی انگلیوں کو پورا کھول کر گھسیٹنے کے سے انداز میں دیوار کے ساتھ گھسیٹتی ہوئی آگے بڑھنے لگیں۔ اندر کمرے سے باہر باورچی خانے کا فاصلہ ہی کتنا تھا مگر وہ امی نے کس کرب سے طے کیا میں نہیں جان سکی تھی۔ اس سے ایسا محسوس ہوا جیسے امی دیوار میں لگی بے جان اینٹوں کی طرح خود کو بے جان تصور کرتی بے خودی کے عالم میں آگے بڑھتی جارہی ہیں...... حیرت کے اس شدید جھٹکے سے خود کو نکال کر امی کی پشت کو گھورتے ہوئے میرا دل بڑی شدت سے خواہش کرنے لگا کہ اس سے میں آگے بڑھ کر امی کا چہرہ دیکھوں......مگر اپنی خواہش کو دل میں دبائے میں وہیں کھڑی اپنی جگہ پر جمی رہی......امی کا رخ مٹی سے لیپ کیے باورچی خانے کی طرف تھا......مگر چند قدم کی مسافت کے بعد امی کے ہاتھ اور قدم دونوں ہی رک گئے۔ وہ باورچی خانے کے اندر نہیں گئی تھیں۔ تو میں بھی آگے نہیں بڑھی تھی۔

''نہ جانے امی یوں باہر کیوں رک گئی ہیں......؟'' میں خود سے الجھنے لگی تھی۔ جب میں نے دیکھا امی نے اپنے دونوں ہاتھ پشت پر باندھ کر آسمان کی جانب نظر اٹھا کر دیکھا تھا۔

مجھے لگا کہ شاید وہ اب خدا سے ہمارے لیے کچھ مانگ لینا چاہتی ہیں، اس لیے میں نے فوراً خود کو سمیٹ کر مزید کونے میں گھسیٹ لیا کہ کہیں میری موجودگی کی نشاندہی ان کے اتنے اہم کام میں کوئی رکاوٹ نہ ڈال دے۔ میں نے محتاط نظروں سے امی کی جانب دیکھا۔ اور حیران ہوگئی۔ انہوں نے دعا کے لیے ہاتھوں کو بلند نہیں کیا تھا۔ شاید انہوں نے اس ایک نظر میں خدا سے سب کچھ طلب کرلیا تھا، اس لیے اس ایک نظر کے بعد دوبارہ سر کو جھکا کر وہ اسی طرح قدم گھسیٹتی باورچی خانے کے اندر داخل ہوگئیں۔ میں واپس پلٹ جانا چاہتی تھی۔ مگر امی کا چہرہ دیکھنے کی خواہش نے میرے قدموں کو واپسی کے بجائے باورچی خانے کی طرف موڑ دیا۔ تو میں دبے پاؤں چلتی ہوئی باورچی خانے کے قریب آگئی۔ پھر کھڑکی سے اندر جھانکا۔

جہاں پیڑھی پر صبر وشکر کی عملی تفسیر بنی امی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی تھیں۔ امی کا رویّہ میری سمجھ سے باہر تھا......میں الجھن کا شکار ہونے لگی......کیونکہ میں نے دیکھا تھا امی روئی نہیں تھیں......مگر ان کی آنکھیں انگارے کی طرح سرخ ہورہی تھیں۔ انہوں نے مایوسی کا ایک لفظ بھی ادا نہیں کیا تھا......مگر اس سے وہ بری طرح مایوسی کا شکار دکھائی دے رہی تھیں۔ شاید اولاد کی کبھی نہ پوری ہونے والی خواہشات نے ان کو ادھ موا کردیا تھا جبھی بظاہر تو انہوں نے کچھ نہیں کہا تھا مگر صبر کی تصویر بننے کے باوجود کہیں نہ کہیں کوئی دبی ہوئی آہ

مجھے دلہن بناؤ

کہ ابٹن ملو مجھ کو مہندی لگاؤ
مجھے پھولوں کلیوں سے ایسے سجاؤ
میں خوشبو سے مہکوں میں بس جاؤں اس میں
بہاروں مرے دل میں یوں مسکراؤ
سنوں میں کھنک کی صدائیں گھڑی پل
مری بانہوں میں چوڑیاں تم سجاؤ
ہوں ہر اِک کنواری کے بیدار سپنے
اے سکھیو! یوں ڈھولک ذرا تم بجاؤ
مری بہنوں تم اپنے ارماں نکالو
مجھے اپنے ہاتھوں سے دلہن بناؤ
یہ دنیا کہ حیران رہ جائے ساری
مجھے اس قدر تم مثالی بناؤ
مرے دل کا آنگن کہ پھر جھوم اٹھے
ذرا میرے ساجن کو جا کے بلاؤ
گلاب اور تم موتیے لے کے آؤ
مری سیج کو خوشبوؤں سے سجاؤ
یقیں ہے محبت کا مجھ کو اے سجنا
مرے کانوں میں آؤ رس گھول جاؤ
خدا ساتھ خانم کا دے لمحہ، لمحہ
اسے اس کے دل کے پیا سے ملاؤ

شاعرہ: فریدہ خانم......مرسلہ: سیما خان، لاہور

سسکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ماں تھیں، جنہیں اولاد کے دکھ نے دکھی کیا تو لاکھ ضبط کی کوشش کے باوجود ایک منہ زور بے ضبط آنسو پلکوں کی باڑھ توڑ کر اچھلتا ہوا ہانڈی میں پکتی مسور کی دال میں جا گرا......

اب اس آنسو کو دال کے ساتھ پک کر ان کے حلق میں اترنا تھا جس سے ان کا صبر کچھ اور بڑھ جانا تھا مجھے میرے سوال کا جواب مل چکا تھا۔ اس لیے میں نے جان لیا تھا کہ امی یوں ہمارے درمیان سے اٹھ کر اس لیے چپکے سے اِدھر چلی آتی ہیں کیونکہ وہ اپنے دکھ کو ہم سے چھپا کر ہمیں آگاہی کے عذاب سے بچا لینا چاہتی تھیں۔ اپنا بھرم رکھ لینا چاہتی تھیں۔ اسی لیے انہوں نے ہمیں کبھی خواب دیکھنے سے نہیں روکا......ہم خود ہی خواب بوتے، خواب بنتے اور آخر میں خود اپنے خوابوں کو دفنا دیتے......کیونکہ اپنے خوابوں اور خواہشوں کو پورا کرنے کی استطاعت نہ تو ہم میں تھی ......نہ ہمارے والدین میں......کیونکہ ابو ایک دکان پر سارا دن سیلز مین کا فریضہ سر انجام دے کر بس اتنی ہی رقم گھر لے آتے جس سے ایک دن کی گزر بسر پوری ہو جاتی تھی......اس اتنی کم رقم کے باوجود بھی ہماری سلیقہ شعار امی کچھ نہ کچھ پس انداز کر کے بچت کر ہی لیتیں......اور ان کی یہ بچت اکثر کسی اہم تہوار کے موقع پر سامنے آتی۔ اب جو عید سر پر آئی کھڑی تھی اس کے لیے امی نے اپنی بچت کے روپوں سے ہمارے لیے سیل بازار سے کپڑے لے کر خود انہیں سلائی کیا......پھر چند روپے ابو کے ہاتھ میں تھما دیے......جسے لے کر ابو ہمیں سیل کی دکان سے سستی سی جوتیاں دلوا لائے یوں ہماری عید کی تیاری مکمل ہو چکی تھی......مگر نہیں یہ عید یوں تیاری کے ساتھ مکمل ہوتی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

اس لیے، ہم میں سب سے پہلے ننھی منہ بسور کر امی کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''امی یہ عید تو قربانی کی عید ہے ناں......؟''

''ہاں......'' چاول چنتی امی نے مصروف سے انداز میں مختصر جواب دیا تو ننھی نے فوراً دوسرا سوال بلند کیا۔

''تو پھر قربانی کے لیے ہم نے تو بکرا لایا ہی نہیں ہے؟''

''اچھا ہم بھی بکرا لے آئیں گے۔'' امی نے یونہی سر جھکے انداز میں اس کو ٹالنا چاہا تو وہ فوراً مچل کر بولی۔

''کب لے آئیں گے امی......اب بس دو دن ہی تو باقی بچے ہیں......محلے میں سب کے گھروں میں قربانی کے لیے بکرے اور گائے آ چکی ہے......بس ہم ہی رہ گئے۔'' وہ اب بہت بے چین دکھائی دے رہی تھی۔ اس لیے امی نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا......وہ ابھی اتنی بڑی نہیں ہوئی تھی کہ اپنے حالات کو سمجھ کر ان سے سمجھوتا کرتی اسے تو بس ضد کر کے اپنی بات منوانے کا شوق تھا۔ مگر اس کی یہ ضد پوری کرنے کی استطاعت وہ کسی صورت نہیں رکھتی تھیں۔ اس لیے امی نے ان الفاظ کو جمع کرنا شروع کر دیا جنہیں بول کر وہ اس کے دل کو ٹوٹنے سے بھی بچا لیں اور اس کی ضد کا مان بھی رکھ لیں......اس لیے چند منٹ رک کر انہوں نے لفظوں کو جمع کیا پھر گہری سانس بھر کر بولیں۔

''بہت جلد......مگر اس کے لیے تمہیں دعا کرنی ہوگی۔''

امی دعا کو مشروط کر دیتیں تو ننھی فٹ سے اگلا سوال داغ دیتی۔

''اچھا میرے دعا کرنے سے ابو بکرا لے آئیں گے؟''

''ہاں، بالکل......'' امی بڑے یقین سے اقرار میں سر ہلاتیں تو ننھی اپنی آنکھیں بند کر کے اسی وقت اپنے چھوٹے، چھوٹے ہاتھوں کو دعا کے لیے اٹھا دیتی......اور ہم سب اس کے لبوں کی خاموش دعا پر چپکے سے آمین کہتے وہاں سے اٹھ جاتے۔

☆☆☆

امی آس کے موتی لفظوں کی مالا میں پرو کر ہمارے گلوں میں ڈال دیتیں تو ہم سر جھکا کر اس عید کا انتظار کرنے لگتے جس پر ہماری دعاؤں کی قبولیت کی صورت ہم بھی قربانی کے لیے وقت پر بکرا لا سکتے......

ایسی عید کے لیے دل سے دعا گو ہوتے پچھلی عیدوں کی طرح اس عید پر بھی ہم امی، ابو کے ساتھ بیٹھے گوشت کی آمد کے منتظر تھے..... جب پورا دن گزر جانے کے باوجود کہیں سے گوشت آنے کی امید دکھائی نہیں دی تو ہماری بھوک کا خیال کر کے امی پھر سے ہمیں بہلاتی زیرے والے چاول پکانے کے لیے باورچی خانے کی طرف چل دیں۔

دروازے پر کھٹکے کی آواز سن کر ہم سب سے پہلے ننھی نے پھرتی کا مظاہرہ کیا اور امی کے پاس پہنچ گئی۔

''امی ابھی ہم نے دروازے پر کھٹکا سنا ہے..... کیا کوئی گوشت دے گیا ہے؟'' ننھی اکثر اسی طرح بڑے بڑے سوال کر کے امی کو پریشان کرنے کی کوشش کیا کرتی..... مگر امی بھی ہماری امی تھیں ہمیشہ اس کے سوالوں کو گھما کر اسے بہلا لیتی تھیں..... جس طرح انہوں نے اب اس کو چمکارتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔ گوشت تو کوئی نہیں دے گیا..... مگر میں نے تم لوگوں کی پسندیدہ ڈش تیار کر لی ہے۔ دیکھو میں نے زیرے کے چاول پکائے ہیں۔ تم مسور کی دال ڈال کر اب مزے سے کھانا۔ اور ہاں مرچوں کا اچار بھی ہے۔'' انہوں نے اس کی توجہ دوسری طرف مبذول کراتے ہوئے چپکے سے گوشت کے شاپر کو پیچھے کیا تھا جو ابھی ابھی دروازے پر کوئی دے گیا تھا۔ جس میں ہڈیوں کی بڑی تعداد کے ساتھ لگے ذرا سے گوشت کے علاوہ الگ سے گوشت کی کوئی ایک بوٹی بھی نہیں تھی۔ جسے امی اگلے دن کے لیے بچا کر رکھتیں کہ کوئی مہمان آ جائے تو اس کے لیے پائے کا مسالا ڈال کر سالن بنا سکیں۔ آج کا کھانا تو بن گیا تھا۔

''مگر امی..... آج مجھے گوشت کھانا تھا.....'' ننھی کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی تھی۔ مجھے خواہ مخواہ اس پر غصہ آنے لگا..... مگر اس سے پہلے کہ میں غصے میں اس کو ایک آدھ ہاتھ جڑتی امی نے پلیٹ میں دال چاول نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''انشاء اللہ جب ہم اگلے سال قربانی کریں گے تب تم جی بھر کے گوشت کھا لینا۔ مگر آج ابھی تو تم یہ چاول کھا لو..... میں نے خاص تمہارے لیے بنائے ہیں.....'' اس کے ہاتھوں میں زبردستی پلیٹ تھما کر امی اس کا دھیان ہرگز بھی گوشت پر سے نہیں ہٹا سکتی تھیں۔

مگر اس بار ننھی نے مزید کوئی اعتراض کیے بنا پلیٹ پر اپنے ہاتھوں کی گرفت مضبوط کی اور باورچی خانے سے نکلنے کے لیے قدم بڑھانے کے ساتھ، ساتھ اس نے اسی پل سے اگلے سال کی بڑی عید کا انتظار شروع کر دیا تھا۔ پھر جوں، جوں دن گزرتے جاتے اس کی دعا کی شدت میں اضافہ ہو جاتا..... مگر سال کے تین سو پینسٹھ دن گزارنے کے بعد ننھی جب وہ اپنے گھر کے آنگن میں بکرے کو موجود نہ پاتی تو سراپا سوال بن کر امی کے سامنے کھڑی ہو جاتی۔

''آپ نے کہا تھا دعا کرو..... پھر اگلے سال ہم بکرا ضرور لیں گے..... مگر اس بار پھر عید میں دو روز باقی رہ گئے ہیں..... اس بار بھی ہم بکرا نہیں لے سکے..... حالانکہ میں نے اتنی زیادہ دعا کی تھی مگر اللہ نے میری دعا قبول نہیں کی.....'' مایوسی کے گرداب میں گردن تک پھنسی ننھی اس لمحے امی سمیت ہم سب کو بے تحاشا دکھی کر گئی..... جبھی امی نے تڑپ کر کہا تھا۔

''ایسے نہیں کہتے ننھی بٹیا..... خدا ہمیشہ ہماری دعائیں سنتا ہے، ہاں مگر ہماری دعاؤں کی قبولیت کو تین صورتوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ جس میں پہلی صورت تو یہ ہوتی ہے کہ جب ہم کوئی دعا مانگتے ہیں تو ہماری دعا کو فوراً قبولیت کا درجہ عطا فرما دیا جاتا ہے..... جس کی بدولت ہمیں ہماری خواہش کے مطابق ہماری مطلوبہ چیز فوراً عطا کر دی جاتی ہے..... دوسری صورت میں یہ ہوتا ہے کہ ہم دعا کر رہے ہوتے ہیں مگر ہماری دعا کو فوری طور پر قبولیت کا درجہ عطا نہیں کیا جاتا..... کیونکہ وہ ہمارا مہربان رب ہم سے زیادہ بہتر جانتا ہے کہ جو ہم اپنی دعا میں طلب کر رہے ہیں وہ ہمارے حق میں اچھا ہے یا نہیں..... تو اگر ہماری طلب ہمارے حق میں اچھی نہ ہو۔ تو ہمارا رب ہماری دعا کو کچھ عرصے کے لیے رکھ

لیتا ہے پھر جب ہماری طلب ہمارے حق میں اچھی ہوتی ہے تو وہ ہمیں ہماری طلب سے نواز دیتا ہے...... تیسری اور آخری صورت وہ ہوتی ہے جس میں ہم مسلسل دعا کیے جاتے ہیں...... مگر بہت دعاؤں کے باوجود ہمیں ہماری طلب عطا نہیں کی جاتی...... تو ایسی صورت میں بھی انسان کو مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ بھلے سے ہم اس دنیا میں عطا کے درجے سے محروم رکھ دیے جاتے ہیں مگر وہ ہمارا رب ہماری تمام دعاؤں کو بہت قریب سے سنتا ہے اور جو دعائیں دنیا میں ادھوری رہ جاتی ہیں وہ اس کا اجر ہمیں آخرت میں عطا کر دیتا ہے......'' امی نے اپنے نرم اور خوب صورت انداز میں بہت حلاوت سے ننھی کو مایوسی کے اس گرداب سے نکالنے کے لیے سمجھایا تو وہ ذرا دیر چپ رہ کر ان کی باتوں پر غور کرتی رہی...... اور جب ان کی باتیں اس کی سمجھ میں سمانے لگیں تو وہ سر ہلانے لگی۔

''تو اس کا مطلب ہے اگر میری بہت ساری دعائیں کرنے کے باوجود اگر ہم اگلے کسی سال بھی قربانی کے لیے بکرا نہ لے سکے تو اللہ میری دعاؤں کے اجر کے بدلے میں آخرت میں ہمیں قربانی کرنے کے لیے بکرا دے دیں گے؟'' وہ معصومیت کی انتہا پر تھی۔

بڑا ہی بے ساختہ انداز تھا اس کا...... امی کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں...... انہیں احساس ہونے لگا تھا کہ ننھی اب حالات کو سمجھنے لگی ہے...... اس کو اندازہ ہونے لگا ہے کہ وہ کبھی کسی بھی عید پر قربانی کے لیے بکرا نہیں لے سکتے...... آگاہی اپنے دراس پر وا کرنے کو تیار کھڑی تھی...... مگر امی نے چاہا کہ ابھی کچھ اور وقت وہ اسی طرح ناسمجھی میں گزار دے...... اس لیے انہوں نے ہلکے سے مسکراتے ہوئے سر ہلا کر کہا۔

''ہاں مگر تم دعا کرتی رہو...... کیا معلوم تمہاری دعا کی بدولت ہم اگلے سال قربانی کا فریضہ ادا کرنے کے لائق ہو جائیں......'' امی نے اس کے ہاتھ میں دعا کے یقین کی ڈور تھمائی...... جسے مضبوطی سے تھام کر اس نے اس امید پر اگلی عید کا انتظار شروع کر دیا کہ شاید آنے والی عید میں اسے اس کی دعا کا اجر عطا کر دیا جائے۔

مگر امید کے ٹمٹماتے دیے کی روشنی تلے انتظار کے بعد آنے والی اگلی عید سے چند روز قبل امی کو بخار نے اس بری طرح اپنے لپیٹے میں لیا کہ پھر وہ آس، امید اور انتظار کی ساری گھڑیوں کو مات دیتی دنیا کو الوداع کہتی خالقِ حقیقی سے جاملیں...... ایسے میں جب ہم امی کو یاد کر کے بلک رہے تھے...... نہ جانے ننھی کو کیا ہوا...... وہ امی کے سرہانے کھڑی ہو کر مسکرانے لگی...... مجھے اس کی ذہنی حالت پر شک گزرا تو میں تڑپ کر اس کی طرف بڑھی۔

''ننھی......'' میں اسے بانہوں میں بھرنے کو تھی جب وہ میرے ہاتھوں سے اپنے بازو آزاد کراتے ہوئے بولی۔

''باجی! امی بھی تو میری طرح بکرے کے لیے دعا کیا کرتی تھیں ناں...... دیکھو ان کی دعا قبول تو نہ ہو سکی اور وہ مر گئیں تو اب وہ اللہ کے پاس جو چلی گئی ہیں وہاں اللہ نے انہیں ان کی دعاؤں کے بدلے میں قربانی کا بکرا دے دیا ہوگا ناں......؟'' اتنا کہہ کر اس نے میرے بازو کو کھینچ کر دوبارہ کہا۔

''اب ہمارا بکرا تو امی کے پاس ہے...... وہ وہاں ہمارا انتظار کر رہی ہوں گی...... تم بتاؤ اب تم، طلحہ، ابو اور میں کب مریں گے؟''

اس کی سوچ کے حساب سے اس کا سوال درست تھا مگر میں اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے پھٹی پھٹی نظروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے خود کو یہ سوچنے سے روک نہیں پا رہی تھی...... کہ آخر دکھائی نہ دینے والی یہ خواہشات انسان کی روح میں اس قدر اندر تک پنجے گاڑ کر اس طرح کیوں براجمان ہو جاتی ہیں کہ پھر ان کی تکمیل کی خواہش میں انسان خود اپنی ہستی تک کو مٹا ڈالنے کے درپے ہو جاتا ہے۔

اور ہستی کے اس مٹانے کے عمل کا ذمے دار کون تھا؟ خود خواہش کرنے والا نادان انسان یا زمانے کی بے حسی۔

بیٹی اور بیٹی

ام ثمامہ



''اماں میں نے ٹیوشن کے پیسوں میں سے کچھ رقم جمع کی ہے'' بچوں کا ہاتھ پکڑ، پکڑ کر انہیں اے بی سی لکھاتی آمنہ نے دبی زبان میں اماں کو کہا۔

''تو کیا کرنا ہے؟'' سلائی کرتی اماں نے چشمے میں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''اماں وہ اس دن جو ہم نے بازار میں گلابی جوڑا دیکھا تھا ناں..... مجھے وہ لینا ہے۔'' آمنہ نے دھیرے سے کہا۔ اماں غصے کی بہت تیز تھیں ایسے میں اسے ان سے ڈر لگتا تھا۔

''ہاں لے آنا.....'' خلافِ توقع جواب ہاں میں تھا۔

''سچ اماں تم بہت اچھی ہو، میں اپنی کالج کی عید ملن پارٹی پر وہ گلابی سوٹ ہی پہنوں گی۔'' آمنہ نے گود میں بیٹھی گول مٹول سی بچی کو پیار کرتے ہوئے خوش ہو کر کہا۔

''میں نے کہا ہے سوٹ لے لینا، یہ نہیں کہا کہ

سلوا کر پہن بھی لینا۔" سرد مہری سی آواز نے آمنہ کی خوشی پر منوں پانی ڈال دیا۔

"اتنا اچھا اور مہنگا سوٹ تم یہاں پہن کر کیا کروگی...... لے کر پیٹی میں رکھ لینا۔" آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے آمنہ نے برآمدے میں پڑی بڑی ساری لوہے کی پیٹی کو دیکھا اور جلدی، جلدی بے دلی سے بچوں کو ڈائریاں کروانے لگی۔

☆☆☆

"آمنہ کے ابا آج اسٹور سے ذرا آدھی چھٹی لے کر آجانا۔"

"جو حکم سرکار، ویسے جلدی بلانے کی کوئی خاص وجہ......؟" ابا نے ذرا جھک کر مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔

"آئے ہائے اس عمر میں سٹھیا گئے کیا، ہر وقت کے چونچلے اچھے نہیں لگتے سعد صاحب' بچی جوان ہوگئی ہے...... اب اس کی فکر کریں......" اماں نے اچھا خاصا لتاڑ دیا، ابا بیچارے سٹپٹا کر رہ گئے۔

"گھر کے خرچ اور سلائی کے پیسوں سے خالدہ باجی کے یہاں ایک کمیٹی ڈالی تھی۔ اس دفعہ میرا نمبر ہے اور دوپہر تک وہ مجھے رقم دے دیں گی تو ذرا بازار جا کر کچھ سامان لے آئیں گے۔ مہنگائی روز بروز بڑھتی جارہی ہے، چار چیزیں جڑی رکھی ہوں گی تو کام آئیں گی۔" اماں حسبِ عادت بولے چلی جارہی تھیں۔

"ٹھیک ہے نیک بخت تیار رہنا، میں دوپہر تک چھٹی لے کر آجاؤں گا۔ آج کل بیماریاں اس قدر بڑھ گئی ہیں کہ اسٹور پر ہر وقت بھیڑ لگی رہتی ہے۔ چلو اللہ مالک ہے، یہ کام بھی ضروری ہے میں اسحاق بھائی سے کہوں گا تو وہ چھٹی دے دیں گے۔" ابا بڑبڑاتے ہوئے گھر کی دہلیز پار کر گئے۔

☆☆☆

آمنہ باورچی خانے میں برتن دھورہی تھی، بے اختیار اس کی آنکھوں سے دو شفاف قطرے صابن اور میلے پانی کے جھاگ میں گر کے گم ہوگئے...... بیٹی کے ماں، باپ کو کتنی مشقت کرنی پڑتی ہے، اسے بیاہنے کے لیے کاش یہ رسم و رواج نہ ہوتے تو کس قدر آسانی ہوتی۔

ابا ایک میڈیکل اسٹور پر کام کرتے تھے، اماں نے ساری جوانی سلائی مشین کے آگے بیٹھ کر گزار دی، چھوٹا سا مکان تھا پرانے وقتوں کا...... دادا نے بنوایا تھا۔ بجلی، گیس' پانی کے بل، راشن...... اماں بہت سینت' سینت کر خرچ کرتی تھیں۔

انہیں جب جہاں موقع ملتا وہ پیسے جوڑ کر کوئی نہ کوئی چھوٹی موٹی چیز آمنہ کے لیے لے کر رکھ لیتیں اور پیٹی میں ڈال دیتیں۔

"آمنہ......" اماں کی آواز گونجی۔

"جی اماں......!" ہاتھ ذرا جلدی، جلدی چلنے لگے۔

"برتن دھو کر جلدی باہر آجا، میں نے پرچی پر سامان لکھوانا ہے' سامان لکھا رکھا ہو تو آسانی ہوتی ہے اور پھر اپنے ابا کا پتا ہے ناں کتنی جلدی مچاتے ہیں اور کوئی انہیں سمجھائے یہ چیزیں ذرا چھان پھٹک کر لی جاتی ہیں۔ کولر، استری، بھگونوں کا سیٹ، جوسر، پنکھا۔ آٹھ عدد مردانہ جوڑے، آٹھ عدد زنانہ جوڑے۔ ایک عدد چٹائی۔" اماں لسٹ لکھواتی جارہی تھیں اور لکھتے آمنہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ اگر ان پیسوں سے اماں واشنگ مشین منگوالیتیں تو دونوں ماں، بیٹی کو کتنی سہولت ہوجاتی۔ گرمی، سردی ہاتھ سے کپڑے دھونے پڑتے ہیں مگر اماں سے کہتا کون ان کی اپنی نرالی منطقیں تھیں۔

"ہاں، موئی مشین منگوالو اور پھر بجلی تو سارا، سارا دن آنی نہیں، صابن پانی ڈال کر سارا دن انتظار کرتے رہو، ہاتھ کا کیا ہے اِدھر بھگوئے اُدھر دھوئے اور تاروں پر پھیلا دیے۔"

"اماں جہیز دینا ضروری ہوتا ہے کیا؟" واشنگ مشین کے بارے میں سوچتے، سوچتے آمنہ کے منہ سے اچانک نکل گیا۔ اماں نے گھور کر اسے دیکھا۔ انہیں لڑکیوں کا یوں سوال کرنا پسند نہیں تھا۔ آمنہ نے گھبرا کر سر نیچے کیا کاپی پر قلم کی نوک رکھی اور اگلے لفظ کا انتظار کرنے لگی۔

تھوڑی دیر خاموشی چھائی رہی اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔

اماں اپنے چشمے کو اتار کر آنکھوں میں آئی نمی کو صاف کر رہی تھیں۔

''اماں میں نے ایسا کیا کہہ دیا کہ آپ رونے ہی لگیں؟'' آمنہ سچ میں پریشان ہو کر اماں کے پاس ہوگئی۔

''ہاں بیٹی، جہیز دینا ضروری ہوتا ہے۔'' اماں کی آواز دور سے آتی محسوس ہوئی۔

نظریں سامنے رکھی سلائی مشین پر جمی ہوئی تھیں مگر صاف محسوس ہو رہا تھا کہ نگاہوں کے سامنے اس وقت منظر کوئی اور ہی ہے۔

''اللہ جنت نصیب کرے ہماری اماں کو وہ بس سیدھی سادی، ان پڑھ گھریلو عورت تھیں۔ زیادہ چالاکی یا سلیقہ نہیں تھا ان میں، کھایا پیا اور سو گئے۔ ہم تین بہنیں تھیں وقت رکتا نہیں گزر جاتا ہے۔ اور ہم تینوں جوان ہوگئیں تو اماں، ابا کو شادی کی فکر ہوئی۔ کہیں بات چلی اور سب کچھ ٹھیک لگا تو اماں نے میری اور مجھ سے چھوٹی بہن کے لیے ہاں کردی۔ پرانے زمانے میں سیدھے اور سچے لوگ ہوتے تھے اس لیے رشتے کے لیے اتنی تگ و دو نہیں کرنی پڑتی تھی۔ سب کا کردار سب کے سامنے ہوتا تھا۔ چیزوں کو باتوں کی رنگ برنگی پنیوں میں لپیٹ کر چھپایا نہیں جاتا تھا۔ صورت سے زیادہ سیرت کو اہمیت دی جاتی تھی بس ایسے ہی تھوڑے دنوں میں نکاح کی تاریخ دے دی۔ ابا کی گاؤں میں چھوٹی سی دکان تھی، اماں چند دن میں چند جوڑے ہی بنا پائیں اور ہمیں خالی ہاتھ رخصت کردیا۔ حالانکہ اگر وہ سمجھ بوجھ سے کام لیتیں تو ہمارے بچپن سے ہی کچھ نہ کچھ جمع کرلیتیں تو کام ہی آجاتا۔ سسرال میں خالی ہاتھ جانا عذاب مسلسل بن گیا۔ اور پتا ہے آمنہ زندگی کے ہر موڑ پر سسرال والوں کا یہ طعنہ کہ تم تو خالی ہاتھ آئی تھیں، میرے لیے عذاب بن گیا۔ ساس، نندیں کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھیں۔ وہ تو تمہارے ابا اچھے تھے عمر گزر گئی، اب اللہ کا دیا کافی کچھ ہے..... لیکن جب تم پیدا ہوئیں تو میں نے اپنے آپ سے عہد کیا تھا کہ میں اپنی بیٹی کے لیے ڈھیرے، ڈھیرے سب جوڑ کر رکھوں گی ایسے خالی ہاتھ ہرگز رخصت نہیں کروں گی۔'' آمنہ حیرت سے اماں کی باتیں سن رہی تھیں اتنا زیادہ تو وہ کبھی نہیں بولی تھیں۔

''اور پھر تمہاری پیدائش پر جو بھی خرچی ملی میں نے اس سے یہ پیٹی خرید لی اور آج سترہ سال سے اس میں سامان اکھٹا کر رہی ہوں تاکہ میری بیٹی بھرے ہاتھوں سسرال جائے اور اسے کوئی کچھ کہنے والا نہیں ہو۔'' انہوں نے بات کرتے ہوئے ٹھنڈی سانس بھری۔

''ارے میں بھی کن باتوں میں لگ گئی جلدی سے روٹی پکالے، تیرے ابا آتے ہی ہوں گے۔ میں بھی پرلے محلے والی باجی کا سوٹ مکمل کرلوں، پرسوں ان کے یہاں میلاد ہے تو یہ نیا سفید سوٹ ہی وہ پہنے گی میلاد میں۔'' اماں نے سر جھکا لیا اور مشین کا پہیا اپنی مخصوص رفتار سے چلنے لگا۔

☆☆☆

''اماں آج تو میں رس ملائی یا گاجر کا حلوا کھاؤں گی.....'' آمنہ نے ڈھیرے سے اماں سے فرمائش کی۔ اسے میٹھا بہت پسند تھا مگر گھر میں عید کے سوا کبھی نہیں بنتا تھا بقول اماں کے یہ فضول خرچی تھی۔ دو وقت کی روٹی مل رہی ہے، شکر ادا کرو۔

آج آمنہ کا رزلٹ آیا تھا، وہ فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوئی تھی اور محلے کے ایک اسکول میں اسے نوکری بھی مل گئی تھی۔

''ارے نیک بخت لاؤ پیسے، میں اسے بازار سے اس کی من پسند چیز لا دیتا ہوں.....'' ابا نے اخبار کو تہ کر کے کہا جو وہ سامنے والے چچا سے لا کر کبھی، کبھی پڑھ لیتے تھے۔

''ارے آپ بھی کس کی باتوں میں آرہے ہیں، دو گھڑی کا زبان کا چسکارا ہے، پتا بھی ہے ان دونوں چیزوں کے کیا ریٹ ہیں، شوق بھی نوابی ہیں محترمہ کے۔'' اماں نے آنکھیں نکالیں۔

''اگلے ماہ تنخواہ ملے گی اس میں سے کھالینا جو کھانا ہو۔ تمہارے ابا کی تنخواہ اور میری سلائی سے تو بل، گھر کا خرچہ اور کمیٹی کے پیسے ہی پورے نہیں پڑتے۔ سردی جانے والی ہے وہ جو تمہارے لیے رضائیاں اور گدے

بنوانے دیے ہیں وہ بھی اٹھانے ہیں، دکان سے آگے پیچھے ہوگئے تو اتنا اچھا اور پائیدار کپڑا بھی ہاتھوں سے جائے گا کن وقتوں کا لیا تھا۔ اس دن میں بازار گئی ویسا کپڑا وہ بھی نقلی دس گنا زیادہ مہنگا بتار ہا تھا کم بخت دکاندار...... ہاں بلکہ شام تک میرے ساتھ پیٹی کی ترتیب تھوڑی ٹھیک کروانا تاکہ بستروں کی جگہ بن سکے۔''

آمنہ بہت فرمانبردار اور ٹھنڈی طبیعت کی تھی مگر جانے اب کیوں اسے برآمدے میں رکھی لوہے کی بدرنگ پیٹی سے چڑ ہونے لگی تھی۔ بچپن سے لے کر اب تک کی کتنی خواہشیں اور خوشیاں اس بھدی سی پیٹی میں بند تھیں اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ اسے اٹھا کر پھینک دے۔

وہ منہ بناتی کمرے میں اپنا پرانا لینن کا سوٹ استری کرنے چل دی۔ وہ استری پھیر کر کچھ قابلِ قبول ہو جاتا تھا، کل اس کا اسکول میں پہلا دن تھا وہ ذرا اہتمام سے جانا چاہتی تھی۔ الماری کھول کر جوتے نکالے، ان کا اسٹریس ایلفی سے جوڑا پرس کی زپ کو ٹھیک کرتے آمنہ کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

☆☆☆

''ارے بہن بہت اچھا رشتہ ہے، بچہ بھی قابل ہے، سرکاری نوکری ہے۔ اور سب سے بڑھ کر تیرے میرے جیسے شریف لوگ ہیں...... سوچ لو میرا کیا ہے، ایک گھر سے دوسرے، دوسرے سے تیسرے تم سے محلے داری بھی ہے اور آمنہ میری بچیوں جیسی ہے اس لیے ...... پہلے تمہارے پاس آئی۔ سچ پچھلے سال انعم کی منگنی ہوگئی ورنہ میں آنکھیں بند کر کے اپنی انعم کا ہاتھ تھما دیتی۔''

دو گھر چھوڑ کر خالہ کوثر رہتی تھیں۔ رشتوں کی بات کرواتی تھیں اماں نے ان سے کہہ رکھا تھا۔

''ٹھیک ہے، کوثر رات کو آمنہ کے ابا گھر آئیں تو ان سے بات کرلوں پھر تم ان لوگوں کو لے آنا۔''

باورچی خانے میں چائے بناتی آمنہ کا دل زور، زور سے دھڑک رہا تھا۔ آئے دن کوئی نہ کوئی رشتہ آجاتا تھا مگر بات ابھی تک نہیں بنی تھی۔ کپ میں چائے ڈالتے ہوئے آمنہ مسلسل آنے والے وقت اور اس شخص کے بارے میں سوچ رہی تھی جس سے اس کا نصیب جوڑا جا رہا تھا۔

''اور ہاں آمنہ اب بیس کی ہوگئی ہے یہی دو تین سال ہوتے ہیں، بیٹی کو رخصت کرنے کے ورنہ بعد میں تو مشکل ہو جاتی ہے۔'' چائے پیتے ہوئے کوثر خالہ نے اماں سے کہا جو قمیص کی ترپائی کر رہی تھیں۔

''تھوڑی چھان پھٹک کروالو بلکہ میں تو کہہ رہی ہوں کہ میں برسوں سے انہیں جانتی ہوں یہاں کمیشن کا معاملہ تو ہے نہیں کہ میں غلط بیانی کروں۔ راج کرے گی اپنی آمنہ اور دعائیں دے گی اپنی کوثر خالہ کو...... اور ہاں تم نے کچھ جوڑ جاڑ کر بھی رکھا ہے۔'' کوثر خالہ نے رازداری سے پوچھا۔

''ہاں آپا اللہ کا کرم ہے۔ میں نے جب سے یہ پیدا ہوئی تھی سامان جوڑنا شروع کر دیا تھا۔ میرے پاس آمنہ کے ابا کے دیے سونے کے جھمکے ہیں وہ بھی میں نے اس کے لیے رکھ چھوڑے ہیں۔'' اماں نے مطمئن اور مسرور نظروں سے پیٹی کی طرف دیکھا۔ دروازے پر کھڑی اماں، خالہ سے باتیں کر رہی تھیں اور آمنہ بچوں کی کاپیاں چیک کر رہی تھی۔

آناً فاناً تھوڑے دنوں میں رشتہ طے ہوگیا کچھ لوگوں سے پتا بھی کرا لیا تھا۔ سب نے واجد کی تعریف کی تھی اور تین مہینے بعد شادی کی تاریخ بھی طے کردی تھی کہ واجد سے چھوٹے بھائی ماجد کی ماموں کے گھر منگنی تھی اور ماموں بیمار تھے اس لیے وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے۔ وقت گزرتے پتا ہی نہیں چلا۔ ابا نے اسٹور کے مالک سے کچھ قرض لیا، سامان جمع کرنے پر سب نے اماں کی تعریفیں کیں اور سارا سامان پرانی پیٹی سے نئی پیٹی میں شفٹ ہو کر فرنیچر کے ساتھ سسرال شفٹ ہوگیا اور یوں آمنہ پیا دیس سدھار گئی۔

☆☆☆

''ارے بڑی بہو ذرا اپنا چوپر تو نکالنا، عائشہ نے کبابوں کا مسالا پیسنا ہے واجد کے ابا تو جو چوپر لائے تھے اس میں قیمہ، پستا ہی نہیں ہے۔''

چاول صاف کرتی آمنہ ''جی امی'' کہہ کر اوپر چھت پر رکھی پیٹی میں سے چوپر نکالنے چل دی۔

نیچے گھر میں تین کمرے تھے ایک آمنہ اور واجد کا دوسرا عائشہ اور ماجد کا اور تیسرا ان کے امی ابو کے استعمال میں تھا تیسرے نمبر کا دیور بیچارا برآمدے میں بستر لگا کر سوتا تھا۔

اس لیے جہاں انسانوں کے لیے جگہ نہیں تھی وہاں پیٹی کہاں آنی تھی۔ اس لیے اماں کی دی ہوئی اصلی لوہے کی چادر والی پیٹی اوپر چھت پر دھوپ میں پڑی اپنی قسمت کو رو رہی تھی۔ بس اس کے اوپر پلاسٹک ڈال دیا گیا تھا۔ آمنہ نے پیٹی پر لگا تالا کھولا اور کافی دیر کی اُٹھا پٹخ کے بعد چوپر کا ڈبا برآمد کر لیا۔ ڈبا ہی اس قدر پرانا اور میلا ہو چکا تھا کہ چند لمحے کو وہ شرمندہ سی ہو گئی۔ اتنے عرصے پیٹی میں سامان.... پڑا رہنے کی وجہ سے وہ بالکل بھی نیا نہیں لگ رہا تھا۔

مگر سیل تو لگی ہوئی تھی اس نے یہ سوچ کر دل کو تسلی دی۔ کوئی اسے سیکنڈ ہینڈ نہیں سمجھے گا۔ سامان کو ترتیب سے رکھ کر واپس تالا لگانے تک میں جھکے، جھکے اس کی کمر دہری ہو گئی۔ آمنہ نے کمر پر ہاتھ رکھ کر ایک لمبی سی سانس لی اور ڈبا لے کر سیڑھیاں اترنے لگی۔

آج گھر میں بڑی نند کلثوم اور ان کے سسرالیوں کی دعوت تھی۔ بڑی فیملی تھی کل پندرہ افراد تھے اور سات، آٹھ ان کے اپنے تو کھانا اس مقدار میں پک رہا تھا، وہ اور عائشہ صبح سے ہی کام میں جتی ہوئی تھیں۔ مگر بھانجی ہونے کا اسے پورا، پورا فائدہ تھا۔ اماں زیادہ تر کام آمنہ سے کہتیں وہ بلا کسی حیل وحجت کے مان لیتی کیونکہ اماں نے بات ماننا، بڑوں کے آگے ایک لفظ نہ کہنا تو اس کی گھٹی میں اسے پلا دیا تھا۔

''اے ہے بہو، یہ کس زمانے کا چوپر ہے؟ اس میں تو صرف جوس والا جگ ہی ہے اس میں تو قیمہ نہیں پسے گا۔'' اماں نے ڈبا کھولتے ہی دہائی دی۔

''ارے بھابی آج کل تو اتنے جوسر آ رہے ہیں جن کے ساتھ چوپر، بلینڈر سب آتا ہے۔'' چھوٹا دیور ڈبا الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا ساتھ میں تبصرہ بھی جاری تھا۔

''ارے عائشہ بیٹا تم نکال لاؤ، خواہ مخواہ اتنا ٹائم ضائع کیا۔'' اماں منہ بگاڑ کر بڑبڑائیں۔

آمنہ شرمندہ، شرمندہ کبھی ڈبے اور کبھی ساس کے منہ کی طرف دیکھتی اسے تو خود پتا نہیں تھا کہ اماں نے یہ کب لیا تھا اور اس کے اندر کیا، کیا تھا۔

کیونکہ گھر میں اماں جب بھی کوئی چیز لاتیں فوراً ہی پیٹی میں ڈال دیتی تھیں۔ کبھی اسے دکھانے یا پوچھنے کی زحمت ہی نہیں کی ابا تو ویسے ہی کچھ نہیں کہتے تھے اور آمنہ کو بھی اپنی پڑھائی اور پڑھانے سے فرصت نہیں تھی۔ پیٹی تو ویسے ہی اسے اپنی دشمن لگتی تھی اس لیے وہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی تھی۔

☆☆☆

شام کے سائے منڈیروں پر ڈیرے جمانے لگے تو چڑیوں نے واپسی کی تیاری کر لی۔ آنگن میں لگی رات کی رانی کی کلیاں ابھی محوِ خواب تھیں۔ آمنہ نے صحن میں رکھے کونڈوں میں دانہ پانی ڈالا...... گھڑی کی طرف نظر پڑی تو اس کی سوئیاں چھ کے ہندسے کی طرف دوڑ رہی تھیں وہ جلدی سے اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

گھر والے کسی عزیز کے گھر گئے تھے حسن نے اسے فون کیا تھا کہ وہ تیار رہے آج کہیں باہر کھانا کھانے چلیں گے۔

کافی دن سے اس کی طبیعت عجیب سی ہو رہی تھی۔ ساس قریبی ڈاکٹر کے پاس لے گئیں جس نے اس کے امید سے ہونے کی تصدیق کر دی تھی۔

گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کیونکہ پچیس سال بعد گھر میں کوئی ننھا مہمان آنا تھا اور آج کی دعوت بھی حسن کی طرف سے اسی خوشی میں تھی۔ باہر کھانا کھانے کا موقع بھی کافی عرصے بعد آیا تھا ورنہ وہ صبح سے شام تک گھر کے کاموں اور حسن آفس کے کاموں میں اتنا مصروف ہوتا کہ ایسا کوئی پروگرام بن ہی نہیں پاتا تھا۔

آمنہ نے چوٹی میں بل ڈالے، آنکھوں میں کاجل کی دھار کھینچی اور ہلکی سی لپ اسٹک لگا کر تیار ہو گئی۔

اتنی سی تیاری میں وہ بہت پیاری لگتی تھی کیونکہ اماں نے شادی سے پہلے اسے کبھی کچھ لگانے نہیں دیا تھا

اس لیے اس کی جلد بہت نرم اور شفاف تھی۔ موٹر سائیکل کے ہارن کی آواز پر آئینے پر الوداعی نگاہ ڈالی اور دروازہ کھولنے چل دی۔

☆☆☆

''بھابی آپ کی استری کہاں ہے، مجھے اپنی شرٹ استری کرنی ہے۔'' چھوٹے دیور نے کمرے میں آکر آواز لگائی، آمنہ تسبیح پڑھ رہی تھی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''وہ اماں والی استری بابا آدم کے زمانے کی تھی اور اب آخری سانسوں پر تھی کل رات رحلت فرما گئی۔'' اس نے خود ہی وضاحت دی کیونکہ آمنہ کی تو کچھ پوچھنے کی عادت ہی نہیں تھی۔

آمنہ کی ساس نے بھی صحیح موقع پر بیٹوں کی شادی کی تھی جب گھر کا تقریباً سارا سامان جواب دے چکا تھا یا دینے والا تھا۔

اماں کے کہنے پر آمنہ اور عائشہ نے اپنی، اپنی استریاں کھول کر اپنے کمروں میں رکھ لی تھیں۔ ضرورت پڑنے پر استعمال کر لیتی تھیں...... عائشہ کو ذرا دیر سے اٹھنے کی عادی تھی مگر آمنہ شروع سے ہی نماز پڑھ کر اذکار اور تلاوت کی عادی تھی۔ سو چھوٹا دیور اس کے کمرے میں چلا آیا تھا اسے کالج ٹرپ پر جانا تھا۔ اس کی ساس نے اپنے بیٹوں کی تربیت کافی سختی سے کی تھی، وہ اپنے کام زیادہ تر خود کرنے کے عادی تھے۔

''ارے بھابی اس میں کیا پتھر بھرے ہیں؟'' چھوٹا دیور زیادہ تر اماں کے قریب رہا تھا اس لیے اس میں کافی ساری زنانہ خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں۔

''یہ تو بہت بھاری ہے، عائشہ بھابی کی استری اتنی ہلکی ہے اور مزے کی بات کہ اس میں سے تو پانی کا اسپرے بھی ہوتا ہے۔ آپ کا تو سارا سامان بہت ہی پرانا اور آؤٹ آف فیشن ہے آپ نے اپنی شاپنگ خود نہیں کی تھی؟'' کالر کا بٹن بند کرتا وہ سوال پر سوال پوچھ رہا تھا اور آمنہ ہمیشہ کی طرح خاموش تھی۔

''سچی میرے تو ہاتھ دکھ گئے آپ کی ہمت ہے بھابی جو بھائی کے اتنے کپڑے اس سے استری کرتی ہیں۔''

نصیحت

ایک لڑکی کی منگنی ہوئی تو ایک خاتون نے اسے نصیحت کی۔ ''تمہیں شوہر سے اپنے حقوق کا پہلے ہی دن مطالبہ کر دینا چاہیے۔ میری طرف دیکھو بیس سال قبل ہماری شادی ہوئی تھی تو میں نے اپنے شوہر سے کہا تھا کہ وہ شراب نوشی اور تمبا کو نوشی فوراً ترک کر دے۔''

''تو کیا آپ کے شوہر نے یہ عادتیں ترک کر دی تھیں؟'' لڑکی نے پوچھا۔ ''مجھے نہیں معلوم۔'' خاتون نے کہا۔

''میں نے اسے بیس سال سے نہیں دیکھا ہے۔''

مرسلہ...... غزالہ طارق، سرگودھا

دیور کے کمرے سے باہر جانے کے بعد آمنہ نے استری سمیٹ کر رکھ دی۔ استری کی طرح اس کا دل بھی گرم لو دینے لگا تو آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے......

اماں کا دیا ہوا سامان تعداد میں تو زیادہ تھا مگر پرانے وقتوں کا...... عائشہ تھوڑا سا سامان لائی تھی مگر ساری چیزیں بے حد جدید اور کار آمد تھیں۔

اماں کے دیے جوڑے بھی جوں کہ توں رکھے تھے اصل جاپانی مگر آج کل تو چائنا کا دور تھا اور ان جوڑوں میں فنائل کی گولیوں کی خوشبو اس قدر بس گئی تھی کہ سب نے دیکھ کر ناک بھوں چڑھا کر اس کے بیڈ پر ہی واپس رکھ دیے تھے اور اس نے تھکے وجود کے ساتھ پیٹی میں واپس۔

آمنہ نے دکھتے دل سے چھت پر رکھی سامان سے بھری اصلی لوہے کی بھدی سی پیٹی کے بارے میں سوچا جس میں اس کی کتنی ننھی، ننھی خواہشیں اور حسرتیں دفن تھیں۔

''چلو آمنہ میں تمہیں اماں کی طرف چھوڑ دوں۔'' حسن آفس جانے کے لیے تیار کھڑے تھے تو اسے اداس دیکھ کر آواز دے ڈالی۔

''مگر اماں......؟''

''ان سے میں نے رات کو ہی پوچھ لیا تھا، رات کو تمہارے ابا کا فون آیا تھا کہ وہ اداس ہو رہے ہیں۔'' وہ اماں، ابا سے ملنے کی خوشی میں ساری باتیں بھول کر ناشتا بنانے چل دی۔

☆☆☆

سردیاں جانے والی تھیں اور ابا رات کو اسٹور سے آتے ہوئے آمنہ کے لیے مونگ پھلی، تل کے لڈو اور گاجر کا حلوا لیتے آئے تھے۔ ابا نے حسن کو فون کر دیا تھا کہ وہ رات کو آمنہ کو اپنے پاس رکھیں گے اور صبح خود چھوڑ جائیں گے۔

''ارے آپ بھی ناں کوئی چیز لے آتے۔ پتا بھی ہے اتنی مہنگائی ہے اور اب خیر سے نئے مہمان کی تیاری کرنی ہے۔''

''ہو جائے گا نیک بخت۔'' ابا بولے۔

''دن ہی کتنے رہ گئے ہیں، اللہ خیر کا وقت لائے میں نے تو یہ خبر سنتے ہی کمیٹی ڈال دی تھی۔ بس کچھ دنوں میں نکلنے والی ہے تو بازار جا کر سارا سامان لے آؤں گی۔'' مونگ پھلی چھیلتے ہوئے آمنہ کے ہاتھ اِک لمحے کے لیے رکے اس نے دکھی نظروں سے اپنی ماں کو بولتے دیکھا اور سنا۔

''اماں جب سامان لینے جائیں تو مجھے بلا لیجیے گا، میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔'' اس نے دبے لہجے میں کہا۔

''ہائے، ہائے دماغ پھرا ہے کیا...... ان حالوں میں بازاروں میں گھومتی پھرو گی۔ سال بھر میں اتنی بڑی ہو گئی کہ اب میں تیرے مشوروں پر چلوں گی۔ شادی پر دیکھا تھا اتنا سامان دیکھ کر سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ سارا صحن، برآمدہ بھر گیا تھا اتنا سامان نکلا تھا پیٹی سے۔'' اماں فخر سے پیٹی کو یاد کرنے لگیں۔

''مگر اماں چلیں، ہم بعد میں سامان لے لیں گے، آپ کے پاس ایک مہینہ تو رکنا ہی ہو گا ناں مجھے......'' آواز کافی مدھم تھی، اماں ناراض سی کھانا لگانے چل دیں۔ اور ابا ان کا دل بہلانے لگے۔

اب وہ اماں کو کیا بتاتی کہ آپ کا اتنی مقدار میں دیا گیا فرسودہ سامان اسے سسرال میں کس طرح قدم قدم پر ذلیل کرتا ہے۔

تھوڑی دیر میں اماں بھی اپنی ناراضی بھول بھال کے اس کے پاس آ بیٹھیں، آخر ماں تھیں۔ ابا کھانا کھانے کے بعد سونے چل دیے تھے اور اماں اسے آنے والے وقت کے بارے میں سمجھانے لگیں۔ کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے اماں کے پاس معلومات کا ایک خزانہ تھا اور پھر باتیں کرتے، کرتے اتنی رات ڈھل گئی کہ ماں، بٹی کو پتا ہی نہیں چلا...... وہ بھی سونے کی تیاریاں کرنے لگی۔ آخری پہر کے تارے اب اپنی ڈیوٹی سنبھالنے والے تھے، چاند بھی بادلوں کی اوٹ سے جھانک کر دیکھ لیتا نیند اور رات کی خاموشی سارے آنگن میں پھیل رہی تھی۔

☆☆☆

آج صبح سے ہی آمنہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، دو دن پہلے احسن اسے اماں، ابا کے پاس چھوڑ گئے تھے کہ رواج کے مطابق پہلا بچہ میکے میں ہی ہونا تھا۔ آج اماں نے ابا کی چھٹی کروائی تھی کہ شاید کسی بھی وقت اسپتال جانا پڑ جائے۔

''آمنہ کے ابا جلدی سے ٹیکسی لے آؤ۔'' ابا اخبار پڑھ رہے تھے کہ اماں... بوکھلائی ہوئی کمرے سے برآمد ہوئیں۔ وہ جلدی سے ایک چھوٹے سے بیگ میں ضرورت کی چیزیں رکھنے لگیں۔ اندر ہی اندر تکلیف کو برداشت کرتی آمنہ سورۂ مریم پڑھ رہی تھی بقول اماں کے آخری وقت میں سورۂ مریم کی تلاوت آسانی پیدا کر دیتی ہے۔

پاس ہی ایک میٹرنٹی ہوم تھا۔ اماں، آمنہ کو وہاں لے آئیں تھیں ان ڈاکٹرنی صاحبہ کا نام اور کام سارے علاقے میں مشہور تھا۔ وہ دو تین بار پہلے بھی آمنہ کو یہاں چیک اپ کے لیے لائی تھیں۔ ڈاکٹر صاحبہ عادت کی بھی بہت اچھی تھیں۔

''مبارک ہو خالہ آپ نانی بن گئی ہیں...... اللہ کی رحمت آئی ہے، نواسی ہوئی ہے اب جلدی سے مٹھائی کھلائیں۔'' نرس نے دانت نکالتے ہوئے مبارک باد دی اور ساتھ میں مٹھائی کا مطالبہ بھی کر دیا۔

"ہاں، ہاں مٹھائی بہت، ماں، بچی دونوں ٹھیک ہیں ناں۔" اماں نے فکر سے پوچھا۔

"ہاں، ہاں خالہ زچہ، بچہ دونوں ٹھیک ہیں ابھی ڈاکٹر صاحبہ باہر آئیں تو آپ سے ملواتی ہوں۔"

اماں جلدی سے باہر برآمدے میں بیٹھے حسن اور آمنہ کے ابا کو یہ خبر سنانے چل دیں۔

آمنہ نے اپنی بیٹی کا نام فاطمہ رکھا تھا۔ بلکہ رکھا کیا تھا پہلے ہی لڑکا اور لڑکی کی مناسبت سے اس کی نند نے نام سوچ لیے تھے۔ بچی آمنہ کی طرح بہت... پیاری تھی۔

ننھیال و ددھیال میں پہلی بچی تھی تو سب کی طرف سے ڈھیروں پیار اور خرچیاں مل رہی تھیں۔

آمنہ کا چلا پورا ہو گیا تھا۔ اور دو دن بعد حسن نے اسے لینے آنا تھا وہ کل ہی اماں کے ساتھ بازار جا کے سامان خرید لائی تھی بالکل جدید، فیشن ایبل اور کارآمد......

"اماں آپ ذرا فاطمہ کو سنبھال لیں، میں تیار ہو جاؤں۔" اس نے بچی کو نہلا، دھلا کر حسبِ روایت باندھ دیا تھا جیسا کہ اماں نے بتایا تھا اور اب بچی اطمینان سے سونے کی تیاریوں میں تھی۔

"آمنہ......!" کمرے کی طرف جاتی اماں نے اسے پکارا۔

"جی اماں......"

"وہ فاطمہ کی اتنی خرچی جمع ہو گئی ہے یوں کرو ایک پیٹی منگوا کر یہیں رکھ چھوڑو...... پھر کچھ نہ کچھ اس میں ڈالتی رہنا، حسن میاں کی آسانی کے حساب سے۔"

آمنہ پلنگ کے کنارے پر ٹک تو گئی تھی مگر اس نے اماں کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"تیرے گھر میں تو جگہ نہیں ہے اور میں بھی حسبِ توفیق جو اکٹھا ہوتا گیا لے کر اس میں ڈالتی رہوں گی، ہمارا تیرے اور اس کے سوا ہے کون جو ہم اکٹھا کریں۔" وہ ٹکر ٹکر ماں کو دیکھے جا رہی تھی۔

"کیا بات ہے گونگے کا گڑ کھا کر بیٹھی ہو کیا، تم سے بات کر رہی ہوں میں۔" اماں نے پریشان نظروں سے اس کی طرف دیکھا، آخر وہ لمحہ آن پہنچا تھا جس سے وہ کافی دن سے کترا رہی تھی۔

"نہیں اماں، میں اپنی معصوم بچی کے خواب اور خواہشیں کسی پیٹی میں بند کر کے نہیں رکھوں گی۔ وہ اپنی خوشی اور مرضی سے جیے گی۔ اللہ زندگی دے اس کے باپ کو ان کی اتنی اچھی نوکری ہے، میں انہیں کہوں گی ہر ماہ کچھ نہ کچھ بچا کر اس کے نام سے بینک میں رکھوا دیں۔ اور جب اس کی شادی کا وقت آئے گا تو میں سب سامان اس کی پسند اور وقت کی ضرورت کے مطابق خریدوں گی۔" سوئی فاطمہ کو تھپکتے ہوئے اس نے پیار سے اماں کا ہاتھ دبایا اور تیار ہونے چل دی۔

اس نے اماں کو بتایا کہ جہیز نہ لے جانے پر انہیں ساری عمر جتنے طعنے ملے اس سے زیادہ اسے اس ڈھیر سارے سامان کی وجہ سے شرمندگی اٹھانی پڑی اب خاموش ہونے کی باری اماں کی تھی۔

آئینے کے سامنے کھڑی چوٹی باندھتی آمنہ آج خود کو بہت ہلکا اور مطمئن محسوس کر رہی تھی اس نے سوچ لیا تھا کہ اللہ پاک نے اگر اسے بیٹی دی تو وہ اس کی تربیت بہت دلار سے کرے گی۔ اس کی ہر جائز خواہش کو پورا کرے گی اور اس کے بچپن کو کسی بھدی سی پیٹی میں بند ہونے نہیں دے گی۔

☆☆☆

"ارے بیٹا تم تو ہمارے گھر کی رونق لے کر جا رہے ہو اب ہمارا دل فاطمہ کے بغیر کیسے لگے گا۔" ابا نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا۔

کھانا کھانے بعد وہ اور حسن جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اماں بدستور خاموش تھیں۔

"اور ہاں اماں اب تم اپنے اور ابا کے عمرے پر جانے کے لیے کمیٹی ڈالو، فاطمہ کا فرض تمہارا نہیں......"

دروازے کی دہلیز سے نکلتے ہوئے آمنہ نے اماں کو اِک سمت کا سرا پکڑا دیا تھا اور وہ بھی اپنی بیٹی کی سمجھداری اور صبر پر مطمئن سی دروازے کی کنڈی لگا کر سوچ کے لیے ایک نئے سفر پر چل دی۔

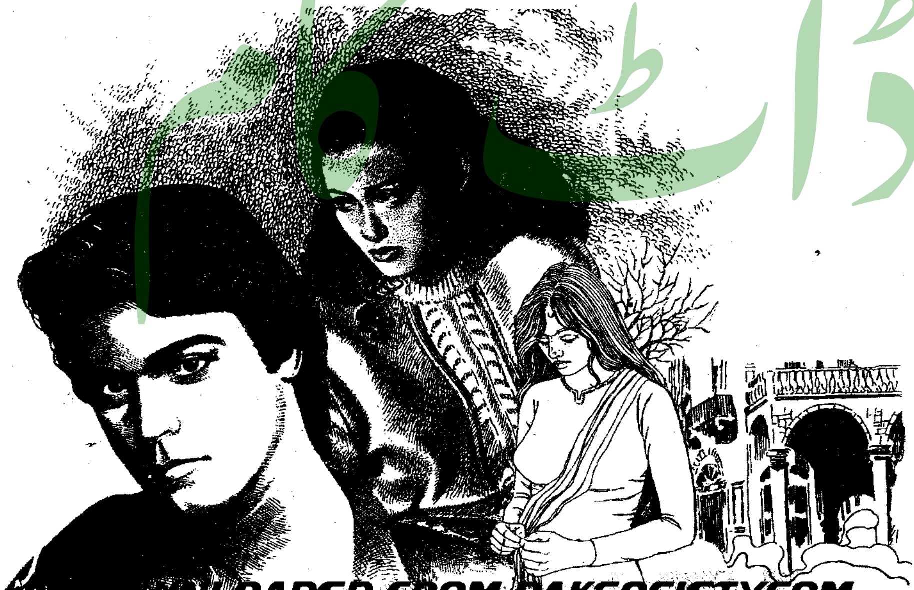
امربیل

شیریں حیدر

قسط 9

تخلیقِ کائنات سے لے کراب تک . . . کئی ادوار بدلے مگر عورت کی کہانی ہر دور میں لگ بھگ وہی رہی ہے ۔اللہ تعالیٰ نے ہمیں رشتوں کی ڈور میں باندھا تو اس کا مقصد یہ تھا کہ ہم اپنی تخلیق کے مقصد کو اور بھی خوب صورت بنائیں مگر اس کے پیدا کردہ دل میں جذبے بھی اسی کے پیدا کردہ تھے۔ محبت ، نفرت، رشک، حسد، رنج، غصہ اور خوشی . . . اب ہم پر منحصر ہوتا ہے کہ ہم کس جذبے کو خود پر حاوی کر لیتے ہیں ، یہ ہماری خصلت بن جاتا ہے اور ہماری کل شخصیت کا خلاصہ . . . یہی ہمارے کردار کی تعمیر کرتا ہے اور ہم اسی کا تاثر دوسروں پر عمر بھر کے لیے چھوڑتے ہیں۔ ہماری عادات صرف ہم پر ہی نہیں بلکہ دوسروں کی زندگیوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔کسی کی زندگی کا سفر کس طرح سہل یا کٹھن ہوتا ہے اس کا انحصار ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اُن کی زندگی کے اہم کردار ہوتے ہیں اور جن کا ہونا یا نہ ہونا اہمیت رکھتا ہے۔ پیدائش سے لے کر اپنی موت تک رشتوں کی ڈور سے بندھے ہوئے کردار زندگی کو ہنس کر گزارتے ہیں یا رو کر، مشقت سے سانس لیتے ہیں یا خوشیوں کے ہنڈولوں میں جھولتے ہوئے اس کا سارا دارومدار ان سے وابستہ رشتوں پر ہوتا ہے۔ وقت بدل جاتے ہیں مگر کہانی وہی رہتی ہے اور اپنی باری سے اس میں مختلف کردار شامل ہوتے رہتے ہیں۔

زندگی کے انہی پیچ وخم اور نشیب وفراز سے نبرد آزما ہوتی ایک چشم کشا تحریر......





ضبط کا حوصلہ نہیں باقی

''امرت گل...... بنت کمال احمد، تمہیں زین جمال ولد جمال احمد کے ساتھ...... تمام گواہان کی موجودگی میں، بعوض حق مہر پانچ لاکھ سکہ رائج الوقت، نکاح قبول ہے؟'' میرے کانوں میں گویا پگھلا ہوا سیسہ انڈیلا جا رہا تھا...... ایک اور لڑکی ماں باپ کی خواہشات پر بلی چڑھائی جا رہی تھی، خاندان کی ساکھ اور باپ کے مان کے نام پر!

''نہیں...... نہیں...... اور نہیں، ہرگز نہیں!'' میں چیخ، چیخ کر کہنا چاہ رہی تھی مگر میرے ایک طرف بیٹھے ہوئے ابو جان اور ان کے ساتھ جمال چاچو، دوسری طرف امو جان جو میرے ساتھ لگی بیٹھی تھیں اور ان کا وجود لرز رہا تھا، ان پر زلزلے کی کیفیت طاری تھی۔ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا ان کے ساتھ، میری زندگی کی خوشیوں کو پہاڑوں کی طرح ریزہ، ریزہ کر کے ہر طرف بکھیر دیا گیا تھا تو اس کا لرزہ تو طاری ہونا چاہیے تھا ناں۔

''ہاں کہو بیٹا......'' ابو جان کا ہاتھ میرے سر پر آن ٹکا تھا۔ ''قاضی صاحب پوچھ رہے ہیں کہ تمہیں یہ نکاح قبول ہے؟''

میں خاموش رہی، نہیں کرنا تھا یہ نکاح قبول مجھے۔ صاف انکار تھا مجھے ابو جان کے اس فیصلے سے جو انہوں نے اپنے مان کے نام پر مجھ پر مسلط کر دیا تھا۔ میں سوچ رہی تھی کہ پچیس، تیس سال پہلے کی پھوپھو مجھ سے بہتر تھیں جنہوں نے اپنی روایات سے بغاوت کر لی تھی...... مگر ہاں، اس لیے کہ ان کے ساتھ ان کا محبوب بہادری کے ساتھ کھڑا تھا۔ میرا طالب و مطلوب تو اس بات کو سن کر ہی میدان چھوڑ کر بھاگ گیا تھا کہ میرے ابو جان نے اس کے رشتے سے انکار کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے کیونکہ بڑی پھوپھو کا یہ عجیب سا مطالبہ تھا کہ میرا رشتہ اگر سرمد کو نہیں دیا گیا تو کامل کو بھی نہیں دیا جائے گا۔

ہاں جمال چاچو کے ہاں رشتہ ہونے پر کسی کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ کیونکہ شاید یہ واحد رشتہ تھا جو جمال چاچو کے ہاں ہونا ممکن تھا اور بقول ابو جان، دادا جان کا کہنا تھا کہ اس رشتے کی وجہ سے جمال چاچو کا اس خاندان سے رشتہ مضبوط رہتا، ان کی اگلی نسل گاؤں سے منسلک رہتی۔ کتنا ضروری تھا جمال چاچو کے خاندان کی اگلی نسل کا اس گاؤں سے منسلک رہنا......! ان کے اپنے بچے تو گاؤں کے ماحول سے دور بھاگتے تھے، مہینوں گاؤں کی شکل بھی نہ دیکھتے تھے، نہ ہی انہیں گاؤں کے رشتے داروں کا علم تھا اور اس سے اگلی نسل کے رابطے گاؤں سے بحال کرنے کے خواب دیکھے جا رہے تھے۔

''کتنا جانتے ہیں ہم سب زین کو امو جان؟'' میں نے ان کے سوال کرنے پر ان سے پوچھا تھا۔ ''کیا اتنا کہ اس سے میرا رشتہ کرنے کی خواہش ابو جان نے پال لی ہے؟''

''ایسا تو ہر رشتے میں ہوتا ہے بیٹا...... جہاں کہیں باہر بھی رشتہ ہوگا تو ہم اس لڑکے کو اتنا ہی یا اس سے بھی کم جانتے ہوں گے۔'' انہوں نے رسان سے کہا۔ ''اور پھر یہ ہماری تمہاری نہیں...... تمہارے دادا جان کی خواہش تھی۔''

''دنیا سے چلے جانے والوں کی خواہشات کیا زندہ انسانوں سے زیادہ اہم ہوتی ہیں؟'' میں سسکی تھی۔

''بیٹا...... تمہارے جمال چاچو تمہیں بہت پیار کرتے ہیں۔ کیا تم اپنے ابو جان کی خواہش، ان کے باپ کی خواہش کو کسی وجہ کے بغیر ٹھکرا دو گی...... کیا تمہیں اس خاندان میں کسی سے بھی رشتہ ہونے پر اعتراض ہے؟''

''ایسا نہیں ہے امو جان......'' میں نے بحث کی۔ ''زین کے علاوہ خاندان میں جو آپشن ہیں ان کو دیکھیں، ابو جان سے بات کریں......'' میں نے کامل کا نام لیے بغیر اُن سے بات کی۔

''تم کامل کے بارے میں کہہ رہی ہو ناں بیٹا؟'' ان کے سوال پر میں خاموش رہی، میں ان سے کیا کہتی۔ وہ اس نازک موڑ پر اپنا مقدمہ لڑنے کے بجائے، میرے ساتھ کھڑا ہونے کے بجائے...... مجھے بتائیے، مجھ سے ملے

بغیر چلا گیا تھا، میں اس سے اور زیادہ کی کیا امید کرتی۔

''میں اسی کی بات کر رہی ہوں امو جان مگر وہ میری خواہش رکھنے کے باوجود یوں چلا گیا' اس نے کوشش ہی نہیں کی۔'' میں نے مایوسی سے کہا۔ ''میں اس کے بارے میں بھلا کس منہ سے بات کروں؟''

''وہ بہت کوشش کر کے...... بہت منت سماجت کر کے...... تمہارے ابو جان کے تقریباً پاؤں پڑ کر کہتا رہا مگر ان تمام بزرگوں نے مل کر نہ صرف اس کی بے عزتی کی بلکہ اسے گھر سے نکال دیا کہ وہ اس باپ کا بیٹا ہے جس نے کئی برس پہلے اس گھر کی عزت کو قدموں تلے روند دیا تھا۔'' امو جان نے کہا۔

''ایسا کس نے کہا؟'' میں حیرت سے منہ کھول کر رہ گئی۔

''تمہارے ابو جان نے اور بڑی پھوپو نے......'' امو جان نے کہا۔ ''حالانکہ حقیقت سب جانتے ہیں، میں نے بہت کوشش کی مگر اس وقت ہوا کا رخ مخالف تھا بیٹا...... اگر تم کوئی بھی قدم اٹھانا چاہو تو میں تمہارا ساتھ دینے کو تیار ہوں، تمہاری دادی جان کی طرح جنہوں نے اندر خانے گل بانو کا نکاح کروا کر اسے خاموشی سے رخصت کر دیا تھا...... اس کے ابا جان اس نکاح میں شریک بھی نہ تھے۔'' اپنی دانست میں وہ میرے سامنے انکشافات کر رہی تھیں مگر دادی جان کی زبانی میں اس ساری کہانی کو سن چکی تھی...... ''تمہارے ابو جان کی خواہش جو بھی ہو، میں نہیں چاہتی کہ تم پر جبر یا زبردستی کی جائے، میں تمہارے ہر فیصلے میں تمہارے ساتھ کھڑی ہوں، مجھے تمہاری خواہش کا احترام ہے......'' میں نے ان کا چہرہ دیکھا اور میرے اندر امید کی کرن جاگی۔ ''میں اسی طرح خاموشی سے تمہارا نکاح کامل کے ساتھ کروا کر تمہیں رخصت کر دوں گی، تم خوش ہو گی تو مجھے سکون ہو گا۔''

''دادی جان نے گل پھپو کو ان کی زندگی کی خوشی تو دلا دی امو جان مگر ان کے ہاتھ کیا آیا، بیٹی کی عمر بھر کی جدائی...... گل پھپو نے اپنی زندگی کا بہترین وقت کتنے ہی رشتوں کے بغیر گزار دیا، وہ ہم سے ملنے کو ترستی رہیں اور ہم بھی اپنی اتنی پیاری پھپو کے پیار سے محروم رہے۔'' میں نے روتے ہوئے کہا۔ ''میں جانتی ہوں کہ دادی جان ان کو کتنا مس کرتی تھیں...... میں جانتی ہوں کہ گل پھپو کی کوئی خوشی مکمل نہیں ہوتی تھی کہ اس میں ان کے اپنے پیارے موجود نہ ہوتے تھے...... اور پھر حاصل کیا ہوا، اتنے سالوں کے بعد بھی ان کے بیٹے کو سب بزرگوں سے یہ سننا پڑا ہے کہ وہ ان ماں، باپ کا بیٹا تھا جو اس خاندان کی اور اپنے ماں' باپ کی عزت کو روند کر چلے گئے تھے۔ میں رشتوں کی ڈور توڑ کر سکون حاصل نہیں کر سکوں گی امو جان...... جو بھی ہو گا اس میں میرے لیے سب کی موجودگی، سب کی رضا اور سب کی خوشی کا ہونا اہم ہے...... کامل چلا گیا ہے مگر میں ابو جان کے سامنے اپنا مقدمہ خود لڑوں گی۔'' میں نے عزم کیا تھا۔

☆☆☆

''کے جی کلاس کے لیے آئندہ سیشن کے لیے، چھٹیوں کے تین مہینوں کے بعد نئی ٹیچر کی ضرورت ہو گی......'' تمام ٹیچرز کی ماہانہ میٹنگ میں پرنسپل نے اعلان کیا۔ ''کیونکہ مس گل بغیر کسی پلاننگ اور پیشگی اطلاع کے پریگننٹ ہو گئی ہیں۔ اگرچہ چند ہفتوں کے بعد، تین ماہ کی چھٹیاں ہو رہی ہیں اور ہمیں کوئی مسئلہ نہیں ہو گا مگر ہمیں نئے سیشن کے لیے ایک اچھی ٹیچر چاہیے ہو گی۔ آپ کے جاننے والوں میں اگر کوئی ہمارے اسکول کے معیار پر پورا اترتی ہو تو آپ اسے انٹرویو کے لیے بلا لیں۔'' انہوں نے تمام ٹیچرز سے کہا تھا۔ کیا ضرورت تھی انہیں میرے بارے میں اتنی وضاحت کرنے کی...... ایسا کہنے کی کہ بغیر کسی پلاننگ کے اور پیشگی اطلاع سے ان کی کیا مراد تھی، مجھے ان کی بات اچھی نہیں لگی تھی مگر میں خاموش رہی۔

''ہاں اگر کوئی پہلے سے تربیت شدہ ٹیچر ملے تو وہ سب سے بہتر ہے کیونکہ مس گل کو ٹیچنگ کا کوئی تجربہ نہیں تھا، انہیں تو ہم نے آن جاب ٹریننگ دی تھی، ہاں جب وہ اس کی اہل ہو گئیں کہ ہم انہیں فخر سے والدین کے سامنے

پیش کرسکیں تو وہ بغیر بتائے......'' مسز عالیہ جلیل نے مزید اضافہ کیا تاکہ میں اچھی طرح شرمندہ ہوسکوں۔ میں اپنی سیٹ پر بل کھا کر رہ گئی۔

''اسکول کے اصولوں کے مطابق تو انہیں اسکول سے اس کی پیشگی اجازت لینا لازم تھی......'' پرنسپل نے پھر بات شروع کی، جانے یہ لوگ خود کو خدا کیوں سمجھ بیٹھی تھیں کہ جس کی اجازت کے بغیر ایک پتا بھی حرکت نہیں کرسکتا۔ میں اپنی سیٹ سے اٹھی، معذرت کی کہ مجھے باتھ روم جانا ہے اور اپنا بیگ اور فائلیں اٹھا کر باہر نکل آئی۔ کھلی فضا میں بیٹھ کر گہری گہری سانسیں لینے لگی، ساتھ ہی ان آنسوؤں کو بہہ جانے دیا جو اس وقت سے قابو میں رکھے ہوئے تھی۔

کیا جرم کردیا تھا میں نے......کیا خطا تھی اس معصوم کی کہ جس کی دنیا میں آنے کی خبر نے سب پر بجلی گرادی تھی۔ کوئی بے بسی سی بے بسی محسوس ہو رہی تھی، ابو جان کے غلط فیصلے نے میری زندگی میں سب کچھ غلط کردیا تھا۔ خود تو وہ سکون میں تھے......ازلی سکون جو کسی کو زندگی میں میسر نہیں آتا۔

☆☆☆

میرے ولیمے سے واپسی کے سفر میں ہی وہ بھیانک حادثہ ہوا تھا جس نے ہم سب سے ابو جان کو چھین لیا تھا۔ امو جان گاڑی کی پچھلی سیٹ پر تھیں، انہیں بہت سی چوٹیں آئیں مگر اگلی سیٹ پر بیٹھے ابو جان اور نصیر چاچا لقمۂ اجل بن گئے تھے......میری شادی ہوتے ہی مجھ سے میرے باپ کا سائبان چھن گیا تھا۔ ولیمے کی تقریب کے ختم ہونے کے بعد ہم گھر پہنچے ہی تھے اور لاؤنج میں جمع تھے، ہلکی مذاق اور قہقہے......تصاویر بنانے کا دور ختم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ ملازمین کو چائے بنانے کا کہہ کر چاچی آئیں کہ اسی دوران وہ منحوس کال آئی۔ چاچو نے فون اٹھایا اور غیر مبہم طریقے سے بات کرنے لگے، سب ہمہ تن گوش تھے۔

''نہیں، نہیں!'' ان کی آواز نے سب کو احساس دلایا کہ معاملہ گمبھیر تھا......فون رکھ کر انہوں نے صوفے پر بیٹھ کر اپنا سر تھام لیا، ان کی آنکھیں اشک بار تھیں۔

''کیا ہوا......؟'' کئی لوگوں کے منہ سے اکٹھے سوال نکلا۔

''لٹ گئے ہم......ختم ہوگئے ہم!'' چاچو نے سسک کر کہا۔

''کچھ کہیں بھی تو......'' چاچی نے انہیں جھنجوڑ کر سوال کیا تھا۔ ''کیا کسی فیکٹری میں آگ لگ گئی ہے؟'' ان کے خیال میں غالباً لٹ جانا، کاروبار میں نقصان کے باعث ہی ہوسکتا ہے۔ میرے دل میں عجیب سا احساس ہوا، جانے ان کا کیا نقصان ہوگیا تھا، شاید کچھ ایسا جو ناقابلِ تلافی تھا، میرے قدم اس گھر کے لیے مبارک ثابت نہیں ہوئے تھے۔

مگر چاچو جب بولے تو میرے لیے تو قیامت ہی آگئی تھی۔

☆☆☆

میں نڈھال اور بے حال جب سب کے ساتھ گاؤں پہنچی تو امو جان نیند کی دواؤں کے زیرِ اثر سو رہی تھیں اور ابدی نیند سوجانے والے ابو جان کے آخری دیدار سے بھی محروم رہی تھیں۔ میں پھوٹ، پھوٹ کر روئی تھی......کاش ایسا نہ ہوتا، مجھے ان کا چہرہ دیکھ کر ان کی آخری باتیں یاد آگئی تھیں۔ ولیمے کے اسٹیج پر میں کھڑے ہو کر ان سے گلے ملی تھی، میرے ساتھ ہی کھڑے زین نے ان سے مل کر ان کی طبیعت کے بارے میں پوچھا تھا۔

''ارے میں بالکل ٹھیک ہوں بیٹا، اب تو اور بھی ٹھیک ہوگیا ہوں، تم دونوں کو ساتھ اور خوش دیکھ کر، سوچ رہا ہوں کہ آج ابا جان کی روح کس قدر خوش ہوگی۔'' میری تو خیر تھی، میری خوشی اہم نہ تھی، نہ میرے جذبات اور احساسات کی کوئی وقعت۔۔۔ اصل مقصد تو ابا جان کی روح کی خوشی تھی، میں نے جل کر سوچا تھا۔

''میری بیٹی مجھے تم پر فخر ہے کہ تم نے میرے فیصلے کی لاج رکھی، اس رشتے کو تم نے مرتے دم تک نبھانا ہے،

زین کی عزت کرنا اور اس کے جذبات اور خوشی کو ہمیشہ مقدم سمجھنا......'' انہوں نے وہیں کھڑے، کھڑے کہا تھا۔
''اور زین بیٹا، امرت میری بہت پیاری بیٹی ہے، اس کا بہت خیال رکھنا، اسے تمہاری کسی حرکت سے تکلیف پہنچی تو مجھے بہت تکلیف ہوگی، مجھے کبھی بھی احساس نہ ہو کہ میں نے اپنی بیٹی کے لیے غلط فیصلہ کیا تھا۔''
''آپ کو یہ سب کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے تایا جی......'' اس نے انہیں یقین دلایا تھا۔ ''امرت میری چاہت ہے اور میں نے بہ رضا و رغبت اس کے ساتھ شادی کی ہے، میں اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا، یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔''
''چلو......یقین کر لیتا ہوں تمہارے وعدے پر، اگر کوئی شکایت ملی تمہاری تو بیٹا کان کھینچوں گا تمہارے......''
وہ کہہ کر خود ہی زور سے ہنسے تھے کہ کئی لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔
جمال چاچو انہیں روکنے پر اصرار ہی کرتے رہ گئے مگر ابا جان کی ضد تھی کہ انہیں راتوں رات واپس جانا تھا۔
فاطمہ پھر سے تخلیق کے مراحل سے گزر رہی تھی اور گھر پر ہی تھی، وہ سفر نہیں کر سکتی تھی اور گھر پر ملازمین کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ انہیں تو اپنی موت کھینچ رہی تھی، تمنا رک گئی تھی، اقبال تایا وغیرہ بھی واپس نہیں گئے تھے...... کیونکہ وہ قدرت والا جانتا تھا کہ ہم سب کو نصف شب کو اس بری خبر کو سن کر اکٹھے جانا تھا، ایک دوسرے کو حوصلہ دینا تھا، میرے بکھرتے ہوئے وجود سے سب لوگ لپٹ رہے تھے اور دلاسے دے رہے تھے مگر میں اتنی ہمت کہاں سے لاتی کہ جا کر اپنے باپ کو دیکھتی، جو مجھے دیکھ کر مسکرا اٹھتے تھے، انہیں میرے آنے سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔
''ابو جان! میرے پیارے ابو جان!'' میں چیخی تھی، اتنی زور سے چیخی تھی کہ حویلی کے در و دیوار لرز اٹھے تھے، اگر کچھ نہیں ہلا تھا تو وہ تھا ابا جان کا بے جان وجود۔ کون آیا تھا اور کون نہیں......کون کس کو دلاسے دے رہا تھا، مجھے کچھ خبر نہ تھی۔ تمنا اور میں نڈھال تھے......دونوں بھائی صبر اور برداشت کا مظاہرہ کر رہے تھے اور امو جان کی ہمت بندھا رہے تھے مگر اتنی جلدی کہاں سکون آتا، کس طرح صبر کیا جاتا۔

☆☆☆

اتنے صدمے اور غم کے باوصف بھی مجھے یاد تھا کہ نہ مجھے سرمد بھائی کا سامنا کرنا تھا نہ کامل کا۔ رانی پہلے کی طرح گھر میں ہر کام میں پیش، پیش تھی، سرمد بھائی بھی کبیر بھائی اور شامیر کے ساتھ کاموں میں معمول کی طرح مصروف تھے۔ سب لوگوں کی موجودگی میں انہوں نے گھر کے زنانہ حصے میں آ کر مجھ سے، امو جان سے اور تمنا سے تعزیت کی تھی، اسی طرح کامل بھی آیا تھا۔ میں نے دونوں کو نظر تک اٹھا کر نہیں دیکھا تھا نہ ہی ان کی کسی بات کا جواب دیا......خاموشی سے آنسو بہاتی رہی تھی۔
میرا نکاح تو بہت سادگی سے اور بغیر کسی کو مدعو کیے ہوا تھا، یہ جمال چاچو کی خواہش تھی مگر ولیمہ انہوں نے بڑی دھوم دھام سے منعقد کیا تھا جس میں سارا خاندان شریک ہوا تھا سوائے کامل اور گل پھپو کے۔ ہاشم انکل اور تحریم آئے تھے اور انہوں نے بتایا تھا کہ پھپو کی طبیعت ناساز تھی اس لیے کامل ان کے پاس رک گیا تھا۔ میں جانتی تھی کہ کامل کیوں نہیں آیا تھا اور پھپو یقیناً اس کے ساتھ رکی تھیں مگر ابو جان کی وفات کا المیہ ایسا نہ تھا کہ وہ اس پر خود کو روک سکتیں۔ چاہے انہوں نے جو کچھ بھی کہا تھا، رشتے سے انکار کیا تھا یا کامل کو کوئی سخت الفاظ کہے تھے مگر ابو جان ان کے ماں جائے اور بہت پیار کرنے والے بھائی تھے، کیسے وہ نہ آتیں۔ وہ بلک، بلک کر رو رہی تھیں، کبھی مجھے اپنے ساتھ لپٹاتیں اور کبھی تمنا کو، کبھی امو جان کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ کر رونے لگتیں۔
کبیر بھائی اور شامیر دونوں بڑے احسن طریقے سے مہمانوں کو اٹینڈ کر رہے تھے، وہ جانتے تھے کہ لوگ اس وقت بھی یہ دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ کس، کس کا کتنا خیال رکھا جا رہا ہے۔ خاندان کے باقی گھروں میں بھی دونوں ہر

خوشی اور غمی میں پیش، پیش ہوتے تھے۔ان دونوں کو علم تھا کہ گاؤں کے رسوم ورواج کیا ہیں اور خاندان کی روایات کی میراث کیا۔ یہ تو ان کے اپنے گھر کی ساکھ کا معاملہ تھا،لوگ کہتے کہ باپ کی وفات نے ان کی کیسی مت ماردی ہے کہ انہیں کسی کا خیال نہیں،اس لیے وہ اپنے غم کو اپنے اندر اتارے ہوئے لوگوں کا خیال رکھ رہے تھے۔

زین، ابو جان کا بڑا داماد ہونے کی حیثیت سے اہم تھا اور لوگوں سے دونوں بھائیوں کے ساتھ مل کر پرسہ وصول ..کررہا تھا۔ جب بھی تھک جاتا تو اندر آجاتا اور کمرے میں جا کر آرام کرنے لگتا۔کئی بار وہ میرے پاس بھی آیا اور کئی بار ایسا ہوا کہ اسے اندر آتے دیکھ کر امو جان نے مجھے زبردستی اٹھا دیا کہ جا کر اس سے کچھ کھانے پینے کا پوچھ لوں۔اسے زیادہ تر تو سگریٹ کی طلب اندر لے کر آتی تھی تا کہ وہ تنہائی میں اپنا شوق پورا کر سکے۔

''زین آپ کو کافی بنا دوں؟'' پہلی بار جب امو جان نے مجھے اندر بھیجا تھا تو میں نے اس سے سوال کیا تھا۔

''نہیں......'' اس نے اپنا ہاتھ نیچے کر کے وہ سگریٹ چھپانا چاہی تھی جو وہ سلگا چکا تھا۔

''کھانا کھایا آپ نے؟'' میں نے حلق میں اپنے آنسوؤں کا گھونٹ اتارا۔

''تم نے کھایا کھانا؟'' اس نے غالباً سگریٹ بجھا کر پھینک دی تھی۔ ''یہاں آؤ میرے پاس!''

''جی!'' میں نے چند قدم کا فاصلہ طے کیا اور اس کے پاس صوفے پر جا بیٹھی۔اس نے مجھے اپنے ساتھ لگا لیا، میرا سر تھپکنے لگا، میرے آنسوؤں کے بند ٹوٹ گئے، میں سسکیاں اور ہچکیاں لے کر رو رہی تھی اور اس کی انگلیاں میرے بالوں میں گردش کر رہی تھیں۔

''حوصلہ کرو، میری جان!''

''کہاں سے لاؤں ایسا حوصلہ زین؟'' میں بلکنے لگی تھی۔ ''مجھ سے یہ دکھ برداشت نہیں ہو رہا۔''

''وقت لگے گا پیاری...... جانتا ہوں کہ تمہارا دکھ بہت بڑا ہے اور کوئی بھی الفاظ بہت چھوٹے کہ تمہارے دکھ کا مداوا کرسکیں۔تایا جی بہت اچھے انسان تھے اور یقیناً بہت اچھے باپ، ان کی کمی کو کوئی بھی پورا نہیں کرسکتا۔وہ اس خاندان کی پہچان تھے، نہ صرف اس گاؤں میں بلکہ جہاں تک لوگ اس گاؤں کو جانتے ہیں۔''

زین کے منہ سے ایسی باتیں سن کر مجھے حیرت ہو رہی تھی، کہاں وہ باہر کی یونیورسٹیوں اور کالجوں کا پڑھا ہوا بے پروا سا لڑکا اور کہاں ایسے تعزیتی کلمات...... غالباً وہ دونوں بھائیوں اور خاندان کے باقی لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر پرسہ وصول کرتے ہوئے ایسے روایتی الفاظ بار، بار سن کر انہیں حفظ کر چکا تھا۔اگرچہ وہ انگریزی میں ہی بات کر رہا تھا مگر ایسے انداز میں کہ مجھے سکون مل رہا تھا۔

واقعی ابو جان اس گاؤں میں ہی نہیں بلکہ اس علاقے میں اس خاندان کی پہچان تھے، وہ اس خاندان کے وہ چراغ تھے کہ جس سے علاقہ ہمارے خاندان کو جانتا اور پہچانتا تھا۔وہ نہ تو ایسے تنگ نظر تھے اور نہ ہی حد سے زیادہ آزاد خیال اور ان کی شخصیت کا یہی خاصہ انہیں دوسروں سے ممتاز کرتا تھا۔ایک میرے معاملے میں انہوں نے میری رائے کا احترام نہ کیا تھا، ورنہ وہ اپنی اولادوں سے بہت دوستانہ انداز رکھتے تھے۔شاید میں ہی اپنا موقف صحیح طریقے سے پیش نہ کرسکی تھی...... یا گل پھپھو اور ہاشم پھوپا کی سالوں پہلے کی اس غلطی کا خمیازہ ان کی اگلی نسل کو اسی طرح بھگتنا تھا۔

ابو جان کا ایک فقرے کا جواب...... ''جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتیں میری بیٹی، اس لیے اس بے مقصد موضوع پر مجھ سے بحث نہ کرو۔'' اور مجھ جیسی بیٹی میں کہاں جرأت تھی اپنے اتنے پیار کرنے والے باپ کی بات ٹالنے کی، میں اس طرح بے بس ہوگئی تھی۔یا میرے باپ نے اپنے مان کی ڈور اور اپنے شملے کی لاج میرے ہاتھ میں تھما کر مجھے بے بس کر دیا تھا۔ ''پھر بھی میری بیٹی، اگر تم چاہو تو میرے شملے کو اپنے پیروں تلے روند کر چلی جاؤ......اسی طرح جس طرح برسوں پہلے گل...... کامل کے باپ کے ساتھ چلی گئی تھی، میں جانتا ہوں کہ اس کے بعد

میرا اباپ سر اٹھا کر گاؤں کی گلیوں میں نہیں چلتا تھا، چہار اطراف کے دیہات اور قصبوں میں کوئی پنچایت میرے باپ کی سربراہی کے بغیر نہیں ہوتی تھی، اس کے بعد میرا اباپ گاؤں کی کسی پنچایت میں بھی نہیں گیا اور نہ ہی اس نے مرتے دم تک اپنا شملہ دوبارہ اپنے سر پر رکھا۔ بیٹیاں ماں باپ کی عزت کی پاسدار ہوتی ہیں، ان کے ہاتھوں میں اپنے باپ کی شان کا شملہ ہوتا ہے جسے وہ فخر سے بلند رکھیں یا پیروں تلے روند دیں!''

''اللہ نہ کرے ابو جان!'' میں اتنا ہی کہہ سکی تھی۔ ان کی یاد کے ساتھ پھر ایک یاد نے آ لیا۔ 'اگر انہیں اس وقت تک ہی جینا تھا تو میری شادی کی کیا جلدی تھی، چند دن نہ ہوتی تو شاید!' ایک گھٹیا سی سوچ دماغ میں آئے بنا نہ رہ سکی تھی۔ دروازے پر دستک نے چونکا دیا تھا۔

''کون ہے...... آ جاؤ!'' میں نے سیدھے ہو کر بیٹھ کر کہا۔

''کل پھپھو واپس جا رہی ہیں امرت!'' تمنا نے بتایا تھا، ہم دونوں اٹھے تا کہ پھپھو کو دوسروں کے ساتھ الوداع کر سکیں۔ زین باہر مردانے میں چلا گیا تھا، تمنا نے باہر نکلتے ہوئے میرا ہاتھ تھام لیا۔

''تم یہیں رکو......'' اس نے ہولے سے کہا۔

''کیوں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیا پھپھو کو خدا حافظ نہ کہوں؟''

''کامل بھائی تم سے ملنا چاہتے ہیں امرت!'' اس نے سرگوشی نما آواز میں کہا تھا۔

''دماغ درست ہے تمہارا؟'' میں نے غصے سے کہا۔ ''کیوں ملنا چاہتا ہے وہ مجھ سے؟''

''یہ تو تم انہی سے پوچھنا۔'' تمنا نے میرے غصے سے خفا ہو کر کہا۔

''مجھے اس سے نہیں ملنا تمنا......'' میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''وہ میرے ماضی کی راکھ ہے اور مجھے راکھ میں دبی چنگاریوں کو ہوا دے کر اپنے حال کو خراب نہیں کرنا ہے۔'' کہہ کر میں باہر نکلی کہ اموجان کے پاس جا کر گل پھپھو کو رخصت کروں۔

''امرت پلیز......'' وہ جانے کہاں سے نکل کر سامنے آ گیا، میں نے مڑ کر مدد طلب نظروں سے دیکھا، میرے عقب سے تمنا غائب تھی۔

''مت آؤ میرے سامنے...... مت آزماؤ میری برداشت کو! مجھے کمزور نہ کرو، دفن کرنے دو مجھے... محبت کو شادی کے مزار میں!'' میں سوچ کر رہ گئی۔

''میرا راستہ چھوڑ دیں پلیز......'' میں نے اندر سے اٹھنے والی سسکیوں کا گلا گھونٹا۔

''میری بات تو سنو امرت پلیز، صرف چند لمحے کے لیے!'' اس نے سامنے سے ہٹے بغیر کہا۔

''کچھ بھی نہیں رہ گیا کہنے اور سننے کے لیے......'' میں نے چہرے پر غصے کے تاثر کو چھپانے کی کوشش بھی نہ کی تھی، وہ ذرا سا ہٹا اور میں جھکائی دے کر وہاں سے نکل آئی۔ دائیں بائیں دیکھا کہ کوئی اس سارے منظر کو اپنی نظروں میں قید تو نہیں کر رہا تھا۔

☆☆☆

''مجھے معاف کر دو پیاری......'' وہ میرے گھٹنوں پر اپنی ٹھوڑی رکھ کر بیٹھی ہوئی تھی۔

''ارے کس بات پر؟'' میں نے اسے وہاں سے اٹھا کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس صوفے پر بٹھا لیا۔

''جو کچھ بھی میں نے تم سے کہا تھا...... میں عدم تحفظ کا شکار ہو گئی تھی۔'' رانی نے میرے پاس بیٹھ کر کہا تھا۔

''کوئی بات نہیں......'' میں نے اسے تسلی دی۔

''مجھے تو بعد میں علم ہوا کہ تم اور کامل ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے اور پھپھو نے تمہارا رشتہ مانگا تو کمال تایا

نے انکار کر دیا اور تمہاری شادی......"

"بس رانی!" میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔ "اس سے آگے ایک لفظ بھی نہیں......آج اتنی بات کی ہے، اس کے بعد اتنی بات بھی نہ کرنا۔"

"کیوں کیا ہوا؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"گل پھپو کی خواہش تھی رانی...... ویسے ہی جیسے بڑی پھپو کی سرمد بھائی کے لیے......اس سے زیادہ کچھ نہیں اور ابو جان کو دونوں رشتے ناپسند تھے اور انہوں نے وہی کیا جو انہوں نے میرے لیے بہتر سمجھا۔ ان سے زیادہ کون سمجھ سکتا تھا کہ میرے لیے کون بہتر ہے رانی، یوں بھی شادیاں تو قدرت کے فیصلے سے ہوتی ہیں، ہم انسان تو ادنی سے مہرے ہیں۔" میں نے رسان سے کہا۔ "تم تو خوش ہو ناں سرمد بھائی کے ساتھ؟" میں نے اس موضوع سے اس کی توجہ ہٹانے کو سوال کیا۔

جانتی تھی کہ جو کچھ وہ کہہ رہی تھی وہ حرف بہ حرف سچ تھا مگر مجھے اس کے شک کو یقین میں نہیں بدلنا تھا۔ اس سے پوچھتی کہ اسے یہ سب کچھ کس نے بتایا تو اسے یقین ہو جاتا کہ جو کچھ اس نے سنا تھا وہی سچ تھا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ میرے ماضی سے منسلک کوئی بھی بات میری سسرال تک جائے اور وہاں اسے رائی بنا کر پربت کھڑے کیے جائیں۔ مجھے اپنی شادی کی عمارت کی بنیاد میں اندیشوں، شکوک اور وسوسوں کی اینٹیں نہیں لگانا تھیں۔ یقیناً بڑی پھپو نے اپنی بہو سے سارا معاملہ شیئر کیا ہوگا، انہیں اندازہ ہی نہیں ہوگا کہ ایسی باتیں میری ازدواجی زندگی پر کس کس طرح سے اثر انداز ہو سکتی تھیں۔

"کیا واقعی ایسا ہی ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"تو کیا تمہیں لگ رہا ہے کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں؟" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔

"میں معذرت چاہتی ہوں کہ میں کچھ اور سمجھی تھی!" وہ مطمئن ہو گئی تھی شاید......اچھا ہی ہوا کہ اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہ دیکھا ورنہ وہ جان لیتی کہ یہ میرا وہ راز تھا جو میں آئینے کے روبرو بھی خود سے چھپاتی تھی۔

☆☆☆

"تم خوش ہو پیاری؟" امو جان نے سوال کیا، میں نے چہرے کو مزید جھکا لیا۔

"ہوں......" میں نے جواب دیا۔

"کچھ دن رہو گی یا کل سب کے ساتھ چلی جاؤ گی؟" انہوں نے پوچھا۔

"کچھ علم نہیں امو جان! زین سے پوچھوں گی رات کو۔" میں نے ہولے سے کہا۔

"زین اچھا تو ہے ناں تمہارے ساتھ؟"

"جی امو جان!"

"زیبا کو تو میں جانتی ہوں، وہ تو اس رشتے پر راضی اور خوش نہیں تھی مگر جمال اور زین کی خوشی اہم ہے......"

"آپ اپنی دوا باقاعدگی سے لیتی ہیں ناں امو جان؟" میں نے موضوع تبدیل کیا۔

"ہاں......" مختصر سا جواب۔

"فاطمہ کب تک لاہور چلی جائے گی؟"

"بس آج کے دن کا ہی انتظار ہو رہا تھا یعنی چہلم کا......کل مہرا سے ساتھ ہی لے جائے گی۔"

"کبیر بھائی بھی ساتھ جائیں گے؟"

"نہیں......" انہوں نے سر ہلا کر کہا۔ "ابھی تک تو لوگ پرسے کے لیے آ رہے ہیں مگر ایک دو دن پہلے کبیر

بھی چلا جائے گا!''

''آپ تنہا رہ جائیں گی۔''میں نے ان کے چہرے کو دیکھا۔

''تمنا آتی جاتی رہتی ہے......''انہوں نے اداسی سے کہا۔''پھر چند دنوں میں فاطمہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ لوٹ آئے گی!''

''اپنا خیال رکھا کریں امو جان...... مجھے آپ کی بہت فکر رہتی ہے۔''میں ان کے ساتھ لپٹ گئی۔

''تم بھی خوش خوش رہا کرو میری جان، ماضی کو بھول کر اپنے حال میں خوش رہو۔''انہوں نے مجھے سہلایا۔

''میرا کوئی ایسا ماضی نہیں ہے کہ جسے میں بھلا نہ سکوں۔''میں نے انہیں تسلی دی۔''میں خوش ہوں امو جان!'' اس ایک فقرے کو کہنے کے لیے میں نے کتنے ہی آنسو آنکھوں تک آنے سے روکے تھے۔

☆☆☆

''یہ گولیاں اپنے پرس میں رکھ لو بیٹا!''انہوں نے مجھے گولیوں کے کچھ پیکٹ پکڑائے۔ میں نے ان کے ہاتھ میں پکڑے ان پیکٹوں کو دیکھا پھر سوالیہ نظروں سے ان کے چہرے کو۔''کسی کو ان کے بارے میں علم نہ ہو۔''

''کس چیز کی ہیں یہ گولیاں چچی جان؟''میں نے سوال کیا۔

''ایک تو تم اس فضول طریقے سے مجھے چچی جان کہنا چھوڑ دو اب......''انہوں نے خفگی سے کہا۔

''تو اور کیا کہوں چچی جان؟''میں نے حیرت سے پوچھا۔ ہمیں تو ہمیشہ امو جان اور ابو جان نے اپنے سے بڑوں کو احترام اور اپنائیت سے مخاطب کرنے کا بتایا تھا، ان رشتوں کے ساتھ جی او، جان کا اضافہ کر کے۔

''جو کچھ مجھے سب لوگ یہاں کہتے ہیں...... مما!''انہوں نے جواب دیا۔

''جی...... مما جان!''میں نے بہ مشکل انہیں 'مما جان' کہا تھا۔

''مما جان نہیں...... صرف مما!''انہوں نے زور دے کر کہا۔

''جی ٹھیک ہے۔''میں نے تھوک نگل کر کہا۔

''یہ گولیاں تم نے باقاعدگی کے ساتھ، دی گئی ہدایات کے مطابق استعمال کرنا ہیں!''انہوں نے لہجے میں پھر نرمی پیدا کی تھی۔

''مگر یہ کس چیز کی گولیاں ہیں؟''میں پوچھے بنا نہ رہ سکی تھی۔

''اس کی وضاحت زین کر دے گا......''انہوں نے کہا۔''اور ہاں تمہیں یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے کہ جو کچھ تم میاں بیوی کے درمیان ہے وہ تم لوگوں کا ذاتی معاملہ ہے، زوجین کے مابین جو راز ہیں ان کی تشہیر گناہ ہے۔''انہوں نے جانے کن رازوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔ میرا ذہن تو ان گولیوں میں ہی الجھا ہوا تھا۔

''جی ٹھیک ہے......''میں نے ہولے سے کہا۔

''اپنے اور زین کے بیچ کی باتیں اور اس گھر کے معاملات کو خود تک رکھنا، اپنے پیچھے بھی رپورٹیں بھجوانے کی ضرورت نہیں ہے۔''میں سمجھتی تھی کہ 'پیچھے' سے ان کی کیا مراد تھی۔ میرا میکا، وہ تو ابو جان کے جانے سے ویسے ہی کمزور ہو گیا تھا۔ ان کی وفات کے بعد ہم واپس لوٹے تھے تو اسی دن چاچی میرے کمرے میں آ گئی تھیں اور ہمارے درمیان یہ گفتگو ہو رہی تھی۔

''میں کس سے کہوں گی چ...... مما جان!''انہیں چچی جان کہتے، کہتے رک گئی تھی مگر مما کے ساتھ جان اچانک ہی منہ سے پھسل گیا تھا جس پر مجھے ان کے چہرے پر ناگواری نظر آئی۔

''پھر بھی، گاؤں کی لڑکیوں کو عادت ہوتی ہے ناں اپنی ساتھی سنگیوں، بہنوں اور کزنوں کے ساتھ اپنے ذاتی راز شیئر کرنے کی۔''انہوں نے پھر گاؤں کی لڑکیوں کا مضحکہ اڑایا تھا۔

''جی مجھے قطعی عادت نہیں ہے ہر کسی سے اپنی ذاتی باتیں کرنے کی۔'' میں نے انہیں بتایا۔ ''اور ویسے بھی فضول باتیں کرنے کی عادت کسی کو بھی ہو سکتی ہے مما...... خواہ وہ کوئی لڑکا ہو یا لڑکی، جوان ہو یا بوڑھا، شہر کا ہو یا گاؤں کا۔''

''تمہیں شاید کسی نے یہ نہیں بتایا کہ اپنے سے بڑوں کے ساتھ بے مقصد بحث کرنا سب سے بری عادت ہے اور کم از کم میں ایسے لوگوں کو برداشت نہیں کر سکتی جو خواہ مخواہ ایسا کریں۔'' انہوں نے نخوت سے کہا۔ جانے مجھے بیاہ کر کیوں لائی تھیں اگر میں انہیں شروع سے ہی اتنی بری لگ رہی تھی۔

''جی سوری......''

''اور ہاں...... زین کو تم اچھی لگیں مگر اس طرح کہ جیسے لڑکوں کو لڑکیاں اچھی لگتی ہیں، دوستی وغیرہ کر لیتے ہیں، چائے، کافی پی لی، گپ شپ لگا لی، اکٹھے گھوم پھر لیا...... زین پابندیوں کو برداشت کرنے والا بچہ نہیں ہے......''

''میں سمجھی نہیں......'' میں نے حیرت سے پوچھا۔ ''آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟'' جانے وہ کس ملک، معاشرے اور ماحول کے لوگوں کے بارے میں بات کر رہی تھیں۔

''اس گھر میں تم اپنے صرف چاچو کی وجہ سے ہو، ان کی دھمکی، خواہش اور ضد کے باعث...... ان کی محبت میں زین نے تمہیں قبول تو کر لیا ہے اور وہ اس رشتے کو نبھانے کی بھی پوری کوشش کرے گا مگر اسے یہ سب تسلیم کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔ وہ اس پر تیار نہیں تھا، کچھ مجبوری بن گئی تو اسے راضی ہونا پڑا...... جمال دل کے مریض بھی ہیں اور میں نہیں چاہتی کہ وہ کچھ ایسا سنیں کہ دل پر اثر لیں۔ زین کو وقت اور مہلت دو، اسے اپنے آپ کو برتنے اور سمجھنے دو، اگر تم اسے جیتنے میں کامیاب ہو گئیں تو پھر سب اچھا ہے......'' وہ رکیں۔ ''لیکن اگر تمہیں اس سے کوئی مسئلہ ہو یا آپس میں دونوں کا کوئی اختلاف ہو تو اس کی شکایت جمال سے مت کرنا، تمہیں جو کچھ کہنا ہے مجھ سے یا اپنے شوہر سے کہنا، چیزوں کو اس کے مقررہ نظام کے تحت چلنے دو تو بہتر ہے، چینل کراس کرنے کی کوشش کرو گی تو اچھا نہیں سمجھا جائے گا۔''

''جی!'' ان کی اتنی لمبی تقریر کے جواب میں، میں کچھ نہ کہہ سکی۔

''کوشش کرو کہ زین کو خوش اور مطمئن رکھ سکو، اپنی اطاعت، وفا اور محبت سے اسے جیتنے کی کوشش کرو...... اسی میں تمہاری اور اس کی بھی بہتری ہے۔''

یہ مما کی میرے ساتھ پہلی انتہائی طویل اور واضح گفتگو تھی جو کہ اس گھر میں مجھے ابتدائی بریفنگ کے طور پر دی گئی تھی۔ اس سے نہ صرف مجھے اندازہ ہو گیا کہ میری حیثیت ان کی اور ان کے بیٹے کی نظر میں کیا ہے بلکہ یہ بھی علم ہو گیا کہ زین نے کسی مجبوری کی حالت میں یا کسی دھمکی سے ڈر کر مجھ سے شادی کے لیے ہامی بھری تھی۔ وہ مجبوری کیا تھی، مجھے جاننے میں کوئی دلچسپی نہ تھی، اس جیسے نوجوانوں کے لیے جائداد اور مال و دولت سے عاق کر دینا ہی سب سے بڑی دھمکی ہوتی ہے۔

☆☆☆

''وہ گولیاں لاؤ، میں تمہیں ان کی بابت سمجھا دوں۔'' اس نے ٹیلی وژن کا ریموٹ پکڑ کر چینل بدلا۔ میں کوئی ڈراما دیکھ رہی تھی، اس نے مجھ سے پوچھا تک نہیں کہ وہ چینل تبدیل کر سکتا ہے کہ نہیں، مجھے اس جیسے نوجوان سے اس بدتہذیبی کی توقع نہ تھی۔

''کون سی گولیاں؟'' میں نے جان بوجھ کر پوچھا۔

''جو مما نے تمہیں دی ہیں۔'' اس نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔

''اوہ اچھا......'' میں نے بیڈ کی سائڈ ٹیبل کی دراز سے وہ لفافہ نکال کر اسے تھمایا، اس نے ان میں سے ایک پیکٹ نکالا اور ہدایات پڑھنے لگا۔ ساتھ ساتھ مجھے سمجھانے لگا۔

''مجھے ہدایات پڑھنا آتی ہیں زین۔ مگر میں گولیاں نہیں نگل سکتی، مجھے ہمیشہ مشکل لگتا ہے گولیاں کھانا۔'' مجھے یاد آ گیا کہ کس طرح بچپن سے ہی مجھے دوائیں کھانے سے چڑ تھی۔ ابو جان اور امو جان بھی پیس کر دوا کھلاتے اور ابو جان تو ڈاکٹر کو کہتے کہ وہ نسخے میں گولیوں کے بجائے شربت لکھے کیونکہ ان کی شہزادی بیٹی کو گولی نگلنا نہیں آتی۔

''اگر تمہیں ہدایات پڑھنا آتی ہیں تو پھر مسئلہ کیا ہے؟'' اس نے سوال کیا۔

''میں نے مما سے پوچھا تھا کہ یہ کس چیز کی گولیاں ہیں اور مجھے کیوں کھانی ہیں؟'' میرے سوال پر اس نے میرے چہرے کی طرف دیکھا اور ہنس پڑا۔ پھر اس نے مجھے بتایا کہ وہ گولیاں کس لیے تھیں۔

''مگر کیوں؟'' اس کے بتانے پر میں نے زور دے کر پوچھا۔

''کچھ وقت ہم ایک دوسرے کو سمجھنے میں گزاریں، اپنی زندگی کو بغیر کسی اضافی ذمے داری کے کچھ عرصے کے لیے انجوائے کریں۔'' بودی سی دلیل۔ ''بچے تو بعد میں بھی ہوتے رہیں گے۔''

''کیا اس کا شربت نہیں مل سکتا؟'' میں نے منت کی۔

''ہا۔ہاہا......'' وہ منہ پھاڑ کر ہنسا۔ ''شربت والی دوائیں بچوں کے لیے ہوتی ہیں بے بی! اور ظاہر ہے کہ یہ بچوں کے استعمال کی دوا نہیں ہے۔'' میں خجل سی ہو گئی۔

''یہ گولیاں تو یوں بھی چھوٹی سی ہوتی ہیں۔'' اس نے ایک گولی نکال کر اپنی ہتھیلی پر رکھی۔

''بات چھوٹی بڑی کی نہیں، میں گولی کو نگلنا نہیں جانتی۔''

''یہ بھی کوئی بات ہے...... لو یہ پانی کا گلاس پکڑو...... منہ کھولو۔'' اس نے میرے حلق کے اندر اس طرح گولی رکھی کہ میرے پانی پینے سے پہلے ہی وہ میرے منہ سے غائب ہو کر گلے کی گہرائی میں پہنچ چکی تھی۔ میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''تم نہیں کھاؤ گے یہ گولی؟'' میرے سوال پر اس نے منہ پھاڑ کر قہقہہ لگایا تھا۔

''تم بہت کیوٹ ہو۔'' اس نے ہنستے، ہنستے کہا۔

میں نے شروع میں اسے آپ جناب کہہ کر بات کرنے کی کوشش کی تو اس نے مجھے ٹوک دیا کہ میں اسے اس کے نام سے اور برابری کے لیول پر رہ کر یعنی 'تم' کہہ کر بات کروں۔ ہمیں تو اپنے سے چھوٹوں کو بھی تم کہنے کی تربیت نہیں دی گئی تھی، کجا یہ کہ میں اپنے شوہر کو اس طرح مخاطب کرتی مگر مجھے ایسا کرنا پڑا کیونکہ زین کو تکلفات سے چڑ تھی۔

☆☆☆

کبیر بھائی کے بیٹے کی ولادت کی خبر نے اس خاندان کی خوشیوں پر پڑے جمود کو توڑا تھا۔ ابو جان کی وفات کے بعد سے کوئی ایسی خبر نہیں ملی تھی کہ جس پر خوش ہوا جاتا، میرا دل چاہ رہا تھا کہ اڑ کر لاہور پہنچ جاؤں۔

''چاچو...... مبارک ہو، کبیر بھائی کا بیٹا ہوا ہے۔'' میں اپنے کمرے سے باہر نکلی تو چاچو لاؤنج میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ چھٹی کا دن تھا، زین سمیت سب لوگ سو رہے تھے۔

''ارے واہ بھئی، یہ تو بہت اچھی خبر سنائی بیٹا تم نے۔'' انہوں نے مجھے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ ''مبارک ہو تمہیں بھی میری بیٹی! تم پھپھو بن گئی ہو ناں! بھائی جی کے جانے کے بعد اس گھر میں پہلا خوشی کا جھونکا آیا ہے، اللہ اس گھر کی خوشیوں کو سلامت رکھے۔'' ان کے منہ سے ادا ہونے والا ایک، ایک لفظ ان کی اندرونی خوشی کا عکاس تھا۔

''کیا شور مچا رکھا ہے تم لوگوں نے سویرے، سویرے؟'' مما اپنے کمرے سے آوازیں سن کر باہر نکلی تھیں۔

''زیبا...... کبیر اور فاطمہ کو اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا کیا ہے......'' چاچو نے جوش سے انہیں بتایا۔

''اچھا......'' کہہ کر وہ واپس مڑیں۔ ''لیکن شور تو کم کریں آپ لوگ، سارے گھر کو جگا دیں گے آپ، چھٹی

کا دن ہے، بچے دیر تک سوتے ہیں۔''

''آدھا دن گزر چکا ہے زیبا!'' چاچو نے اپنی بات مکمل بھی نہ کی تھی کہ انہوں نے اپنے کمرے کا دروازہ دوبارہ بند بھی کرلیا تھا۔ انہوں نے مجھے مبارک باد دینا تو کجا، چہرے پر جھوٹی خوشی کا رنگ بھی نہ آنے دیا تھا۔ الٹا واپس مڑتے وقت انہوں نے مجھ پر ایسی نظر ڈالی تھی کہ مجھے سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ ان کی وہ قاتل نظر کس جرم کی پاداش میں تھی۔

''میری بیٹی لاہور جانا چاہتی ہے کیا؟'' چاچو نے سوال کیا۔

''مما سے پوچھنا پڑے گا چاچو!'' میں نے کہا۔ ''زین سے بھی بات کرکے دیکھتی ہوں۔''

''میں جو کہہ رہا ہوں کہ تم جانا چاہتی ہو تو جاؤ......'' انہوں نے کہا۔

''لیکن چاچو...... مما!''

''لیکن مما کیا؟'' انہوں نے سوال کیا۔ ''کیا زیبا تمہیں منع کردے گی؟''

''پتا نہیں چاچو!'' میں نے تذبذب بھرے لہجے میں کہا۔

''سب ٹھیک تو ہے ناں بیٹا؟'' انہوں نے میرا سر تھپکا۔ ''میں اپنے جھمیلوں میں اتنا مصروف رہتا ہوں کہ کئی، کئی دن تک اپنی بھی خبر نہیں ہوتی...... اس گھر میں تمہیں لاکر کہیں میں نے اس بات کو نظرانداز تو نہیں کردیا کہ میری بیٹی یہاں خوش بھی ہے کہ نہیں؟''

''میں خوش ہوں چاچو!'' میں نے انہیں تسلی دی۔

''اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے......'' انہوں نے دعا دی۔ ''چلو تو اپنی تیاری کرو، میں تمہیں لاہور بھجوا رہا ہوں، اگر زین ساتھ جائے تو گاڑی سے چلی جاؤ ورنہ آج شام کی ہی فلائٹ لے لو۔''

''بہت شکریہ چاچو!'' میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور اپنے کمرے کی طرف چلی تاکہ اپنی تیاری کرلوں۔

لاہور...... لاہور جانے کا تو کوئی شوق نہیں تھا مجھے، لاہور سے تو میں کتراتی تھی مگر ایسا تھا کہ کئی دن تک فاطمہ کو لاہور ہی رہنا تھا، امو جان اور کبیر بھائی بھی لاہور میں ہی تھے۔ تمنا اس لیے نہیں گئی تھی کہ اس کی شادی کی تاریخ طے ہو چکی تھی اور وہ اس کا سسرالی گھر تھا۔

☆☆☆

''زین تیاری کرو اور گل کو لے کر لاہور چلے جاؤ۔'' ناشتے کی میز پر چاچو نے زین کو براہِ راست کہا تھا۔ ''اپنی مما سے کہنا کہ میں نے اسے جو رقم دی ہے وہ گل کو دے، دے...... وہ چاہے تو کبیر کے بیٹے کے لیے تحفہ لے، لے یا نقد رقم دے، دے۔''

''کس کی بات کررہے ہیں پاپا؟'' وہ بوکھلا گیا تھا۔

''کبیر اور فاطمہ کا بیٹا پیدا ہوا ہے...... بتایا نہیں تمہیں گل نے؟''

''وہ چاچو میں شاور لے رہی تھی تو زین کمرے سے باہر نکل آئے، اس سے پہلے وہ سو رہے تھے۔'' میں ہکلائی۔

''اچھا گڈ!'' زین نے کہا۔ ''تو وہ لوگ لاہور میں ہیں؟''

''زین جب کوئی ایسی خوش خبری سنائی جائے تو مبارک باد کہتے ہیں......'' چاچو نے اسے ٹوکا۔ ''نہ تمہاری مما کو خود توفیق ہوتی ہے نہ اس نے تم لوگوں کو سکھایا ہے کہ دوسروں کی خوشی میں کیسے خوش ہوتے ہیں۔''

''میں کس وقت مبارک باد کہتی......'' مما نے فوراً اپنا دفاع کیا۔ ''سویرے، سویرے ایک تو آپ لوگوں نے میری نیند خراب کی اوپر سے......''

''اب تو ہم ناشتے کی میز پر پچھلے آدھے گھنٹے سے بیٹھے ہیں اور تمہیں خبر مل چکی ہے۔'' چاچو ایسے موقعوں پر

اس بات کا لحاظ بھی نہ کرتے تھے کہ ان کے بچے اور بہو بھی وہاں موجود ہیں۔

''مبارک ہو بھئی!'' انہوں نے لٹھ مارنے کے انداز میں مجھے مبارک یاد دی۔ ''صبح سویرے چاچو کی گود میں بیٹھ کر یہی شکایتیں لگائی جا رہی تھیں۔'' ان کے الفاظ اور لہجے میں خنجر کی کاٹ تھی، چاچو کی گود؟ مجھ میں اتنی جرأت نہ تھی کہ میں نظر اٹھا کر ان کو دیکھتی۔

''فضول باتیں بند کرو زیبا......'' چاچو نے کہا۔ ''اور ہاں زین کس وقت نکل سکتے ہو تم لوگ لاہور کے لیے؟'' چاچو نے زین سے سوال کیا۔

''دیکھتا ہوں پاپا۔''

''کیا دیکھنا ہے تمہیں؟'' چاچو نے چتون چڑھا کر پوچھا۔

''اپنی مصروفیات دیکھنا ہوتی ہیں پاپا......'' اس نے دوبدو جواب دیا۔

''کون سی مصروفیات ہیں تمہاری...... آج ویسے بھی چھٹی ہے، ملازمت تو تم میرے ساتھ ہی کرتے ہو اور میں ہی تمہیں جانے کو کہہ رہا ہوں!''

''شام کو دوستوں کے ساتھ پلان ہوتے ہیں پاپا!''

''اس وقت وہ اہم ہے جو میں کہہ رہا ہوں......'' چاچو نے حتمی انداز میں کہا۔

''میں وہاں بور ہوتا ہوں پاپا!'' اس نے التجائیہ لہجے میں کہا۔

''گل پھپو کی طرف رک جانا، کامل کے ساتھ تو تمہاری اچھی دوستی ہے ناں!'' میرے دل کی کئی دھڑکنیں مس ہوئیں۔

''وہ جرمنی گیا ہوا ہے پاپا......''
''میں چلی جاتی ہوں چاچو، ڈرائیور کے ساتھ!'' میں نے زین کی مشکل آسان کرنے کو کہا۔
''ٹھیک ہے زین، ڈرائیور سے کہو گاڑی تیار کرے، پٹرول اور تیل وغیرہ بھی چیک کرے...... میں خود لاہور جا رہا ہوں۔''
''آپ جائیں گے لاہور...... مگر کیوں؟'' مما نے حیرت سے پوچھا۔
''ہماری اگلی نسل کا پہلا چشم و چراغ دنیا میں آیا ہے...... اس کے اپنے دادا زندہ ہوتے تو وہ اس وقت کہاں ہوتے؟'' چاچو نے جوش سے کہا۔ ''یوں تو تمہارا جانا بھی بنتا ہے زیبا...... مگر میں اصرار نہیں کروں گا، تمہارا دل چاہے تو تیار ہو جاؤ...... اور ہاں صاحب زادے، تم دوستوں کے ساتھ اپنی مصروفیات میں کوئی خلل نہ آنے دینا، چاہے گھر میں تمہارے باپ کا جنازہ پڑا ہوا ہو۔'' چاچو نے اٹھتے ہوئے کرسی کو زور سے واپس دھکیلا، کرسی الٹ کر گری اور زوردار آواز پیدا ہوئی۔
میز کے گرد بیٹھے ہوئے، مجھ سمیت چھ لوگوں کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا، کسی کے پاس کہنے کو کچھ تھا بھی نہیں۔ اس کے بعد زین بھی اسی انداز سے اٹھا، اسی طرح کرسی گھسیٹ کر گرائی......
''آ گیا تمہیں سکون پاپا سے میری بے عزتی کروا کے؟'' مجھ پر سنگ باری کرتا ہوا وہ ناشتا ادھورا چھوڑ کر تن فن کرتا اپنے کمرے کی طرف چلا۔
''مجھے معلوم تھا......'' اس سے اگلی کرسی مما نے گھسیٹی۔ ''اسی لیے یہ اپنے خاندان کی کوئی لڑکی لا کر اس کے سر پر مسلط کرنا چاہتا تھا کہ اسے بار، بار مات کر سکے۔'' باقی چار لوگ جو بیٹھے رہ گئے تھے وہ ہونقوں کی طرح ایک دوسرے کو بھی نہیں دیکھ رہے تھے۔
''مبارک ہو بھابی!'' عارب کی آواز نے اس سکوت کو توڑا۔
''بہت شکریہ پیارے بھائی!'' میں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔
''مبارک ہو بھابی!'' حسن نے بھی کہا اور میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔
''کیا تم اسے اس بات کی مبارک دے رہے ہو کہ اس نے مما کے خلاف پہلا معرکہ جیت لیا ہے؟'' حسنہ نے انتہائی تنفر سے کہا اور اٹھ کر چلی گئی، اس کے جانے کے بعد میں نے وہیں میز پر سر رکھ کر سسکیاں لینا شروع کر دیں۔ اتنی بے عزتی...... اتنی سی بات پر۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس گھر کا نظام کیا اور کیسے چل رہا تھا۔ بات، بات پر خوف کی فضا کہ کس کو کیا برا لگ جائے۔ خود تو اس گھر کے نفوس چاہے جس کی عزت کے اوپر سے بھی دندناتے ہوئے گزر جائیں مگر اپنی اناؤں کے پرچم ایسے بلند کہ کیا کہنا۔

☆☆☆

کیسا پیارا سا گل گوتھنا بچہ تھا۔ اللہ کا لاکھ، لاکھ شکر کہ ماں اور بیٹا دونوں صحت مند اور عافیت سے تھے۔ ہمارے پہنچنے سے وہاں خوشی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی تھی۔ ''زیبا کو بھی لے آتے تم لوگ ساتھ۔'' امو جان یوں کہہ رہی تھیں جیسے وہ انہیں جانتی نہیں تھیں۔
''وہ لمبے سفر سے بہت گھبراتی ہے بھابی، آپ کو تو علم ہے، ہمیشہ سے ہی وہ ایسی ہے۔'' چاچو نے صفائی پیش کی۔
''جانتی تو ہوں مگر سوچا کہ اب امرت کے حوالے سے......'' امو جان نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔
''آپ سنائیں کہ نام کیا سوچا ہے اس جوان کا......؟'' چاچو نے فوراً بات بدلی۔
''ہم نے تو اپنے بچوں کے نام رکھ لیے، اب اس کے والدین جو نام رکھنا چاہیں۔'' امو جان نے فراخدلی سے کہا۔

''کمیل نام زیرِ غور ہے......'' کبیر بھائی نے بتایا۔''آپ بتائیں چاچو کہ کیسا نام ہے؟''

''بہت پیارا نام ہے یار!'' چاچو نے تعریف کی۔

''ابو جان کے نام سے ملتا جلتا بھی ہوگا......'' کبیر بھائی نے وضاحت کی۔ میرے ذہن کے نہاں خانوں میں ایک یاد جھلملائی۔

''میں نے اس کا نام...... بھائی جی، آپ کے نام سے ملتا جلتا رکھا ہے!'' گل پھپو جب پہلی بار ہمارے ہاں کامل کے ساتھ آئی تھیں تو وہ ابو جان کو بتا رہی تھیں۔''اردو میں تو وہی ہجے ہیں صرف ان کی ترتیب فرق ہوگی اور انگریزی میں صرف ایک ہی ہجہ مختلف ہے۔''

''ارے ہاں!'' امو جان نے حیرت اور مسرت کو یکجا کر کے کہا تھا۔''تم نے تو بڑی محنت سے نام میچ کیا ہے۔''

''محنت سے نہیں عائشہ...... پیار سے کہو!'' پھپو نے تصحیح کی۔''بھائی جی سے مجھے بہت پیار ہے، اتنا کہ ان کی یاد سے میں کسی ایک دن بھی غافل نہیں ہوئی۔''

کمیل نام بھی کمال اور کامل دونوں سے ملتا جلتا نام تھا، بلانے میں کامل سے زیادہ قریب۔ جب بھی اسے پکارا جائے گا، اس کے ساتھ کوئی اور یاد در آئے گی۔

''تو پھر فائنل کر دیں یہ نام چاچو؟'' کبیر بھائی نے چاچو سے پوچھا۔

''بھئی جو تم لوگوں کو اچھا لگے۔''

''آپ بھی تو اس کے دادا ہیں، بھائی جی زندہ ہوتے تو وہ اس کا نام تجویز کرتے۔'' مہر پھپو نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''کیوں بھابی جان؟'' چاچو نے امو جان سے پوچھا۔

''ٹھیک ہے، اچھا نام ہے...... بچوں کو پسند ہے، سادہ اور بلانے میں آسان ہے اور معانی کے اعتبار سے بھی اچھا ہے۔'' امو جان نے کہا۔

''تو پھر فائنل ہو گیا یہی نام......'' چاچو نے مسرت سے اعلان کیا۔''آپ سب کو کمیل کبیر کے نام کی مبارک ہو۔''

''کمیل احمد ٹھیک رہے گا چاچو!'' کبیر بھائی نے کہا۔

''بالکل ٹھیک...... کیوں بھئی میاں کمیل...... خوش ہو اس نام سے؟'' چاچو نے اس ننھے سے بچے کو اٹھا کر اس سے سوال کیا۔ سب کھلکھلا کر ہنسے تھے...... ایسا قہقہہ جانے کب سے نہیں سنا تھا، ہنسی اس گھر میں لوٹ آئی تھی۔

☆☆☆

ہمارے قیام کے دوران ہی گل پھپو، تحریم کے ساتھ ہمیں ملنے کے لیے آئیں۔ ان کے چہرے پر حزن کی کیفیت تھی، مجھے ملتے ہوئے وہ سسکیاں لینے لگیں۔''تم سے مجھے اپنے بھائی کی خوشبو آتی ہے، انہیں تم سے بہت پیار اور تم پر بڑا مان تھا۔'' میں بھی اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکی۔

''خوشی کا موقع ہے پیاری......'' چاچو نے ہمیں الگ کیا۔''ایسے موقع پر روئیں نہیں، بھائی جی کو یاد چاہے کریں مگر رو کر نہیں، ان کے لیے دعا کیا کریں۔'' ہم دونوں نے اپنے آنسو پونچھے۔

''کب واپس آ رہا ہے کامل؟'' چاچو نے سوال کیا، میں نے نظر چرا کر پھپو کو دیکھا۔

''کہاں سے؟'' انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

''سنا تھا کہ وہ جرمنی گیا ہوا ہے......'' چاچو نے سادگی سے کہا۔

''وہ تو کہیں نہیں گیا......'' پھپو نے کہا۔''البتہ واپس کینیڈا جانے کے منصوبے بناتا رہتا ہے...... مگر آپ نے کہاں سے سنا ایسا؟'' انہوں نے چاچو سے پوچھا۔

''ہوسکتا ہے کہ کسی اور کی بات ہوئی ہو اور میں کامل کا سمجھا.....'' چاچو نے بات گول کی۔ زین نے کتنا سفید جھوٹ بولا تھا۔

''ابھی وہی ہمیں ڈراپ کر کے گیا ہے اور واپسی پر بھی لینے آئے گا..... آتا ہی ہوگا بلکہ.....'' ان کی بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ وہ نظر آ گیا، لاؤنج کے دروازے کے پاس وہ باہر کھڑا تھا۔ ''یہ لیں وہ آ گیا۔'' پھپو گرم جوشی سے کہہ رہی تھیں اور میں کوئی راہِ فرار نہ پا رہی تھی۔ وہ دشمنِ جاں یوں میرے سامنے آ جائے گا، سوچا تک نہ تھا۔ زین سے یہ سن کر کہ وہ جرمنی گیا ہوا ہے میں دل سے مطمئن ہوگئی تھی کہ لاہور جا کر اس سے سامنا نہیں ہوگا۔

''تم ٹھیک تو ہو امرت؟'' فاطمہ نے مجھے دیکھ کر سوال کیا تھا۔

''ہاں بس وہ سفر کی تھکاوٹ......'' میں نے عذر تراشا۔

''بس دس منٹ میں کھانا لگ جاتا ہے، کھا کر آرام کر لینا۔'' مہر پھپو نے فوراً کہا۔

''جی پھپو!'' میں نے ہولے سے کہا۔

وہ سب سے مل رہا تھا، چاچو نے اٹھ کر گرم جوشی سے اس سے معانقہ کیا، کبیر بھائی بھی اس سے ملے۔ امو جان اور مہر پھپو نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ میں خواہ مخواہ چوروں کی طرح محسوس کر رہی تھی، میرے لیے ممکن ہوتا تو میں سلیمانی ٹوپی پہن کر اس منظر سے غائب ہو جاتی۔

''السلام علیکم......'' وہ میرے سامنے کھڑا تھا، اس لمحے کی طرح جس سے میں کترا کر گزرنا چاہتی تھی۔

''وعلیکم السلام......'' میں نے بصد کوشش اپنے وجود کے پاتال سے آواز نکالی۔

''کیسی ہو؟'' سوال آیا۔

''جی اچھی ہوں!'' ہولے سے میں نے جواب دیا۔

''مبارک ہو تمہیں!'' اس نے پھر کہا، میں کیوں چاہ رہی تھی کہ وہ چلا جائے، اس کا مبارک باد کہنا بھی مجھے اچھا نہ لگا۔ اپنے دل میں چور تھا اس لیے مجھے لگا کہ سب لوگ ہمیں غور سے دیکھ رہے ہوں گے۔

''شکریہ......!'' اس تمام گفتگو میں میں اپنا سر نہ اٹھا سکی تھی۔

''زین نظر نہیں آ رہا؟'' اس نے جانے کس سے سوال کیا کیونکہ وہ میرے سامنے سے ہٹ چکا تھا۔

''وہ نہیں آیا یار......اس کی کوئی مصروفیت تھی۔'' کبیر بھائی نے جواب دے کر میری مشکل آسان کر دی۔

''چلو بھائی ہاتھ دھو لو سب لوگ......کھانا پانچ منٹ میں میز پر ہوگا......اور ہاں میثاق، تم ذرا خانساماں کو بتاؤ کہ جمال کے ڈرائیور کو کھانا وغیرہ ٹھیک سے دے، دے اور اسے آرام کرنے کے لیے اس کا کمرا بھی بتا دے۔''

''جی مما!'' میثاق میرے ساتھ والی کرسی سے اٹھ کر گیا تو کامل کو بیٹھنے کی جگہ مل گئی۔ میں سانس روکے بیٹھی تھی کہیں میری سانسوں کے زیر و بم سے کوئی معنی اخذ نہ کر لے۔

☆☆☆

''یہ کیا بات ہوئی......کل ہی تو تم لوگ آئے ہو اور آج چل دیے۔'' مہر پھپو، چاچو سے ناراضی سے کہہ رہی تھیں۔

''اصل میں، میں تو اپنے خاندان کی اگلی نسل کے اس پہلے فرد کو دیکھنے کے اشتیاق میں آیا ہوں اور اس لیے کہ امرت تنہا نہ جائے ورنہ میں تو اسے کہہ رہا تھا کہ جہاز سے سفر کر لیتی۔''

''اچھا کیا ناں کہ تم بھی چلے آئے ساتھ!'' انہوں نے چاچو کو پیار کیا۔ ''یاد نہیں کہ کب پچھلی دفعہ تم آئے تھے......''

''ارے آپی ابھی تو اگلے دن آیا تھا فاطمہ کی مہندی پر!'' چاچو نے صفائی پیش کی۔

''وہ اگلا دن دو سال پہلے آیا تھا۔'' پھپو نے مصنوعی غصے سے ان کا کان کھینچا۔

''اوہ واقعی ماموں.....؟'' فاطمہ نے حیرت سے پوچھا۔ ''یہ تو واقعی بہت زیادتی ہے۔''

''آج تو نہیں جاسکتے تم واپس، چاہے جو بھی ہو جائے۔'' مہر پھپو نے کہا۔ ''بھائیا جی اقبال بھی آج آرہے ہیں...... ورنہ تمہیں انہیں ملنے کے لیے جاتے ہوئے نور پور سے ہو کر جانا پڑے گا۔''

''ارے نہیں آپی...... میں تو موٹروے سے واپس جاؤں گا، نور پور نہیں جاسکتا...... اور میرا آج جانا لازمی ہے، کل میری اپنے کارڈیالوجسٹ کے ساتھ اپائنٹمنٹ ہے...... ورنہ پھر کئی ہفتے انتظار کرنا پڑے گا۔''

''اوہو......'' پھپو نے کہا۔ ''میں تو خوش ہو رہی تھی کہ آج نصیب سے میرے دونوں بھائی میرے گھر میں ایک ساتھ ہوں گے۔''

''میں دیر سے نکل جاؤں گا، بھائیا جی کو مل کر......'' چاچو نے کہا۔ ''اور امرت ابھی رکے گی، جب تک اس کا دل چاہے گا۔''

''نہیں اندھیرا پڑ جائے گا، دیر سے سفر کرنے سے بہتر ہے کہ تم اپنے پروگرام کے مطابق ابھی نکل جاؤ۔''

''پتا ہے کیا آپی......'' چاچو نے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔ ''میری گاڑی کی ہیڈ لائٹس بھی ہیں...... جب وہ چلتی ہے تو اس کی بتیاں جلنے سے سامنے سڑک بھی نظر آتی ہے۔'' اس پر سب کا بھرپور قہقہہ پڑا تھا۔

تایا اقبال لوگوں کے پہنچتے ہی پھپو نے فوراً کھانا لگوایا تاکہ جمال چاچو وقت پر نکل سکیں۔ ان کے روانہ ہونے کے تھوڑی دیر کے بعد شام کی چائے پی گئی اور تایا جان مع تائی جان اور تمنا کے واپس روانہ ہوئے۔ تمنا سے بھی میری بہت دنوں کے بعد ملاقات ہوئی تھی مگر اس کے ساتھ تنہا بیٹھنے کا وقت ہی نہ ملا۔

☆☆☆

''گل نے کل دن کے کھانے پر بلایا ہے سب کو۔'' رات کے کھانے پر مہر پھپو نے بتایا۔

''میں کیسے جاسکتی ہوں مما......؟'' فاطمہ نے معذرت کی۔ ''اتنے چھوٹے سے بچے کے ساتھ اتنا سامان لے کر جانا۔''

''میں فاطمہ کے پاس رک جاؤں گی۔'' میں نے فوراً اپنی خدمات پیش کیں۔

''گل نے سب کو کھانے پر بلایا ہے...... تمہیں خاص طور پر کہ تم اپنی شادی کے بعد پہلی بار آئی ہو۔'' مہر پھپو نے بتایا۔

''مگر ابھی تو میں اکیلی آئی ہوں، جب بھی زین کے ساتھ آئی تو......'' میں نے تاویل پیش کی۔

''زین کے ساتھ......'' میثاق ہنسا۔ ''جیسے کہ وہ تمہارے ساتھ لاہور آہی جائے گا۔''

''کیوں نہیں آئے گا؟'' میں نے چتون چڑھا کر پوچھا۔

''جیسے کہ ابھی نہیں آیا......'' میثاق نے وضاحت کی۔ ''وہ کہتا ہے اسے اپنے دوستوں کے ساتھ سفر کرنا پسند ہے نہ کہ فیملی کے ساتھ...... اور تو اور فاطمہ کی مہندی پر بھی وہ اپنے دوستوں کے ساتھ سفر کر کے آیا تھا اور رات کو دیر سے فارغ ہو کر سونے کے لیے بھی وہیں گیا تھا جہاں وہ لوگ کسی ہوٹل میں قیام پزیر تھے......''

''ظاہر ہے کہ شادی والے گھر میں مہمانوں کا رش ہوتا ہے۔'' میں نے فوراً زین کی صفائی میں کہا۔

''اوہو...... اپنے شوہر کی صفائیاں دیتی ہوئی کتنی پیاری لگ رہی ہو امرت۔'' فاطمہ نے ہنس کر کہا۔

''ہر اچھی بیوی اپنے شوہر کا اسی طرح دفاع کرتی ہے۔'' امو جان کے لہجے میں میرے لیے فخر تھا، پھپو بھی مسکرائیں۔

''اللہ کرے کہ وہ بھی اتنا ہی اچھا شوہر ہو جتنی اچھی یہ بیوی ہے۔'' میثاق نے کہا تو سب نے بیک آواز 'آمین' کہا۔

''ہو سکتا ہے کہ وہ مجھ سے بھی اچھا ہو۔'' میں نے ابرو اچکا کر کہا۔

''اچھا لطیفہ ہے......'' میثاق نے کہا۔ ''جیسے کہ ہم اسے جانتے نہیں۔'' وہ جیسے زیر لب بڑبڑایا تھا۔

''اب تم مجھ سے مار کھاؤ گے میثاق!'' پھپھو نے اسے سرزنش کی۔
''کوئی بات نہیں مہر...... بچے ہیں آپس میں مذاق کر رہے ہیں، تم اس بات کو سنجیدگی سے مت لو اور یہ تو یوں بھی سالی اور بہنوئی کا مذاق ہے......'' اموجان نے میثاق کا دفاع کیا۔
''مذاق میں بھی مراتب کا لحاظ رکھنا لازم ہے۔'' پھپھو کہہ کر کھانے میں مشغول ہو گئیں۔ میثاق خجالت محسوس کر رہا تھا، سب اپنے، اپنے کھانے پر دھیان دینے میں کوشاں ہو گئے۔
میرے فون پر پیغام کی بیپ بجی، فون میز پر الٹا رکھا تھا، میں نے سیدھا کیا۔
''سوری!'' میثاق کا پیغام تھا۔
''چاول لو میثاق!'' میں نے مسکرا کر چاولوں کی ڈش اٹھا کر اس کی طرف بڑھائی۔
''ٹھیک ہے، کل سب چلیں گے گل کے ہاں دوپہر کے کھانے پر...... فاطمہ کے پاس اس کی ملازمہ رکے گی۔'' کھانا ختم ہونے پر پھپھو نے اعلان کیا۔

☆☆☆

''تم نے اپنے اسکول میں بتا دیا ہے کہ......'' مما نے سوال کیا تھا۔
''جی مما...... انہیں ویسے بھی علم ہو ہی جانا تھا، ڈاکٹر یاسمین کی بھانجی میری کلاس میں پڑھتی ہے، اسے بھی اس کی ماں نے بتا دیا تھا اور مجھے بھی مبارک باد دے رہی تھی، میں نے سوچا کہ اس سے پہلے کہ کہیں اور سے خبر پہنچے......''
''ایک تو مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگوں کو کس بات کی اتنی خوشی ہو رہی ہے کہ مبارک بادیں دیتے پھر رہے ہیں، جب تک کہ تم ان سے نہ کہو کہ تم کتنی خوش ہو...!'' چار دن پہلے لاؤنج میں بیٹھ کر زائنہ کی ساس کو زائنہ کے بارے ایسی ہی بات کی مبارک بادیں دیتی ہوئی مما...... اس وقت کتنی بڑی منافق لگ رہی تھیں۔
''مجھے تو خود علم نہیں مما کہ مجھے اس بات پر خوش ہونا چاہیے یا پریشان؟''
''تم اچھی طرح جانتی ہو کہ یہ تمہاری اپنی سازش ہے، میرے بیٹے کو ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے پھانسنے کے لیے تم نے یہ طوق اس کے گلے میں ڈالنے کا سوچا ہے۔''
''میں اس کے گلے میں کیا طوق ڈال سکتی ہوں مما...... اسے خود ہی اس ان چاہے رشتے کا طوق اپنے گلے میں نہیں ڈالنا چاہیے تھا۔''
''اللہ معاف کرے ان کو......'' انہوں نے لہجے میں جہاں بھر کی تلخی سمیٹ کر کہا۔ ''تمہارے والد صاحب نے خود جمال سے کہہ کر بلکہ مجبور کر کے یہ رشتہ دیا...... انہیں جذباتی کر کے کہ یہ رشتہ ان کے والد صاحب کی خواہش تھی، اللہ جانتا ہے کہ ایسا تھا بھی کہ نہیں، ایسے بے جوڑ رشتے کے بارے میں انہوں نے سوچا بھی کیونکر...... رہتے یہاں تھے مگر فائدہ انہوں نے گاؤں والے بیٹے کا سوچا، جانے مر جانے والوں کی خواہشات زندہ انسانوں کی خواہشات پر فوقیت کیوں لے جاتی ہیں؟'' انہوں نے سو فیصد وہی بات کی تھی جو میں نے اس وقت سوچی تھی جب ابوجان نے مجھ پر یہ رشتہ مسلط کرنے کو یہ جواز پیش کیا تھا۔
مگر میں تو مما کو جواباً کہہ بھی نہیں سکتی تھی کہ مجھ پر بھی یہ شادی اسی طرح مسلط کی گئی تھی جس طرح کہ ان کے بیٹے پر، میں تو اپنے باپ کے مان کے آگے مجبور ہو گئی تھی مگر زین کو کیا مجبوری تھی؟ اس روز کہہ رہا تھا۔ محبت! تو اسے مجھ سے محبت تھی، چاچو سے یا کسی اور سے محبت تھی؟ کیا واقعی ہم کسی مثلث کے کردار تھے......
''بہت پڑھی لکھی اور عقلمند ہو تم مگر ایسی باتوں میں مشورہ کر لینا بہتر ہوتا ہے، کم از کم تم مجھ سے پوچھ لیتیں کہ کس طرح اس معاملے کو سنبھالنا ہے۔ چند دنوں میں، میں کوئی اور ڈاکٹر ڈھونڈ لوں گی اور پھر نہ یہ بچہ ہو گا نہ تمہیں

جاب چھوڑنے کی کوئی مجبوری......'' انہوں نے بے رحمی سے کہا۔

''اب اور بھی زیادہ وقت گزر چکا ہے مما......'' میں نے لجاجت سے کہا۔

''بچے پیٹ میں مر بھی تو جاتے ہیں، پیدائش سے پہلے، آخری وقت پر بھی مر جاتے ہیں!'' ان کے لہجے میں کسی قاتل گفتگو کی جھلک تھی۔ میں خوفزدہ ہوئی تھی۔

☆☆☆

امو جان اور مہر پھپو بتا رہی تھیں کہ رانیہ کے ہاں بچے کی ولادت متوقع تھی اور اس کے بعد ثنا کی شادی کا ارادہ تھا، تسنیم چچی بھی چاہ رہی تھیں کہ وہ آئندہ برس اپنے دونوں بیٹوں کی شادیاں ایک ساتھ کردیں تو عباس چچا کوشش کررہے تھے کہ ثنا کا کہیں رشتہ طے ہوجائے۔ امو جان نے ثنا کے بارے میں شامیر کی رائے مانگی تھی تو اس نے انکار کردیا تھا اس لیے اب اسے خاندان سے باہر ہی بیاہنا تھا۔ رشتے کی ساری پھوپیاں اور چچیاں، تائیاں اس وقت پیش پیش تھیں کہ ثنا کے لیے کوئی اچھا رشتہ مل جائے۔

''تمہیں کیا لگتا ہے، اس کا بیٹا ہوگا یا بیٹی؟'' مہر پھپو پوچھ رہی تھیں۔

''ہوں......'' امو جان سوچ میں پڑ گئیں۔ ''اگر تو ماں پر پڑی تو پھر تو بیٹی ہوگی اور اگر ساس پر تو بیٹا ہوگا۔'' ان کے یوں قیافوں پر مجھے دل میں ہنسی تو بہت آئی مگر ایسے معاملات میں ہم لڑکیوں کو بیاہ کے بعد بھی بولنے کی اجازت نہ تھی۔ ''ویسے اس کی چال سے تو لگتا ہے کہ بیٹا ہوگا۔''

''چلو جو بھی ہو بیٹا یا بیٹی...... صحت و سلامتی والا ہو!'' پھپو نے کہا۔

''مجھے تو بس یہ ڈر ہے کہ شہر بانو کا کیا ردِعمل ہوگا اگر بیٹی ہوئی تو؟'' امو جان نے کہا۔

''کیوں، اسے کیا اعتراض ہے بیٹی کی پیدائش پر؟''

''جب تمہارے بھائی جی نے اسے تجویز دی تھی کہ عباس کے ہاں سے رشتہ لے، لے، رانی کا یا ثنا کا تو اس وقت اس نے کہا تھا کہ ان کی ماں نے تو بیٹیاں ہی بیٹیاں جنی ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے گھر میں بیٹیاں ہی بیٹیاں جمع ہوجائیں۔''

''ہونہہ...... خود تو جیسے اس نے سارے بیٹے ہی جنے ہیں، ناں ایک بیٹا پیدا کر کے پیچھے دو بیٹیاں اس نے بھی پیدا کی ہیں بھابی!'' مہر پھپو نے غصے سے کہا۔

''اچھا چلو...... ہمیں کیا لینا دینا کہ کسی کے ہاں کیا ہونا ہے اور کیا نہیں۔'' امو جان نے کہا۔ ''اس وقت تو بتاؤ کہ چائے پینے کے بارے میں کیا خیال ہے؟ یہ امرت بہت مزے کی چائے بناتی ہے۔'' مجھے لگا کہ امو جان نے مجھے وہاں سے اٹھانے کے لیے ایسی بات کی تھی۔ کبیر بھائی اور فاطمہ اپنے کمرے میں آرام کررہے تھے اور مجھے نیند نہیں آرہی تھی تو میں وہیں بیٹھی تھی۔

''اس وقت چائے پی لی تو رات جاگ کر ہی گزرے گی پیاری بھابی!'' مہر پھپو نے ہنس کر کہا۔ ''تم صرف چائے ہی اچھی بناتی ہو یا کچھ اور بھی؟''

''اور کیا مثلاً؟'' میں نے بوکھلا کر پوچھا۔

''بھئی تم بھی اب اپنا خاندان بناؤ، بچے وچے پیدا کرو......'' پھپو نے واضح بات کی تو میرے گال لال ہوگئے۔

''جب اللہ کی مرضی پھپو!'' میں نے ہولے سے کہا۔

''اللہ کرے کہ اللہ ہی کی مرضی ہو......'' انہوں نے ہنس کر کہا۔ ''آج کل کے بچوں کی بھی بہت مرضیاں ہونے لگی ہیں اور اسی من مانی اور مرضی میں اپنی جانوں کو ایسے، ایسے روگ لگا بیٹھتی ہیں کہ بعد ازاں مسائل ہوتے ہیں۔''

''چائے میٹھی لیں گی یا پھیکی پھپو؟'' میں نے اٹھتے ہوئے سوال کیا۔

''بات ٹالنا بہت اچھی طرح آتی ہے تمہیں امرت!'' ان کی بات پر میں ہنسی۔ بات تو ان کی میں نے ٹال دی تھی مگر وہ بات میرے کانوں کے راستے دماغ میں اتر کر وہیں چپک کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

ہمارے کمرے کا اے سی کام نہیں کر رہا تھا اور گرمی کڑاکے کی پڑ رہی تھی، اوپر کے فلور کا جو کمرا سب سے زیادہ دھوپ کی زد میں ہوتا تھا، وہ ہمارا تھا۔ یوں تو مجھے گرمی زیادہ نہیں لگتی تھی مگر اس حالت میں گرمی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔ گھر کے سب افراد اپنے اپنے کاموں کے سلسلے میں گھر سے باہر تھے۔ میں نے سوچا کہ نیچے جا کر مما کو بتاتی ہوں کہ وہ اے سی کی مرمت کے لیے شکایت درج کروا دیں۔ مما کے کمرے کا دروازہ لاکڈ تھا، حسنہ اور زائنہ کے کمرے بھی نچلی منزل پر تھے۔ میں نے ناب گھما کر چیک کیا تو حسنہ کے کمرے کا دروازہ بند تھا، زائنہ کے کمرے کے بارے میں مجھے اندازہ تھا کہ اس کی شادی کے بعد اس کا کمرا معمول میں استعمال نہیں ہوتا تھا مگر وہ اب بھی اسی کا کمرا کہلاتا تھا۔ اس کمرے کی باقاعدگی سے صفائی کروائی جاتی تھی اور اس میں اس کے استعمال کی چیزیں اسی طرح پڑی ہوئی تھیں جس طرح کہ وہ یہاں رہتے ہوئے رکھتی تھی اور جاتے ہوئے چھوڑ جاتی تھی۔

لڑکوں کے کمروں کے دروازے لاکڈ نہیں ہوتے تھے مگر حسنہ یونیورسٹی جاتے ہوئے اپنا کمرا لاک کر کے جاتی تھی، ممکن ہے کہ اس کی کوئی بہت قیمتی چیزیں اس کمرے میں ہوں ورنہ اس گھر کے ملازمین تو انتہائی قابلِ اعتماد تھے اور گھر والوں کی عدم موجودگی میں بھی گھر کی دیکھ بھال اسی طرح کرتے تھے جس طرح کہ ان کے ہوتے ہوئے۔ تھوڑی دیر کے لیے میں لاؤنج میں بیٹھی مگر نیند آ رہی تھی، میں نہیں چاہتی تھی کہ وہاں بیٹھے، بیٹھے سو جاؤں اور ملازمین یا گھر کا بھی کوئی فرد مجھے وہاں سوئے ہوئے دیکھے۔

''چلو زائنہ کا کمرا دیکھ لیتی ہوں!'' خود سے کہتی ہوئی میں اس طرف بڑھی اور بے دھیانی میں دروازہ کھولا تو اندر روشنی بھی تھی اور کمرے میں ٹھنڈک بھی، گویا اندر اے سی چل رہا تھا۔ میں ٹھٹک کر رک گئی، اندر بیڈ پر ارسل سو رہا تھا، وہ گہری نیند میں تھا۔ اس کے پیروں میں اس کے جوتے تھے، غالباً اس کا سونے کا ارادہ نہ تھا اور وہ بیٹھے، بیٹھے سو گیا تھا۔ میں نے اسی آہستگی سے دروازہ بغیر آواز کے بند کیا اور واپسی کے لیے مڑی۔ مگر وہی ایک لمحہ تھا کہ جس کی زد میں آ کر میں نے برے حالات کا شکار ہونا تھا، انہی قدموں پر میں آہستگی سے پلٹی تھی اور مڑی تو مما اور زائنہ..... عین میری نظروں کے سامنے۔

''آپ کہاں تھیں مما؟'' جانے کیوں میری زبان سے پھسلا۔

''تو تم یہاں اس کمرے میں مجھے ڈھونڈنے کے لیے آئی تھیں؟'' انہوں نے ابرو اچکا کر سوال کیا۔ ''تم نے سمجھا کہ میں یہاں ارسل کے پاس ہوں؟''

''مگر مجھے تو علم نہیں تھا کہ ارسل بھائی اس کمرے میں ہیں.....'' میں نے صفائی پیش کی۔ ''تم کب آئیں زائنہ؟'' میں نے بوکھلاہٹ میں ایک اور سوال کیا۔

''ارسل نے نہیں بتایا تمہیں؟'' اس کے لہجے میں کیا تھا، میں اندر سے سرد ہو گئی۔

''وہ تو اندر سو رہے ہیں، مجھے نہیں علم تھا کہ آپ لوگ آئے ہوئے ہیں اور اس کمرے میں ارسل بھائی.....'' میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی دروازہ کھلا اور ارسل باہر نکلا۔

''آ گئے آپ لوگ واپس؟'' اس نے زائنہ سے سوال کیا۔

''کیوں، کیا ہم جلدی آ گئے..... مخل ہوئے ہم لوگ؟'' تیر ہی تیر..... میں اس کے الفاظ کے مطالب نہ چاہتے ہوئے بھی سمجھ رہی تھی۔ ''یہ تو کہہ رہی تھی کہ تم سو رہے ہو..... مگر لگتا ہے کہ اس نے تمہیں صحیح طرح نہیں سلایا؟''

"کیا بتایا ہے ڈاکٹر نے...... سب ٹھیک تو ہے ناں؟" اس نے زائنہ کی باتوں کو نظر انداز کر کے سوال کیا۔
"تو کیا یہ بھی تمہاری منصوبہ بندی؟" زائنہ نے اپنے لہجے کی تلخی کو برقرار رکھا۔
"کیا تھی میری منصوبہ بندی؟" اس نے بھی غصے سے کہا۔ "کیا فضول باتیں کر رہی ہو تم زائنہ؟ میں کچھ پوچھ رہا ہوں ۔ تم سے اور تم کچھ اور جواب دے رہی ہو!"
"تم وہاں سے میرے ساتھ آئے اور یہاں آ کر رک گئے، جانتے ہو گے کہ یہ گھر پر ہی ہے......اور مجھے گھر سے مما کے ساتھ بھیج کر تم اس کے ساتھ گھر پر رنگ رلیاں......"
"مما......اس کو روکیں......اس سے کہیں کہ اپنی زبان پر قابو رکھے۔ اسے بتائیں کہ آپ کو میں نے اس کے ساتھ نہیں بھیجا تھا بلکہ آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ میں گھر پر رکوں کیونکہ میرے وہاں جانے کی ضرورت نہیں تھی۔" وہ چلا کر بولا۔
"کول ڈاؤن......" مما نے کہا۔ "دونوں خاموش ہو جاؤ تھوڑی دیر کے لیے۔" میں تو وہاں کسی ایسے مجرم کی طرح کھڑی تھی جس کے پاؤں پر میخیں گاڑ دی گئی ہوں اور وہ حرکت کرنے کے قابل نہ رہا ہو۔
"آپ نے دیکھا مما...... یہ اس کمرے سے ہمارے سامنے باہر نکلی ہے، اس میں کوئی دو رائے نہیں ہیں ناں۔" وہ چیخ کر بولی۔
"پلیز زائنہ...... میرے کمرے کا اے سی خراب تھا اس لیے میں نیچے آئی تھی۔" میں نے صفائی پیش کی۔
"مجھے علم نہیں تھا کہ تم لوگ آئے ہوئے ہو اور پھر یہ کہ تم اور مما گھر پر بھی نہیں ہو...... میں نے دروازہ کھول کر ارسل بھائی کی جھلک دیکھی اور فوراً دروازہ بند کر دیا بلکہ میں تو خود شرمندہ......" میں نے جلدی، جلدی سے کہا۔
"تمہارے کمرے کا اے سی خراب ہونے کا مطلب ہے کہ تم میرے شوہر کے ساتھ، میرے کمرے میں۔" اس نے میری بات کاٹ کر اپنے مطلب کے معانی اخذ کرتے ہوئے فضول بات کی۔
"بند کرو اپنی بکواس زائنہ......ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔" ارسل چیخا تھا۔
"کیا برا ہوگا...... کیا برا کر لو گے تم میرے ساتھ؟" وہ جواباً چیخی۔ "اس سے برا تم اور کیا کر لو گے، میرے باپ کے گھر کی چھت تلے، ان کی بہو کے ساتھ......تم ان کی عزت کی دھجیاں اڑا رہے ہو، اس کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہے ہو اور کہہ رہے ہو کہ تم کچھ اور برا بھی کر سکتے ہو میرے ساتھ؟"
"زائنہ! میں تمہیں طلاق......" وہ چیخا تھا۔
"خدا کے لیے ارسل بھائی...... ہوش میں رہیں آپ، اپنے حواس نہ کھوئیں......زائنہ کو غلط فہمی ہوئی ہے تو ہم اس کی غلط فہمی دور کر دیں گے۔" میں نے ان کی منت کی۔
"تم اپنی حدود سے باہر نکل رہے ہو ارسل...... بات اتنی نہیں ہے جسے تم اتنا بڑھا رہے ہو۔" مما نے بھی غصے سے کہا۔ "اس بے حیا لڑکی کی وجہ سے تم نے معاملہ اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ تم نے میری بیٹی کو طلاق کی دھمکی دے دی ہے۔"
"میں نے اسے کوئی دھمکی نہیں دی......" ارسل چلایا۔ "میں اسے طلاق دیتا ہوں۔"
"بس ارسل بھائی!" میں ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ "اس سے آگے کچھ نہ بولیں! آپ بہت غصے میں ہیں مگر اپنے حواس قائم رکھیں، ایسا نہ ہو کہ آپ کو پچھتانا پڑے کہ جو الفاظ آپ کے منہ سے نکل جائیں گے وہ واپس نہیں آ سکیں گے۔"
"یہ اسی قابل ہے شاید...... اس نے صرف تم پر ہی نہیں امرت، مجھ پر بھی شک کیا ہے، میری دیانت داری اور وفا پر شک کیا ہے میں اس کی زبان کی بہت سی بدتمیزیوں کو برداشت کرتا ہوں مگر یہ نہیں...... میں مزید اس کے ساتھ رہ کر اس کی ایسی فضول اور گھٹیا سوچ کو برداشت نہیں کر سکتا! اس لیے میں ابھی اس کو، اسی وقت......"
"خدا کے لیے ارسل بھائی! اس وقت آپ چلے جائیں یہاں سے اور مزید کچھ نہ کہیں......" میں نے رو،

روکر اپنا گریبان بھی بھگولیا تھا۔ وہ دندناتا ہوا واپس کمرے میں گیا، اس کے عقب میں دروازہ پورا کھلا تھا، بیڈ کی سائڈ ٹیبل سے اس نے اپنا فون اور بٹوا اٹھایا تھا۔ وہ اسی حلیے میں سو رہا تھا جس میں وہ غالباً یہاں آیا ہوگا، بٹوا اپنی پینٹ کی جیب میں رکھتا ہوا وہ باہر نکلا، خونخوار نظروں سے زائنہ کو دیکھا۔

''آپ فکر نہ کرو بہن...... اللہ بہتر جانتے اور انصاف کرنے والا ہے۔'' میرے سر پر ہاتھ رکھ کر خدا حافظ کہا اور ان دونوں سے کچھ کہے بغیر باہر نکل گیا۔

میں ہچکیوں سے رونے لگی اور زائنہ کی زبان سے گویا گولیاں فائر ہونے لگیں۔

''بے غیرت...... بے حیا...... ذلیل...... لعنتی...... بے شرم...... زانی......'' جو کچھ اس کے منہ میں آرہا تھا وہ بکے جارہی تھی، جانے اسے سنا رہی تھی جو جاچکا تھا یا مجھے۔ اس کی لغت میں اتنی گالیاں ہوں گی اور وہ بھی ایسی میں نے اس کے بارے میں کبھی درست اندازہ نہیں لگایا تھا۔

''اب تم بھی کہیں مرو گی یا یہیں کھڑے ہو کر تماشا دیکھتی رہو گی؟'' خون آشام نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے مما پوچھ رہی تھیں۔ ''دفع ہو جاؤ تم کہیں...... دور ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے، میرے گھر کو چھوڑ دو تم' ورنہ تم تباہ کردو گی اس گھر کو۔''

''آپ میری پوری بات تو سنیں مما......'' میں نے لجاجت سے کہا۔

''میری بیٹی کے شوہر کو پھنسا کر اس کے منہ سے میری بیٹی کو طلاق تو کہلوادی، اب اور کیا سنانا چاہتی ہے تو؟''

وہ تم سے تو پر آگئی تھیں اور غصے سے ان کے منہ سے کف نکل رہا تھا۔ ان کا غصہ بیٹی کے شوہر کی طرف سے طلاق کے الفاظ کہے جانے پر بجا مگر وہ میری بات سنتیں تو انہیں اندازہ ہوتا کہ وہ دونوں کتنی غلط تھیں۔ ''میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ تمہارے پیٹ میں جانے کس، کس کا بچہ ہے۔''

''تو کیا یہ بھی پریگننٹ ہے مما؟'' زائنہ کو اس صورتِ حال سے خاصی دلچسپی محسوس ہوئی تھی...... ''کیا زین ...... میرا مطلب ہے کہ اس نے اسے اپنی بیوی بنا کر رکھا ہے اسے کیا؟ میں تو سمجھی تھی کہ پاپا کی ضد اور مطالبے کو مان کر صرف نکاح کر کے لاکر گھر میں ڈال دے گا۔''

''تمہارے باپ کی ضد تو تھی مگر جانے ان ماں بیٹی نے کیا جادو کر دیا تھا میرے بیٹے پر کہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ باپ کے سامنے ہاں کر بیٹھا۔''

''پاپا نے اسے ڈراوا ہی ایسا دیا تھا مما...... اور انہیں دوسروں کو جذباتی کر کے اپنی بات منوانا آتا ہے اچھی طرح۔'' زائنہ کیوں پیچھے رہتی مما سے...... ''اگر زین نے بحالتِ مجبوری اس سے نکاح کرلیا تو اسے بیوی بنانے کی کوئی مجبوری تو نہیں تھی اسے...... اب یہ کس طرح پریگننٹ ہے؟''

''یہی تو میں نہیں جانتی کہ اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ کس کا ہے۔''

''خدا کے لیے مما......'' میں چیخی۔ ''ایسا نہ کہیں۔ آپ کی بیٹی بھی اسی حالت میں ہے...... اگر یہی سوال کوئی اس سے کرے تو آپ کو کیسا لگے گا؟''

''بکواس بند کرو بے حیا...... میری بیٹی کو خود سے نہ ملاؤ...... چند منٹ پہلے تو تم رنگے ہاتھوں اس کے شوہر کے ساتھ پکڑی گئی ہو۔'' وہ مغلظات اگل رہی تھیں اور میں بے بسی سے سب کچھ سن رہی تھی۔ ''میری بیٹی تمہاری طرح... بدکردار ہے نہ ہی وہ اپنے شوہر کے علاوہ کسی اور مرد کے کمرے سے برآمد ہوئی ہے کبھی۔'' حد ختم ہوگئی تھی۔ ان کی سوچ اتنی غلیظ اور زبان اتنی کاٹ دار تھی، مجھے جلد ہی کوئی فیصلہ کرنا تھا، میں اس طرح کے حالات میں مزید نہیں رہ سکتی تھی۔

(جاری ہے)

کبھی کبھی اداسیوں کے موسم اتنے طویل ہوجاتے ہیں کہ سانسیں لینا محال اور جینا دشوار ہوجاتا ہے۔ طلوعِ سحر کے انتظار میں تھکن روم، روم میں سرائیت کرجاتی ہے۔

افق اور اس کی قسمت دونوں کو سیاہ بادلوں نے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔

آسمان پر ایک پُرشکوہ نگاہ ڈال کر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

اچانک ایک جگنو نے اس سمت کا رخ کیا تھا...

یکایک اندھیرا چھٹا تھا اور اس کا آنگن روشن ہوا تھا مگر تب

گنگنادی آ زندگی

دانیہ آفرین



تک وہ اپنی آنکھوں میں مایوسیوں کے رنگ لیے لوٹ چکی تھی۔

☆☆☆

”حنین میں نے تم سے کہا تھا کہ میری بلیک شرٹ استری کر دو تم نے وائٹ شرٹ استری کر دی، کہاں دماغ ہوتا ہے تمہارا آج کل؟“ اسود کڑے تیور لیے اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

”سوری، بس پانچ منٹ میں بلیک شرٹ استری کر دیتی ہوں......“ شرمندگی سے سر جھکائے وہ استری اسٹینڈ تک آ گئی۔

”کب تک چلے گا یہ سب؟ تم آج کل ہر کام الٹا کر رہی ہو۔“ اسود بھی اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا۔

”اسود پلیز میرے سر میں درد ہے۔“ بیزاری سے کہتی وہ شرٹ استری کرنے لگی۔

”چھوڑو اسے، مت کرو یہ احسان مجھ پر۔“

اس کے ہاتھ سے شرٹ کھینچ کے اس نے وہی سلوٹوں والی شرٹ پہن لی اور غصے سے بڑبڑاتا ہوا گھر سے نکل گیا۔

حنین لب بھینچے اپنے آنسوؤں کو پلکوں کی باڑ سے باہر آنے سے باز رکھنے کی کوشش کرنے لگی۔

روز کا یہی معمول تھا۔ ناشتا، کھانا، صبح، شام، رات ہر دن کل، کل سے شروع ہو کر کل، کل پہ ختم ہوتا تھا۔ وجہ تھی صرف ایک......

”آپی ابو سے کچھ کہتی کیوں نہیں، آپ لاوارث نہیں ہیں، آپ کے پیچھے آپ کے اپنے موجود ہیں۔“ افزا نے بہن کو خفگی سے دیکھا۔

”افزا جانی سمجھا کرو، بابا کو کہوں گی تو معاملہ اور بگڑے گا۔“ حنین نے بہن کا ہاتھ تھام کر سمجھایا۔

”میرا دل چاہتا ہے کہ اس شخص کو شوٹ کر دوں۔“

حنین نے چونک کر دیکھا۔

افزا کی بھوری آنکھوں میں اپنے بہنوئی کے لیے نفرت اور سخت ناپسندیدگی کا رنگ نمایاں تھا۔

”یہ لیجیے آپ کے لیٹرز، یہی دینے آئی تھی آپ کو......“ افزا نے لفافے اس کی طرف بڑھائے۔

حنین انہیں تھامتے ہوئے ماضی میں کھو گئی جب وہ ڈاکیے کا بے صبری سے انتظار کرتی تھی۔ ڈاکیے کی دروازے پر دستک اس کے اندر زندگی کی نئی لہر دوڑا دیتی تھی۔ اس کے اس دیوانہ پن پر گھر والے اکثر اس پر ہنستے تھے۔

”پتا نہیں ہمارے ماں باپ اپنی بیٹی کے لیے کماؤ داماد کیوں پسند کرتے ہیں؟ ذہنی ہم آہنگی نہ ہو تو شکل، صورت، پیسہ سب دھرا رہ جاتا ہے۔“ افزا نے گھر کے انٹیریر کو دیکھتے ہوئے تاسف سے کہا۔

حنین اس کی آواز پہ ماضی سے حال میں لوٹی تھی۔

”ملک کی بہترین مصنفہ جس کے لاکھوں فینز ہیں، جو ہر ادارے اور ایڈیٹر کی ڈیمانڈ ہے، اس کا شوہر اسے لکھنے سے روک رہا ہے اور عالم افسوس تو یہ ہے کہ وہ شخص جاہل بھی نہیں، سول انجینئر ہے۔“

افزا کا غصہ کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ بیل بجنے کی آواز پہ دونوں چونکی تھیں۔

”لگتا ہے امی (ساس) آ گئیں، افزا پلیز تم ان سے تمیز سے بات کرنا۔“ حنین نے اس کا ہاتھ تھام کر التجا کی۔

”کون آیا ہوا ہے؟“ ثریا بیگم نے ڈرائنگ روم کے دروازے سے رعب دار آواز میں پوچھا۔

”امی افزا آئی ہوئی ہے۔“

”اچھا تو ہمارے پیچھے میکے والے آئے ہوئے ہیں۔“ ثریا بیگم نے بڑی سی عینک کے پیچھے سے افزا کو گھورا۔

”السلام علیکم آنٹی، وہ میں یہاں سے گزر رہی تھی تو سوچا کہ آپی سے ملتی جاؤں۔“ افزا نے بوکھلاہٹ سے جواب دیا۔

”اچھا ہے، آ گئی ہو تو کھانا کھا کر جانا۔“ ثریا بیگم نے بے دلی سے مروت دکھائی۔

”نہیں، نہیں میں بس چلتی ہوں، اوکے آپی، اللہ حافظ۔“

افزا، ثریا بیگم سے الوداع کر کے الٹے قدموں بھاگی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے جذباتی انداز میں تقریر کرنے والی افزا بھی ثریا بیگم کی رعب دار شخصیت سے گھبرا گئی

تھی۔ حنین بہن کی حالت سے خط اٹھاتی لفافے لیے اپنے کمرے میں آ گئی۔

آج وہ بہت دنوں بعد مسکرائی تھی، کچھ لمحوں کے لیے ہی سہی۔ سچ ہے بابل کے گھر کی ہوا بھی پاس سے گزرے تو سکون کا احساس ہوتا ہے۔ افزا تو پھر اس کی ماں جائی تھی۔

''ڈیئر حنین خان، ادارے کو آپ کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی ہے، آپ کے پرستار بھی آپ کی تحریر کا بہت بے صبری سے انتظار کر رہے ہیں۔ پلیز سب کو مزید انتظار مت کروائیں اور اپنا کوئی شاہکار ناول جلد بھیج دیجیے۔''

منیرہ ضیا

مدیرہ تحفۂ بہار''

حنین نے نم آنکھوں سے خط کو لفافے میں واپس رکھ دیا اور بھی کئی خط تھے جو یقیناً پرستاروں کی طرف سے تھے۔ حنین کے لیے مزید پڑھنا دشوار ہو رہا تھا۔ اس نے سب لفافے الماری میں رکھ دیے اور کھڑکی میں آ کر کھڑی ہو گئی۔

ٹھنڈی ہوا نے اس کے اعصاب کچھ بحال کیے تو وہ کاغذ قلم لے کر بیٹھ گئی۔ اس دن کافی دیر تک وہ قرطاس پہ اپنے قلم سے الفاظ بکھیرتی رہی تھی۔

☆☆☆

''حنین بیٹا اپنا خیال رکھا کرو، اس حالت میں خود سے بے پروائی ٹھیک نہیں۔'' امی اس کی حالت دیکھ کر متفکر ہوئی تھیں۔

''ٹھیک ہوں میں امی۔'' ہارے ہوئے انداز میں کہہ کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔

آج وہ عرصے بعد میکے آئی تو سب اس کی حالت کے پیشِ نظر پریشان تھے۔

وہ کیا کہتی سب سے کہ آپ لوگوں کے فیصلے کی ہی وجہ سے تو ہوا ہے میرا یہ حال۔

''آپی پبلشر کی طرف سے یہ چیک آیا تھا آپ کا۔'' افزا اس کے سامنے بیڈ پر کچھ فاصلے پر بیٹھ گئی۔

''پچاس ہزار کا چیک!'' حنین دفعتاً حیران ہوئی تھی۔

پھر یوں ہوا کہ

پھر یوں ہوا کہ
آنکھ میں آنسو نہیں رہا
پتھرا گئیں آنکھیں کوئی ارماں نہیں رہا

پھر یوں ہوا کہ
راستے بھی تنگ سے پڑ گئے
ملنے کی حسرتیں سبھی دم توڑتی گئیں

پھر یوں ہوا کہ
کہہ کے پشیمان ہو گئے
وہ بھی سماعتوں کے قابل نہیں رہا

پھر یوں ہوا کہ
دل کی باتیں سبھی گھٹ کے رہ گئیں
اور مجھ سے میرے حال پہ رویا نہیں گیا

پھر یوں ہوا کہ
اس کے پاس بھی کوئی کہانی نہیں بچی
اور میں بھی تھک ہار کے ایسے ہی سو گیا

کاوش: صائمہ سجاد بنگش، کوہاٹ

''صبح پوچھتی ہوں کلامی صاحب سے۔ چیک کو دراز میں رکھ دو افزا۔ اور پلیز مائنڈ نہ کرنا، مجھے کچھ دیر سونا ہے، سر درد سے پھٹ رہا ہے۔'' کہہ کر اس نے کمفرٹ منہ تک لے لیا۔

''جاتے ہوئے لائٹ آف کر دینا۔'' کمفرٹ کے اندر سے ہی اس نے آرڈر دیا۔

''او کے!'' افزا منہ بناتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆

''کلامی صاحب، آپ مجھے میری کتاب کی رائلٹی دے چکے ہیں۔ پھر یہ چیک؟'' حنین نے صبح اٹھتے ہی سب سے پہلے پبلشر کو فون کیا تھا۔

''حنین جی آپ کی کتاب کی ڈیمانڈ اتنی ہے کہ ہمیں آپ کی کتاب کا دوسرا ایڈیشن چھاپنا پڑا، یہ اس کی رائلٹی ہے۔لوگ تو آپ کی دوسری کتاب کے انتظار میں ہیں۔کب دے رہی ہیں آپ ہمیں اپنا اگلا ناول؟''

کلامی صاحب پروفیشنل آدمی تھے۔حنین کسی اور پبلشر سے رجوع کرے یہ انہیں گوارا نہیں تھا۔اس لیے انہوں نے حنین کو بغیر مطلع کیے دوسرے ایڈیشن کی رائلٹی بھجوادی۔

''کلامی صاحب اگر میں نے آگے لکھا تو فکر نہ کریں اپنی کتاب پبلشنگ کے لیے آپ کو ہی دوں گی۔'' حنین، کلامی صاحب کی نیچر سے بخوبی واقف تھی اس لیے انہیں مطمئن کر کے فون بند کر دیا۔

ادارے، پبلشنگ ہاؤس اور قارئین سب کی طرف سے اس پر روز بروز دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

''مبارک ہو آپی! اللہ نے آپ کو بہت کیوٹ سی بیٹی دی ہے۔'' کمرے میں آنے پر افزا نے اس کے قریب آ کے خوشی سے بتایا۔

''ماشاء اللہ! بیٹا اللہ نے رحمت سے نوازا ہے۔'' بابا نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''مبارک ہو بہو، یہ لو تم بھی دیکھو چاند کے ٹکڑے کو۔'' ثریا بیگم نے مسکرا کے ننھی پری کو حنین کے پہلو میں لٹا دیا۔آج حیرت انگیز طور پر ثریا بیگم کا موڈ بھی خاصا خوشگوار تھا۔حنین نے کمرے میں نظر دوڑائی، اسپتال کے پرائیویٹ روم میں اس وقت سب موجود تھے سوائے اسود کے۔ایک بے نام سے خدشے نے اس کے دل میں جنم لیا حنین، افزا کی مدد سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور اپنی ننھی پری کو نم آنکھوں سے دیکھنے لگی، ماں بننا زندگی کا سب سے خوب صورت احساس ہوتا ہے، حنین بیٹی کو والہانہ انداز میں چوم رہی تھی۔جب دروازہ کھلا اور اسود کمرے میں داخل ہوا۔حنین نے سر اٹھا کر دیکھا دونوں کی نظریں ملی تھیں ایک کی آنکھوں میں خدشے، وسوسے تھے، ایک کی آنکھیں پشیمانی سے جھکی تھیں۔آہستہ، آہستہ قدم بڑھاتا ہوا وہ حنین کے قریب آ گیا۔

''حنین! ننھی پری کی آمد مبارک ہو۔'' اس نے چونک کے اسود کو دیکھا۔

''حنین مجھے معاف کر دو، میں ان لمحوں کو واپس تو نہیں لا سکتا جن میں تمہیں میری وجہ سے اذیت پہنچی مگر میں ماضی میں کی گئی اپنی غلطیوں کا مداوا ضرور کر سکتا ہوں، میری طرف سے یہ چھوٹا سا تحفہ قبول کرو۔'' اسود نے تحفہ اس کی طرف بڑھایا۔حنین پلکیں جھپکنا بھول گئی تھی، سمندر کے کنارے ایک نازک سی لڑکی بیٹھی مسکرا رہی تھی، بڑے، بڑے حرفوں میں ''گنگنادی زندگی'' مصنفہ حنین خان لکھا تھا۔

''ہنی! تم مجھ سے چھپ کے ناول لکھتی تھیں، میری اجازت نہیں تھی اس لیے تم نے اسے پبلش نہیں کروایا، یہ بات میں پہلے سے جانتا تھا۔مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا، ایک لکھاری کو لکھنے نہ دینا، اس سے اس کی سانسیں چھین لینے کے برابر ہے۔جب تم اپنے بابا کے ہاں گئی تھیں تب میں نے اسے پبلشر کو دے دیا، ارجنٹ پبلش کروانے کے لیے بڑے پاپڑ بیلے ہیں میں نے۔'' اسود مسکرا کے بتا رہا تھا، حنین نم آنکھوں سے اپنے شریکِ سفر کو ممنون نظروں سے دیکھ رہی تھی، ایک نہ ایک دن انسان کو اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا ہے...... اندھیرا ایک دن ضرور چھٹتا ہے بس جگنوؤں کا انتظار ثابت قدمی سے کرنا ہوتا ہے۔

''ایک راز کی بات بتاؤں، ڈانٹو گی تو نہیں؟'' اسود نے مظلوم چہرہ بنا کے پوچھا۔

''نہیں ڈانٹوں گی۔'' حنین مسکرائی۔

''تم جیسے ہی نئی قسط لکھتی تھیں، اسی رات میں تمہارے سونے کے بعد نئی قسط پڑھتا تھا، تمہارے لاکھوں فینز میں سے ایک ہم بھی ہیں۔'' اسود نے کان پکڑ کے اقبالِ جرم کیا، اسود کے انداز پہ بشمول حنین کے کمرے میں موجود سب لوگوں کے قہقہے بلند ہوئے تھے۔کھڑکی سے جھانکتی زندگی بھی اس لمحے گنگنادی تھی۔



دھواں دھواں ہے زندگی

نگہت غفار

”اے ہے... کیا یہ دلہن ہے؟“ خالہ مہرو نے پان کی گلوری منہ میں رکھتے ہوئے حیرت سے مجھ سے سوال کیا تو میں نے اقرار میں گردن ہلائی۔

”جی۔“

”ہائیں تو سچ کہہ رہی ہے فتو۔“ انہوں نے میرا نام بگاڑتے ہوئے میری طرف غیر یقینی انداز میں دیکھا۔

”یہ ٹہل کیوں لگا رہی ہے کیا اس سے نچلا نہیں بیٹھا جاتا...... موئی کبھی کسی درخت کی اوٹ سے

جھانک رہی ہے کبھی درخت کی ٹہنی پکڑے مسکرا رہی ہے۔ کبھی اس ستون کو گلے سے لگا رہی ہے، کیا بے چینی ہے اس پیر جلی بلی کو۔'' آج خالہ مہرو میرے نصیب میں آئی تھیں۔ اکثر شادیوں میں وہ یونہی گلے شکوے کرتی نظر آتیں، آج کے زمانے پر آج کی دلہنوں پر دل بھر کر لعنت بھیجتیں۔ اپنے جھریوں بھرے گال پیٹتیں گول، گول شیشوں والے چشمے میں ان کی آنکھیں کبھی روٹھی، روٹھی سی تو کبھی حیرت سے رنگ بدلتی نظر آتیں۔

''اری فتو ذرا دیکھ تو اس بے شرم...... بیہودہ کو کیسے میاں کے کندھے پر سر ڈال کر پڑی ہے۔''

''ارے بوا...... یہ پوزنگ'' ہو رہی ہے آج کل ایسا ہی ہو رہا ہے مووی اور تصویریں بن رہی ہیں۔''

''توبہ ہے۔'' انہوں نے پھر غصے سے دلہن بیچاری کو گھورا۔

''خالہ یہ فیشن ہے، یادگار دن کی یادوں کو تو آپ لوگ بھی محفوظ کرتے تھے ناں۔'' میں نے ہلکی سی ناگواری سے کہا۔

''ہاں بالکل ہمارے زمانے میں بھی کرتے تھے ایسا...... کالی، سفید تصویریں کیمرے سے لیتے تھے۔ لاج کی ماری دلہن شرم سے دُہری ہو جاتی تھی بار، بار کبھی خالہ، کبھی پھوپی، کبھی کوئی کبھی کوئی اس نگوڑی کی منڈی کو اوپر کرتیں کہ چہرہ تو نظر آئے۔ ایسے تھوڑی کہ پورے ہال میں دندناتی پھریں۔ لعنت ہے ایسے اماں باوا پر بیٹی کو بے لگام گھوڑی کی طرح چھوڑ دیا ہے۔ ان ہی حرکتوں سے نت نئی مصیبتوں میں گھر رہے ہیں آج سب۔''

''خالہ وہ زمانہ اور تھا......'' میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ خالہ نے ٹھیک ٹھاک میری کلاس لی۔

''اے بی بنو...... وہی ساری باتیں جو اس زمانے میں ہوتی تھیں اب بھی ہیں، تم ہم ویسے ہی ہیں، صبح شام اسی طرح وقت پر آتے جاتے ہیں بیٹا زمانہ نہیں بدلتا ہم بدلتے ہیں۔''

''خالہ یہ آج کل کا فیشن ہے اگر ایسا نہیں کریں گے تو لوگ جاہل، کنجوس، دقیانوسی اور پتا نہیں کیا، کیا کہہ کر ملنا ملانا چھوڑ دیں گے۔ آج کل بیک ورڈ لوگوں کی کوئی عزت نہیں ہے۔'' میں نے خالہ کی بات پر آج کے زمانے کی سائڈ لی۔

''اے ہے بیٹا...... واہ...... کیا خوب کہہ رہی ہو' یہ فیشن ہے موا غیر مرد، جان نہ پہچان وہ دندناتا ساری لڑکیوں اور عورتوں کے بیچ کیسے پھر رہا ہے؟ کیسے، کیسے زاویے سے تصویریں کھینچ رہا ہے۔'' انہوں نے حقارت سے گردن پھیر کر ایک گلوری بٹوے سے نکال کر منہ میں ڈالی۔ خالہ کا غصہ عروج پر تھا۔

''اری فتو'' وہ پھر میری طرف پلٹیں۔ ''میں تو تجھے بڑا دیندار اور صوم صلوٰۃ کا پابند سمجھتی تھی اور تو بھی موئے اس اجاڑ زمانے کے ساتھ چل رہی ہے۔'' انہوں نے مجھ پر ہی حملہ کر دیا۔ میں بے ساختہ ہنس پڑی۔

''پیاری خالہ جی...... الحمد للہ...... آپ نے صحیح اندازہ لگایا، میں ایسا کچھ کرنے کے حق میں نہیں تھی مگر دیکھیں ناں اتنے ڈھیر سارے مہمان دو سمدھیانے ڈھیروں عزیز و اقارب جب ان میں سے کسی کو ان باتوں پر اعتراض نہیں ہے تو ہم کون ہوتے ہیں ان باتوں کو برا سمجھ کر ان کو ایسا کرنے سے منع کرنے والے۔''

خالہ پھر بھی دیر تک بڑبڑاتی رہیں۔

''پہلے زمانے میں اگر لڑکی کے رشتے کی بات ہوتی تھی تو وہ بیچاری چھوئی موئی کی طرح اپنے آپ میں سمٹ جاتی تھی، کمرے سے چلی جاتی تھی۔ مگر آج اماں باوا کے سامنے پٹر پٹر میری شادی، میری سسرال، میری نند، میرا دیور...... ارے اتنے مزے سے سب کا نام لے، لے کر باتیں کرتی ہیں۔ میرا جہیز لانا ہے' میں بھی ساتھ چلوں گی۔ وقت سے پہلے اِدھر بات پکی ہوئی اُدھر دونوں کے کانوں پر موا منحوس یہ موبائل اٹک گیا۔ ساری، ساری رات مجال ہے دونوں آنکھ لگالیں۔ جبھی طرح، طرح کے مسائل اور پریشانیاں راہوں میں حائل ہوتی ہیں جب ہمارا پیغام آیا تھا۔ پھپو، چچا، ممانی سب نے کہا مہرو لڑکے کو ایک نظر دیکھ لے۔ سب نے بہت اصرار کیا چچی بولیں تیرے چچا

جان کہہ رہے ہیں کہ مہرو کو لڑکا دکھا دو۔ ساری زندگی کا معاملہ ہے...... مگر...... نہ...... نہ جی...... ہم نے مان کر نہ دیا۔ ہم نے کہا چچی، آپ چچا جان سے کہہ دیں ہمیں آپ سب کی مرضی چاہیے اور یوں ہم نے بنا دیکھے تمہارے خالو سے شادی کرلی۔ خیر سے زندگی کے پچاس سال ایک دوسرے کے ساتھ رہے۔ ہمارے سارے وجود پر نور ہی نور تھا۔ جس زبان پر دیکھو، مہرو پر بڑا انکھار آیا ہے۔ مہرو پر کیسا نور آیا ہے؟ سن سن کر ہم خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے...... اب...... اب تو جتنا وزن دلہن کا ہوتا ہے اتنا ہی اس کے چہرے پر میک کا ہوتا ہے...... اے ہٹاؤ اس بناوٹی خوب صورتی کو، اللہ کے دیے حسن کا اور شرم و حیا کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا، یہ نور تو لازوال ہوتا ہے۔ آج کل کی چھوکریوں پر پھٹکار ہے ہمیں دیکھو اب بھی ذرا کاجل مسی لگائیں تو کیسا روپ چڑھتا ہے کہ تیرے خالو...... تو بس پوپلے منہ سے ہماری شان میں قصیدے پڑھنے لگتے تھے۔''

''خالہ جوانی میں تو آپ کو خالو رات، دن قصیدے ہی سناتے رہتے ہوں گے۔'' میں نے ذرا ہنس کر کہا تو وہ شرما گئیں۔

''ارے چل ہٹ، مسخری، خالہ سے مذاق کرنے لگی۔'' خالہ نے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔ تب ہی کھانا کھل گیا۔ بس پھر کیا تھا قیامت کی افراتفری دیکھنے میں آئی۔

کھانے سے فارغ ہوکر بیٹھے تو میں نے خالہ کو چھیڑا۔

''خالہ، آپ کی پوتی کا بھی تو رشتہ آیا ہے۔ کیا ہوا......؟ لڑکی پسند آئی انہیں؟''

''اری فتو تو ہی بتا میری نمو میں بھلا کس شے کی کمی ہے؟''

''کسی بھی شے کی نہیں بس ذرا خودسر اور گستاخ ہے۔'' میں نے سچی بات کہہ دی بس پھر کیا تھا خالہ پوری تیاری کے ساتھ مجھ پر حملہ آور ہوئیں۔

''اوئی اماں...... یہ کس نے تجھ سے کہہ دیا کہ وہ خودسر اور گستاخ ہے؟'' انہوں نے غصے سے مجھے گھورا۔

''خالہ کہتا کون ابھی، ابھی میں نے خود دیکھا وہ آپ سے کیسی گستاخی اور بدتمیزی کر کے اُدھر گئی جہاں لڑکوں کی ٹولی ہے۔'' خالہ کو پتا چلا کہ میں نے سب کچھ دیکھا اور سنا ہے تو سٹپٹائیں۔

''ارے وہ تو میں نے اسے بھیجا ہے کہ اپنی ماں کو بلا کر لائے جانے کہاں جا بیٹھی بس اب گھر چلیں گے کافی رات ہوگئی ہے۔'' وہ خود کو باتوں میں لگا رہی تھیں میں نے ان کی طرف دیکھا تو وہ بہت شرمندہ سی ہو رہی تھیں۔ اور بزرگوں کو شرمندہ کرنا میری سرشت میں نہیں تھا۔

☆☆☆

''نمو یار دیکھو مجھے بزدل اور ڈرپوک لڑکیاں بالکل پسند نہیں ہیں جو پیار کرتے ہیں وہ ایسے نہیں ہوتے۔ ارے پگلی پیار میں، محبت میں، عشق میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ یہ جذبہ انسان کو نڈر اور بہادر بنا دیتا ہے۔ بزرگوں کے سامنے کھڑا ہونا سکھا دیتا ہے، اپنا حق مانگنے پر مجبور کرتا ہے۔ مارو یا مرجاؤ ہر حال میں محبت حاصل کرو محبوب کو پالو، اپنا لو، یہ ہی تو زندگی ہے۔ اگر تم چاہتی ہو کہ مجھے حاصل کرو تو جاناں تمہیں ہمت، حوصلہ اور بہادری کو پہلے اپنانا ہوگا۔ میں نے سوچ لیا ہے اگر سیدھی طرح سے بات نہ بن سکی تو ہم کورٹ میرج کرلیں گے۔'' نمو کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کرے تو کیا کرے؟ اس نے ایک بار پھر صفدر سے یہی کہا کہ وہ اماں سے پھر بات کرے گی۔

شہر کے وسط میں ایک خوب صورت ہوٹل کے فیملی روم میں پچھلے دو گھنٹے سے وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ معاملات طے ہوکر نہیں دے رہے تھے کیونکہ دونوں کے والدین نہیں مان رہے تھے۔

''بلقیس بیٹا نمو آئی......؟'' خالہ مہرو نے جائے نماز اٹھاتے ہوئے بہو سے پوچھا...... بلقیس جہاں بھی پریشان ہو رہی تھیں۔

''پتا نہیں اماں کیوں دیر ہوگئی؟''

''اسی لیے تو میں کہتی ہوں کہ شہر کے حالات روز بروز خراب ہوتے جا رہے ہیں بس ختم کرو پڑھائی...... کتنا بھی پڑھالو وہی ہانڈی چولھا ہی سنبھالنا ہے...... بس یہی کافی ہے کہ ماں بن کر بچوں کی پرورش اور نگہداشت اچھی طرح کر سکے۔'' خالہ مہرو واقعی پوتی کی طرف سے فکرمند تھیں۔

نمو ڈرتی، ڈرتی گھر میں داخل ہوئی واقعی آج بڑی دیر ہوگئی تھی۔

''السلام علیکم......'' وہ سلام کرتی اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگی تو اماں اور دادی دونوں نے ایک ساتھ سوال کیا۔

''آج اتنی دیر کیوں ہوگئی؟''

''اماں گاڑی کی ٹکر ہوگئی تھی دوسری گاڑی سے۔'' اس نے جھوٹ بولا۔

''اے ہے اللہ خیر کرے، کیا ہوا کتنے زخمی ہوئے......؟ کوئی مرا تو نہیں۔'' خالہ مہرو نے دل پر ہاتھ رکھ کر پریشانی سے سوال کیا تو نمو نے بڑی خوب صورتی سے کہانی گھڑی۔

''نہیں مرا تو کوئی نہیں ہاں البتہ کچھ لوگ زخمی ہوئے، شکر کریں میں محفوظ رہی۔''

''اری لڑکی تجھے تو کوئی چوٹ نہیں آئی؟''

''نہیں دادی اماں اللہ کا شکر ہے۔ میں محفوظ رہی۔''

''بس اب پڑھائی ختم کرو آئے دن، کوئی نہ کوئی حادثے ہوتے رہتے ہیں۔''

''دادی اماں ابھی پیپرز ہونے والے ہیں، یہ سال تو پورا کرلوں۔'' وہ منمنائی۔

''اماں میں آپ کو اسی لیے تو کہتی ہوں کہ مجھے ایک موبائل دلادیں۔ آج کل کے ان حالات میں یہ بہت ضروری چیز ہے۔'' اس نے لوہا گرم دیکھ کر ضرب لگائی۔

''اے لڑکی بس رہنے بھی دے۔ ہاں نہیں تو موا موبائل ٹھوبائل...... لڑکیاں اس کی وجہ سے کچھ زیادہ ہی ایڈوانس ہوگئی ہیں، پر نکل آتے ہیں نگوڑی ماریوں کے ہوا میں اڑنے لگتی ہیں، اماں، باوا گھر کے بزرگوں کی عزت کا پاس نہیں رہتا۔ اپنی من مانی کرتی ہیں۔''

نمو، دادی اماں کو جواب دینے ہی والی تھی کہ اماں نے اسے اشارے سے چپ کرایا...... کیونکہ اگر وہ دادی سے الجھ پڑتی تو قمر صاحب کے آنے کا وقت تھا۔ اسی لیے انہوں نے مصلحتاً بیٹی کو منع کیا۔

رات بلقیس جہاں نے قمر علی سے کہا تو وہ بھی حالات کے پیشِ نظر نمو کے لیے موبائل لے آئے۔ خالہ مہرو...... شور مچاتی رہ گئیں خوب کلاس لے لی پر بیٹے، بہو دونوں نے سمجھایا۔

''اماں یہ ضروری ہے، آج کل کے حالات اِک لمحے میں بگڑ جاتے ہیں۔ خدانخواستہ کبھی کوئی مسئلہ ہو جائے تو نمو گھر سے دور ہو، سواری کا مسئلہ ہو تو ایسے وقتوں میں یہ بہت کام آتا ہے۔ ویسے خود عقلمند ہے اتنی سمجھ تو ہے اسے کہ اسے کب اور کیسے استعمال کرنا ہے؟'' قمر صاحب نے اماں کو سمجھایا۔

''قمر میاں تم کہتے ہو تو مان لیتی ہوں پر ایسے نہ ہو...... جیسے وسوسے میرے دل میں آرہے ہیں اللہ بہتر کرے......'' وہ دوبارہ تسبیح پڑھنے لگیں مگر نہ جانے کیوں ان کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

وقت تو پر لگا کر اڑتا ہے اس اڑتے پنچھی کو کوئی بھی نہیں پکڑ سکتا کوئی بھی نہیں روک سکتا۔

☆☆☆

''مما...... مما جی بلقیس آنٹی آئی ہیں۔'' میرے بیٹے نے آکر اطلاع دی تو میں کمرے سے نکل کر برآمدے میں چلی آئی۔

''آپا آئیں یہاں بیٹھیں، لائٹ نے تو دماغ خراب کر کے رکھا ہے آج صبح سے کوئی دس بار آئی گئی۔'' بلقیس آپا میری بات پر خاموش رہیں۔ میں نے انہیں بیٹھنے کو پھر کہا تو وہ بہت پریشان لگ رہی تھیں۔

''نہیں آرزو بیٹھوں گی نہیں، آج ظہر کے بعد گھر میں قرآن خوانی اور میلاد ہے ضرور آنا۔'' میں نے بیٹھنے پر اصرار کیا تو وہ بولیں ''نہیں ابھی اور جگہ بھی جانا ہے۔'' اور تیزی سے گیٹ سے باہر نکل گئیں۔

میں ان کی پریشانی کی وجہ نہ سمجھ سکی مگر مجھے تشویش ہو رہی تھی کہ وہ کبھی اتنی سیریس نہیں ہوتی تھیں۔ میں نے اپنے شوہر پرویز سے کہا تو انہوں نے ہمیشہ کی طرح مجھے سمجھایا۔

''ارے بھئی بندہ بشر ہے زندگی میں ہزار مسائل، پریشانیاں ہیں ہوسکتا ہے کسی مسئلے کی وجہ سے ٹینشن میں ہوں۔'' ان کی بات پر میں نے بھی دھیان دوسری طرف کردیا۔ سہ پہر کو بلقیس آپا کی طرف چلی گئی۔

جس چیز نے مجھے چونکایا وہ خالہ مہرو کی خاموشی تھی۔ خالہ مہرو خلافِ معمول بالکل چپ تھیں کسی بات پر ان کا کوئی لیکچر نہیں تھا بالکل خاموشی سے سیپارے پر نظریں ٹکی ہوئی تھیں۔ میں اکثر انہیں دیکھ کر کتراتی تھی کبھی کسی کے گھر یا کسی تقریب میں خالہ مہرو نظر آتیں تو میری پوری کوشش ہوتی کہ ان سے دور رہوں ورنہ تقریب کا مزہ کرکرا ہوجاتا جو بھی موضوع زیرِ بحث ہوتا اس پر انہیں مکمل عبور ہوتا، مثالوں کے ساتھ، دلائل کی روشنی میں اپنی تقریر جاری رکھتیں۔ بار، بار مخاطب کرتیں پھر جواب اور داد بھی وصول کرنا چاہتیں۔ مگر آج جان کر میں ان کے ساتھ بیٹھی مگر...... وہ سارا وقت چپ رہیں۔ میں نے سلام دعا کے بعد طبیعت پوچھی مختصر سا جواب دیا پھر خاموشی...... خالہ مہرو کسی کام سے اٹھ کر چلی گئیں تب ہی نبیلہ میرے پاس آکر بیٹھ گئی جو آپا کے پڑوس میں رہتی تھی۔

''بھابی آپ کو کچھ پتا چلا نمو نے کیا گل کھلایا؟'' وہ میرے کان کے قریب ہوکر بولیں۔

''کیا؟'' میں ذرا سا اور اس کے قریب ہوگئی۔

''کیا ہوا......؟'' میں ہمہ تن گوش تھی کہ جلدی سے معلوم ہو کہ کیا ہوا؟

''وہ کسی لڑکے کو پسند کرتی ہے، اس سے شادی کرنا چاہتی ہے بھابی بلقیس اور خالہ مہرو نے اسے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ وہ اپنی خالہ کے گھر جائے گی اور بس اس نے رونا پیٹنا مچایا مگر یہ لوگ نہ مانے...... صاف آوازیں آرہی تھیں ہمارے گھر، خالہ

عمرہ

جب میں نے کعبہ دیکھا تھا
آنکھوں سے چشمہ پھوٹا تھا
رکنِ یمانی پہنچ کے دل سے
خوفِ جہنم کا چھوٹا تھا
حجرِ اسود چوما تھا جب
سب سنسار ہی جھوم اٹھا تھا
زم زم پی کر ایسے لگا کہ
دل میں قرار پھر اترا تھا
صفا و مروہ کے رستے پر
ہاجرہ کے دکھ کا سوچا تھا
مکہ شہر میں آکر میں نے
منزل کو اپنی پایا تھا
سب کو آنا نصیب ہو خانم
کلمہ زباں سے یہ نکلا تھا

شاعرہ: فریدہ خانم، لاہور

مہرو ہر کسی کی لڑکی کو برا بھلا کہتی ہیں...... مجھ پر کیسا فضیحتا مچایا تھا کہ سلطان کا اور میرا کوئی چکر ہے جبکہ وہ بھی نمو کے چکر میں آتا تھا۔ خالہ مہرو کبھی کوئی چھوٹا سا بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھیں، ہر کسی کی توہین کرنا برا بھلا کہنا الزام لگانا ان کے پسندیدہ مشغلے تھے۔ آج ان کی پوتی اپنی ماں اور دادی کے آگے سینہ تان کر کھڑی ہے۔'' وہ چپ ہوئی تو میں نے پوچھا۔

''قمر بھائی نے کیا کہا وہ تو ناراض ہوں گے۔''

''وہ تو گھر پر نہیں تھے اس وقت......'' نبیلہ بولی...... تب ہی میلاد پڑھنے والی لڑکیاں آگئیں اب میں سمجھی کہ آپ بلقیس اور خالہ مہرو اتنی ٹینشن میں کیوں ہیں، اڑوس پڑوس والوں نے یہ آوازیں سن لی تھیں۔

اس بات کو ایک ہفتہ ہی گزرا تھا اس کے بعد پھر ان کے گھر سے کسی قسم کی کوئی آوازیں نہیں آئیں۔ لوگ ہی کتنے تھے گھر میں ایک پوتی ایک دادی اور دو

میاں بیوی.....مگر اس لڑائی اور شور کے بعد سے ساس، بہو خود کو ریزروز رکھ رہے تھے مگر خالہ مہرو کا ریزرو رہنا ناممکن تھا۔ ایک دن میرے پاس آئیں تو پھر پہلے کی طرح ہشاش بشاش تھیں۔ کیونکہ معاملات راہِ راست پر آگئے تھے یعنی سلجھ گئے تھے۔

''اری آرزو کہاں ہے بیٹا..... تجھے تو فرصت ہوتی نہیں کہ خالہ اتنے روز سے نہیں آئی تو خود جا کے خالہ کی خیریت لے لوں۔ اری لڑکی اب خالہ مہرو زیادہ دنوں کی نہیں ہے.....جو تمہیں نصیحتیں کرتی ہے پھر کوئی ایسا ہمدرد نصیحتیں کرنے والا نہیں ملے گا۔''

''ارے، ارے خالہ ایسی باتیں نہیں کیا کریں اللہ آپ کو سلامت رکھے۔ سچی اس روز میلاد والے دن آپ چپ بیٹھی بالکل بھی اچھی نہیں لگ رہی تھیں۔ میں بار، بار بھی بچوں کو کبھی پرویز کو بتا رہی تھی کہ خالہ مہرو کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے؟ بالکل چپ تھیں۔'' میں نے اپنی پریشانی اور خالہ سے انسیت کی وجہ بتائی تو وہ ہنس پڑیں۔

''اور تو بھی یقین کر.....میں بھی تجھے اپنا ہی سمجھتی ہوں کچھ دنوں سے میں بھی بڑی بے چین بے چینی سی ہوں، تجھ کو اِک بات بتانی ہے۔'' وہ میرے قریب بیٹھتے ہوئے بولیں۔ میں سمجھ گئی ہو نہ ہو نمو کے بارے میں بتائیں گی، میں بھی سنبھل کر بیٹھ گئی۔

''جی بولیں۔'' میں نے گاؤ تکیہ ان کی پیٹھ کے پیچھے رکھتے ہوئے کہا تو انہوں نے پہلے تو تکیہ دینے پر مجھے دعائیں دیں پھر بولیں۔

''تجھے خبر ہے کہ نمو نے کیا گل کھلایا ہے۔'' میں نے جھوٹ بولا نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں تو، کیا ہوا نمو کو؟'' میں نے ان سے سوال کیا۔

''اے بیٹا ہونا کیا تھا اماں، باوا کو منع کرتی رہی بہتیرا رو کا مگر نہ جی مجھ بڈھی کی کون سنتا ہے۔ اس منحوس ماری کو موبائل دلا دیا اُس کے بغیر کام نہیں چل رہا تھا۔ بس جی پڑھائی لکھائی اور گھر کے کاموں سے گویا اللہ واسطے کا بیر ہو گیا..... جب دیکھو وہ موا بھی کان سے لگا رہتا یا کبھی نگوڑی ماری اس کی انگلیاں مشین کی طرح چلتی رہتیں۔ وہ کہتے ہیں ناں بغیر آواز کی باتیں جو کرتے ہیں.....کیا بھلا سا نام ہے.... اس کا۔'' وہ دماغ پر زور ڈالنے لگیں۔

''ایس ایم ایس.....'' میں نے کہا۔

''ہاں، ہاں وہی ایم ایس نہ جانے ایسی کیا باتیں ہوتی ہیں؟ وہ کس سے باتیں کرتی ہیں؟ کچھ خبر نہیں آخر یہ آزادی اور شیطان کی یہ پونگی کیا رنگ لائے گی۔'' وہ خاصی برہم نظر آ رہی تھیں۔

''آخر ہوا کیا؟'' میں نے خالہ کو کریدا۔

''اری بی بی! ہونا کیا تھا کسی موئے نگوڑ مارے لفنگے سے ان کا دیدہ لڑ گیا اور بھئی مرنے جینے کی قسمیں کھالی گئیں۔ ایک دوسرے کو حاصل کر کے رہیں گے، دلوں میں یہ ٹھان لی نہ اماں باوا کا خیال نہ دادی کی عزت کا پاس.....بھئی ایک روز ماں کے سامنے تن کے کھڑی ہو گئی۔ میں شادی اسی سے کروں گی جسے میں نے زبان دے دی ہے..... میں نے اس سے وعدہ کیا ہے ہم ایک دوسرے کے بنا جی نہیں سکتے۔ بے شرم، بے حیا، نامعقول، نا فرمان اس نے میرے مان، میرے یقین میرے اعتماد کا خون کر دیا۔ اماں باوا پر اسے ترس نہیں ہے جنہوں نے اس پر اندھا اعتماد کیا تھا، میری باتوں کو میرے وسوسوں کو بے جا مداخلت سمجھتے تھے یہ میاں، بیوی..... اب کھائی ٹھوکر، دیکھو تو ایک سیدھی سادی سی لڑکی کتنی نافرمان، خود سر ہو گئی ہے من مانی کر رہی ہے.....اس کی دیدہ دلیری تو دیکھو اس روز لڑکے والے دیکھنے آئے تو الٹی سیدھی حرکتیں کرنے لگی۔ تھو بڑا سجائے بیٹھی رہی ان لوگوں کے سامنے اور ان کے جاتے ہی بھیا وہ تو شتر بے مہار کی طرح ماں پر چڑھ گئی۔ اس بے غیرت نے بڑی ڈھٹائی سے صاف انکار کر دیا۔ اس رشتے سے وہ تو باپ گھر پر نہیں تھا۔ نہیں تو اس بے لگام گھوڑی کی خوب شامت آتی۔''

میں خاموشی سے خالہ کی باتیں سنتی رہی اور دل ہی دل میں یہ سوچتی رہی کہ خالہ مہرو کی بڑی، بڑی

باتیں دوسروں پر بلا سوچے روک ٹوک تنقید کرنا برا بھلا کہنا اور بڑے وثوق سے اپنے نواسے نواسی اور پوتا پوتی کی تعریف کرنا...... انہیں اپنے گھرانے پر بڑا فخر، بڑا ناز تھا۔ جو لمحوں میں مسمار ہو گیا۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ پہلے اپنے گریبان میں جھانکو پھر کسی کو بولو۔ مگر آج وہ میرے سامنے بڑی مجبور اور بے بس لگ رہی تھیں انہیں اپنی پوتی کی حرکت پر غصہ آ رہا تھا، اپنے بھرم کے ٹوٹنے کا ملال بھی بڑا تھا۔

وہ ہمیشہ اپنی تربیت کی تعریف کرتیں۔" فلاں کی لڑکی کو دیکھو اور فلاں کی پوتی کو دیکھو۔ میری نمو تو اتی سیدھی ہے کہ بس اللہ میاں کی گائے بالکل ناسمجھ چھوٹی بچی کی طرح ہے۔" اور آج وہی بیٹی والدین کے لیے کتنا بڑا ناسور بن گئی تھی۔ وہ آج میرے سامنے بالکل مختلف خالہ مہرو لگ رہی تھیں۔ ان پر افسوس بھی ہو رہا تھا۔

☆☆☆

صبح ہی صبح ایک شور اٹھا کہ نمو گھر سے غائب ہے گھر سے یہ کہہ کر نکلی تھی آج دیر ہو جائے گی مگر اتنی دیر کے پہاڑ جیسی رات بیت گئی۔ ساری رات باپ، چچا، ماموں سب ہی پریشان رہے۔ جگہ جگہ ڈھونڈا، سہیلیوں کے پاس نہ کسی رشتے دار کے پاس نہ شہر کے کسی اسپتال میں دل کی تسلی کے لیے مردہ خانے بھی تلاش کر لیے۔

تمام بسوں کے اڈوں پر ریلوے اسٹیشن پر...... اب اور کہاں ڈھونڈتے؟ صبح کالج جا کر معلوم کیا تو پتا چلا کہ کالج بھی نہیں پہنچی...... اب تو یہ ہی ایک بات سمجھ میں آ رہی تھی وہ اپنی مرضی اور اپنی خوشی سے کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔

قمر علی نے قریبی تھانے پر گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی اور تھکے تھکے سے گھر میں داخل ہوئے۔ ساس، بہو دونوں ان کی طرف لپکیں......

"کچھ خبر ملی...... کچھ پتا چلا؟" دونوں نے ایک زبان ہو کر پوچھا۔ قمر علی نڈھال سے تخت پر ٹک گئے۔

"نہ خبر ملی...... نہ ہی پتا چلا...... بھول جاؤ اسے وہ بے شرم، بے غیرت، نا ہنجار پوری تیاری سے گھر سے بھاگ گئی ہے۔ میرا بڑا والا بیگ بھی میری الماری میں نہیں ہے۔ میں نے رات تمہاری الماری کھلی دیکھی تھی ذرا جا کر چیک تو کرو کہیں زیور اور نقدی ہے بھی یا وہ بھی لے اڑی۔" ان کی آواز شدید غصے اور نفرت سے کانپنے لگی تھی۔

"ارے نہیں، وہ ایسا نہیں کر سکتی آپ میری بچی کا پتا لگائیں۔ کہیں سے ڈھونڈ کر لائیں......" بلقیس جہاں شدت دکھ سے بلکنے لگیں۔ پھر بلقیس جہاں نے کمرے میں جا کر الماری کا اندرونی خانہ دیکھا اور وہ وہیں چکرا کر گر پڑیں۔ خالہ مہرو اور قمر علی گرنے کی آواز سن کر کمرے کی طرف دوڑے...... بلقیس بیگم کا ایک ہاتھ دل پر تھا، آنکھیں کھلی پڑی تھیں اور وہ دروازے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ وہ ماں، بیٹے کچھ نہ سمجھ سکے۔ روتی ہوئی خالہ مہرو نے بیٹے سے ڈاکٹر کو بلانے کا کہا اور خود بہو کو آوازیں دینے لگیں...... کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو وہ میری طرف بھاگی، بھاگی آئیں سانس پھول رہی تھی۔ بڑی مشکل سے انہوں نے روتے ہوئے مجھے تھوڑا بہت بتایا پھر تیزی سے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔ زور، زور سے یہ کہتی ہوئی باہر نکل گئیں کہ" آرزو، بیٹا جلدی کر...... میری بلقیس کو بچالے...... ہائے اللہ ہماری مدد کر......" اور پھر آنا فاناً تھوڑی ہی دیر میں ڈاکٹر نے تصدیق کر دی کہ انہیں مرے ہوئے آدھا گھنٹا ہو چکا ہے۔ بڑی غیرت دار ماں تھی...... اچھا ہوا ورنہ اگر زندہ ہوتی تو ہر پل مرتی ہر پل جیتی...... ایسے لحہ لحہ قسطوں میں مرنے کی اذیت بہت ہی ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ پھر لوگوں کی کھوجتی تو کبھی نفرت سے دیکھتی آنکھوں کا دکھ کیسے برداشت کرتیں؟ لوگوں کی زبانوں پر آتے ہوئے...... بے شمار سوالوں کا کیسے جواب دیتیں......؟ اکلوتی اولاد کے بچھڑنے کا ایسا بھیانک دکھ کیسے برداشت کرتیں؟

مجھے سب سے زیادہ دکھ اور افسوس خالہ مہرو کو دیکھ کر ہوتا...... اس عمر میں بوڑھی دادی اور شرمندہ باپ کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہے تھے۔



منی ناول

ہم کو محبت نے بدنام کیا

سیما رضا ردا

بارھواں حصہ

اس دن میں اتنا روئی کہ دنیا اگر ایک خالی تھال ہوتی
تو میرے آنسوؤں سے بھر جاتی……
میرا ملامت بھرا وجود اس دن سے آج تک
اس مہربان سائے کی پناہ میں ہے

خدا
کبھی کبھی اپنے فرشتوں کو
زمین پر بھی بھیج دیتا ہے
وہ پریشر ککر کا ڈھکنا کھولتی، بند کرتی، ہنڈیا میں



کفگیر چلاتی اور سل بٹے پر قیمہ پیستی ہوئی ادھ موئی ہوئی جارہی تھیں.... پکوان ہاؤس میں انہیں عارضی طور پر یہی نوکری ملی تھی..... اپنے گناہوں کو یاد کرکے وہ اندر ہی اندر آنسو کا ذخیرہ جمع کررہی تھیں مگر ان کے اندر کا پریشر ککر ہلکی آنچ پر چڑھا رہتا..... اتنی ہلکی آنچ کہ ویٹ میں لرزش پیدا نہ ہو.....اور سیٹی کی آواز سنائی نہ دے۔

یہ خالہ زینب کی تیسری نوکری تھی جو بہ مشکل ملی تھی..... تیسرے محلے میں پکوان ہاؤس تھا۔ جہاں خواتین کو محنت زیادہ اور پیسے کم پہ رکھا جاتا تھا..... مگر زندگی گزارنے کے لیے، معاشی حالت بہتر کرنے کے لیے اس سے زیادہ بہتر نوکری وہ کیا کرتیں..... بیٹا جیل میں تھا، بیٹی گھر سے بھاگ گئی تھی..... شوہر بھی لاپتا تھا، بیٹے کو چھڑانے کے لیے ایس ایچ او نے پُرکشش معاوضہ طلب کیا تھا..... ساری زندگی عیاشی میں بسر کی، حرام حلال میں فرق نہیں کیا..... جو کمایا شوہر بیچارے نے، بے دریغ لٹایا..... دکھاوے کو ہمیشہ اپنا دین ایمان سمجھا..... لالچ ہوس بڑھتی رہی..... شوہر جو لے کر آتا..... چند دنوں میں ختم ہوجاتا۔ بچت کی عادت تھی نہیں..... دوسروں کے مال پہ ہمیشہ نظر رکھی..... زبان کی تیزی سے لوگوں کے دل بھی دکھائے اور کام بھی نکالے..... مگر اولاد نے سب ختم کردیا..... رسی آخر کب تک دراز رہتی۔

اگر کوئی خالہ زینب کو دیکھ لیتا تو پہچان نہیں پاتا کہ یہ وہ ہی اپنے زمانے کی خوب صورت حسینہ ہے..... جو اپنی اداؤں کے بل پر اتراتی تھی..... آج اس کی حیثیت ماسی سے کم نہ تھی..... ملگجی چادر سر پہ لپیٹے..... سر جھکائے کام کرتی..... مالکوں کی جھڑکیاں بھی کھاتی مگر زبان خموش رہتی۔

یہ وہی زینب تھی جس کے آگے ٹرے لیے اس کی ماں کھڑی ہوتی..... بہن اس کے نخرے اٹھاتی..... مگر آج اس کے پاس کوئی اپنا نہیں تھا..... کوئی نہیں.....وہ اپنے گنہگار وجود کو لے کر کہاں جائے..... کیا کرے..... چاول کی تھالی اس کے سامنے رکھی تھی..... اور ضمیر کا بوجھ بڑھتا جارہا تھا......

☆......☆......☆

گلابوں کی طرح دل اپنا شبنم میں بھگوتے ہیں
محبت کرنے والے خوب صورت لوگ ہوتے ہیں

"are you mad?"...... اعزاز کی آواز لوٹ کر اسی کو آرہی تھی۔

اعزاز شاہ پہ حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹے تھے۔ وہ ڈاکٹر راحیل کے آفس میں بیٹھے تھے..... ریال کا کام ادھورا چھوڑ کر گاڑی بیک کرکے دوڑے آئے......اور جب ان کی سانس بحال ہوئی تو ڈاکٹر راحیل نے جو خبر انہیں سنائی وہ ناقابلِ یقین تھی۔

''تم ہوش میں ہو راحیل...... میں کیسے یہ کام کرسکتا ہوں...... اتنا آسان نہیں ہے یہ سب..... یار تم نے سوچا بھی کیسے......'' اعزاز شاہ نے حیرت سے کہا۔

''اتنا مشکل بھی نہیں ہے..... پانی کا گلاس پیو.....'' ڈاکٹر راحیل نے اعزاز کے حیرت زدہ چہرے کو دیکھا جو دباؤ کا شکار ہورہا تھا۔ ان کے آگے ٹھنڈے پانی کا گلاس رکھا۔

اعزاز شاہ نے پانی کا گلاس منہ سے لگایا......اور غٹاغٹ پی گئے۔

''دیکھو دوست..... تم محبت سے گندھے ہوئے شخص ہو..... تم پیار سے مالا مال ہو..... تم ہر ایک کے دکھ پر تڑپ جاتے ہو تمہاری بات میں، تمہارے لہجے میں جادو ہے یار..... پلیز مان جاؤ..... دیکھو دور، دور تک مجھے تمہارے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا..... اس لڑکی کو تمہاری وجہ سے نئی زندگی ملے گی..... میرے دوست تم اس کی نئی زندگی کی وجہ ہوگے..... ڈاکٹر جوزف صرف ۲۱ دن کے لیے آئے ہیں ..... ان لمحات میں واحد صرف تم ہو.....جس پر بھرپور اعتماد کرکے train کیا جاسکتا ہے..... مجھے تم پر بھروسا ہے یار.....'' وہ انہیں ذہنی طور پر تیار کررہا تھا۔

''تم محبت کرنا جانتے ہو..... تم محبت دے کر

زندگی دے سکتے ہو...... پلیز...... وہ لڑکی زندگی میں لوٹ آئے گی مجھے یقین ہے...... میری بات مان کرتو دیکھو......''

اعزاز شاہ چپ ہو کر اسے دیکھنے لگے...... ان کا دل پسیجنے لگا تھا...... اسی لمحے تایا جی اندر داخل ہوئے...... انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اعزاز کو کھڑے ہونے سے روکا۔ انہیں دیکھ کر وہ احتراماً کرسی سے کھڑے ہوگئے تھے...... تایا جی بہت کمزور ہوگئے تھے۔

''بیٹا ایک امید کی کرن چمک رہی ہے...... اگر آپ کا ساتھ مل جائے گا تو بہت سے دکھ ختم ہو جائیں گے...... آپ شریف انسان ہیں، مہذب ہیں...... کوئی اور نوجوان کہاں سے ملے گا...... ان ڈاکٹر کو جانا بھی ہے...... وقت کم ہے...... کیا کریں......؟'' تایا جی یہ کہہ کر آزردہ سے ہوگئے تھے۔

اعزاز شاہ کا دل عجیب سا ہوگیا...... ایک انجان لڑکی کو وہ کس طرح ٹریٹ کریں گے...... بہت مشکل مرحلہ تھا مگر وہ بے بسی سے اقرار کر گئے تھے...... تایا جی اور ڈاکٹر راحیل کے چہروں پر اطمینان دوڑ گیا...... لیکن وہ بے اطمینان ہو کر ڈاکٹر راحیل کے ساتھ ڈاکٹر جوزف سے ملاقات کے لیے تیار ہوگئے...... زندگی عجیب امتحان کے لیے انہیں تیار کر رہی تھی...... بظاہر محبت بانٹنے والے اعزاز اندر سے خود محبت کے متلاشی تھے۔

مگر ایک انجان لڑکی کو کیسے......؟

کیسے وہ اسے محبت کی ڈور سے ہوش میں لے آئیں گے......

کیا یہ ہوش و خرد کی دنیا میں واپس آجائے گی......؟

ناممکن سے ممکن تک کا یہ سفر انہیں طے کرنا تھا......

☆......☆......☆

اگست کا آخری ہفتہ تھا اور جشنِ آزادی کی تقاریب کا آخر بھی۔ کیونکہ پورا ماہِ اگست ہی یہ تقاریب جاری رہتیں۔ دیارِ غیر میں مقیم پاکستانی وطن کی محبتوں کو خراجِ تحسین پیش کرنے میں جوش و جذبے کا مظاہرہ کرتے تھے۔

ریبال کو ہیمبرگ آئے تین سال ہو رہے تھے...... اس سال کے آخر میں اسے ڈاکٹریٹ کی اعزازی سند ملنے والی تھی...... اسلامی ریسرچ سینٹر نے اسے باقاعدہ یونیورسٹی میں اعلیٰ ملازمت کی آفر کی تھی...... جو اس کے لیے خوشی اور اعزاز کی بات تھی...... حالانکہ اس کا خواب تو یہ تھا کہ وہ ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے کر واپس پاکستان جا کر پڑھائے گا۔

آہستہ، آہستہ زندگی میں خوشیاں آتی جا رہی تھیں...... اس کی ماں نے کتنی محنت کی تھی...... وہ ان کو یہ خبر سنانے کے لیے بے چین تھا...... فی الوقت وہ پاکستانی سفارت خانے میں مدعو تھا جہاں نور بھی اس کے ساتھ تھی...... سیاہ عبایا اور حجاب سے سر ڈھکا ہوا تھا...... جہاں جشنِ آزادی کی تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا...... ایوان کو سبز ہلالی پرچموں سے سجایا گیا تھا...... مقتدر شخصیات موجود تھیں۔

جرمنی میں مقیم پاکستانی سفیر نے ریبال کا خیر مقدم کیا...... ریبال سفید کرتے پاجامے میں ملبوس تھا...... کاندھے سے ذرا نیچے پاکستانی پرچم کا بیج...... انہوں نے اپنے خطاب میں پردیس میں مقیم پاکستانیوں کے مسائل پر بات کی......

''وطن کی عزت کو ہر حال میں مقدم رکھنا ہے...... وطن ہے تو ہم ہیں......! ہمارا کردار مضبوط ہونا چاہیے...... تاکہ لوگ ہماری صفوں میں شامل ہوں......''

اسلامک یونیورسٹی کی طرف سے ریبال کو بھی تقریر کرنا تھی...... اس نے مختصراً کہا۔

''میرا وطن میری شان ہے...... اور میں ہر لمحہ اپنے وطن کی شان میں اضافہ کرنے کا خواہشمند ہوں...... میری عمر کے ہر مرد کا دل وطن کی محبت میں دھڑکتا ہے...... ہم جہاں بھی ہوں...... اپنے وطن کی آزادی کے گیت گاتے ہیں اور میں ایک محبِ وطن پاکستانی ہوں...... اگر میں یہاں ہوں تو اپنے پاکستان کی ترقی کے لیے کوشاں ہوں...... میری شخصیت، میرا کردار...... میرا پاکستان ہے......''

پُرزور تالیوں میں ریبال نے اپنی گفتگو ختم کی...... پاکستان زندہ باد کے نعرے گونج رہے تھے......تقریب کے اختتام پر سفیر پاکستان نے ریبال کو فخرِ پاکستان شیلڈ پیش کی...... جہاں نور کو بھی اسلام قبول کرنے پر خوب صورت تحائف دیے گئے......

متعدد میڈیا کے کیمرے ان لمحات کو قید کر کے خبر کی دنیا کی زینت بنا رہے تھے...... چہار طرف سفید اور سبز جھنڈیوں سے ہال کو آراستہ کیا گیا تھا......سفید اور سبز رنگوں کے لباس تیار کیے گئے تھے۔ بعض خواتین نے سبز چنری کے دوپٹوں کے ساتھ سبز چوڑیاں بھی پہن رکھی تھیں جو اُن کی کلائی میں بہت سج رہی تھیں یہ سب کچھ جہاں نور کو بہت اچھا لگ رہا تھا......لڑکیوں نے اس کے گرد گھیرا ڈال دیا......سوالات کے حصار میں اسے لے لیا۔''آپ کو مسلمان ہونا کیسا لگ رہا ہے......؟''

''بہت اچھا...... بتا نہیں سکتی......'' وہ خوشی سے آنکھیں بھینچتے ہوئے بولی......''بہت اچھا......''

''جو آپ پہلے تھیں اور اب ایک بالکل مختلف زندگی ہے......کیا فرق لگتا ہے......؟''

''بہت بڑا فرق......'' وہ مسکرائی......''معجزہ ہوا ہے میری زندگی میں......اللہ کی محبت مجھے علی الصباح جگا دیتی ہے......سجدے میں جاتی ہوں تو مجھے سکون ملتا ہے۔ اس کے نام سے اس کی عبادت سے میرے ہر کام میں برکت ہے...... ایک خوشی کا احساس مجھے رہتا ہے......قرآن پاک کی تلاوت سے مجھے شفا ملتی ہے......میں آپ کو کیا بتاؤں کہ میں نے کیا، کیا پایا ہے......''

''ریبال صاحب کے بارے میں کیا کہیں گی آپ......؟ ان کا آپ کی زندگی میں کیا مقام ہے......؟'' جہاں نور نے مسکراتے ہوئے ریبال کی طرف دیکھا جو تھوڑی دور کھڑا گفتگو میں مصروف تھا۔

''ریبال صاحب میرے محسن ہیں اور مجھے جینے کا شعور اور دوسری زندگی کا سہرا انہی کو جاتا ہے......اگر آج وہ نہ ہوتے تو میں آپ کے سامنے نہ ہوتی......''

''گویا ریبال آپ کی زندگی ہیں......؟'' ایک خاتون نے ٹکڑا لگایا تو سب کھلکھلا کر ہنسنے لگیں...... جہاں نور کی ہنسی بھی شامل ہوگئی...... ریبال نے بے اختیار پیچھے مڑ کر دیکھا...... جہاں نور ان خواتین کے ساتھ مطمئن اور مسکراتی ہوئی بے حد خوش تھی۔ وہ بہت آسودگی سے مسکرا دیا۔

واپسی پہ وہ سب سے ہاتھ ملا کر رخصت ہونے لگا تو ایک صاحب نے پوچھا جو وہیں ایمبیسی میں ہی کام کرتے تھے۔

''ریبال آپ کی پاکستان کب واپسی ہے......؟''

''بس تین مہینے اور ہیں...... انشاء اللہ...... آپ سے مل کر جاؤں گا......'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''ہاں یار...... پاکستان بہت یاد آتا ہے......اس نوکری نے تو جکڑ لیا ہے......'' وہ صاحب افسردگی سے بولے......''ساری فیملی کو یہیں بلا لیا ہے......اب میرا وہاں کوئی نہیں......''

''خیر ہے یار...... وطن سے رشتہ تو قائم ہے ناں......بس اپنا رشتہ مضبوط رکھیں......'' ریبال اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

''یہ رشتے کی ڈوری کبھی نہ ٹوٹے...... آپ جہاں بھی جائیں گے کہلائیں گے تو پاکستانی ہی ناں......اور پہلی بات تو یہ ہے کہ پاکستان آپ کا گھر ہے......اسے یاد بنانے سے کہیں زیادہ اچھا ہے کہ سال میں ایک دفعہ پیسے جمع کر کے چلے جایا کرو...... پاکستانی ہونا آپ کی شناخت ہے۔ اوکے......!'' وہ ریبال کی بات سے قائل ہوگیا۔

''مگر وہاں رکھا کیا ہے......؟ کرپشن، مہنگائی، لوٹ مار، کم از کم یہاں سکون تو ہے......وہاں تو جانیں بھی محفوظ نہیں ہیں......'' شہریار صاحب نے تلخی سے کہہ کر گویا اپنا دفاع کیا۔''پاکستانیت، پاکستانیت اور بس......؟ ہم یہیں ٹھیک ہیں بھائی......''

ریبال نے تحمل سے ان کی بات سنتے ہوئے...... اقبال عظیم کے اشعار جواباً پڑھے۔

مری بات ہوتی ہے دوبدو، میں خطاب کرتا ہوں روبرو
مرے سامعین کی خیر ہو، مجھے احتیاج قلم نہیں
یہ جو شکوے تم کو وطن سے ہیں، وہ بجا سہی مرے دوستو!
مگر ایک بات نہ بھولنا، یہ تمہارا گھر ہے، ارم نہیں

دیکھیے شہریار صاحب...... آپ جو کچھ بھی کہیں مگر اپنے گھر سے' اپنے لوگوں سے ہی اختلاف ہوتا ہے...... اگر غلط لوگ ہمارے درمیان آگئے ہیں تو کبھی آپ نے سوچا ہے ایسا کیوں......؟'' ریبال نے ایک لمحے کے لیے سب کی طرف رک کر دیکھا...... اور پھر خود ہی کہنے لگا۔

''بہت آسان ہے سمجھ لینا اس بات کو ہمارے لیے کہ ہم خود راستہ دیتے ہیں ان غلط لوگوں کو جو اہل نہیں ہوتے...... اور وہ ہماری کمزوریوں سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں...... اعتبار کرتے ہیں ان پر جو معتبر نہیں ہوتے...... اپنی صفوں میں چھپی کالی بھیڑوں کو نہیں پہچانتے...... ان پہ نظر نہیں رکھتے...... ان سے سوال نہیں کرتے...... اور پھر نتیجہ آپ کے سامنے ہے...... آگے میں کیا کہوں......''

ریبال نے جواب دے کر ایک سوال ان کے سامنے رکھ دیا۔

''اور ویسے بھی بحث، گفتگو کی موت ہے...... اپنے وطن سے پیار کریں کیونکہ وطن نے ہمیں بہت کچھ دیا ہے...... اگر ہم یہاں کچھ کر رہے ہیں تو اپنے وطن کے نام کے ساتھ کر رہے ہیں...... میرا نام میری پہچان پاکستان ہے بس......'' وہ بہت جوش و جذبے سے کہہ رہا تھا۔

''اور ہم سب یہاں پاکستان کو سلامی پیش کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں...... سلام پاکستان اور پاکستان زندہ باد......'' ریبال کے اختتامی جملوں کے ساتھ پورا ہال پاکستان زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھا...... ریبال نے آگے بڑھ کر شہریار صاحب کو گلے لگا لیا...... اور وہ بھی آنکھوں میں اشک لیے اس کے گلے لگ گئے...... جہاں نور خواتین میں گھری ریبال کو دیکھتی رہی...... سفید کرتے شلوار میں وہ کس قدر جاذب نظر لگ رہا تھا......



سہرا

حسیں غنچوں کا ہے انتخاب پھولوں میں
عروس و نوشہ ہیں رشکِ گلاب پھولوں میں
ہر ایک پھول کی رعنائی محو حیرت ہے
چمک رہے ہیں جو دو ماہتاب پھولوں میں
بنی عزیزہ عروسہ' برادر ہے نوشہ
سمٹ کے آئی ہے کیا آب و تاب پھولوں میں
خدا کا شکر ادا کریں مادر و پدر دونوں
مسرت ان کی ہوئی ہم رکاب پھولوں میں
لبوں پہ شکر خدائے بزرگ و برتر ہے
دلی مراد ہوئی کامیاب پھولوں میں
الٰہی ان کو عطا کرنا نیک بخت اولاد
شباب ان کا رہے کامیاب پھولوں میں
زبانِ فرح یہ کہتی ہے ہو کے اب سرشار
عیاں ہے لطفِ رسالت مآب پھولوں میں

شاعرہ: فریدہ لاکھانی فرح
مرسلہ: عرشیہ جنید، کراچی

خوش وخرم، مطمئن، بے داغ کردار کا مالک......
''اپنے وطن سے کتنی محبت کرتا ہے یہ۔ سمجھداری سے ہر سوال کا جواب دے رہا تھا.....''وہ محویت کے ساتھ اسے دیکھتی رہی......اور سوچتی رہی ریبال اس کی طرف بڑھ رہا تھا......تب ہی جہاں نور کے برابر میں بیٹھی مسز شہریار نے اسے ٹہوکا دیا......وہ چونک گئی......ان کی طرف رخ موڑ لیا۔

''تمہیں پاکستان جانے کا شوق نہیں ہے......؟ کبھی سوچا وہاں جانے کا......اب تو تم مسلمان ہوگئی ہو......تمہارا حق بنتا ہے وہاں جانا......''

''ہاں......بہت شوق ہے پاکستان دیکھنے کا...... یہ میری خواہش بھی ہے......''وہ حسرت سے ریبال کی طرف دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔

''تم اپنی خواہش اس طرح پوری کرسکتی ہو کہ ریبال سے شادی کرلو وہ تمہیں پاکستان لے جائے گا ویری سمپل! تم یہاں تو کسی سے شادی کر بھی نہیں سکتیں......میری بات مان لو ڈیئر...... یہ بندہ بہت اچھا ہے......تم خوش قسمت ہو جو ریبال تمہاری زندگی میں آ گیا اور ریبال کو بھی تم سے ہی شادی کرنی چاہیے......تمہیں تنہا نہیں چھوڑنا چاہیے......''

آخری جملہ ریبال کے کانوں سے ٹکرایا......تو اس نے بے اختیار جہاں نور کو دیکھا......اور جہاں نور کی آنکھوں میں جو کچھ نظر آیا......وہ بہ آسانی پڑھ سکتا تھا لفظوں اور جذبوں کے مفہوم سمجھنا اس کے لیے مشکل نہ تھا......اس عجیب گھڑی میں اس کا نیک عمل سب کو نظر آ رہا تھا مگر جو اس کے دل میں تھا......اس تک کوئی نہیں پہنچ سکتا تھا......وہ خود کو سمجھاتا......اسے لے کر سب کو سلام کرتا اس محفل سے نکلتا چلا گیا۔

☆......☆......☆

گول، گول آنکھیں گھماتی مینا اپنے مخصوص سرائیکی لباس میں تھی...... ہرا پراندہ آگے ڈالا ہوا تھا......کاجل آنکھوں سے باہر نکل رہا تھا......اس کے ہاتھ میں سبز رنگ کی ڈائری تھی......ڈاکٹر راحیل کے دائیں طرف اعزاز شاہ براجمان تھے۔

تایا جی، راحیل کو بتا رہے تھے......'' شہر میں مشکل سے اس بچی کا پتا ملا...... یہ تو واپس ملتان جا رہی تھی......'' تایا جی نے بتایا......''بھلا ہو اس کے شوہر کا کہ وہ مل گیا......''

''ہاں جی میں تو جا رہی تھی اپنے گھر......صاحب آپ کا گھر تو بالکل ہی ختم ہو گیا ہے جی......بیگم صاحبہ تو ہیں ہی نہیں......اور بیچاری بی بی جی......معصوم فرشتوں جیسی' ان کو تو نظر لگ گئی...... ایسی بیبیاں تو میں نے اپنی زندگی میں دیکھی نہیں......بس اپنے کام میں لگی رہتی تھیں میری کتنی مدد کرتی تھیں...... یہ دیکھیں یہ انگوٹھی سونے کی ہے......باجی نے ہی دی تھی خوش ہو کر...... میں نے جی بیگم صاحبہ سے یہ بات چھپالی تھی ورنہ وہ تو چوری کا الزام لگا دیتیں''وہ تائی جی کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

''مینا ان باتوں کو چھوڑو...ڈاکٹر صاحب جو پوچھیں وہ بتاؤ......تا کہ تمہاری بی بی جی کے علاج میں آسانی ہو۔''

''ہاں جی......ہاں جی ضرور پوچھیں آپ......'' مینا خود کو اعلیٰ ہستی سمجھ رہی تھی گردن اکڑا کر بولی اور خود کو اس طرح پوز کرنے لگی جیسے اس کے سامنے کیمرا ہو۔

'' یہ بتاؤ مینا...... تمہاری بی بی جی کیسی تھیں تمہارے ساتھ......کیا، کیا مصروفیات تھیں اور کیا کرتی رہتی تھیں......''ڈاکٹر راحیل نے پوچھا۔

اور مینا یک دم گول، گول آنکھیں گھمانی شروع ہوگئی۔

''بی بی جی بہت اچھی تھیں، بہت پیاری...... میں ان کی بہت خدمت کرتی تھی اور یہ اس ڈائری میں سب کچھ ہوگا جی...... اسے دیکھیں......'' اور اس نے ایک سبز ڈائری ڈاکٹر راحیل کی طرف بڑھا دی۔

سبز ڈائری پہ اعزاز کی نگاہیں جم کر رہ گئیں......

☆......☆......☆

سفید بورڈ پر موضوع لکھا تھا......''اپنے دل کے اندر جھانکیں......''

سبز روشنی کے چار بلب ہال میں روشنی بکھیر رہے

تھے۔ یہ روشنی عام روشنی سے مختلف تھی...... اس میں ایک ٹھنڈک اور نور تھا...... بابا جی کی آواز گونج رہی تھی۔

''ہر وہ کامیابی انسان کی ہار ہے...... جس کا مقصد کسی کو نیچا دکھانا ہو...... دنیا میں ہر چیز کی قضا ہے سوائے دل آزاری کے......'' بابا جی آج اپنے شاگردوں کو بہت اہم موضوع پر درس دے رہے تھے۔

بابا جی کے سامنے بہت سارے لوگ بیٹھے ہوئے تھے...... ہال نما اس کمرے میں ...... ان سب کے درمیان عورتوں کی قطار میں زینب خالہ بھی تھیں...... بڑی سی چادر میں خود کو چھپائے سر جھکائے بیٹھی بابا جی کی تقریر سن رہی تھیں۔

''اللہ کے دروازے اپنے بندوں کے لیے ہر لمحہ کھلے رہتے ہیں...... وہ بہت پیار کرتا ہے اپنے بندوں سے...... وہ آپ کی، میری صدائیں سننا چاہتا ہے...... وہ تو ہماری شہ رگ کے قریب ہے...... جو بھی کہنا ہے اس سے کہو...... وہ سننے والا ہے...... اسی کی حمد بیان کرو انسان کتنا ہی گناہگار ہو، اس کے لیے توبہ کے دروازے کھلے ہیں...... وہ معاف کرنے پر قادر ہے...... آپ معافی تو مانگیں...... گڑگڑا کر، خموشی سے، سرگوشی میں...... تنہائی میں، سب کے سامنے...... بس اسے پکاریں پھر دیکھیں آپ کو کس طرح نوازتا ہے وہ...... پکار کر تو دیکھیں......'' وہ نورانی بزرگ بہت پیار بھرے لہجے میں مخاطب تھے۔

''اگر روحانیت کی راہ پر چلنا ہے تو دل سے کینہ، حسد، بغض، نفرت، تکبر اور انا کو نکالنا پڑے گا۔ اللہ کی دوستی حاصل کرنی ہے تو اس کے بندوں پر مہربان ہونا پڑے گا...... یاد رکھیے...... اللہ کی عبادت کرنے سے کردار بلند ہوتا ہے، پارسائی نصیب ہوتی ہے اور نیکی کرنے سے رب ملتا ہے...... لہٰذا زندگی کی خوشیاں حاصل کرنے کے لیے اللہ کی عبادت کرو...... قرآن سمجھ کر پڑھو، ہر لمحہ استغفار پڑھو پھر دیکھو زندگی کیسے نعمتوں سے مالا مال ہوجاتی ہے۔ آپ کی زندگی کا سکون اور اطمینان صرف آپ کے ہاتھ میں ہے بس اسی مالک حقیقی کی شکرگزاری کریں...... آئیں میں اور آپ مل کر اللہ کے شکرگزار بندے بنیں......'' وہ خاموش ہوئے اور ماحول ایک دم ساکت ہوگیا۔

''اگر آپ لوگ اپنے مسائل کے متعلق کوئی سوال کرنا چاہیں تو میں حاضر ہوں۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ہال میں بیٹھے ہوئے ان کے مرید اور شاگرد سوالات کرنے لگے...... اور خالہ زینب بنا سوال کیے سب کو سننے لگیں۔ سب کے اپنے، اپنے مسئلے تھے، پریشانیاں تھیں۔ سب ہی اپنے مسائل کے حل کے لیے پریشان تھے...... بابا جی بہت اطمینان سے قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دے رہے تھے۔

''یاد رکھیے...... پروردگار نے اپنے بندوں کو بہت پیار سے بنایا ہے۔ وہ چاہتا ہے میرے بندے جس دل میں مجھے رکھتے ہیں...... اس دل سے کینہ، کدورت، غرور نکال دیں...... اپنی زندگی سے اس عذاب کو دور کیجیے...... درگزر اور معافی کا راستہ اپنائیں...... اگر آپ ابھی تک بے چین اور بے قرار ہیں تو اس کا مطلب ہے جس کا دل آپ نے توڑا ہے...... دکھایا ہے...... اس کی آہ آپ کا پیچھا کررہی ہے پھر آپ کیسے اپنی زندگی میں خوشیاں اور مسرتیں لاسکتے ہیں لہٰذا دل کو ان آلودہ چیزوں سے پاک کیجیے...... کیونکہ...... زندگی کا کوئی بھروسا نہیں......''

بابا جی کے اس بیان کے ساتھ سوال وجواب کا سیشن ختم ہوچکا تھا۔ لوگ آہستہ، آہستہ ہال سے باہر نکل رہے تھے۔ خالہ زینب خاموش بیٹھی تھیں...... ان کے دل کی دنیا اتھل پتھل تھی...... پہلی بار ان کے ضمیر میں کوئی جرم کا احساس کوڑے مار رہا تھا۔

اچانک ان کی آنکھوں سے آنسو کا ایک قطرہ گرا...... جو اُن کے ململ کے دوپٹے میں بہت تیزی سے جذب ہوگیا۔ ہال میں اکا دکا لوگ رہ گئے تھے جو بابا جی کے گرد کھڑے تھے۔ وہ بھی نکلے گئے تھے۔ بابا جی نے جاتے ہوئے مڑ کر اس عورت کو دیکھا جو مظلوم

دکھائی دے رہی تھی...... ملگجے سے لباس کے ساتھ سفید چادر لپیٹے خاموش بیٹھی تھی۔

باباجی آہستہ قدموں سے ان کی طرف بڑھے اور ان کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

''بی بی سب جا چکے ہیں آپ بھی گھر جائیں...... شام ہونے والی ہے، بہت دیر ہو جائے گی۔''

''بابا دیر تو مجھے ہو چکی ہے...... میں کیا کروں...... مجھے رستہ دکھائیں......'' خالہ زینب نے اپنا ستا ہوا شکستہ چہرہ اٹھایا اور بولیں۔

''اپنا سارا غبار صرف اللہ کے حضور بہائیں اور پھر ایسا رستہ ملے گا جو آپ کو سرخرو کر دے گا......''

''رستہ......؟''

''تلاش کریں...... ان لمحوں کو آواز دیں جو آپ کو پریشان کرتے ہیں...... رستہ مل جائے گا...... اگر کسی کا دل دکھایا ہے تو فوراً اس سے رجوع کریں، ہرگز دیر نہ کریں......''

باباجی جا چکے تھے...... اور جرم کے پردے پر خالہ زینب کو کتنی ہی تصویریں نظر آ رہی تھیں، ہر تصویر ان سے اپنا جرم پوچھ رہی تھی۔

''کتنی بے دردی سے زیبو تم نے ہر دل پہ پاؤں رکھا، کیسے اب اس عمر میں دل کی دلدل سے نکلو گی......؟''

سوالات کا ببول کانٹا بن کر جسم میں چبھے جا رہا تھا۔

کس، کس سے معافی مانگوں......

کس، کس کے زخموں پہ مرہم رکھوں......

کیا مجھے رہائی ملے گی......؟

آنسو قطرہ، قطرہ کر کے بہتے جا رہے تھے......

☆......☆......☆

کوئی روشن سہارا ڈھونڈتا ہے
فلک پر وہ ستارہ ڈھونڈتا ہے
ذرا یہ سادگی دیکھو تو اس کی
مرے دل پر اجارہ ڈھونڈتا ہے

چاند جیسے مشرق کی سمت چلا گیا تھا...... اور چاند کی چاندنی نے دبے پاؤں خوشبو کے ہالے میں گھرے ہوئے چمپا، موتیا اور مولسری کے پودوں پر اپنے لب رکھ دیے تھے...... شبنم سے بھیگا ہوا ستاروں بھرا لان جگمگا رہا تھا۔

وہ دونوں ہوٹل کے عقبی حصے میں تھے...... جہاں اکا دکا لوگ نظر آ رہے تھے...... یہ گوشہ ہر ایک کے لیے عام نہیں تھا...... یہاں خاص ٹیبل بک ہوا کرتی تھی۔ ان میں سے ایک ٹیبل فیضان شاہ کی تھی...... وہ اور روزی آمنے سامنے تھے۔

وہ روزی کا سراپا جانچ رہا تھا...... بلکہ اس کی نظریں الجھ کر رہ گئی تھیں۔ جو سبز اور گولڈن رنگ کی میکسی میں انگارہ بنی ہوئی تھی...... گولڈن نیکلس گردن میں سجا ہوا تھا...... بھرے، بھرے ہونٹوں پہ میرون رنگ کی لپ اسٹک جمی تھی اور آنکھوں میں بلا کی چمک تھی۔

''کس قدر خوب صورت ہو تم......'' فیضان شاہ کی نظریں اس سے نہیں ہٹ رہی تھیں۔

''تمہاری نظروں کا احساس خوب صورت ہے اور تو کچھ نہیں......'' وہ ادائے خاص سے بالوں کو جھٹکتے ہوئے بولی۔

ویٹر قریب آ کر اورنج جوس کے گلاس سرو کرنے لگا۔

فیضان نے گھونٹ، گھونٹ جوس پیتے ہوئے اسے دیکھا جو گلاس میں پڑے اسٹرا سے کھیل رہی تھی۔

''روزی مجھے نہیں معلوم...... کہ تم کون ہو...... تمہارا خاندان کیا ہے......؟ تمہارے والدین کہاں ہیں......؟ میں یہ سب کچھ نہیں جانتا...... میں صرف تمہیں جانتا ہوں...... میں سامنے بیٹھی روزی کو دیکھتا ہوں...... جو بہت آرام سے میرے دل میں اتر گئی ہے...... اور میں کسی الجھن میں مبتلا ہوئے بغیر تم سے کہنا چاہتا ہوں کہ......'' وہ ایک لمحے کو جیسے چپ ہو گیا۔ الفاظ اس کے لبوں سے نکلنے کو تیار تھے...... روزی مسکرائی تو اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"I love you Rozi" کہتے ہوئے اس نے روزی کا ہاتھ تھام لیا...... روزی نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھا اور بے ساختہ کھلکھلا کر ہنسنے

لگی...... فیضان نے اسے ہنستے ہوئے دیکھا تو کہا۔

''کیا تمہیں میری محبت قبول نہیں ہے...... بولو روزی......؟'' وہ بے تابی سے کہہ رہا تھا۔

''بالکل ہے...... "I love you too faizan" اور فیضان کو اس کے اقرار سے لگا...... زندگی اچانک خوب صورت ہوگئی ہے...... اس بات سے ... بے خبر کہ روزی کا وار کامیاب ہو چکا تھا۔

فیضان اس کے عشق میں بری طرح گرفتار ہو چکا تھا۔ روزی کی چال کا یہ وہ اہم مہرہ...... جو باقی مہروں کو کھولنے میں اس کے کام آسکتا تھا...... وہ اندر ہی اندر دل میں خود کو داد دیتے ہوئے خوش تھی۔ تب ہی فیضان نے اس کا بایاں ہاتھ پکڑ کر اس کی تیسری انگلی میں جگمگاتے ڈائمنڈ کی رنگ پہنا دی۔

''یہ کیا......؟'' وہ اس کی جرأت پہ حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

''یہ میری اور تمہاری محبت کی نشانی ہے اور انگیجمنٹ رنگ بھی...... اب تم میرے دل کی مکین ہو......'' ابھی تک وہ اس کا ہاتھ تھامے ہوا تھا۔

''تم فیضان شاہ کی منگیتر ہو......'' فیضان محبتوں کے رنگ سمیٹے اس سے کہہ رہا تھا۔

''تمہارے گھر والے......؟''

''وہ سب میری خوشی سے راضی ہوں گے...... آج تک بابا نے میری کوئی بات نہیں ٹھکرائی، وہ میرے اس فیصلے پہ خوش ہوں گے۔'' وہ ضدی لہجے میں بولا۔

''اوکے...... لیکن ایک بات میری آپ کو ماننی پڑے گی......''

''کیا......؟''

''جب تک میں آپ سے نہ کہوں...... آپ اپنے اور میرے حوالے سے کوئی بات نہیں کریں گے...... کسی سے بھی نہیں...... پلیز......''

''کیوں......؟'' وہ حیران ہوا۔

''بس کچھ عرصے کے لیے......'' وہ ملتجی لہجے میں بولی تو وہ اس کے انداز سے پگھل گیا۔

''اوکے...... اوکے...... مگر بہت دن انتظار نہیں کر سکوں گا......'' روزی یک دم آسودہ سی ہو کر مسکرانے لگی۔

''بس اسی مسکراہٹ کو سجا کر رکھنا......'' تب ہی اس کا موبائل فون تھرتھرایا...... وہ محبت سے اسے دیکھتا ہوا موبائل ریسیو کرنے لگا۔

''جی محب انکل...... خیریت......؟''

''اوکے، میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں......'' وہ خدا حافظ کہہ کر موبائل جیب میں رکھنے لگا۔

''کیا ہوا......؟''

''محب انکل کے ساتھ جانا ہے...... چلو میں تمہیں چھوڑ دوں......'' وہ مسکراتی ہوئی تفاخر کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کے ساتھ چلتے ہوئے گاڑی میں آبیٹھی۔ محب اللہ اس کے دماغ پہ سوار تھا...... وہ اپنے شکار کو بہت ڈھیل دے رہی تھی مگر کچھ سوچ کر...... وہ سوچتے ہوئے بھی فیضان کی طرف سے غافل نہ تھی جو سرخروئی کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔

فیضان شاہ کے ساتھ مل کر اب وہ اس گیم کو فائنل تک لے کر جائے گی...... اس کے چہرے کی مسکراہٹ تیز ہوتی گئی۔ اس کی گہری لپ اسٹک کی طرح...... آنے والا وقت جانے کیا کچھ اپنے دامن میں لا رہا تھا، اس بات سے بے خبر کہ کاتب تقدیر ہر ایک کی چال سے باخبر ہے اور وہ چال کو شہ مات دے کر ایک نیا صفحہ رقم کر رہا تھا...... مگر سب انجان تھے...... سب بے خبر تھے۔

☆......☆......☆

ایک روز زندگی کے روبرو آبیٹھے
زندگی نے پوچھا
درد کیا ہے......؟
کیوں ہوتا ہے......؟
کہاں ہوتا ہے......؟
یہ بھی تو پتا نہیں چلتا
تنہائی کیا ہے آخر!
کتنے لوگ تو ہیں پھر تنہا کیوں ہوں!

میرا چہرہ دیکھ کر زندگی نے کہا
میں تیری جڑواں ہوں
مجھ سے ناراض نہ ہوا کر
تجھ سے ناراض نہیں زندگی
حیران ہوں میں' حیران ہوں
تیرے معصوم سوالوں سے
پریشان ہوں میں' ہاں پریشان ہوں
......☆☆☆......

اس کی ڈائری میں باغ و بہار جیسے واقعات...... کہیں درد میں ڈوبے ہوئے الفاظ تھے۔ کہیں محرومی کا احساس کسی خاص واقعے کے ساتھ کسی اجنبی کی باتیں...... خواب موسم کا ذکر دور دیس جانے والے پیاروں کا ذکر اسکول، کالج، یونیورسٹی کے قصے......

گلاب کے سوکھے پھول، کارڈز، ہر موسم کے پھول جگہ جگہ تصویر کی صورت تھے۔

سبز رنگ کی ڈائری کے ابھی چند اوراق کی ورق گردانی کی تھی مگر اس موم سی لڑکی کی شخصیت ورق در ورق سامنے آتی گئی۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے بہت ساری دعائیں، ایک جگہ لکھا تھا......

''آج میں نے اللہ کو منانے کے لیے بہت جتن کیے...... اس کو راضی کرنے کے لیے روزہ بھی رکھا اور اپنا سب سے خوب صورت جوتا کلثوم کو دے دیا...... اور کلثوم کے چہرے پہ اتنی خوشی تھی کہ مجھے معلوم ہوگیا کہ میری دعا قبول ہوگئی...... تایا جی نے مجھے اجازت دے دی ہے کہ میں جاب کر سکتی ہوں...... اللہ سائیں آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے میری بات رکھ لی...... میں یونیورسٹی کے بعد مصروف ہونا چاہتی ہوں...... میرے تایا جی کو بہت اچھا رکھنا انہیں صحت کے ساتھ سلامت رکھنا...... اگر وہ نہ ہوتے تو کیا ہوتا...... تائی جی آخر کیا چاہتی ہیں...... آپ انہیں بھی میرے لیے اچھا کردیں اللہ سائیں...... میں اپنے سارے اچھے سوٹ کلثوم کو دے دوں گی...... وعدہ......!''

اس نے ڈائری بند کی اور آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی۔

''کتنی معصوم لڑکی ہے یہ...... چھوٹی، چھوٹی خوشیوں کے لیے اللہ سے دستِ سوال دراز رکھتی ہے......''

''اعزاز بیٹا......'' تایا جی اس سے کہہ رہے تھے...... وہ اس کے سامنے آکر بیٹھ گئے تھے۔

''میری بیٹی چڑیا جیسا دل رکھتی ہے...... وہ سہم جاتی تھی بات بات پر...... بہت ذہین تھی مگر خود کو چھپا کر رکھتی تھی ہمیشہ دوسروں کی خوشی کے لیے خود کو قربان کردیا...... خود کیا چاہتی ہے؟ کبھی نہ بتایا...... مجھے بھی نہیں...... میں نے بھی تو اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کی...... کہ وہ کیا چاہتی ہے...... ہمیشہ میری بیوی میرے سامنے آگئی...... اگر میں اس کے لیے کچھ کرنا بھی چاہتا تو میری بیوی حیلے بہانے سے مجھے روک دیتی...... میں اس کے لیے کچھ نہ کر پایا مگر ایک بار وہ ہوش میں آجائے تو سب ٹھیک ہوجائے گا...... اعزاز بیٹا...... تم اس سے ملو گے تو تم سوچو گے کہ آج کے دور میں اتنی حیا......! وہ سر جھکا کر بات کرتی ہے...... وہ میری بہت پیاری بیٹی ہے......'' ان کا لہجہ گلوگیر ہوگیا تھا۔

''بیٹا تم ایک بار اس سے ملو گے تو احساس ہوگا کہ وہ عام لڑکیوں سے کتنی مختلف ہے...... سہمی، سہمی شرمیلی سی...... باحیا، باکردار...... یہ ڈائری تمہیں مدد دے گی...... اس کا علاج کرنے میں......'' سبز رنگ کی ڈائری کی طرف اشارہ کر کے وہ کہنے لگے۔

''اللہ خوش رکھے مینا کو کہ وہ ڈھونڈ کر لے آئی......''

وہ ماسی کو دعا دیتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے...... ''اچھا بیٹا اب میں چلتا ہوں...... اللہ تمہیں بھی خوش رکھے...... تمہاری زندگی میں آسانیاں پیدا کرے......''

''میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں انکل......!'' اعزاز شاہ یک دم کھڑے ہوگئے۔

''نہیں بیٹا بالکل نہیں...... تم اپنا کام کرو...... تمہیں بہت اہم اسائنمنٹ ملا ہے......'' وہ پھیکے سے مسکراتے ہوئے گویا ہوئے...... اور اس کے سر پر

ہاتھ پھیرتے رخصت ہوگئے......وہ ان کی باتوں پہ غور کرتے ہوئے پھر سبز رنگ کی ڈائری میں الجھ گئے۔

''یہ ڈائری مجھے کیوں اپنی' اپنی سی لگ رہی ہے......جیسے میرے اور اس کے دکھ مشترک ہوں......''

ڈائری کے اوراق اور مختلف حصے تشمیرہ کی زندگی کی عکاسی کررہے تھے۔

''میری شادی فاطر سے ہورہی ہے......میں تایا جی کو ناراض نہیں کرسکتی......انہوں نے خود مجھ سے کہا ہے کہ فاطر محبت پاکر سیدھی راہ پر آسکتا ہے......بھٹکنے سے بچ سکتا ہے......اگر میری اس قربانی سے وہ راہِ راست پر آگیا تو اس سے بڑی کیا بات ہوگی۔

مگر تائی اماں کا مزاج کیوں برہم رہتا ہے......مجھے ان سے بہت ڈر لگتا ہے......یا اللہ سب کچھ ٹھیک ہوجائے۔ وہ مجھے اتنی خوفناک نظروں سے گھورتی ہیں کہ میں خود کو ان کی نظروں سے نہ چھپانا چاہتی ہوں جبکہ میں تو ان سے محبت کرنا چاہتی ہوں مگر نہ جانے کیوں وہ مجھے دھتکارتی ہیں۔ اور تایا جی کے سامنے میرا خیال رکھتی ہیں مگر میں تایا جی کو بھی کچھ نہیں بتاسکتی......یا اللہ تو میرے حق میں بہتر فیصلہ کردے......بس سب مجھ سے خوش رہیں......''

پھر اگلی تاریخ لکھی تھی۔

''آج پلاؤ کی ڈش میرے ہاتھ سے ٹوٹ گئی......اُف تائی اماں کو معلوم ہوگیا تو......چیزیں ٹوٹتی رہیں گی تو سب خوش کیسے رہیں گے......؟''

''پگلی......''اعزاز ایک دم کھلکھلا کر ہنس دیے۔

''دنیا تو ویسے بھی خوش نہیں رہتی......'' وہ خود کلامی کرتے ہوئے......منصوبہ بندی کے ساتھ سوچنے لگے کہ انہیں واقعی اب سنجیدگی سے اس پروجیکٹ پہ کام کرنا ہے۔ فیضان اب کاروبار سنبھال سکتا ہے......اگر کچھ دن وہ آفس سے رخصت لے لیں......بابا اور مما کو بھی بتانا ضروری تھا......بابا تو پریشان ہوجائیں گے خیر سب ٹھیک ہوجائے گا۔

زوار شاہ کو قائل کرنا اتنا آسان نہ تھا......

سبز ڈائری کے لیے انہیں بہت کچھ کرنا تھا......

☆......☆......☆

رات کے گیارہ بج رہے تھے......گاڑی تیز رفتاری سے سڑک کا سینہ چیرتی ہوئی دوڑ رہی تھی......یہ سڑک عموماً رش سے خالی رہتی تھی اس لیے فیضان شاہ بے خوف ہوکر گزر رہا تھا۔ روزی اس کے ساتھ بیٹھی تھی......اچانک ایک عورت نہ جانے کدھر سے نکل کر سامنے آگئی......تیزی سے گاڑی کو بریک نہ لگتا تو خوفناک حادثہ ہوجاتا۔

فیضان شاہ نے بریک پر پاؤں جمادیا اور گاڑی اس عورت کے بالکل قریب جاکر جھٹکے کھا کر رک گئی......روزی کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکرایا تھا۔ فیضان نے روزی کے جھکے ہوئے سر کو اٹھا کر کہا۔

''خود کو سنبھالو پلیز...میں ذرا ان خاتون کو دیکھوں......'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے گاڑی کا دروازہ کھول کر زخمی وجود کی طرف بڑھا......جو گاڑی سے ٹکرا کر تھوڑے فاصلے پر بے سدھ پڑی تھی۔

فیضان گھبرا کر قریب پہنچا تو اسے دیکھ کر گھبرا گیا۔ روزی بھی اپنا سر پکڑے گاڑی سے اتر کر اس کے ساتھ ہی کھڑی تھی......''زینب خالہ......؟''اس کے منہ سے عجیب انداز میں نکلا۔

''اُف خدایا......یہ تو بالکل بے جان پڑی ہے......ذرا دیکھو سانس چل رہی ہے یا نہیں......''

فیضان شاہ یک دم گھبرا گیا......روزی نے خاتون کے سر پہ ہاتھ رکھا......بازو چیک کیا......نتھنوں کے قریب سانس کی بحالی دیکھ کر کہا۔

''ڈونٹ وری......فوراً اٹھاؤ انہیں اسپتال لے چلتے ہیں......فوراً ایمرجنسی میں چلتے ہیں......قریب ہی اسپتال ہے۔'' خاتون بالکل بے ہوش تھیں......سانس کی رفتار ہلکی تھی۔

''اتنی رات کو یہ عورت اکیلے اس سڑک پہ کیا کررہی تھی......؟''فیضان حیرانی وپریشانی سے کہنے لگا۔

''ہوش میں آنے دو سب پتا چل جائے گا۔''

روزی نے اسے بائیں طرف اشارہ کیا......جہاں

اسپتال کی عمارت تھی...... گاڑی کے رکتے ہی اسٹریچر لانے کا اشارہ کیا گیا...... تھوڑی دیر میں ہی وہ ایمرجنسی وارڈ میں کھڑے تھے۔

ڈاکٹرز چیک اپ کر رہے تھے...... فیضان شاہ اپنے ہونٹ بے بسی سے کاٹ رہا تھا...... جبکہ روزی بے تاثر چہرے کے ساتھ اس خاتون کو دیکھ رہی تھی۔ انتہائی کمزور اور غمزدہ سی عورت تھی...... نرس ان کی نس تلاش کر کے ڈرپ کے ذریعے انجیکشن لگا رہی تھی...... تھوڑی دیر میں ڈاکٹر فیضان شاہ کی طرف مڑا۔

''اب یہ خطرے سے باہر ہیں...... ان کا بلڈ پریشر انتہائی خطرناک حد تک گر گیا تھا...... جس کی وجہ سے یہ چکرا کر گری ہیں...... دائیں طرف پیشانی پہ معمولی سی چوٹ ہے...... ابھی تھوڑی دیر میں انہیں ہوش آجائے گا...... اچھا ہوا آپ لوگ انہیں بروقت لے آئے۔'' ڈاکٹر، فیضان شاہ کو تسلی دیتے ہوئے آگے بڑھ گیا...... فیضان اور روزی کو اس وقت تک وہاں رکنا تھا جب تک کہ زینب خالہ کو ہوش نہ آجائے...... دیوار گیر گھڑی میں بارہ بجے تھے...... ٹک ٹک کر کے سوئی آگے بڑھ رہی تھی...... اور وہ سراپا انتظار تھے۔

☆......☆......☆

اور رات کے اسی پہر مہرو کے موبائل پہ ریبال کا فون نمبر جگمگ کرنے لگا...... مہرالنسا نے تڑپ کر فون اٹھالیا۔

''السلام علیکم! امی کیسی ہیں آپ......؟''

''اللہ کا شکر ہے میرا بیٹا...... تم تو ٹھیک ہو......؟'' ان کے لہجے کی خوشی دیدنی تھی...... ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کو گلے سے لگالیں۔

''جی امی بالکل ٹھیک ہوں......'' ایسی ہی کیفیت ریبال کی بھی تھی۔

''امی آپ کو خوشی کی خبر سنانی ہے...... مجھے ڈاکٹریٹ کی ڈگری اکتوبر میں ملے گی اور میں چاہتا ہوں...... میری ماں اس وقت میرے ساتھ یہاں موجود ہو...... امی یہ کانووکیشن میری زندگی کا سب سے بڑا خواب ہے...... میں نے سفارت خانے میں آپ کے لیے بات کی ہے...... یہ تو مشکل مگر ناممکن نہیں ...... آپ کا پاسپورٹ تو ویسے بھی بنا ہوا ہے جو آپ نے حج کی نیت سے بنایا تھا......''

''لیکن بیٹا وہ تو ٹھیک ہے...... پیسوں کا انتظام کیسے ہوگا اتنی جلدی......'' مہرالنسا خوشی کے احساس سے پریشان ہوگئی تھیں۔ انہیں فکر لاحق ہوگئی...... ریبال فون پہ ان کی پریشان آواز سن کر مسکرا دیا۔

''ارے امی آپ پیسوں کی فکر نہ کریں...... بس دعا کریں آپ کو بلانے کی اجازت مل جائے، پیسہ آپ کے بیٹے کے پاس ہے...... آپ کے سلیقے اور بجت کے فارمولوں نے مجھے بھی سلیقہ شعار بنا دیا ہے میں ٹکٹ کا انتظام کر دوں گا۔'' مہرالنسا اس کی بات پر ہنس پڑیں۔

''امی تشمیرہ کا پتا چلا......؟'' کچھ توقف کے بعد اس نے پوچھا۔ اس کا لہجہ پریشان کن تھا۔

''نہیں بیٹا...... میں جب اس کے گھر گئی وہاں تالا لگا ہوا تھا...... محلے والے بھی کچھ نہیں بتا رہے۔ اس کے تایا جی صبح سویرے چلے جاتے ہیں، رات میں کب واپسی ہوتی ہے کسی کو نہیں خبر...... اس کی تائی کی بھی کوئی اطلاع نہیں...... لیکن ایک دو لوگوں نے بتایا ہے کہ وہ گاؤں چلی گئی ہیں لیکن بیٹا تم نے اعزاز سے بھی تو کہا تھا......''

''جی امی اس سے کہا تھا...... اللہ کرے اعزاز کو کچھ معلومات حاصل ہوجائیں...... اعزاز سے آپ کی ملاقات تو ہورہی ہے ناں......''

''ہاں بیٹا...... وہ اکثر آجاتا ہے۔ مجھے کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دیتا...... اللہ اسے خوش رکھے۔ اچھا بیٹا فون رکھو...... پتا نہیں کتنے ریال گر گئے ہوں گے...... بات بہت لمبی ہوگئی ہے......''

اور ریبال نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

''میری بھولی امی...... یہاں کے پیسے کو ریال نہیں کہتے۔''

''ارے جو کچھ بھی کہتے ہیں...... بس میں یہ جانتی ہوں...... کال بہت مہنگی ہورہی ہے......'' وہ

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دستر خوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

جھینپ کر بولیں۔

''اچھا امی میں رکھتا ہوں...... بس دعا کیجیے گا...... آپ کو بلوا سکوں اور میں اپنی محنت اس کوشش میں کامیاب ہو جاؤں...... ڈگری لیتے وقت میری امی میرے پاس ہوں۔''

''انشاء اللہ بیٹا...... ایسا ہی ہوگا...... اپنا بہت خیال رکھنا......''

''جی امی آپ بھی...... اللہ حافظ......!''

اللہ حافظ کہتے ہوئے ان کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں...... فون بند ہو چکا تھا...... بھیگی آنکھوں کے ساتھ ریبال کی شبیہہ کے ساتھ زوار شاہ کی تصویر بھی سامنے آگئی۔

''آپ کو تو پتا بھی نہیں ہے کہ آپ کا بیٹا کتنی کامیابی حاصل کر چکا ہے...... کاش آپ میرے ساتھ ہوتے تو مجھے زندگی کا کوئی غم نہ ہوتا۔ آپ نے جلد بازی میں اتنا غلط فیصلہ کیا، آپ کو کوئی پشیمانی بھی نہیں...... اتنے برس گزرنے کے باوجود کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی کہ میں کس حال میں ہوں......؟'' وہ سسکتے، سسکتے رونے لگیں...... اور بھیگی رات آہستہ آہستہ بیت رہی تھی۔

☆......☆......☆

''کوئی بھی انسان اتنا امیر نہیں ہوتا میرے دوست کہ وہ اپنا گزرا ہوا کل خرید سکے......''

بھاپ اڑاتی کافی کی پیالیاں دونوں کے سامنے تھیں...... سگریٹ کے مرغولے میں زوار شاہ سوچ و فکر کی پنہائیوں میں گم تھے۔

''جب تم اعزاز کی شخصیت کی بات کرتے ہو ناں تو یقین کرو مجھے مہرو بھابی بہت یاد آتی ہیں......!'' مہرو کے ذکر پر وہ عجیب سے ہو گئے تھے۔

سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے وہ اپنا ہاتھ جلا بیٹھے۔

''تم نے ہر فیصلہ غصے کی حالت میں کیا میرے دوست، ابلتے ہوئے پانی میں اپنا عکس دکھائی نہیں دیتا......''

''کیا ہوا......؟ تمہارا کیا مطلب ہے......؟''

زوار شاہ بری طرح چونکے۔

''میرے دوست تم نے اپنی قیمتی زندگی کے کچھ فیصلے بہت عجلت اور افراتفری میں کیے ہیں......'' محب اللہ تحمل سے بولے۔

''کوئی عجلت میں نہیں کیے تھے...... بالکل صحیح فیصلہ تھا۔ وہ کسی اور مرد میں انٹرسٹڈ تھی۔ اسے بتانا چاہیے تھا، اس کی بہن نے تصویریں اور اس کی آواز سنائی تھی اور ایک شوہر کی غیرت یہ برداشت نہیں کر سکتی...... سمجھے تم......''

''تم تحقیق تو کرتے...... معلوم تو کرتے...... تین لفظ طلاق کے لکھ کر چلے آئے...... میرے دوست یہ ظلم کیا تم نے اس کے ساتھ...... بہت ظلم کیا......'' محب اللہ تاسف سے ہاتھ مل رہے تھے۔

''تم اس کے ساتھ کیے گئے سارے وعدے بھول گئے...... تم تو اس کی معصومیت کی تعریف کیا کرتے تھے ناں اور وہ آج تک یہی سمجھتی ہے کہ تم غلط فہمی کا شکار ہو...... طلاق کے کاغذات تو اس تک پہنچے ہی نہیں تھے......''

''کیا......؟ میں خود اس کی بہن کو دے کر آگیا تھا کاغذات......'' وہ جھٹکا کھا کر گویا ہوئے...... زوار شاہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا...... ''21 سال ہو گئے ہیں...... اس کی بہن نے اس کو کاغذات کیوں نہیں دیے......'' اب وہ مضطرب تھے...... ''مجھے معلوم کرنا پڑے گا۔''

''تمہیں یاد ہے جب چاندنی نے تمہارا آفس جوائن کیا تھا...... تو اس کی بہن سے اس کی خوب دوستی تھی...... کیا نام تھا اس کی بہن کا...... ہاں...... زیب النساء''

''ہاں...... یاد ہے......'' زوار کی آنکھوں میں گزرے ماہ و سال اتر آئے۔

''ذرا سوچو کیا ہوا تھا......؟''

''کیا ہوا تھا......؟'' زوار شاہ نے کنپٹی دباتے ہوئے کہا۔

''وہ مہرو کا خط لے کر آئی تھی...... میں اس کی ہینڈ

رائٹنگ پہچانتا تھا...... اس نے کسی کو لکھا تھا......'' زوار شاہ بتا رہا تھا۔

''میں بہت مجبور ہوں...... تم سے شادی نہیں کر سکتی...... کیونکہ میری اماں کو وہ آدمی بہت پسند ہے جس کا نام زوار ہے...... میں مجبور ہوں...... پلیز...... میری ساری تصویریں جلا دینا...... جو ہمارے پیار کی نشانی ہیں...... میں خود انہیں سب کچھ بتا کر طلاق لے لوں گی...... تمہاری قسم میں ایسا ضرور کروں گی تم کوئی جذباتی قدم نہ اٹھانا......

تمہارا پیار...... مہرو......''

زوار شاہ کے سامنے جیسے اس خط کا مضمون اترنے لگا۔''تو میں کیا کرتا بتاؤ تم...... جب میں گھر پہنچا تو وہ گھر پر نہیں تھی...... اس کی بہن زینب سے پوچھا تو کہنے لگی کہ وہ تو گھر پہ نہیں ہے......'' پھر اس دن کا منظر اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ میں نے پوچھا۔

''کدھر گئی ہے......''

''مجھے پتا نہیں...... وہ تو اکثر کہیں نہ کہیں چلی جاتی ہے...... کوئی فون آیا تھا...... وہ فوراً تیزی سے بغیر بتائے نکل گئی......'' زیب النسا نے کہا تھا۔

''ویسے حیرت ہے اس نے آپ کو بھی نہیں بتایا......؟ ہے تو میری بہن مگر سچ کہوں تو وہ آپ کے قابل نہیں ہے...... اب آپ نے تو اس سے محبت کر کے شادی کی اور اس نے جبراً...... اس کو ساری بات آپ کو بتا دینی چاہیے تھی......''

''کیسی بات......؟'' زوار شاہ حیران ہوئے۔

''یہی کہ وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے...... بلکہ ابھی تک......'' اس نے اپنے دونوں گالوں اور کانوں کو ہاتھ لگایا...... ''توبہ توبہ...... اس اپنے عاشق سے ملنے ابھی تک جاتی ہے...... اماں نے سمجھایا میں نے سمجھایا مگر وہ نہیں مانتی...... کہتی ہے تم لوگ بھگتو...... میرا کیا قصور ہے...... شادی تم لوگوں نے کی ہے...... تم لوگ جانو...... سچی بات تو یہ ہے زوار بھائی آپ نے غلط لڑکی کو بیوی بنا لیا...... اگر کوئی اور ہوتی تو آپ کے پیر دھو کر پیتی...... آپ کے قدموں کی دھول بن کر رہتی...... ہے تو وہ میری بہن مگر آپ کے قابل نہیں ہے......''

زوار کے کانوں میں زیب النسا کی آواز کی گونج رہی تھی۔

''اور تم نے یقین کر لیا......'' محب اللہ نے طنزاً کہا۔

''وہ اس کی سگی بہن تھی...... یقین دلایا تھا اس نے مجھے، ثبوت لے کر وہ میرے آفس آئی تھی...... اور اس لڑکے کی بہن چاندنی کو بھی ساتھ لائی تھی۔ اور چاندنی نے اپنے بھائی کے بارے میں بتایا کہ وہ مہرو کے عشق میں پاگل تھا۔ اس نے خودکشی کر لی تھی...... ایک بہن اپنی بہن کے بارے میں بتا رہی تھی تو اس میں کیا غلط ہو سکتا ہے...... بتاؤ میں غلط تھا کیا......؟'' زوار غصے سے بولا۔

''میرے یار تمہیں غلط بتایا گیا تھا بالکل غلط...... جب تم نے چاندنی کو مظلوم سمجھ کر اپنے آفس میں رکھ لیا تھا۔ تو ایک دن اس نے باتوں، باتوں میں مجھے بتایا کہ وہ دنیا میں بالکل اکیلی ہے...... ماں باپ مر چکے ہیں اور آٹھ (8) سال کی چھوٹی بہن ہے...... اس کا بھائی کوئی نہیں......''

''کیا......؟ بھائی کوئی نہیں......''

''جی...... اس کا کوئی بھائی نہیں تھا...... اس نے یہ سب کسی کے کہنے پر کیا تھا...... پر کس کے کہنے پر...... یہ پتا نہیں چلا...... ہاں وہ ڈرگ مافیا کے ساتھ کام کرتی تھی...... تمہیں یاد ہے ناں...... انکوائری ٹیم ہماری کمپنی آئی تھی...... تو چاندنی کی کیا حالت تھی...... تم نے اسے اپنی پرسنل سیکریٹری کے عہدے پر رکھا تھا مگر ہماری کمپنی کی ساکھ اس نے خراب کر دی تھی...... جانے کس نے یہ اطلاع دی تھی کہ وہ ہماری کمپنی کے ذریعے ڈرگز سپلائی کرتی ہے...... جب ہم نے اس سے پوچھ گچھ کی تو اس نے گول مول جواب دیے اور صاف مکر گئی بلکہ سب میں مشہور کر دیا کہ وہ تم سے شادی کی خواہشمند ہے اور تم اس سے کچھ دنوں میں شادی کرنے والے ہو...... اور اس کے کچھ دنوں بعد اس نے آفس کی کھڑکی

سے کود کر اپنی جان دے دی۔

اس لیے کہ پولیس کو وہ مطلوب تھی...... اس نے جیل جانے سے بہتر یہی سمجھا کہ وہ خودکشی کر لے......

اُف...... عجیب معما تھی وہ لڑکی بھی شکر ہے کہ ہمارے بزنس کی ساکھ بحال ہو گئی......''

''تمہیں تو اس نے بھائی بنا رکھا تھا......'' زوار نے محب اللہ سے کہا۔

''جبھی تو بہت ساری باتیں پتا چلیں کہ پیسوں کے چکر میں اس نے الٹے سیدھے کام کیے...... اسے اپنے مقصد کے لیے کسی نے خریدا تھا...... کس نے یہ آج تک معما حل نہیں ہوا مگر اس سب کے باوجود میں تم سے کہوں گا مہرو بھابی بے قصور تھیں...... اپنے فیصلے کو منطقی انجام تک پہنچانے کے لیے تمہیں ان سے بات کرنی چاہیے تھی......'' محب اللہ نے ان سے کہا۔

''میں اس کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا تھا...... وہ اتنی گر جائے گی میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا......'' زوار شاہ نے بختی سے کہا۔

''تم نے تو ان کے فون کا بھی صحیح جواب نہیں دیا تھا......''

''ہاں اس کا فون آیا تھا......'' ایک ورق ماضی کا پھر سامنے آ گیا تھا...... ''مجھے آپ کو خوشخبری سنانی ہے...... آپ میرے لیے گجرے لے کر آئیے گا شام میں......''

''میں نے کہا جو خوشخبری تمہیں ملے گی تمہاری بہن کے ذریعے وہ سب سے بڑی ہوگی...... یہ کہہ کر میں نے فون پٹخ دیا تھا...... اس نے بارہا فون کیے، میں نے وہ نمبر ہی تبدیل کر دیا......'' وہ ختمی لہجے میں بولے...... ''وہ میرے دل سے اتر چکی تھی......''

''دیکھ یار...... چاندنی اگر زندہ ہوتی تو بہت سی باتوں سے پردہ اٹھ جاتا...... اور جو خوشخبری وہ سنانا چاہ رہی تھی...... وہ تمہارے ولی عہد کی تھی...... جسے تم نے نظر انداز کر دیا......'' زوار شاہ کے سر پہ جیسے ایک پہاڑ ٹوٹا۔

''ولی عہد......؟''

''جی...... تمہارا بیٹا اور تمہیں پتا ہے جب ردا بھابی شیر خوار بچے کو چھوڑ کر چلی گئی تھیں تو اعزاز کو میں نے جس ڈے کیئر بے بی سینٹر میں داخل کیا...... وہاں مہرو بھابی نے اعزاز کو سنبھالا...... اور آج بھی اعزاز اور مہرو بھابی میں ماں، بیٹے جیسا رشتہ قائم ہے......''

حیرتوں کے دھچکے تھے جو زوار شاہ کو لگ رہے تھے...... ان کو اپنے دل میں درد سا محسوس ہونے لگا۔

''یار بہت خوش نصیب ہو...... ریبال جیسا بیٹا تمہارا خون ہے۔ اس کا کردار دیکھو...... ایک غیر مسلم لڑکی اس کے کردار کو دیکھ کر مسلمان ہو گئی اور یہ سارا کریڈٹ ریبال کی ماں یعنی مہرو بھابی کو جاتا ہے۔'' وہ انکشافات کر رہے تھے۔

''اگر تم ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچتے تو آج حالات مختلف ہوتے......'' وہ زوار شاہ کی کیفیت سے یکسر لاعلم اپنی کہہ رہے تھے...... زوار اپنے سینے کو دباتے ہوئے بیٹھتے چلے گئے۔

''کیا ہوا زوار......؟'' محب اللہ ایک دم تیزی سے ان کی طرف بڑھے...... ٹھنڈے، ٹھنڈے پسینے کے قطرے ان کے چہرے پر تھے۔

''میری گولی اور پانی کا گلاس دو...... وہ سائڈ پہ رکھی ہے ٹیبلٹ......''

محب اللہ نے جلدی، جلدی ٹیبلٹ اور پانی کا گلاس ان کے لبوں سے لگا دیا...... محب اللہ نے زوار شاہ کو وہیں صوفے پر لٹایا اور اعزاز کو آواز دی...... اعزاز بھاگتے ہوئے قدموں کے ساتھ سیڑھیاں اترنے لگے...... ٹی وی لاؤنج میں زوار صوفے پہ نیم دراز تھے...... محب اللہ ان کے ہاتھوں کو مسل رہے تھے۔

''کیا ہوا بابا کو......؟'' وہ پریشان ہو گئے تھے۔

''کچھ نہیں بیٹا...... اب میں ٹھیک ہوں......''

زوار شاہ نے ان کو اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا۔

''بس ایسے ہی محب گھبرا جاتا ہے...... کچھ زیادہ ہی محبت کرتا ہے مجھ سے......'' انہوں نے محب کو دیکھا۔

''سچ کہیں بابا...... سب ٹھیک ہے ناں......

دیکھیں میری ٹینشن نہ لیں...... میں شراب کو ہاتھ تک نہیں لگاتا...... بزنس پہ توجہ دے رہا ہوں...... آپ کو اب کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہیے......'' اعزاز کو تشویش ہوئی۔

''ہاں میرے بیٹے سب ٹھیک ہے......بس یونہی چکر آ گیا تھا...... اب ٹھیک ہوں، جاؤ جا کر آرام کرو......جاؤ بیٹا......'' وہ زبردستی اعزاز کو بھیجنے لگے۔

''ہاں اعزاز جاؤ...... میں نے جذباتی ہو کر تمہیں آواز دے دی......'' محبّ اللہ بولے۔

''اوکے انکل اور بابا...... آپ دونوں اپنے ڈرامے کی ریہرسل جاری رکھیں......'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ کر سیڑھیاں چڑھنے لگے۔

''میں تو خیر ہوں ہی ڈراما...... تمہارا نہیں پتا......'' وہ زوار کو دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔

''محبّ یار خدا کے لیے کہیں سے بھی معلوم کرو......سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا؟ ورنہ میں اپنے آپ کو معاف نہیں کرسکوں گا......'' زوار نے ملتجی لہجے میں محبّ سے کہا۔

''اچھا یار......سب ٹھیک ہو جائے گا...... پہلے تم اپنی طبیعت صحیح کرلو پھر دیکھتے ہیں...... چلو آنکھیں بند کرو......تھوڑی دیر آرام کرلو۔''

زوار نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور محبّ اللہ کے چہرے پہ تردد کے آثار نمایاں ہوگئے۔

☆......☆......☆

اسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں زینب خالہ کو ڈرپ لگی ہوئی تھی......اور باہر راہداری میں روزی اور فیضان شاہ ان کے ہوش میں آنے کے منتظر تھے۔رات کے دو بج رہے تھے۔

''شکر ہے ابھی تک بابا کا فون نہیں آیا......'' وہ سوچ رہا تھا...... ''ورنہ شامت ہی آجاتی...... میں اعزاز بھائی کو فون کر کے بتا دیتا ہوں۔''

وہ موبائل نکالنے لگا تھا کہ وارڈ بوائے کی آواز آئی۔

''مریضہ کو ہوش آگیا ہے......آپ اندر آجائیں۔''

''تھینک گاڈ......'' کہتے ہوئے وہ اندر آگئے......

خالہ زینب نے آنکھیں کھول دی تھیں...... انہیں ہوش آگیا تھا۔

''آپ کیسی ہیں آنٹی اب......؟'' فیضان شاہ نے ہمدردی سے پوچھا۔

''اللہ کا شکر ہے بیٹا......آپ کا شکریہ آپ یہاں لے آئے......''

''آپ اس سنسان سڑک پہ کیا کررہی تھیں؟''

''کچھ نہیں بیٹا...... وہاں سے گزر رہی تھی...... دوسری طرف جانے کے لیے پتا نہیں کیا ہوا کہ روشنی نے آنکھوں کو عجیب سا کردیا تھا......پھر کچھ یاد نہیں ہے۔''

''چلیں اب...... یہ خاتون ٹھیک ہیں......'' روزی بیزاری سے بولی...... اتنی انکساری وہ صرف فیضان شاہ کی وجہ سے دکھا رہی تھی۔

زینب خالہ نے روزی کو غور سے دیکھا پھر کہنے لگیں...... ''تم چاندنی کی بہن تو نہیں ہو...... اس کی شباہت آرہی ہے تم میں......''

''آپ چاندنی کو کیسے جانتی ہیں......؟'' روزی نے تیز لہجے میں جذباتی ہو کر پوچھا۔

''وہ میری سہیلی تھی...... میری رازدار......'' ان کی آنکھوں کے کنارے گیلے ہونے لگے......وہ رونے لگیں۔

''آپ انہیں آرام کرنے دیں...... اب یہ خطرے سے باہر ہیں......''

''پھر مل لیجیے گا ان سے......'' ڈاکٹر نے قریب آ کر انہیں جانے کا سگنل دیا۔

''میں آپ سے ملنے آؤں گی......'' اس نے پرس سے کچھ پیسے نکال کر ان کے ہاتھ پہ رکھے...... اور فیضان شاہ کے ساتھ اسپتال کے پارکنگ ایریا میں آگئی۔

''یہ چاندنی کو جانتی ہے تو باقی لوگوں کو بھی جانتی ہوگی......لگتا ہے اب باقی ساری کڑیاں ملنے والی ہیں......'' فیضان نے اسے اس کے گھر ڈراپ کیا۔

''سنو...... منگنی مبارک ہو......'' فیضان کا جملہ

اس کے کانوں میں پڑا تو وہ مسکرادی...... اور انگوٹھی والا ہاتھ اس کے آگے کر دیا...... خوب صورت ہاتھ میں اس کے نام کی انگوٹھی پہنے وہ اترا رہی تھی...... اور رات آہستہ، آہستہ بڑھتی جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

یہ دو دن بعد کا ذکر ہے......

ڈاکٹر جوزف نے اس کو ہر طریقۂ علاج سے آگاہ کر دیا تھا...... اب وہ اس پوزیشن میں تھا کہ بہت اچھی طرح سے اس سے گفتگو کر سکتا تھا...... کیونکہ چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اس نے مختلف زاویوں سے، مینا اور تایا جی سے معلوم کر لی تھی...... سبز رنگ کی ڈائری اس کے ہاتھ میں تھی...... جسے وہ جتنا پڑھتا اسے اتنا ہی مزہ آتا۔

آج وہ لمحہ آ ہی گیا تھا...... جب وہ اس کے سامنے کرسی رکھے نزدیک بیٹھا ہوا تھا...... اس نے دیکھا کہ وہ حسین لڑکی کملایا ہوا زرد پھول لگ رہی تھی...... گلابی رنگ کا دوپٹا اس کے کمبل سے باہر جھانک رہا تھا...... اس کا وجود گہری نیند میں تھا......

ڈاکٹر جوزف اور جدید ریسرچ کے مطابق وہ لاشعور میں متحرک ہے اور شعور میں لانے کے لیے اس کے ساتھ مکالمہ ضروری ہے۔

اعزاز شاہ نے کچھ دیر خود کو سنبھالا اور پھر دھڑکتے دل سے کہنے لگے۔

''سنو...... جن کے دل کی بات اس دنیا میں سننے والا کوئی نہیں ہوتا...... ان کی سب کہی ان کہی باتیں اس دل کا مکین سنتا ہے...... بڑے غور، دھیان اور پورے خلوص کے ساتھ اور پتا ہے......''

اعزاز شاہ کچھ دیر کو رکے...... اس کی گھنی گھری پلکوں سے ڈھکی بند آنکھوں کو دیکھا۔

کاش وہ آنکھیں کھول دے اس پل...... تو کائنات رک جائے...... اعزاز شاہ کے دل میں خواہش جاگی۔

''میرا رب جس دل میں رہتا ہے...... اسے دنیا والوں سے بات کرنے کی حاجت ہی نہیں رہتی......'' ڈائری میں لکھا جملہ اسے یاد آیا۔

''تم تو سراپا محبت ہو......'' اعزاز نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا...... ہر نقش بے مثال تھا...... ستواں ناک...... بھرے، بھرے ہونٹ اور لمبے بال...... اگر یہ لڑکی ابھی اٹھ کر بیٹھ جائے تو کیا ہو......؟

بے اختیار انہوں نے بیڈ پہ پھیلے اس کے بازوؤں کو دیکھا...... اور ہاتھ تھامنے کی خواہش دل میں جاگی......

مصورانہ شاہکار تھی وہ...... اعزاز نے اس کے ہاتھوں کی انگلیوں کو غور سے دیکھا...... اگر وہ اس ہاتھ کو سیدھا کر کے دیکھے تو......

اعزاز شاہ نے ہمت کر کے ہاتھ کو سیدھا کر دیا......

ایک لمحے کو اعزاز کو جیسے کرنٹ لگا...... یوں لگا جیسے اس نے اپنا ہاتھ چھڑایا ہو۔

تم میرے دکھوں کی تفصیل میں مت جاؤ......
مت پوچھو کہ
میری رات اور نیند کے درمیان آخری ملاقات کب ہوئی
مت پوچھ کہ
میری آنکھوں اور خوابوں کے راستے میں
یہ دیوار کس نے اٹھائی
جنہیں پتھر نہیں لگتے
انہیں پھولوں سے مت چونکاؤ
اتنے سوال مت اٹھاؤ

وہ پھول سا ہاتھ ایک اجنبی ہاتھ کو محسوس کر سکتا تھا...... یہ اعزاز کی پہلی کامیابی تھی

''تشمیرہ...... بیٹے ہوش میں آؤ......'' تایا جی کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''یہ تشمیرہ ہے......؟'' وہ حیران ہوا...... جس لڑکی کے بارے میں ریبال نے معلوم کرنے کو کہا تھا۔

''یہ تشمیرہ ہے......؟''

''ہاں بیٹا...... یہ میری بیٹی تشمیرہ ہے......'' تایا جی نے گمبھیر لہجے میں کہا...... کچھ ان کے اندر ٹوٹا تھا...... وہ سمجھ نہ پائے...... فائل پڑھتے ہوئے اعزاز شاہ اس کے نام پر غور کیوں نہیں کر سکے...... وہ حیران تھے۔

(باقی آئندہ)

''اللہ! کتنا خوب صورت کنگن ہے۔'' شمسہ نے میرے ہاتھ میں جڑاؤ کنگن دیکھ کر کہا۔

''ہاں، کل ہی طارق روڈ سے خریدا ہے۔'' میں نے فخریہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''بہت خوب...... تمہیں تو خریداری کرنے کا بڑا سلیقہ ہے، اس قدر خوب صورت بناوٹ بہت کم جیولرز کے ہاں ہوتی ہے۔ کہاں سے لیا؟''

''ارے وہیں حمدانی جیولرز سے؟'' میں نے کہا۔

میں اپنی کزن کی مہندی میں شریک تھی۔ میرے خوب صورت کنگن پر لوگوں کی نظریں نہ ٹھہرتی تھیں۔ کچھ رشک، کچھ حسد سے ملی جلی نظریں مجھے اپنے اوپر محسوس ہو رہی تھیں۔ تب ہی کمرے کے آگے سے

کنگن

ثریا فرخ



گزرتے ہوئے میں نے سنا میری نند اپنی چھوٹی بہن (یعنی میری دوسری نند) سے کہہ رہی تھیں۔

''توبہ ہے، بھابی کس قدر اتراتی ہیں، ذرا دیکھو تو بھلا پچاس، ساٹھ ہزار کا کنگن خریدنے کی کیا تک تھی۔ وہ بھی ایسے حالات میں...... بھائی جان بھی خوب ہیں...... ان کے اللے تللوں پر ان کو ٹوکتے بھی نہیں...... ہونہہ جورو کے غلام......''

''ہاں باجی......! ذرا بھی اچھا نہیں لگ رہا...... بھابی کی ڈنڈا سی کلائیوں پر یہ خوب صورت کنگن......'' چھوٹی نند نے جل کر کہا۔

باہر شامیانے میں پہنچ کر بھی میں نے اس کنگن کے متعلق گفتگو سنی۔ امی میری چھوٹی بہن شہلا سے کہہ رہی تھیں۔

''دیکھو عالیہ کتنی سگھڑ ہے، ہر مہینے کوئی نہ کوئی قیمتی چیز بنالیتی ہے۔ فضول میں پیسے برباد نہیں کرتی۔ کل کو یہ اسی کے بچوں کے کام آئیں گے۔''

''سچی امی! باجی واقعی بہت سلیقے والی ہیں۔ اور ماشاءاللہ ان کے ہاتھوں میں یہ کیسا سج رہا ہے۔ ویسے بھی آج کل یہ کنگن بہت اِن ہیں۔'' شہلا کے لہجے میں سچی خوشی تھی۔

رات کو تقریب سے تھکی ہاری گھر واپس آئی تو میرے ذہن میں لوگوں کی کنگن سے متعلق باتیں گونج رہی تھیں...... اُف یہ کنگن جس نے بہت سوں کو حسد میں مبتلا کیا...... بہت سوں کی نظریں رشک سے اس کی طرف اٹھ رہی تھیں...... اور کئی تو اس جیسا کنگن بنوانے کے لیے اپنے، اپنے شوہروں کو مصیبت میں مبتلا کرنے والی تھیں...... اور کئی پُرخلوص ہستیاں میرے لیے بلکہ اور بھی بہت کچھ کے لیے دعا کریں گی...... مگر......

کاش میں نے اس کنگن کو حاصل کرنے کے لیے جو کچھ کیا اس سے تو بہتر تھا کہ میں سو ڈیڑھ سو روپے کی کانچ کی چوڑیاں پہنے ہوتی، جو میرے قلبی سکون کے ساتھ چھنا چھن بجتیں...... اور اس کے ساتھ خوشیوں اور سکونِ قلب کے دیے جلتے...... مگر کاش......

چلیں میں تو آپ کو اپنی کہانی سناؤں......

بی اے کا رزلٹ آچکا تھا...... میں بالکل فارغ تھی۔ بہت سا وقت میرے پاس تھا اور کچھ کرنے کی لگن بھی...... ایک دن یونہی اخبار کی ورق گردانی کرتے ہوئے میں نے ایک بینک کا اشتہار دیکھا۔ نہ جانے میرے دل میں کیا آئی کہ میں نے امی سے کہا۔

''امی آج کے اخبار میں بینک میں ٹرینی آفیسرز کے لیے اشتہار آیا ہے کیا اپلائی کروں؟''

''بیٹا اچھی طرح سوچ لو، بینک کی نوکری اچھی خاصی دردِ سری ہے۔ پھر یہ فل ٹائم جاب ہے۔''

''امی ٹرائی کرنے میں کیا حرج ہے۔'' تھوڑی سی ردوکد کے بعد امی نے اجازت دے ہی دی۔ ابو کو تو ویسے بھی کوئی اعتراض نہیں تھا۔ ان کا خیال تھا نوکری مل بھی گئی تو میں چند ہی ماہ میں تھک تھکا کر چھوڑ دوں گی۔ مگر...... ابو کا خیال، خیال ہی رہا۔ میری یہ غلطی میری زندگی کا روگ بن گئی۔ مجھے نوکری بھی مل گئی اور یہ میرے لیے پیر بے تسمہ پا ہوگئی...... صرف چھ ماہ بعد ہی میں اپنے ایک ساتھی کی شریکِ حیات بن کر ان کے گھر آگئی۔ زاہد ہر لحاظ سے بہترین شوہر تھے، جاں نثار کرنے والے...... شروع کے دنوں میں ان کی بے پناہ محبت اور توجہ نے مجھے خوشیوں کے جھولے میں یوں جھلایا کہ میں سب کچھ بھول گئی...... اپنے آپ پر خود پیار آنے لگا، زندگی اتنی حسین ہوگئی...... جس کا میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ میں نے بینک سے ایک ماہ کی چھٹی لی تھی...... میں نے یہ سوچ رکھا تھا کہ ایک ماہ کے بعد ریزائن کردوں گی۔ مگر ایک ماہ بعد ہی یہ بھیانک راز مجھ پر کھل گیا کہ زاہد کو مجھ سے زیادہ میری نوکری سے، میری تنخواہ سے محبت تھی۔

''بھئی بیٹھے بٹھائے ہماری سیلری تو ڈبل ہوگئی۔'' بڑے فخر سے وہ دوستوں سے کہتے۔ ان کے اس فخر پر میرا سر ندامت سے جھک جاتا۔ میں سوچا کرتی تھی میں ہنی مون سے واپسی کے بعد گھر میں بیٹھ کر زاہد کا انتظار کیا کروں گی...... شام کی چائے ان

کے ساتھ پیوں گی۔ ان کی مرضی کے مزے دار کھانے بناؤں گی...... اپنے ہنستے بستے گھر میں سارا دن کام نبٹا کر شام کو ہنستے مسکراتے ان کے ساتھ سیر کیا کروں گی...... مگر یہ نہ ہوسکا۔

ہنی مون سے واپسی پر میری چھٹیاں ختم ہو چکی تھیں...... زاہد کی مرضی کے مطابق میں مہندی لگے ہاتھوں سے ڈیبٹ کریڈٹ کے واؤزچر سنبھالنے اور لیجرز بیلنس کرنے لگی۔ اور اسی طرح پورا پہلا سال گزر گیا۔ چھٹی کا دن گھر کے اور اپنے ذاتی ہزاروں کام نبٹانے میں ختم ہو جاتا۔ یہ دن بھی جلد ہی بیت گئے۔ مصروفیت تو تھی مگر پھر بھی مینج ہو ہی جاتا۔

سال کے آخر میں نے زاہد کو ننھے مہمان کے آنے کی خوشخبری سنائی...... اس امید کے ساتھ کہ وہ تو سنتے ہی جھوم اٹھیں گے۔ ہماری محبت کی نشانی جو دنیا میں آنے والی ہے...... مگر...... ''یہ خوشخبری'' سنتے ہی زاہد بجھ سے گئے۔

''ایسی بھی کیا جلدی تھی...... جانم! کیا تم کو واقعی ایک بچے کی خواہش تھی......؟ ہم نے تو ابھی اتنی جلدی بچہ پلان نہیں کرنا تھا۔'' میں جو اس توقع میں تھی کہ شاید زاہد اس خبر کو اسی طرح سے محسوس کریں گے جیسے کہ دنیا کا تقریباً ہر شوہر پہلی دفعہ اپنے باپ بننے کی خوشخبری سنتا ہے۔

''کیسا شخص ہے یہ؟'' میں نے دکھ سے سوچا...... سال بھر گزرنے کے بعد بھی اسے یہ سب جلدی لگ رہا ہے۔ اور واقعی یہ ان کے لیے جلدی ہی تھی۔ آٹھواں مہینہ لگتے ہی انہوں نے آیا کی فکر شروع کر دی۔

''یا اللہ...... کیا بچہ ہونے کے بعد بھی......؟''

مجھے اس بات سے شروع ہی سے چڑ تھی کہ بچہ ماں کے شفیق ہاتھوں کے بجائے اجنبی گود میں پلے۔ میں تو نانی، دادی سے بھی بچے پلوانے کے حق میں نہیں تھی کہ بچے کی شخصیت پر اثر پڑتا ہے مگر حکم حاکم مرگِ مفاجات...... ان کا حکم کیسے ٹالا جا سکتا تھا۔ کیونکہ واضح پیغام مجھے مل چکا تھا کہ دوسری صورت میں علیحدگی

ھائیکو

کیسا ہے کردار
جام اٹھا کر وعظ کرے
اچھا ہے فنکار

☆☆☆

آس کی ٹوٹی کلیاں
ساجن رستہ دیکھ رہی ہیں
پیار کی سونی گلیاں

☆☆☆

موسم کی سازش
طوفانوں میں بہہ جائے
دل کی ہر خواہش

☆☆☆

جانے والا کل
ڈھونڈ رہی ہوں میں کب سے
بچپن کا ہر پل

شاعرہ: یمنیٰ احمد

...... جسے نہ میں قبول کر سکتی تھی۔ نہ میرے ماں، باپ اور نہ ہی معاشرہ......

''تو عالیہ بی بی! صبر کرو...... نوکری کرو...... بچے پالو......''

معمول کی نوے دن کی چھٹیاں پلک جھپکتے گزر گئیں...... بلال اب مجھ سے خاصا مانوس ہو چکا تھا۔ ایک ماہ سے آیا بھی میرے ساتھ بچے کی دیکھ بھال کرتی رہی تھی۔

پھر وہ دن بھی آ گیا۔ جب مجھے ڈیوٹی جوائن کرنا تھی۔ آج بلال کو چھوڑ کر جانا تھا۔ پورا ایک طویل دن...... آٹھ بجے سے پانچ بجے تک...... خیر اللہ مالک ہے۔ اب جانا تو تھا ہی......

سارا دن دفتر میں بلال کی موہنی صورت آنکھوں میں رہی۔ پتا نہیں دوپہر کو سویا کہ نہیں...... آیا نے ٹھیک سے نہلایا ہوگا یا صرف اسپنج کیا ہوگا۔ کہیں دوا پلا کر سلا

ہی نہیں دیا ہو۔۔۔۔۔۔دو تین دفعہ گھر فون کر کے پوچھنے کے باوجود بھی میرا دل مطمئن نہیں ہوا۔

''کیا بات ہے مسز زاہد؟'' انچارج صاحب نے میرے سامنے واؤچر کیا۔ 1900 کو 9100 لکھ دیا۔''

"I am sorry sir" میں نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔۔۔۔۔۔پھر دو، تین اور غلطیاں کر بیٹھی۔۔۔۔۔۔میری اتنے دن کی سروس میں مجھے ایک بار بھی سوری نہیں کرنا پڑا تھا۔ پھر تو روز یہی ہونے لگا۔۔۔۔۔۔ پہلے جو میں سارے کام نہایت ہی خوش اسلوبی سے کرتی۔۔۔۔۔۔ مستقل انچارج صاحب کے غضب کا نشانہ بننے لگی کہ کام سے دھیان بھی بار، بار ہٹ جاتا اور کام صحیح نہ ہو پاتا۔۔۔۔۔۔کبھی کوئی انٹری غلط ہو جاتی کبھی بیلنسنگ میں۔۔۔۔۔۔ گڑبڑ ہو جاتی۔ یہ سب بہت تکلیف دہ تھا۔

ایک دن بلال کو بخار تھا۔۔۔۔۔۔کافی تیز بخار میں بچہ ساری رات بے چین رہا۔۔۔۔۔۔ مگر مجھے صبح دفتر جانا ضروری تھا کہ کلوزنگ کے دن تھے اور چھٹی کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔۔۔۔۔۔میں مرتی کلستی دفتر چلی گئی۔

دن پر لگا کر گزرتے رہے۔۔۔۔۔۔بلال بڑا ہو گیا۔۔۔۔۔۔ جیسے تیسے نوکری اور گھر داری چل رہی تھی۔۔۔۔۔۔میں دو کشتیوں میں پاؤں رکھے ڈگمگا رہی تھی۔

''امی مت جائیں۔۔۔۔۔۔ امی آج میرے پاس رک جائیں۔'' اب بلال اکثر ضد کرتا۔۔۔۔۔۔ ایسے میں، میں اپنے دکھ کو چھپا کر آیا پر غصہ کرتی۔

''اسے لے جاؤ۔۔۔۔۔۔ باہر لے جا کر بہلاؤ۔''

آیا اپنے طور پر بہلانے کی کوشش کرتی۔۔۔۔۔۔مگر کیا کوئی بھی محبت کرنے والا ماں جیسی محبت کر سکتا ہے؟ میرا معصوم بچہ مجھے گھر میں نہ پا کر کیسے تڑپ کر روتا ہوگا؟

دن بھر میری جدائی کا خراج وہ یوں وصول کرتا کہ دفتر سے واپسی پر پورے وقت میری گود میں گھسا رہتا۔ ہر کام امی کریں۔۔۔۔۔۔ پانی امی پلائیں، کپڑے امی بدلیں، کھانا امی سے کھاؤں گا۔ میں مشین بن گئی' گھن چکر۔۔۔۔۔۔

گھر، بچے کی ذمے داری اور دفتر کی ذمے داریاں۔۔۔۔۔۔ایسا لگتا کہ جیسے کسی لٹو کو زور سے گھما کر چھوڑ دو تو وہ گھومتا رہتا ہے ایسے ہی میں گھومے جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔ بھاگے جا رہی۔۔۔۔۔۔ اپنی خواہش کے برعکس۔۔۔۔۔۔اسے میں زاہد کے نخرے۔

''اللہ توبہ۔۔۔۔۔۔عالیہ! تمہیں کیا ہو گیا ہے۔'' وہ کہتے۔

''دیکھو تو تم اپنا بالکل خیال نہیں رکھتیں۔۔۔۔۔۔بال روکھے۔۔۔۔۔۔ بدحلیہ ہوتی جا رہی ہو، کپڑوں کا بھی خیال نہیں کرتیں۔۔۔۔۔۔ دیکھو آفس میں سب کس طرح سے آتے ہیں، پہلے کی طرح کیوں نہیں رہتیں۔۔۔۔۔۔میری بھی پروا نہیں ہے تمہیں۔۔۔۔۔۔'' وغیرہ، وغیرہ۔۔۔۔۔۔

''باجی کے بچوں کی سالگرہ ہے، جلدی تیار ہونا، ہمیں جلدی جانا ہے مسٹر خان کے یہاں پارٹی میں دیکھا تھا۔ ساری عورتیں کس طرح ڈریس اپ تھیں، کتنی فریش لگ رہی تھیں۔ ایک تم تھیں، یار میک اپ تو ڈھنگ سے کر لیا کرو۔ یہ تمہارے ہاتھ، انہیں کیا ہوا۔۔۔۔۔۔ان پر توجہ کیوں نہیں دیتیں۔ آج رات کلب میں مشاعرہ ہے، چلوگی؟'' یہ وہ سنہرے جملے تھے جو وقتاً فوقتاً مجھے سننے کو ملتے۔۔۔۔۔۔اس وقت دل چاہتا کہ دیوار سے سر پھوڑ لوں۔۔۔۔۔۔سارا دن بینک میں انچارج صاحب کا شاعرانہ کلام (ڈانٹ) اور رات کو بلال میاں کی شاعری (ضدیں) سننے کے بعد کون سی تفریح کی گنجائش رہ جاتی تھی۔

پھر یہ کہ۔۔۔۔۔۔''تم تو بڑی بور ہوتی جا رہی ہو یار۔۔۔۔۔۔'' چہرے کا روپ بگاڑ کر۔۔۔۔۔۔زلفوں کے پیچ و خم کو چھوڑ چھاڑ کر یا بھلا کر میں تھکی تھکائی بزدل عورت یہ بھی۔۔۔ تو نہیں کہہ سکتی تھی کہ میرا رنگ و روپ کیوں کملایا۔۔۔۔۔۔میری بزلہ سنجی کہاں کھو گئی۔

دن رات کی محنت، ہر طرح سے تکلیف دہ حالات سے گزرنے کے بعد اگر کبھی کبھار وقتی خوشی کے لیے کنگن یا کوئی زیور اپنے ہی پیسوں سے خرید کر پہن لیا جائے تو لوگوں کی یہ باتیں۔۔۔۔۔۔

کیا واقعی یہ کنگن مجھے بہت، بہت مہنگا نہیں پڑا؟

بات اتنی بڑی نہیں تھی جتنا ردِعمل شدید تھا۔ وہ اپنی بات کے اختتام پر اپنے محبوب شوہر (فواد) کو ساکت و جامد بیٹھا دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ اس کے شوہر کا چہرہ غصے کی زیادتی سے سرخ ہو گیا تھا۔ یہ اس کے تاثرات نہیں تھے جنہوں نے آئمہ کو حیران کیا تھا بلکہ یہ اس کی آنکھوں میں اترتا سرد سا تاثر اور اس کی اجنبیت تھی جس نے آئمہ کو منجمد کیا تھا۔ فواد لمحوں میں بیگانہ لگنے لگا تھا اور سب سے بڑھ کر اس کی آنکھوں میں یقین واعتماد کی لحظہ بہ لحظہ مسمار ہوتی عمارت نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ آئمہ کے لیے اپنے قدموں پر کھڑا رہنا محال ہو گیا تھا۔ وہ بے دم سی ہو کر بستر پر گر گئی تھی۔ وہ اس کے کسی بھی تاثر کو دیکھنا نہیں چاہتی تھی لیکن اس کے اگلے جملے نے آئمہ کو دوبارہ نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

چھٹی جو دھند

المیس جبار



''تم، تم اتنی چھوٹی سوچ رکھتی ہو...... اتنا تنگ ہے تمہارا دل، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔'' دکھ، تاسف، بے یقینی کیا نہیں تھا فواد کے لہجے میں...... آئمہ اس کے تاثرات پڑھ چکی تھی لیکن پھر بھی فواد کے ان الفاظ نے اسے پہلے سے زیادہ تکلیف دی تھی۔ ''میں تمہیں بہت الگ سمجھتا تھا، مجھے یقین نہیں آرہا کہ تم اتنی چھوٹی سوچ رکھتی ہو۔'' فواد اب بھی یقین کرنے میں متامل تھا جو اس نے سنا وہ آئمہ کیسے کہہ سکتی ہے، کیا واقعی اس کی آئمہ ایسا کہہ سکتی ہے۔ وہ صدمے کی کیفیت میں تھا۔ آئمہ کو اس سے اتنے شدید ردِعمل کی توقع ہرگز نہیں تھی۔ وہ فواد سے بڑھ کر شاک میں مبتلا تھی۔

دونوں نے ایک دوسرے کی خامی کو دیکھا تھا اور دونوں ہی بے یقین تھے۔ انسان فرشتہ نہیں ہوتا، وہ خطا کا پتلا ہوتا ہے، دونوں ہی اس بات کو بھلا بیٹھے تھے۔

''تم نے جو کہا ہے اس کا وہی مطلب ہے یا میں غلط سمجھ رہا ہوں۔'' وہ یقین اور بے یقینی کے درمیان ڈولتا پھر سے تصدیق چاہ رہا تھا۔ فواد کا لہجہ ایسا آس بھرا تھا کہ لمحہ بھر کے لیے آئمہ شرمندگی کی دلدل میں خود کو اترتا محسوس کر رہی تھی۔ اسے لگا جیسے اس سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہو لیکن اگلے پل ہی کسی مہکتی سوچ نے شرمندگی کے احساس کو زائل کر دیا تھا۔ وہ جسے فواد اس کی چھوٹی سوچ کہہ رہا تھا، وہ ہرگز اس کی چھوٹی سوچ نہیں تھی۔ اس بات کے حق میں آئمہ کے پاس دلائل تھے۔ وہ دلائل جن کے بعد کسی پس و پیش کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ لیکن وہ اس کی بات سنتا بھی تو...... اس سوچ نے آئمہ کے اعتماد کو واپس لوٹا دیا تھا۔ اس کے سفید پڑتے چہرے پر اچانک ہی اترتے سکون کے رنگ فواد کو چونکا گئے تھے۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کہا جس پر آپ یوں ری ایکٹ کریں۔'' اب کے وہ بولی تو اس کے لہجے میں ہمیشہ والا ٹھہراؤ تھا۔ ''میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی کہ آپ کو تاسف اور شرمندگی ہو اس یقین پر جو آپ مجھ پر کرتے ہیں۔'' آئمہ کے نم لہجے میں کئی شکوے مچلے تھے۔ اس کی بات نے فواد کو بری طرح مشتعل کیا تھا۔

''تم میرے اور میرے رشتے داروں کے درمیان دراڑیں ڈال رہی ہو، تمہیں ان کا یہاں آنا، میرا ان سے ہنسنا بولنا برا لگتا ہے۔ تم مجھے میری فیملی سے بدگمان کرنے کی کوشش کر رہی ہو، تم مجھے ان سے دور کر رہی ہو اور تمہارے نزدیک یہ کوئی غلط بات ہی نہیں؟'' فواد کی آواز غصے سے اونچی ہو گئی تھی۔

''فواد آپ غلط بات کر رہے ہیں، میں ایسی کوئی کوشش نہیں کر رہی۔'' آئمہ نے بے ساختہ اسے ٹوک کر صفائی دینے کی کوشش کی تھی۔

''تم......!'' فواد اس کے جھوٹ بولنے پر ہکا بکا ہوا تھا۔ ''تم میرے منہ پر جھوٹ بول رہی ہو۔'' اسے مزید غصہ آیا تھا۔

''آپ میری بات کو غلط رنگ دے رہے ہیں، ایک بار میری بات تحمل سے سن تو لیں۔'' آئمہ نے نرم لہجہ اختیار کیا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے، میں بہرہ ہوں یا پھر اندھا...... تمہاری بیزاری، تمہاری اکتاہٹ مجھے نظر نہیں آتی کیا؟'' فواد کا لہجہ خاصا سرد تھا۔

آئمہ کو اب رونا آنے لگا تھا۔ اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا کہ بات اتنی سنگین رخ اختیار کر جائے گی۔ فواد کی بدگمانی اسے سخت تکلیف دے رہی تھی۔ فواد نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بے بسی سے اپنا سر تھاما تھا۔ آئمہ نے آگے بڑھ کر بے اختیار ہی اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ بہت سنجیدگی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''آئمہ میں بہت چھوٹا سا تھا جب میرے ماں، باپ فوت ہو گئے تھے۔ بہن، بھائی کوئی تھا نہیں...... یہی رشتے تھے جنہوں نے مجھے پیار دیا، اتنا پیار کہ مجھے ماں، باپ کی کمی تک محسوس نہیں ہونے دی۔ میرے کزنز نے مجھے کبھی اکیلا نہیں چھوڑا۔ آج جو میں تمہارے سامنے کامیاب انسان کے طور پر موجود ہوں تو صرف ان سب کی وجہ سے، ان لوگوں نے میرے بچپن کو مسخ ہونے سے بچایا ہے۔ اور آج تم ان سب

کے گھر میں داخلے پر پابندی لگانا چاہتی ہو...... مجھے ان رشتوں سے دور کرنا چاہتی ہو جن کے بغیر میں جینے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ تعجب ہے مہینوں کی رفاقت کے بدلے تم اتنی سالوں کی محبت کی قربانی مانگ رہی ہو۔'' اس کا کاٹ دار لہجہ تاسف میں ڈوبا ہوا تھا۔

''مجھے آپ سے منسلک ہر رشتہ بے حد عزیز ہے۔'' اس نے اپنی پوزیشن کلیئر کرنا چاہی۔ ''میں ان سب سے بے حد محبت کرتی ہوں جن کی وجہ سے اتنا اچھا شخص آج میرا نصیب بنا۔ میں اللہ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے کہ اس نے مجھے اتنے پیارے رشتوں کی دولت سے مالا مال کردیا ہے۔'' احساسِ تشکر آئمہ کی آنکھوں میں نمی بن کر پھیلنے لگا۔ فواد چند پل کے لیے اس کے سادہ اور بے ریا چہرے سے نظریں نہیں اٹھا پایا تھا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں فواد، میرا یقین کریں۔'' اسے یوں اپنی طرف دیکھتا پاکر آئمہ نے اسے یقین دلانے کی سعی کی۔

''تو کیا تھوڑی دیر پہلے کوئی تمہاری ہم شکل تھی یا کوئی روح جو یہ سب کہہ رہی تھی۔'' وہ سخت جھنجلاہٹ کا شکار ہونے لگا۔

''وہ بھی میں ہی کہہ رہی تھی۔'' آئمہ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ چمکی۔

''آئمہ تم صاف، صاف بات کیوں نہیں کرتیں۔'' فواد کے ماتھے پر ناگوار سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔

''صاف بات آپ کو پسند نہیں آتی اور مبہم بات آپ سمجھ نہیں پاتے۔'' آئمہ نے افسردگی بھری ایک گہری سانس لی۔

''پلیز اپنے لفظوں میں مت الجھاؤ مجھے۔'' فواد نے سخت اکتائے ہوئے لہجے میں ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوکا۔

''اگر تحمل سے سنیں تو بات صرف اتنی سی ہے فواد کہ میں کسی بھی وقت ان کے یوں آنے جانے سے ان ایزی فیل کرتی ہوں...... میرا مطلب ہے کہ......'' فواد کے تاثرات ایسے ہوگئے تھے کہ آئمہ کے لیے جملہ مکمل کرنا دوبھر ہوگیا۔

''یعنی میں سب کو یہاں آنے جانے سے منع کردوں کہ میری بیوی کو عادت نہیں ہے اور وہ پسند نہیں کرتی کسی کا آنا جانا۔'' فواد کا لہجہ کافی روکھا تھا۔

''آپ میری بات کو پھر غلط رنگ دے رہے ہیں۔'' آئمہ نے افسوس سے اپنے شوہر کو دیکھا۔ ہر بات تحمل سے سننے والا اس موضوع کے شروع ہوتے ہی بھڑک اٹھتا تھا۔

''میں غلط رنگ نہیں دے رہا۔ تم مجھے اپنے لفظوں کے جال میں الجھا رہی ہو۔ بات گھما پھرا کر کردیا صاف مفہوم تو ایک ہی نکلتا ہے ناں کہ تمہیں ان کا آنا جانا پسند نہیں۔'' وہ تنفر سے اسے دیکھتا کھڑا ہوا تھا۔

''فواد پلیز......'' آئمہ کو اس کے سامنے سخت بے بسی محسوس ہو رہی تھی۔

''اگر کوئی تمہاری وجہ سے ہرٹ ہوا یا تمہارے نادر خیالات ان تک پہنچے اور تمہاری وجہ سے ان کے اور میرے درمیان کوئی دوری پیدا ہوئی تو تم یاد رکھنا مجھے بھی کھودو گی۔'' وہ دروازے کی طرف جاتے، جاتے واپس اس کی طرف پلٹا تھا، سرد سی نظر ڈال کر وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔ آنسو جو آئمہ کی آنکھوں سے گرنے کو بے تاب تھے اس کے جاتے ہی بہہ نکلے تھے۔

☆☆☆

ان کی اس بحث کو ایک مہینہ ہوچکا تھا، آج پھپھو اپنے بیٹے حماد کے ساتھ آئی تھیں۔ وہ صحن میں رکھے تخت پر بیٹھی تھیں، فواد اور حماد بھی پاس ہی بیٹھے کسی بات پر ہنس رہے تھے۔ ان کو دیکھتے ہی شرمندگی کے احساس نے آئمہ کو اپنی گرفت میں لیا تھا۔ سلیقے سے اوڑھی چادر کو اس نے غیر محسوس انداز میں پھر سے درست کیا۔ فواد نے آئمہ کے سپاٹ انداز کو محسوس کرلیا تھا۔ اسے آئمہ پر سخت غصہ آیا تھا۔ پھپھو سے گلے ملتی آئمہ کو اس نے لب بھینچ کر بہت تنفر سے دیکھا تھا۔

''میکے میں کچھ دن رہ آتیں آئمہ، تمہارے امی، ابو کیا کہیں گے کہ ہم نے تمام ذمے داری تمہارے سر پر ڈال دی ہے۔'' پھپھو بہت محبت سے کہہ رہی تھیں۔

''جی پھپھو، چکر لگاؤں گی کسی دن۔'' آئمہ کا دل

چاہا کہ وہ پھوٹ، پھوٹ کر رو دے، اس نے بہ مشکل خود کو کمپوز کیا تھا۔

''آج چھٹی تھی، آج چلی جاتی ناں......'' پھپو کو خیال آیا تھا۔ فواد نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ رات انہوں نے ایسا ہی تو پروگرام بتایا تھا۔ جس پر عمل کرنا پھپو کے آنے کی وجہ سے اب ممکن نہیں رہا تھا۔ اور ایسا پہلی بار تو نہیں ہوا تھا، کئی دنوں سے یہی تو ہو رہا تھا۔ فواد کے کسی نہ کسی فیملی ممبر کی آمد روزانہ ہی ان کے پروگرام کو ملتوی کرنے کا باعث بن رہی تھی۔

فواد نے اس بات کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا تھا۔ نہ ہی آئمہ نے اسے کچھ کہا تھا۔ لیکن اس پل آئمہ کی آنکھوں میں مچلتے آنسو دیکھ کر اسے خود پر غصہ بھی آیا تھا۔ اور شرمندگی بھی محسوس ہو رہی تھی۔

''پھپو آپ کے لیے کیا بناؤں......؟'' آئمہ نے اٹھتے ہوئے ان سے ان کی فرمائش پوچھی تھی۔

''کچھ بھی بنالو، تم جو بھی بناؤ سب اچھا ہی ہوتا ہے۔'' پھپو کے لہجے میں آئمہ کے لیے محبت تھی۔'' فواد کا دل دکھ سے بھر گیا تھا۔ وہ سب اتنی محبت کرتے تھے اور آئمہ...... ان کے آنے پر ناخوش ہوتی تھی۔ وہ... بے اختیار ہی اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تھا۔

''آؤ چاچو کی طرف ہو کر آتے ہیں۔'' اس نے حماد کو بھی اٹھنے کا اشارہ کیا۔ ان سب کے گھر ایک ہی لائن میں تھے۔ مین گیٹ سے کم ہی جاتے تھے۔ وہ دونوں بھی باتیں کرتے لان کی طرف نکل گئے تھے۔

☆☆☆

دن یوں ہی بے کیف اور بے پناہ مصروف گزر رہے تھے۔ فواد اب تک اس سے خفا تھا۔ خود سے بات بھی نہیں کرتا تھا، اگر وہ بات کرنے کی کوشش کرتی تو وہ محض ہوں، ہاں میں جواب دے دیتا۔ رات اماں سے بات کرتے اس کا دل بھر آیا تھا۔ اس کا دل چاہا تھا کہ پھوٹ، پھوٹ کر رونا شروع کر دے۔ وہ ایسا ضرور کرتی اگر فواد وہاں موجود نہیں ہوتا۔ اماں اس کے نہ آنے پر سخت خفا ہو رہی تھیں۔ باقی سب اتنے خفا تھے کہ ناراضی کے اظہار کے طور پر اس سے بات بھی نہیں کی تھی۔

''فواد کی کچھ مصروفیات تھیں اماں اب انشاء اللہ دو تین دن میں چکر لگائیں گے۔'' اس نے ماں کی خفگی کم کرنا چاہی تھی۔

''تم پریشان نہیں ہونا میری بیٹی...... اللہ سب بہتر کرے گا۔ تم دل مت چھوٹا کرنا۔'' اماں کو اندازہ تھا کہ اسے ایڈجسٹ کرنے میں کتنی مشکل ہو رہی ہے تبھی اسے سمجھانے لگی تھیں۔

''جی اماں......'' اس سے زیادہ وہ کچھ اور نہیں کہہ سکی تھی۔ اماں سے مزید کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد اس نے فون بند کر دیا تھا۔

☆☆☆

صبح فواد نے آفس سے چھٹی کی تھی۔ وہ آج آئمہ کو اس کے میکے لے کر جا رہا تھا۔ آئمہ نے اس سے معافی مانگ لی تھی اور فواد کا غصہ بھی کم ہو گیا تھا۔ وہ اپنے غصے کا ازالہ کرنا چاہتا تھا آج آفس سے چھٹی کر کے اسے میکے لے جانا بھی اسی وجہ سے تھا۔ آئمہ نے فون کر کے اماں کو اپنے آنے کا بتا دیا تھا۔

فواد گاڑی پارک کر کے آیا تب تک آئمہ گیٹ کے باہر ہی کھڑی تھی۔

''کیا ہوا......؟'' فواد نے اسے یوں کھڑے دیکھ کر حیرت سے پوچھا تھا۔

''بیل دی ہے' اب کوئی آئے گا تو ہی اندر چلیں گے ناں......'' سادگی سے جواب دیتے اس نے دوبارہ بیل پر ہاتھ رکھا تھا۔ فواد نے حیرت سے ادھ کھلے گیٹ کو دیکھا اور پھر آئمہ کو...... آئمہ اور اس کی فیملی کی اکثر عادات اسے یوں ہی حیران کرتی تھیں۔ ان سب کا رویہ ایک دوسرے کے ساتھ بھی اسے بہت لیے دیے والا لگتا تھا۔ ان کے اپنے گھر میں جس طرح ایک دوسرے کے گھر بے تکلفی سے آنا جانا تھا ایسے میں آئمہ کا گیٹ کھلا ہونے کے باوجود اپنے ہی گھر کے باہر کھڑے رہنا اسے بہت عجیب لگا تھا۔ آئمہ کے والد گیٹ پر آئے تھے اور انہیں دیکھ کر بہت پُرجوش انداز میں ان کا استقبال کیا

تھا۔ وہ دونوں ان سے باتیں کرتے اندر آئے تھے۔ پل بھر میں سارا گھر ان کے گرد جمع ہو گیا تھا۔

تب ہی زوار اور عبید بھائی اندر داخل ہوئے تھے۔

''آج آپ دونوں نے آفس سے باجماعت چھٹی کیوں کی ہے؟'' آئمہ نے دونوں کو چھیڑا تھا۔

''جس وجہ سے فواد نے کی ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے بھی کی ہے۔'' عبید بھائی نے ان سے ملتے ہوئے مزے سے جواب دیا تھا۔

''یعنی آپ بھی اپنی بیویوں کو لے کر ان کے میکے جا رہے ہیں؟'' آئمہ کی بات پر سب کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ فواد کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

''کسی کے بارے میں فوراً گمان کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔'' سب کے کھلکھلاتے چہرے دیکھ کر اس نے سوچا تھا۔ وہ پہلی بار آئمہ کی فیملی کے ساتھ اتنا وقت گزار رہا تھا۔ وہ جو سوچ رہا تھا کہ وہ بہت فارمل سے ہیں اور آپس میں بھی لیے دیے سے رہتے ہیں تو ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ آئمہ کی دونوں بھابیاں ان دونوں بہنوں کے ساتھ ہنستی مسکراتی بالکل سگی بہنیں لگ رہی تھیں۔ ان سب کے اصرار پر انہیں رات کے کھانے تک رکنا پڑا تھا۔

وہ عبید بھائی کے کمرے میں ان کے کمپیوٹر کا فالٹ ٹھیک کرنے میں مصروف تھا تبھی دروازہ آہستہ سے بجایا گیا۔ عبید بھائی، اس سے باتوں میں مصروف تھے تبھی متوجہ نہیں ہوئے تھے۔ اگلی بار دروازہ قدرے زور سے بجایا گیا تھا۔

''آجاؤ بھئی......'' عبید بھائی نے گفتگو روک کر کہا تھا۔ اجازت ملنے پر دروازہ کھول کر اندر آنے والے عبید بھائی کے سات سالہ بیٹے کو دیکھ کر فواد کے کی بورڈ پر تیزی سے چلتے ہاتھ ساکت ہوئے تھے۔ ایک چھوٹے سے بچے کا (دستک دینا) ناک کر کے اپنے والدین کے کمرے میں آنا اور اجازت ملنے تک انتظار کرنا، فواد کو یہ سب بہت حیران کن لگا تھا۔

اسے یاد آیا آئمہ بھی تو ایسے ہی کرتی تھی، آنے جانے کے لیے اس نے کبھی درمیان والا رستہ استعمال نہیں کیا تھا۔ سب کے ٹوکنے پر بھی اس نے اپنی اس عادت کو ترک نہیں کیا تھا۔ فواد کو اس کا انداز تکلف سے بھرا لگا کرتا تھا لیکن اس وقت نٹ کھٹ اور پیارا سا حارث اسے بہت ہی اچھا اور بہت مہذب لگا تھا۔

''آپ کو کس نے بتایا کہ کسی کے روم میں جانے سے پہلے ناک کرتے ہیں......'' عبید بھائی فون سننے میں مصروف باہر نکلے تھے۔ تبھی فواد نے بے اختیار اس سے پوچھا تھا۔

''دادو نے اور ماما بھی کہتی ہیں کہ کسی کے روم میں جانے سے پہلے ناک ضرور کرنا چاہیے کیونکہ اگر کسی کو ہماری وجہ سے تکلیف ہو تو اللہ تعالیٰ بہت ناراض ہو جاتے ہیں۔'' حارث نے بہت معصومیت سے جواب دیا تھا۔

''پھپو کو اگر آپ نے کوئی تکلیف دی تو اللہ تعالیٰ آپ سے بہت ناراض ہوں گے انکل......'' حارث نے اسے جیسے ڈرایا تھا۔ فواد اس کی بات سن کر ہکا بکا رہ گیا تھا۔

''آپ سے کس نے کہا کہ میں آپ کی پھپو کو تکلیف دیتا ہوں۔'' وہ بہ مشکل بولا تھا۔

''کسی نے بھی نہیں، مجھے خود لگا...... وہ پھپو رو رہی تھیں ناں تو دادو انہیں کہہ رہی تھیں کہ صبر کریں۔ جب اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف دے تو صبر کرنا چاہیے۔'' وہ بہت سنجیدگی سے فواد کو دادو کے سنہرے اقوال سنا رہا تھا۔ فواد کے اندر اچانک غصے کی لہر دوڑ گئی تھی۔ حارث کی بات کی تصدیق دروازہ کھلا دیکھ کر اندر آتی آئمہ کے تاثرات نے کر دی تھی۔ اس کا چہرہ سفید پڑا تھا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی مزید کسی سوال کی گنجائش نہیں چھوڑتی تھی۔ آئمہ اس کے تاثرات دیکھ کر ڈر کر اپنی جگہ کھڑی رہ گئی تھی۔

وہ ایک نظر اس پر ڈال کر تیزی سے کمرے سے نکل گیا تھا۔ کیا نہیں تھا اس ایک نظر میں...ایک سرد سی لہر اس کے پورے جسم میں دوڑ گئی تھی۔ وہ کچھ دیر بعد تیزی سے فواد کے پیچھے آئی تھی۔ وہ نیچے کھڑا اماں،

ابا اور باقی سب سے جانے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ وہ سب اس کے بدلے تاثرات دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے۔ وہ ضروری کام کا کہتے ہوئے جانے پر اصرار کر رہا تھا۔ مجبوراً سب کو اجازت دینا پڑی تھی۔ وہ زوار کے ساتھ لاؤنج سے نکل گیا تھا۔ اماں کے اشارے پر وہ بھی اپنا پرس اور چادر اٹھا کر سب کو خدا حافظ کہتی تیزی سے اس کے پیچھے بھاگی تھی۔ زوار بھائی اس کے ساتھ نہ ہوتے تو وہ یقیناً اسے چھوڑ کر جا چکا ہوتا۔ وہ اسے ساتھ لے کر جانے کے موڈ ہی میں ہی نظر نہیں آ رہا تھا۔ آئمہ اس کے تاثرات دیکھ کر پریشان ہو رہی تھی۔

''تم رکنا چاہو تو رک سکتی ہو۔'' فواد چاہتے ہوئے بھی اپنے تاثرات کو نارمل نہیں رکھ پایا تھا۔

''نہیں، میں ساتھ ہی چلوں گی۔'' وہ مدھم لہجے میں کہتی بھائی سے مل کر گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ گاڑی میں بیٹھنے کے بعد بھی فواد کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ گاڑی کے مین روڈ پر آتے ہی آئمہ نے اس خاموشی کو توڑنے کی کوشش کی۔

''آپ ناراض ہیں مجھ سے؟''

''جسٹ شٹ اپ! میں تمہاری آواز تک سننا نہیں چاہتا۔'' وہ چلّایا نہیں تھا لیکن اس کے لفظوں نے آئمہ کو گویا منجمد کر دیا تھا۔ وہ پلک تک جھپکنا بھول گئی تھی۔ بات اتنی معمولی نہیں تھی جتنی وہ سمجھ رہی تھی۔ اس نے پہلی بار فواد کو یوں اندھا دھند ڈرائیونگ کرتے دیکھا تھا۔ وہ چاہنے کے باوجود اسے دوبارہ مخاطب نہیں کر سکی تھی۔

گھر آنے کے بعد وہ سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہ کتنی دیر یوں ہی لاؤنج میں کھڑی رہی تھی پھر کچھ سوچ کر اس نے بھی اپنے قدم کمرے کی جانب بڑھائے تھے۔ وہ صوفے پر بیٹھا پانی پی رہا تھا۔ وہ اس کے قریب بیٹھی تو وہ فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''فواد میری بات تو سنیں۔'' آئمہ نے...... بے اختیار اس کا بازو تھاما تھا جسے اس نے بے دردی سے جھٹک دیا تھا۔

''آپ کو ہوا کیا ہے فواد؟'' وہ ایک دم ہی رو پڑی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ فواد اسے اپنی وجہ سے یوں روتے دیکھ رہا تھا۔ اسے تکلیف ہوئی تھی لیکن صرف ایک لمحے کے لیے...... اس کے رونے نے اسے مزید مشتعل کر دیا تھا۔

''تم ان آنسوؤں کے ذریعے مجھے ایموشنل بلیک میل کرنے کی کوشش مت کرو۔''

''آپ کو آخر ہوا کیا ہے کچھ تو بتائیں؟'' وہ بہت بے بسی سے التجا کر رہی تھی۔

''تمہارا اصل چہرہ سامنے آ رہا ہے اور کچھ نہیں ہوا مجھے۔'' غصے سے کہہ کر وہ وہاں رکا نہیں تھا۔ آئمہ کے لیے اس کے الفاظ بہت تکلیف دہ تھے۔ یہ سب اس کے ساتھ کیوں ہو رہا تھا وہ وجہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ وہ رات اس نے یوں ہی کمرے میں روتے تڑپتے گزاری تھی اور فواد نے اسٹڈی میں سگریٹ پھونکتے......

☆☆☆

ان کے تعلقات میں ایک سرد مہری سی آ گئی تھی۔ فواد اس کی طرف سے لاتعلق سا ہو گیا تھا۔ وہ جتنا اس سے بات کرنے کی کوشش کرتی، وہ اتنا ہی اسے اگنور کرتا...... وہ ہر وقت مرجھائی سی رہنے لگی تھی۔

وہ اسے سزا دے رہا تھا وہ جانتی تھی لیکن کس بات کی سزا دے رہا تھا یہ بات وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ وہ پھر بھی سزا کاٹ رہی تھی۔ ان کے رشتے میں پڑنے والی اس دراڑ کو سب نے ہی محسوس کیا تھا۔

''تمہارے اور بھابی کے درمیان کیا چل رہا ہے؟'' ایک دن حماد نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔ وہ اور حماد کزن ہونے کے ساتھ، ساتھ بہترین دوست بھی تھے لیکن وہ آئمہ کے بارے میں حماد سے کوئی بات کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ حماد کو بھی اس کی پس و پیش سے اندازہ ہو گیا تھا۔

''تم نہیں بتانا چاہتے تو اور بات ہے لیکن تمہارے اور بھابی کے تعلقات ٹھیک نہیں چل رہے، یہ

بات پورا خاندان جانتا ہے۔'' حماد کی بات پر اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ اس کے اور آئمہ کے درمیان جو بھی تھا پر دونوں سب کے سامنے اپنا بھرم اچھی طرح قائم رکھے ہوئے تھے۔ وہ کبھی نہیں چاہتا تھا کہ ان کے آپس کے معاملات کسی تیسرے فرد کو پتا چلیں۔ لیکن یہاں تو پورا خاندان ہی واقف تھا۔ سب کا روزانہ ہی آنا جانا لگا رہتا ہے پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ انہیں کچھ پتا نہیں چلے گا۔ حماد نے اس کے تاثرات کو بھانپ کر کہا تھا۔ یہ پہلی بار تھا کہ فواد کو شدید کوفت محسوس ہو رہی تھی۔

''فواد، بھابی ایک مختلف ماحول سے آئی ہیں۔ انہیں مشکل ہو رہی ہے اس ماحول میں ایڈجسٹ کرنے میں...... یہاں ہر وقت سب کا آنا جانا لگا رہتا ہے تو وہ غیر آرام دہ محسوس کرتی ہیں۔ اس کا ذکر انہوں نے تم سے کیا اور تم ہائپر ہو گئے۔ تمہیں لگتا ہے وہ تمہیں رشتے داروں سے دور کر رہی ہیں جبکہ ایسا نہیں ہے فواد......'' حماد نے نرمی سے اسے سمجھانا شروع کیا تھا۔

''کیا اس نے تمہیں کچھ کہا ہے، تب ہی تم نے آنا جانا کم کر دیا ہے؟'' فواد نے اس کے چہرے کو کھوجنے کی کوشش کی تھی۔ حماد کے چہرے پر ابھر کر معدوم ہوتا گہرا شرمندگی کا تاثر اس کی گرفت میں آیا تھا۔ وہ الجھ کر حماد کو دیکھنے لگا تھا۔

''نہیں فواد، ایسا کچھ نہیں ہے انہوں نے کچھ نہیں کہا مجھے خود ہی احساس ہو رہا ہے۔'' حماد نے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا تھا۔ فواد کے ماتھے پر کئی ناگوار سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔ اتنے دن سے وہ آئمہ سے کوئی بات نہیں کر رہا تھا اور نہ ہی اس کی کوئی بات سن رہا تھا۔ آئمہ اگر اس کے سامنے اسے سخت سے سخت کہتی تو وہ تب بھی اتنا ہرٹ نہ ہوتا، اتنا بدگمان نہ ہوتا جتنا تھا اب ہوا تھا۔ آئمہ نے اس کی بدگمانی کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ وہ اس کی بات کی تصدیق کر کے صفائی دینے کی کوشش کرتی رہی۔ یہ بات اسے مزید غصہ دلاتی، وہ کوشش کر رہا تھا کہ اس بات کو ذہن سے جھٹک دے لیکن وہ جتنا بھی جھٹکنے کی کوشش کرتا تھا یہ بات اتنا ہی اسے غصہ دلاتی۔

وہ شدت پسند تھا محبت میں بھی اور نفرت میں بھی...... وہ بار، بار کوشش کے باوجود بھی اپنا دل آئمہ کی طرف سے صاف نہیں کر پا رہا تھا۔

رات وہ بہت دیر سے گھر آیا تھا۔ آئمہ اس کے انتظار میں لاؤنج میں ہی بیٹھی تھی۔

''میں کھانا لگا رہی ہوں، آپ فریش ہو کر آ جائیں۔'' فواد کے یکسر نظر انداز کرنے کے باوجود وہ اس کے پیچھے کمرے میں چلی آئی۔ وہ سنی ان سنی کرتے جھک کر اپنے جوتے اتارنے لگا تھا۔

''فواد ایسا آخر کب تک چلے گا؟ آپ ایک دفعہ تحمل سے میری بات سن تو لیں۔'' آئمہ کی آواز بھرا گئی تھی۔ کئی دنوں سے وہ جس ذہنی اذیت سے گزر رہی تھی اس نے اس نے تھکا دیا تھا۔

''آپ میری بات نہیں سننا چاہتے تو کم از کم مجھے معاف کر دیں۔ میری پہلی بھول سمجھ کر پلیز فواد......''

دنیا کا سب سے مشکل کام اپنے ناکردہ گناہوں کی معافی مانگنا ہے۔ انسان کو سب سے زیادہ تکلیف اس وقت ہوتی ہے جب وہ دوسروں کے سامنے محض ان کی انا کا جھنڈا سر بلند کرنے کی خاطر جھکتا ہے۔ بہت سے ناکردہ گناہ اپنے سر لے کر اقبالِ جرم کرتا ہے...... ایسی ہی تکلیف سے اس وقت آئمہ گزر رہی تھی۔ اس نے اپنے اور فواد کے درمیان خاموش جنگ کو ختم کرنے کے لیے معافی تو مانگ لی تھی لیکن اسے لگ رہا تھا جیسے کوئی تیز رفتار ٹرین اس کے اوپر سے گزر گئی ہو۔ تکلیف حد سے سوا تھی۔ وہ روتے ہوئے اس کے قدموں میں بیٹھ گئی تھی۔ اس نے اپنی عزتِ نفس کو اس شخص کی خاطر خود ہی روند دیا تھا...... فواد بھی لمحہ بھر کو ساکت رہ گیا تھا۔

''تم نے بہت غلط کیا آئمہ، مجھے اپنا بھرم بے حد عزیز ہے۔ میں نے تمہیں شروع میں ہی بتا دیا تھا کہ ہمارے درمیان کبھی کسی قسم کا بھی جھگڑا ہوا تو ہم اسے خود تک محدود رکھیں گے، کسی تیسرے کو اپنے معاملات میں شامل نہیں کریں گے۔ میں نے آخر ایسا کیا کہا تھا جس کا

ڈھنڈورا تم اپنی اماں اور اپنی بھابیوں کے سامنے پیٹ رہی تھیں۔'' فواد ایک دم سے مشتعل ہوا تھا۔

''فواد میں نے ایسا کچھ نہیں کہا، میرا یقین کریں اور نہ ہی میں کبھی ایسا کروں گی۔'' وہ ایک دم ہی اس کے ہاتھوں پر سر رکھ کر شدت سے رونے لگی تھی۔ فواد کی اپنی آنکھوں میں بھی کچھ چبھنے لگا تھا۔ آئمہ کی ٹوٹی بکھری حالت دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے آئمہ جو ہوا اسے بھول جاؤ۔'' فواد نے نرمی سے کہا تھا۔

آئمہ نے آنسو بھری آنکھیں اٹھا کر اسے بے یقینی سے دیکھا تھا۔

''تمہیں جو بھی شکایت ہو آئندہ صرف مجھ سے کہنا آئمہ......'' وہ اور بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا، اپنی ذات سے منسلک رشتوں کا احترام اور عزت کرنے کی تاکید اور نہ جانے کیا کیا...... وہ بس خالی، خالی نظروں سے اسے دیکھے گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اعتماد اور یقین کی مسمار ہوتی عمارت فواد کو نظر نہیں آئی تھی۔

☆☆☆

''امام غزالی کہتے ہیں۔ تکلف کی زیادتی محبت میں کمی کا باعث بن جاتی ہے۔''

آئمہ کو بھی اپنے درمیان کچھ ایسا ہی محسوس ہوتا تھا۔ بے تکلفی تو سب کے درمیان اب بھی تھی، ان دونوں کے درمیان تکلف آ گیا تھا معلوم نہیں کیوں شاید محبت نہیں رہی تھی۔ ایک بناوٹ سی تھی اور ایک ضرورت وہ دونوں صبح ایک ساتھ نکلتے، فواد اسے یونیورسٹی ڈراپ کر کے آفس آ جاتا...... وہ یونیورسٹی سے آ کر اپنے کاموں اور لیکچر کی تیاری میں مصروف ہو جاتی۔

فواد رات کافی دیر سے تھکا ہارا گھر آتا تھا۔ ایسے میں اسے صرف آرام اور سکون کی طلب ہوتی تھی۔ وہ آج کل اپنے ایک پروجیکٹ کی وجہ سے بے حد مصروف تھا۔ لیکن رات کو کوئی نہ کوئی گھر میں موجود ہوتا۔ آئمہ کو کھانے پر اہتمام کرنا پڑتا۔ اس کے ہنستے، مسکراتے چہرے کے برعکس اس کی آنکھوں میں پھیلی تھکن فواد کو پریشان کرتی تھی۔ اسے آئمہ کی تھکن کا احساس تھا لیکن وہ اس معاملے میں بے بس تھا۔ اس نے بچپن سے ایسا ہی دیکھا تھا۔ اس کے کزنز کی بیویاں یوں ہی کچن میں دن رات ایک کیے رکھتی تھیں۔ آئمہ کچھ نیا تو نہیں کر رہی تھی۔ یہ سوچ اسے تسلی دیتی تھی۔ لیکن پھر بھی کچھ تو نیا تھا، کچھ الگ سا جو فواد کو محسوس ہوتا تھا۔

اس دن آئمہ یونیورسٹی سے لیٹ ہو گئی تھی۔ فواد آتے ہوئے اسے ساتھ لایا تھا۔ وہ خاصی تھکی ہوئی تھی۔ وہ ابھی گھر میں داخل ہی ہوئے تھے کہ فواد کے نمبر پر آئمہ کے بھائی کی کال آئی تھی کہ وہ ان کے گھر آ رہے ہیں۔ اس نے آئمہ کو فون دے دیا تھا۔

''بھائی آپ لوگ پرسوں آ جائیے گا۔ چھٹی ہوگی ناں آج تو میں بہت تھک گئی ہوں۔ طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔'' آئمہ نے گھما پھرا کر بات کرنے کے بجائے صاف لفظوں میں منع کیا تھا۔ فواد کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

''وہ لوگ گھر سے نکل چکے ہیں یار......'' فواد کے چہرے پر ناگواری در آئی تھی۔

''تو کوئی بات نہیں......'' اس کے انداز میں...... بے پروائی تھی۔

''وہ کیا سوچیں گے؟ اتنے عرصے بعد وہ لوگ ہمارے گھر آ رہے تھے اور تم نے فٹ سے منع کر دیا...... یہ کوئی طریقہ نہیں ہے۔'' حسبِ عادت اس نے غصے سے کہا تھا۔

آئمہ نے اس کی بات پر عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''وہ لوگ کچھ نہیں سوچیں گے اور نہ ہی میرے منع کرنے کی وجہ سے ان کے دل میں میرے لیے محبت میں کوئی کمی آ جائے گی۔ آپ کو اس بارے میں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' آئمہ کا کچھ جتاتا انداز ایک عجیب سا فخر لیے ہوئے تھا۔ وہ کمرے میں چلی گئی تھی۔ وہ حیران سا اس کے لہجے پر غور کرتا رہا۔

کچھ دیر بعد اس کے موبائل پر زوار بھائی، عبید بھائی اور

باقی سب کی کالز آئی تھیں۔ وہ آئمہ کی طبیعت کا پوچھ رہے تھے اور کافی پریشان ہو رہے تھے۔ وہ حیران ہو رہا تھا۔ وہ کچھ دن کے لیے آئمہ کو لے جانے کی اجازت مانگ رہے تھے۔ دوسرے دن اس نے آئمہ کی طبیعت کے پیشِ نظر اسے کچھ دن وہاں رہنے کی اجازت دے دی تھی۔

☆☆☆

فون پر تیزی سے میسج ٹائپ کرتا وہ حسبِ عادت درمیان کے راستے سے تایا جان کے پورشن کی طرف آیا تھا۔ اسے اور حماد کو اکٹھے کسی کام سے جانا تھا۔ گھر میں حماد اور بھابی اس کی بیوی کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ سب تانیہ کی سسرال گئے تھے۔ وہ اپنے ہی دھیان میں اندر آیا تھا لیکن اس کے قدم جیسے زمین نے جکڑ لیے تھے۔ شرمندگی سے بڑھ کر کچھ تھا جو اس نے اس وقت محسوس کیا تھا۔ بھابی نے قدموں کی آہٹ پر پلٹ کر کچن کے دروازے کی سمت دیکھا تھا۔ ہاتھ میں پکڑی کفگیر ان کے ہاتھ سے نیچے گر گئی تھی۔ انہوں نے اپنے بازو.... بے اختیار اپنے گرد پھیلا کر اپنا کھلا گریبان چھپانے کی کوشش کی تھی۔ گرمی کی وجہ سے دوپٹا ایک طرف پڑا تھا۔ بالوں کا جوڑا کمر پر جھول رہا تھا۔ آج تک کبھی کسی نے ردا بھابی کے بالوں تک کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ ہمیشہ بڑی سی شال اپنے گرد لپیٹے رکھتی تھیں۔ آج انہیں فواد کے سامنے شدید شرمندگی کا احساس ہو رہا تھا۔ سائڈ پر پڑا دوپٹا اٹھا کر وہ تیزی سے کچن سے نکل گئی تھیں۔ وہ اپنی جگہ سے ہل تک نہیں سکا تھا۔ اس پل اس پر انکشاف ہوا تھا کہ حماد نے ان کے گھر یوں بے تکلفی سے آنا جانا کیوں چھوڑ دیا تھا۔ اس نے.... جھرجھری لی تھی۔ اسے شدید شرمندگی ہو رہی تھی۔ وہ تیزی سے ان کے گھر سے باہر نکل آیا تھا۔ اس کا ردا بھابی کے ساتھ بہت احترام والا ایک بڑی بہن جیسا رشتہ تھا لیکن اب نظر اٹھا کر ہمیشہ کی طرح ان سے بات کرنے میں ایک وقت لگ جانا تھا۔

☆☆☆

وہ آفس سے نکل کر گھر جانے کا سوچ ہی رہا تھا جب عبید بھائی کی کال آئی تھی۔ وہ تینوں باپ، بیٹا مہینے ایک بار جمعہ پڑھنے فیصل مسجد جایا کرتے تھے۔ آج جمعہ تھا اور انہوں نے فواد کو بھی ساتھ چلنے کو کہا تھا۔ وہ ان کے ساتھ جمعے کی ادائیگی کے لیے فیصل مسجد چلا آیا تھا۔ مولوی صاحب خطبہ شروع کر چکے تھے وہ، زوار اور عبید بھائی سب انہماک سے ان کی بات سن رہے تھے۔ لیکن فواد کا دھیان بار، بار اِدھر اُدھر بھٹک رہا تھا۔ جمعے کے بعد اسے جو کام کرنے تھے، وہ ان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ تب یوں ہی بے دھیانی میں مولوی صاحب کے الفاظ اس کی سماعتوں کی گرفت میں آئے تھے۔ وہ ایک دم متوجہ ہوا تھا اور ایک سرد سی لہر اس کے پورے جسم میں دوڑ گئی تھی۔ وہ دل کو چھو لینے والے انداز میں تلاوت کرتے اب آیات کا ترجمہ کر رہے تھے۔

”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔“ اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو۔“ گویا نہ صرف دوسروں کے بلکہ اپنے گھروں میں بھی آہٹ کر کے آیا کرو۔ گھر میں داخلے کو اجازت سے مشروط کر دیا بلکہ اپنے گھر کو بھی تاکہ مسلمان معاشرہ محفوظ رہے۔ ہم یوں بلا اجازت ایک دوسرے کے گھر آنے جانے کو.... بے تکلفی کا نام دیتے ہیں۔ محبت سمجھتے ہیں۔ لیکن دراصل بے تکلفی کی زیادتی، محبت میں کمی کا باعث بنتی ہے.... بے تکلفی رہتی ہے لیکن محبت ختم ہو جاتی ہے۔ یوں کھلم کھلا آنے سے تو راز، راز نہیں رہتا۔ کوئی بات جو انسان گھر تک رکھنا چاہتا ہے، وہ ہر جگہ پھیل جاتی ہے۔ بھرم ٹوٹ جاتے ہیں، رشتے چھوٹ جاتے ہیں۔“ مولانا صاحب کی آواز پوری مسجد میں گھوم رہی تھی۔

ایک فواد ہی خاموش نہیں تھا سب ہی بہت خاموشی اور توجہ سے ان کا بیان سن رہے تھے۔

”جب انسان کسی کے گھر جائے تو اس کے دروازے کے سامنے نہ کھڑا ہوتا کہ نگاہ اس کے گھر کے اندر نہ جائے،“ آپؐ نے فرمایا۔ ”جب نگاہ گھر کے اندر

ہی داخل ہوجائے تو اجازت کی کیا ضرورت......'' تین بار اجازت طلب کرنی چاہیے۔ اگر اجازت نہ ملے تو واپسی بہتر ہے۔ اس بارے میں بدگمانی کا شکار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ بعض اوقات انسان کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں ملنا چاہتا۔ اس پر زبردستی ملاقات تھوپنا غلط ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعدؓ سے ملنے گئے۔ آپ نے تین بار السلام علیکم کہا۔ حضرت سعدؓ نے تین بار آہستہ آواز میں جواب دیا جو آپ نے نہ سنا تو خاموشی سے واپس لوٹ آئے۔ حضرت سعدؓ آپؐ کے پیچھے دوڑتے ہوئے گئے۔ یارسول اللہ آپ کی آواز میرے کانوں میں پہنچ رہی تھی۔ میں نے آپ کے ہر سوال کا جواب دیا لیکن اس خیال سے کہ آپ کی بہت سی دعائیں اور زیادہ برکت حاصل کروں آہستہ جواب دیا۔''

مولوی صاحب کی اگلی بات نے تو اسے مزید حیران کردیا تھا۔

''ہمیں اپنے گھر جانے سے پہلے بھی اجازت طلب کرنی چاہیے کیونکہ گھریلو خواتین بعض اوقات ایسی حالت میں ہوتی ہیں کہ انہیں اس حالت میں دیکھیں تو دونوں کے لیے پریشانی ہوتی ہے۔''

فواد نے ایک دم جھرجھری لی تھی۔ اس کے دل کی حالت عجیب ہورہی تھی۔ جب آئمہ نے اس سے ایسا کچھ کہنا چاہا تھا تو وہ کتنا بدگمان ہوا تھا۔ وہ بدگمانی جواب تک ختم نہیں ہوئی تھی۔ اب اس کا دل حیرت انگیز طور پر پگھلتا جارہا تھا۔ یہ آئمہ نہیں کہہ رہی تھی کہ وہ غصے سے سر جھٹک دیتا۔ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم تھا جو اسے سنایا جارہا تھا۔ یہ زندگی گزارنے کے سنہری اصول تھے جو اسے بتائے جارہے تھے۔ جنہیں سن کر سر جھکانے کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ جنہیں سننے اور سمجھنے کے بعد کسی تذبذب اور کسی سوال و جواب کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔

''گھریلو زندگی کے استحکام کے لیے اجازت لینا ضروری ہے۔ جب اجازت کے ساتھ داخلہ ہوگا تو گھر کے افراد اور دیگر لوگ بے شمار ذہنی پریشانیوں سے بچیں رہیں گے۔ لڑکے، لڑکیوں کی دوستیاں، محبت کی شادیاں اور ایسے ہی دوسرے واقعات بلا اجازت آنے جانے کی وجہ سے ہوتے ہیں، جسے ہم بے تکلفی کا نام دیتے ہیں۔'' فواد کی ذہنی رو کہاں، کہاں بھٹک رہی تھی۔

''اجازت لے کر آنا مہمان اور میزبان دونوں کے لیے باعثِ رحمت ہے کیونکہ اس سے دونوں فریق ذہنی اذیت سے محفوظ رہتے ہیں۔ اسی میں ہماری ہی بھلائی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔'' مولانا صاحب اپنے خطبے کا اختتام کررہے تھے۔

فواد ان کے لفظوں کے سحر نکل نہیں پارہا تھا۔ دکھ، شرمندگی، پچھتاوا کیا نہیں تھا جو وہ محسوس نہیں کررہا تھا۔ اسے یہاں بیٹھے اب سمجھ میں آرہا تھا کہ آئمہ کی امی نے اسے کس بات پر صبر کرنے کو کہا تھا۔ اور حارث کو کیوں اپنے والدین کے کمرے میں جانے کے لیے بھی اجازت لینے کی ضرورت تھی اور آئمہ اپنے ہی گھر کے باہر اجازت ملنے کے انتظار میں کیوں کھڑی رہی تھی...... اس کے بہن، بھائی اس کے منع کرنے کے باوجود ناراض کیوں نہیں ہوئے تھے۔ اور حماد کیوں نظریں چراتا تھا اور کیوں آئمہ اس کے آنے پر ایک دم بے چین ہوجاتی تھی۔ اسے اب سمجھ میں آرہا تھا۔

وہ شرمندہ تھا، دکھی تھا، اسے آئمہ سے معافی مانگنی تھی۔ ازالہ کرنا تھا اپنی غلطیوں کا...... عبید اور فواد بھائی نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا تھا اور پھر ایک دوسرے کو دیکھ کر طمانیت سے مسکرادیے تھے۔ اگر وہ خود فواد سے بات کرتے تو آئمہ اور فواد کے درمیان خلیج مزید وسیع ہوجاتی تھی۔ آئمہ کے لیے سب بہت قابلِ احترام تھے۔ فواد سے منسلک ہر رشتہ اسے جی جان سے عزیز تھا۔ لیکن اس ماحول میں ایڈجسٹ کرنا بہت مشکل اور تکلیف دہ تھا۔

بے شک ہر چیز اعتدال میں ہی اچھی لگتی ہے۔

آج فواد کی آنکھوں پر بندھی پٹی کھل گئی تھی۔ اسے غلط اور صحیح کا فرق سمجھ میں آرہا تھا۔ بدگمانیوں کے بادل چھٹ گئے تھے اور آگے کی زندگی بہت سہل تھی۔

ناولٹ

متاعِ عمر وہی

سعدیہ رئیس



وہ ابھی، ابھی اپنی سفید کلٹس میں اس راستے سے گزر کر گیا تھا۔ سیاہ رنگ کے آہنی گیٹ پر دھوپ چمک رہی تھی اور ابھی تک وہاں اس کی گاڑی کے ٹائروں کی دھول اڑتی نظر آرہی تھی۔ جب وہ جارہا تھا تو اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اسے روک لے۔

مگر وہ کبھی ایسا نہ کرپاتی اور نہ ہی کرسکتی تھی۔ بھلا وہ کس حق سے اور کس ناتے اسے روکتی...... اسے کیا معلوم کہ وہ اس کے شہرِ دل میں ہلچل مچائے ہوئے ہے،

وہ تو کسی بے نیاز اور مغرور شہزادے کی طرح اس کی پلکوں پر اترے خوابوں کو روندتا ہوا چلا جاتا تھا۔ وہ دل میں مچلتے، تڑپتے جذبوں کو ہمیشہ کی طرح تھپکیاں دے کر سلا دیتی کہ یہ جذبہ تو اس نے بہت سینت کر اپنے دل میں چھپا رکھا تھا۔

مگر سُبک خرام ہوا کی اٹکھیلیوں سے لگتا تھا کہ یہ راز ان پر عیاں ہو گیا ہے۔ ان ہواؤں میں نامحسوس سی سرگوشیاں اور لطیف سی چھیڑ چھاڑ تھی۔ ہوا کے جھونکے کی شرارت سے اس کی چند شرارتی لٹیں اس کے چہرے پر آ گریں۔ اسے ان ہواؤں کی سرسراہٹوں میں بھی اس کے وجود کا گمان ہو رہا تھا۔

وہ کچھ دیر تک خالی نظروں سے اس راستے کو تکتی رہی جہاں سے کچھ دیر پہلے شیراز عزیز ہو کر گیا تھا پھر اپنی کیفیت سے گھبرا کر وہاں سے پلٹ آئی۔

اندرونی رہائشی حصے میں معمول کی گہما گہمی تھی، وہ ان سب رونقوں سے نظر بچا کر اپنے کمرے میں چلی آئی کیونکہ اس کے اپنے تخیل کا ایک جہاں آباد تھا۔ اس کو سوچنا بھی اچھا لگتا تھا...... اس کے سنگ بیتا ہوا وقت اس کے لیے قیمتی تھا خواہ خیالوں ہی میں سہی۔

اس نے کھڑکی پر پڑے گلابی پردے کو ہٹایا تو ہوا کے سرد جھونکے اس کے دہکتے جذبات کو چھوتے ہوئے گزر گئے۔ بیرونی سڑک کے پار بنے پارک میں ہریالی نظر آ رہی تھی۔ سبز پیڑوں پر چڑیوں اور تتلیوں کے عکس تحرک رہے تھے۔ سب طرف رنگا رنگ پھول تھے۔ وہ ان سب رنگوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لینا چاہتی تھی لیکن دور، دور تک ایسے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ اس کی نیندیں اڑا کر اور دل چرا کر لے گیا تھا اور کسی کو معلوم ہی نہیں تھا...... کسی کو بھی اس واردات قلب کی خبر نہیں ہوئی تھی سب کو صرف اور صرف بابر حسن ہی دکھائی دے رہا تھا۔

شہزانہ کی زندگی کا ہونے والا ہم سفر بابر حسن سب کی نظر میں اس کے لیے بہت مناسب و موزوں...... سب چاہتے تھے کہ شہزانہ سراج کا زندگی بھر کا ساتھی بابر حسن بنے اور وہ کیا چاہتی تھی، یہ اس سے کوئی بھی نہیں پوچھ رہا تھا۔

اور اسے بابر حسن کا ساتھ منظور نہیں تھا۔ اس کا سادہ سا سراپا، بے ضرر سا وجود اور مشفقانہ سا برتاؤ اسے کبھی پسند نہیں آتا تھا۔ وہ تو شیراز عزیز کو دل میں بسائے اس کے ساتھ عمر بھر کا سفر کرنے کی متمنی تھی لیکن اس سے کوئی پوچھتا تو......

وہ بے دلی سے کمرے سے باہر چلی آئی۔ کچن سے اس کی امی اور تائی امی کی باتوں کی آواز آ رہی تھی لہٰذا اس طرف جانے کی غلطی کرنے کے بجائے وہ لاؤنج میں چلی آئی مگر دروازے میں ہی ٹھٹک گئی۔ سامنے ہی وہ بے تکلفی سے کرسی پر نیم دراز تھا اور وہیں اس کا بھائی واصف بھی موجود تھا۔ اسے دیکھتے ہی بابر حسن سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اس کی نیم باز آنکھوں میں اسے دیکھ کر عجب والہانہ سا رنگ جھلکنے لگتا تھا اور وہ اسی قدر برہم ہو جاتی تھی۔ جب سے بابر حسن کے ساتھ اس کی شادی کا ذکر نکلا تھا، وہ اس کا سامنا کرنے سے بچنے لگی تھی۔ مگر اب فرار کی کوئی راہ نہیں بچی تھی۔

''اوہو...... بھئی بڑے وقت پر آئیں آپ...... آیئے، آیئے آپ ہی کا انتظار تھا۔'' اس کے بھائی واصف نے بڑے لطیف سے انداز میں بابر حسن اور اس کے رشتے کے حوالے سے چھیڑ چھاڑ کی۔

''شہزانہ پلیز ذرا امی سے کہنا جلدی چائے بنا دیں، مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' اس کا تذبذب بھانپ کر بابر حسن نے اس کی مشکل آسان کی۔ اس تذبذب اور تامل کو بھی اس کی مشرقی حیا سمجھ کر سب بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہو رہے تھے۔

''جانے کیا سمجھتا ہے خود کو جیسے میں اس کی ملازمہ ہوں۔'' اس کا آرڈر اسے سلگا گیا۔ وہ پاؤں پٹختی، تپتی کھولتی تائی کو بابر حسن کا پیغام دیے بغیر اپنے کمرے میں آ گئی۔

بابر حسن اس کے تایا حسن احمد کا سب سے بڑا سپوت تھا اور اسی گھر میں رہائش پزیر تھا۔ جہاں شہزانہ

بھی رہا کرتی تھی۔ وہ سراج احمد کی منجھلی بیٹی تھی۔ اس سے بڑی فرزانہ کی شادی ہو چکی تھی۔ اس کے بعد واصف تھا اور سب سے چھوٹی سہانہ تھی۔ حسن احمد اور سراج احمد برسوں سے اسی گھر میں اپنے، اپنے پورشن میں سکھ چین کی بنسی بجا رہے تھے۔ یہ اس کے تایا حسن احمد کی دیرینہ خواہش تھی کہ شہزانہ، بابر کی دلہن بن کر اُن کے رشتے اور تعلق کو اٹوٹ کر دے۔ پہلے یہ بات ڈھکی چھپی رکھی گئی تھی مگر آج کل یہ تذکرہ کچھ زیادہ اور کھلے عام ہو رہا تھا جس کا مقصد تھا کہ اسے اور بابر کو ایک کرنے کا حتمی فیصلہ اور دن مقرر ہو گیا ہے اور وہ ایسا بالکل نہیں چاہتی تھی۔

اسے شدید قسم کی جھنجلاہٹ اور کوفت ہو رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اس وقت کو ٹالے۔ اسی وقت گھر کی پرانی ملازمہ شانی چلی آئی۔

''باجی جی، آپ کو بیگم صاب چائے پینے کے لیے بلا رہی ہیں۔'' اس نے پیغام دیا۔

''بھاڑ میں ڈالو چائے کو اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' وہ بھڑک سی گئی۔ شانی کی مسکراہٹ ماند پڑ گئی اس نے کچھ سہم کر اسے دیکھا اور پلٹ کر بھاگ گئی۔

''اُف، پتا نہیں میں نے شانی کو کیوں ڈانٹ دیا۔'' اسے افسوس ہوا۔ اس کا بس چلتا تو لمحوں میں یہ فیصلہ بدلوا دیتی مگر وہ کچھ نہیں کر پا رہی تھی۔

''انسان نے دنیا میں نت نئی دریافتیں کر لی ہیں لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ آج تک خود کو دریافت نہیں کر پایا۔ نہ وہ خود شناس ہوتا ہے اور نہ خدا شناس بس اسے صرف دوسروں کو کھوجنے کی پڑی رہتی ہے۔ دوسروں کی زندگی میں مداخلت کرنی آتی ہے۔'' وہ دکھ سے سوچتی چلی گئی۔

''زندگی میری ہے اس پر میرا اختیار ہونا چاہیے۔'' ایک کے بعد ایک سوچ آئے جا رہی تھی۔

اسی وقت سہانہ چلی آئی اس کے ہاتھ میں اس کے لیے چائے کا کپ اور بسکٹ کی پلیٹ تھی۔

''چائے پینے کیوں نہیں آئیں بھئی..... ابھی سے کیا پردہ؟'' اس نے اپنی دانست میں تو اسے چھیڑا تھا مگر نہیں معلوم تھا کہ بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا۔

''فضول باتیں مت کرو.....'' وہ تڑخ کر بولی۔

''ہائیں، تمہیں کیا ہوا..... ارے، تم رو رہی تھیں کیا؟'' سہانہ ہکا بکا، حیران پریشان سی اس کی صورت تکنے لگی۔

''تمہیں اس سے کیا اور یہاں کسی کو بھی میری پروا نہیں..... سب کو اپنی خوشی عزیز ہے..... سب مفاد پرست اور خود غرض ہیں یہاں.....'' اسے تو موقع مل گیا تھا دل کی بھڑاس نکالنے کا۔

''ارے..... یہ کیا الٹا سیدھا بول رہی ہو آپی.....'' سہانہ وہیں اس کے پاس بیٹھ گئی۔ شہزانہ کے لیے یہ بہترین موقع تھا اپنا انکار کہلوانے کا..... اس نے سہانہ کے ذریعے اپنا انکار بڑوں تک پہنچا دیا البتہ شیراز عزیز کی محبتوں کو تہ دل سے گہرائیوں میں چھپا کر رکھا کیونکہ اسے اپنے جذبوں پر یقین تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ جو اس کا رب ہے، اس کی جھولی اس کی منہ مانگی مرادوں سے بھر دے گا..... اس کے سجدے طویل ہوتے جا رہے تھے۔ اور ایک ہی دعا لبوں پر جاری تھی۔

''یا اللہ شیراز عزیز کو میرا مقدر بنا دے۔'' اور مانگنے والے سے زیادہ تو دینے والا سخی شہنشاہ ہے جو کبھی سچے دل سے مانگی جانے والی دعا رد نہیں کرتا۔

لیکن یہ بھی ایک سچ ہے کہ بندے سے زیادہ مالک کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لیے کون سا راستہ درست ہے اور کون سا غلط.....؟

ساری حکمتیں اور مصلحتیں رب ہی جانے..... مگر بندہ سدا کا جلد باز..... اور ناشکرا کبھی سمجھ نہیں پاتا ان مصلحتوں اور حکمتوں کے بھید اور نہ ہی سمجھ سکتا ہے۔ ہاں بس رب کی رضا پر سر جھکائے رکھے تو سب کچھ درست ہوتا چلا جاتا ہے۔

اس کا انکار جنگل کی آگ کی طرح سب طرف پھیل گیا۔ سب طرف ایک گہرا اور نامحسوس سا سکوت چھا گیا۔ در و دیوار سے لپٹی اداسی سے اس کا دل

گھبرانے لگا۔
کسی نے بھی اسے سمجھانے کی کوشش نہیں کی بس ایک غیر معمولی سی خاموشی اختیار کر لی جو اس کے لیے بے حد تکلیف دہ ثابت ہو رہی تھی۔
یوں لگ رہا تھا سب اس سے ناراض ہیں مگر ناراض بھی نہیں تھے..... گھر میں ہونے والی معمول کی بات چیت تو ہو ہی رہی تھی۔
اس روز بھی گہری شام میں ایک عجیب سا سوز گھلا ہوا تھا وہ کچھ بے قرار سی مریم پھپو کی طرف چلی آئی۔ مریم پھپو اس گھر کے تیسرے پورشن کی مکین تھیں۔ ہمیشہ کی طرح وہ صاف ستھرے حلیے میں نکھری سی تخت پر بیٹھی دال چاول چن رہی تھیں۔ اسے دیکھا تو ایک دھیمی سی مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر رینگ گئی۔
''لائیں پھپو میں چن دیتی ہوں چاول.....''
آج کل وہ ان کی خدمت پر کمر بستہ رہتی اور صبح شام ان کی خبر گیری کو آ رہی تھی۔
''چن لیے میں نے، تم بیٹھو میں ابھی یہ کچن میں رکھ کر آتی ہوں۔'' وہ حتمی سے انداز میں کہتی ہوئی اٹھ گئیں۔
وہ وہیں تخت پر بیٹھ کر مریم پھپو کی نفاست کے شاہکار دیکھنے لگی۔ وہ بہت آرٹسٹک ذہن کی خاتون تھیں، انہوں نے آرٹ ورک کے بہت سے کورسز کر رکھے تھے اور گھر بیٹھے وہ بڑے پیارے شاہکار تیار کر کے اپنا گھر بھی سجاتی تھیں اور باقی کو مہنگے داموں فروخت کر دیا کرتی تھیں۔
اس نے کارنر پر رکھے فائبر کے خوب صورت پھولوں کو ستائشی نظروں سے دیکھا۔ ان پھولوں پر اصل کا گمان ہو رہا تھا۔
اصل اور نقل کا فرق بہت کم لوگ کر پاتے ہیں اور اکثر لوگ نقل پر اصل کا گمان کر کے دھوکا کھاجاتے ہیں۔ اسے خود پر یقین تھا کہ وہ اصل اور نقل کے فرق کو پہچان سکتی ہے۔ لیکن زندگی کے مکروفریب اور منافقتوں کو سمجھنے کے لیے وہ ناتجربہ کار ہی تھی۔
ابھی وہ خاموش جائزے میں مصروف ہی تھی کہ اندرونی کمرے سے تولیے سے منہ رگڑتا شیراز برآمد ہوا اور دونوں ہی یوں غیر متوقع ایک دوسرے کو سامنے پا کر ٹھٹک گئے۔ شہزانہ تو اس کا ورزشی سراپا دیکھتی رہ گئی۔ وہ اس کی غضب کی خوش لباسی کے سحر میں جکڑ کر بے بس سی ہو گئی تھی۔ اس پر اس کی آنچ دیتی نظریں اسے بوکھلا رہی تھیں۔ اس کا دل زور، زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ اس کی مراد تھا اور اس کے سامنے کھڑا تھا یوں کہ نکلنے کا راستہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا وہ اپنی دراز قامتی کی وجہ سے جیسے اس پر چھا سا گیا تھا۔
''تم شہزانہ ہو ناں؟'' اس نے تجاہل عارفانہ سے سوال کیا۔
حالانکہ اس سے پہلے ان دونوں کی دو ملاقاتیں ہو چکی تھیں۔
''جی ہوں..... وہ میں.....'' وہ بلاوجہ گڑبڑا گئی۔
وہ وہیں تخت پر دوسرے کنارے پر ٹک گیا تھا۔ ڈریمز کی مدھری خوشبو ماحول میں رچ گئی تھی اور وہ اس خوشبو سے مسحور بے اختیار سی ہوئی جا رہی تھی۔
''شیری بیٹا بس ابھی پانچ منٹ میں چائے لا رہی ہوں۔'' اس سے پہلے کہ وہ اپنا جواب ٹھیک طرح سے دیتی مریم پھپو نے کچن سے ہی آواز لگا کر اس سے کہا۔ کچھ ہی دیر میں مریم پھپو لوازمات سے پُر چائے کی ٹرالی لیے چلی آئیں تو وہ ان فریبی لمحوں کے سحر سے نکل پائی۔
''میں نے صرف چائے کہی تھی ماں.....'' وہ کچھ بیزاری سے بولا۔
''اب کھا لو کچھ..... کون سا تم روز یہاں کھاتے ہو۔ کبھی، کبھی تو آتے ہو تک کر بیٹھنے کے لیے ورنہ ہوا کے گھوڑے پر سوار آتے ہو ابھی آئے اور ابھی گئے۔'' ان کے انداز میں مان بھری ناراضی تھی۔
''آپ کو پتا تو ہے کہ مجھ پر کتنا ذمے داریاں ہیں، پاپا کا حال ٹھیک نہیں، جب سے ان کو اٹیک ہوا ہے وہ بہت ویک ہو گئے ہیں' بزنس مجھے ہی دیکھنا پڑ رہا ہے۔'' اس نے ان کے پاس... جا کر ان کے دونوں

شانے تھام کر نرم لفظوں میں اپنی صفائی دی۔ اس سے اس کا شاندار سراپا اس کے دل میں اترتا چلا گیا۔ چائے پینے کے بورأ بعد ہی وہ جانے کے لیے اٹھ گیا۔ جس وقت وہ باہر جا رہا تھا شہزانہ کا دل سمٹ کر چھوٹا سا ہوگیا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ ان لمحوں کو روک لے......

اس کا بس چلتا تو وہ اس شام کو کبھی گزرنے نہیں دیتی مگر ہمیشہ کی طرح وہ ایسا نہیں کر پائی۔ اس سے اس نے دل کی گہرائیوں سے شیراز عزیز کے ساتھ کی تمنا کی۔

شیراز عزیز پھپو کی زندگی کا ایک بند باب تھا جو عرصے بعد اپنی ساری گرد جھاڑ کر ایک بار پھر کھل گیا تھا۔ اسے اپنی ماں سے ملے ہوئے چند ماہ ہی ہوئے تھے۔ چند ماہ پیشتر اچانک ہی ایک ڈرامائی انداز میں اس نے مریم پھپو کی سپاٹ زندگی میں ہلچل مچا دی تھی۔ ان کا بچھڑا ہوا بیٹا مدتوں بعد ان سے ملنے از خود آ گیا تھا۔ بغیر کسی روک ٹوک یا دباؤ کے وہ اپنی ماں سے ملنے کے لیے آنے لگا تھا۔ وہ بیٹا جسے کم عمری میں ان سے چھین لیا گیا تھا... آج کڑیل جوان کے روپ میں ان کے روبرو تھا۔ اب اس پر کسی کا زور نہیں تھا۔ وہ اپنی مرضی سے ماں سے ملنے آ رہا تھا اور مریم پھپو کے لیے تو یہ ایک معجزہ ہی ہو گیا تھا۔

مریم پھپو کے ساتھ قسمت نے وفا نہیں کی وہ شکل صورت کی جتنی پیاری اور اپنے زمانے کی سگھڑ اور ہنر مند لڑکی تھیں ان کی قسمت اتنی ہی بری نکلی۔ ان کے شوہر عزیز احمد کو بیوی کی کم اور سوشل حلقے میں رنگ بکھیرنے والی ایک تتلی کی ضرورت تھی جو اپنی نمائش سے ان کی بزنس پارٹیز کو کامیاب بنا دے اور ان کے لیے یہ سب ناقابلِ قبول تھا۔ سال بھر کی تکلیف دہ صورتِ حال کے بعد بالآخر انہوں نے اپنے شوہر سے علیٰحدگی اختیار کر لی۔

ان کی زندگی کا محور شیراز تھا، اپنے سارے غم بھلا کر وہ اس کی پرورش میں لگ گئیں۔ ان کے شوہر نے انہیں چھوڑنے کے فوراً بعد پسند کی شادی کر لی تھی۔ شیراز کے سنگ بچپن کے وہ بیتے ہوئے لمحے اس کی یادداشت میں دھندلے سے موجود تھے کیونکہ تب وہ بہت چھوٹی تھی، نو دس سال تک دوسری بیوی کے ساتھ من پسند زندگی گزارنے کے بعد ان کے شوہر عزیز احمد کے ہوش ٹھکانے آ گئے۔ ان گزرے سالوں میں دوسری بیوی نے انہیں تین بیٹیوں کا تحفہ دیا تو ان کو بیٹے کی محبت آئی اور مریم پھپو کا رونا، گڑگڑانا بھی اثر نہیں کر سکا۔

''اگر تم اکڑو گی تو میں تمہیں ہمیشہ کے لیے اس سے محروم کر دوں گا۔ بہتر ہے کہ مجھ سے ملنے کے لیے اسے بھیجا کرو کیونکہ وہی میرا واحد وارث ہے۔'' وہ اپنی پچھلی لاتعلقی پر ذرا بھی شرمسار نہیں تھے اور بیٹے پر اپنا حق جتا رہے تھے۔ سب کے آپس کے باہم رائے مشورے سے یہ طے ہوا کہ شیراز کے باپ کو اگر اس کی یاد آ گئی ہے تو ملنے سے محروم نہیں رکھا جائے یوں وہ اپنے باپ سے ملنے لگا اور اس کے بعد آہستہ آہستہ عزیز احمد نے ایسا جال پھیلایا اور ایسا شکنجہ کسا کہ مریم پھپو تڑپتی اور آہیں بھرتی رہ گئیں۔ وہ اپنی پوری فیملی کے ساتھ بیرون ملک چلے گئے اور شیراز ان سے ہمیشہ کے لیے دور ہو گیا۔

اس وقت شیراز عزیز ایک کمسن اور ناسمجھ لڑکا تھا۔ باپ کی چالبازیاں اس کی سمجھ سے بالاتر تھیں، وہ ان کے چنگل میں پھنس کر انہی کا ہو گیا اور چاہتے ہوئے بھی ماں سے رابطہ نہیں کر پایا۔

چند ماہ پیشتر اس کی حیرت انگیز آمد نے مریم پھپو پر شادیِ مرگ طاری کر دی...... اپنے سامنے کھڑے خوبرو اور جوان بیٹے کو انہوں نے جوشِ ممتا سے چمٹا لیا۔ وہ بیٹا جس کی پیشانی وہ جھک کر چوما کرتی تھیں وہ ان کے قد سے اونچا ہو گیا تھا اور جھک کر ماں کو پیار دے رہا تھا۔

سب طرف یہ خوشخبری پھیل گئی جس نے سنا اس کو یقین نہیں آیا مگر پھر جب سب نے اسے اپنے سامنے مجسم دیکھا تو یقین کرنا ہی پڑا۔

ان گزرے سالوں میں وہ بہت بدل گیا تھا۔ پہلے سے زیادہ خوب صورت، توانا اور اس کا شاندار

سراپا اس پر جچ رہا تھا۔ شوخ نیلی قمیص پر سفید ڈیزائنگ اور جینز کی پینٹ میں ملبوس وہ مریم پھپو کے پہلو میں کھڑا دل میں اتر جانے کی حد تک پیارا لگ رہا تھا۔ تازہ شیو میں اس کا چہرہ نکھر رہا تھا لیکن ایک مجرمانہ سی شرمندگی بھی جھلک رہی تھی۔

وہ پہلی ہی نظر میں اس پر دل ہار گئی تھی۔ وہ ہو بہو اس کے خوابوں میں تراشے ہوئے پیکر کی طرح تھا۔

''زبردست...... ڈیشنگ۔'' دل نے اسی وقت اسے قبولیت کی سند دے دی تھی۔ اس کا بابر حسن کے لیے انکار سب کے لیے ایک معما تھا۔ سب نے یہی سوچ کر فی الحال خاموشی اختیار کرلی تھی کہ شاید وہ ابھی شادی کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں اور یہ خیال بھی تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ اسے اس رشتے کے لیے ہموار کرلیا جائے گا لیکن اس کا انکار پھپو کے لیے ایک نیا دروازہ کھول گیا۔

اس کی دعاؤں کو قبولیت مل گئی تھی مریم پھپو بڑے مان سے اس کے لیے سوالی بن کر آئی تھیں۔ اس سے اسے یقین آگیا کہ محبت ایک معجزہ ہوتی ہے، اس کی خاموش محبت بالآخر کامیاب ہوگئی تھی اس نے سرور کے عالم میں آنکھیں موند لیں۔ ایک سکون سا رگ و پے میں اتر گیا۔ مگر سارے گھر میں ہلچل سی مچ گئی۔ شیراز عزیز کا رشتہ کسی کو بھی قبول نہیں تھا۔

گھر میں سب لوگ اپنے طور پر اسے بابر حسن سے منسوب سمجھتے تھے۔ یہ رشتہ سب کے لیے ناقابلِ قبول تھا۔ تائی امی نے بذاتِ خود اس سے بات کی تب اس نے بھی مروت کا چولا اتار پھینکا اور بابر حسن کے لیے صاف منع کردیا۔

''میں نے ساری عمر اس گھر میں گزاری ہے، اب شادی کے بعد بھی اسی گھر میں نہیں رہنا چاہتی ویسے بھی میں بابر بھائی کا احترام کرتی ہوں اور ان کو اپنا بھائی سمجھتی ہوں۔'' اس کے صاف انکار پر سب ششدر رہ گئے۔

اس کے جواز قابلِ اعتراض نہیں تھے تاہم سب کے دل ٹوٹ گئے تھے لیکن اسے پروا نہ تھی، اس کا اپنا دل تو سیراب ہوگیا تھا۔ اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری... ہورہی تھی۔

مریم پھپو غم کی ماری تھیں، سب جانتے تھے کہ انہوں نے کیسی زندگی گزاری ہے۔ یوں شیراز عزیز کے حق میں فیصلہ دے دیا گیا۔

کئی لمحوں تک تو اسے یقین ہی نہیں آیا کہ اس آسانی سے اسے اپنی منزل مل گئی۔ اپنی اس کامیابی کے خمار میں اسے یاد نہیں رہا کہ زندگی پھولوں کی سیج نہیں کانٹوں کا بستر بھی ہوتی ہے۔

سب سے زیادہ حیران کُن بات یہ تھی کہ اس رشتے پر اس کے والد عزیز احمد اور سوتیلی ماں فرخندہ نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا البتہ شادی سے پہلے عزیز احمد نے اپنی فطرت دکھاتے ہوئے یہ شرط لگادی تھی کہ شادی کے بعد شہزانہ رخصت ہوکر ''العزیز'' جائے گی۔ مریم پھپو کے لیے یہی بہت تھا کہ ان کا بیٹا ان سے ملتا رہے گا اور اب تو بھتیجی اس کی رفیقِ سفر بن گئی تھی اور یہ رشتہ اور بھی مضبوط ہوگیا تھا۔

''العزیز'' میں اس کا بہت خشک اور سرد سا استقبال ہوا۔ اس کی نندوں اور سوتیلی ساس نے اس کا رسمی سا سرسری... استقبال کیا تاہم حجلۂ عروسی پوری شان سے سجایا گیا تھا اور باقی کسر شیراز کے التفات اور والہانہ پن نے پوری کردی۔ شیراز کی سوتیلی والدہ فرخندہ کی حیثیت اس گھر میں مسلم تھی لیکن شیراز کی حیثیت اپنی جگہ تھی۔ وہ اس گھر کا اکلوتا اور بڑا بیٹا تھا۔ اس لحاظ سے شہزانہ کی بھی اہمیت کم نہیں تھی' اس گھر میں اس کا صرف ایک کمرا نہیں تھا بلکہ ایک چھوٹا سا حصہ دو کمروں اور لاؤنج کے ساتھ اس کے تصرف میں تھا۔

یہ ایک خوب صورت ون یونٹ بنگلا تھا۔ جس کے اگلے حصے میں ایک چھوٹا سا سرسبز لان رنگ برنگے پھولوں سے سجا تھا۔ پورچ میں صرف ایک ہی گاڑی کھڑی ہوسکتی تھی بقیہ گھر کے حصے پر فرخندہ براجمان تھیں تاہم کچن بھی ایک ہی تھا اور سب کا کھانا، ناشتا

ساتھ ہی تھا۔ فرخندہ کا رویہ اگرچہ روکھا اور خشک سا تھا مگر اس کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی تھی۔ دوسرے دن کی پہلی صبح میز انواع و اقسام کے لوازمات سے پُر تھی اور یہ سب کچھ اس کے اعزاز میں کیا گیا تھا ورنہ وہ تو یہ سمجھ رہی تھی کہ جانے اس کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے گا۔

نئے دن کی پہلی صبح بہت خوب صورت تھی۔ وہ شیراز کی مخمور نظروں کے سامنے ٹھہر نہیں پا رہی تھی۔ وہ سلیپنگ گاؤن بدل چکا تھا اور کلف لگے کرتا شلوار میں ملبوس ڈریسنگ کے آئینے کے سامنے کھڑا خود پر بے دریغ کلون اسپرے کر رہا تھا۔ سارا کمرا مہک اٹھا۔ یک دم وہ پلٹا اور بیڈ کے پائنتی کھڑی شہزانہ کو الفت سے تھام لیا۔

''کیا سوچ رہی ہو؟ میرے بارے میں سوچ رہی ہو ناں؟'' اس نے لگاوٹ سے پوچھا۔

''آں...... جی...... کچھ نہیں...... کچھ بھی تو نہیں......'' وہ غیر متوقع سوال پر گڑبڑا گئی۔

''ارے...... کچھ کیسے نہیں...... اسے...... اوپر کی منزل کو استعمال میں رکھا کرو۔'' اس نے شرارت سے اس کی کنپٹی پر انگلی سے دستک دی۔

اس وقت اس کے لبوں پر بھرپور مسکراہٹ تھی۔

''کیسا لگا اپنا پورشن...... پسند آیا؟'' اس نے پھر ایک شرارتی جملہ کسا۔

وہ لب بستہ سن رہی تھی۔ اس کی باتیں اسے اچھی لگ رہی تھیں لیکن پھر اس نے کچھ سنجیدہ نوعیت کی باتیں شروع کر دیں۔

''دیکھو شہزانہ میں نے تمہیں اپنایا ہے، اس گھر میں تمہارے سب سے زیادہ قریب اور تمہیں پیار کرنے والا میں ہوں اس لیے ہمیشہ مجھ پر بھروسا کرنا، کبھی بھول کر بھی میرے بارے میں غلط مت سوچنا، جو بھی مسئلہ یا پریشانی ہو بلا جھجک مجھ سے شیئر کر لینا۔ سگے اور سوتیلے رشتوں میں بہرحال فرق تو ہوتا ہی ہے۔ یہ سب حاسد لوگ ہیں، دل میں کینہ رکھتے ہیں اور اوپر سے محبت سے ملتے ہیں۔ کوئی بات ناگوار گزرے تو میری خاطر برداشت کر لینا۔ میں یہاں صرف بابا کی محبت میں رکا ہوا ہوں ورنہ میرا بس چلے تو ایک منٹ بھی ان لوگوں کو یہاں نہیں رہنے دوں کیونکہ شہزانہ بابا کی وارثت کا حقدار میں ہوں اور اس گھر میں میری ماں کو رہنے کا حق تھا جسے ان ظالم لوگوں نے ان سے چھین لیا۔''

اس کی عجیب باتوں پر وہ پریشان سی ہو گئی لیکن سب سے زیادہ اطمینان بخش یہ بات تھی کہ اس ناموافق ماحول میں وہ اس کے ساتھ تھا۔

آج اس کا یہاں پہلا دن تھا اور گھر کے ماحول کو سمجھنے کے لیے وقت درکار تھا۔ ویسے بھی کسی کو جاننے کے لیے ایک لمبا عرصہ درکار ہوتا ہے۔ کسی کو سمجھنے میں زمانے لگ جاتے ہیں، وہ تو یہاں بالکل نئی تھی۔

''تم جلدی سے تیار ہو جاؤ، میں ابھی آتا ہوں۔'' اسے ہدایت دے کر وہ چلا گیا۔ شہزانہ کچھ دیر بے خودی کے عالم میں کھڑی رہی۔ شیراز اس کے خوابوں سے بھی بڑھ کر نکلا تھا۔ اس نے نیٹ کا پنک سوٹ زیب تن کر لیا جس پر ریشم کے دھاگوں اور رنگین پوت کا کام بنا ہوا تھا۔ میک اپ کے بعد اس نے رونمائی میں ملا ہاف سیٹ پہن لیا جو کہ مالیت کے اعتبار سے کافی قیمتی لگ رہا تھا۔ اس میں لگے ننھے، ننھے نگینے نگاہوں کو خیرہ کر رہے تھے۔ شیراز کا کیریئر مضبوط اور مستقبل روشن تھا۔ اس لحاظ سے بھی وہ بہت خوش قسمت تھی۔ ابھی تک ان ماں بیٹیوں میں سے کسی نے بھی اس کی خبر نہیں لی تھی۔ شیراز کی دی ہوئی معلومات کی وجہ سے اب اسے ان کے نہ پوچھنے کا کوئی دکھ نہیں رہا۔ مگر ایک ملال سا تھا اسے امید نہیں تھی کہ یہاں ایسا ماحول ہوگا۔

دروازے پر ہولے سے دستک ہوئی تو وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی نندیں آئی ہوں گی مگر اس کے برخلاف ملازمہ ہاتھ میں ایک پلیٹ میں اورنج جوس کا گلاس لے کر چلی آئی۔

''سلام دلہن جی۔'' اس نے دانت نکال کر سلام کیا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟'' اتنی دیر سے اکیلے بیٹھنے

کے بعد خود بخود ہی اس کا بولنے کا دل چاہا۔
''میرا نام گلابو ہے جی...... یہ جوس بیگم جی نے بھجوایا ہے آپ کے لیے۔'' اس نے احتیاط سے سائڈ ٹیبل پر ڈھکا ہوا گلاس رکھ دیا۔
شہزانہ نے ایک سرسری نظر میں ہی اس کا حلیہ اور انداز جانچ لیا۔ وہ بیس بائیس سال کی تھی لیکن بہت چالاک اور تیز لگ رہی تھی۔ اس نے گہرے رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے جو اس کے سانولے رنگ پر بالکل بھی نہیں نہ جچ رہے تھے۔
''کوئی کام شام ہے تو بتا دیں دلہن جی۔'' اس نے تابعدارانہ انداز میں پوچھا۔
''نہیں، تم جاؤ، مجھے کوئی کام نہیں ہے۔'' اس کے انداز سے اسے الجھن ہونے لگی۔ اتنی سی دیر میں ہی وہ آنکھیں گھما، گھما کر کسی اچھے جاسوس کی طرح سب طرف کا جائزہ لے چکی تھی۔
اس کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر یونہی بیٹھی سوچتی رہی پھر اورنج جوس پر نظر پڑی تو اسے اپنے خشک حلق کا احساس ہوا۔
اس نے ابھی اورنج جوس کا گلاس اٹھا کر پینے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ شیراز چلا آیا۔
''ارے ٹھہرو...... یہ کیا کر رہی ہو تم؟'' اس نے وہیں دروازے سے ہی آواز لگائی۔ وہ نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ تیز قدموں سے اس کے پاس آ گیا۔
''یہ کہاں سے آیا؟'' اس نے وحشت بھرے انداز میں اس سے پوچھا۔
''ابھی ملازمہ دے کر گئی ہے۔'' اس نے حیرت بھرے انداز میں جواب دیا۔
''دو ادھر مجھے......مت پیو اسے......'' اس سے گلاس جھپٹ کر سارا جو اس نے واش روم کے بیسن میں بہا دیا۔
وہ خاموش تماشائی بنی اس کی کارگزاری دیکھتی رہی۔
''میں نے صبح تمہیں ہوشیار بھی کیا تھا مگر اس کے باوجود تم بے وقوفی کرنے جا رہی تھیں۔ میری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا تم پر...... تمہیں کیا معلوم اس گلاس میں زہر ملا ہوا تھا۔'' اس کے انکشاف سے اس کا رواں، رواں کانپ گیا۔
''ز...ز...زہر......'' اس کی آواز خوف سے کپکپا گئی۔
یہاں موجود کھنچاؤ کو اس نے محسوس تو کر لیا تھا مگر اس حد تک ہوگا اس کا اندازہ نہیں تھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑ گئیں وہ ہولے، ہولے کانپنے لگی۔ اسے اپنا آپ ایک دم غیر محفوظ سا لگنے لگا۔
شیراز نے آگے بڑھ کر اسے اپنے محفوظ حصار میں لے لیا۔ اس کے وجود کی کپکپاہٹ اس سے مخفی نہیں رہی۔
''تمہیں کچھ نہیں ہوگا، میں ہوں ناں تمہارے ساتھ، پریشان مت ہو، دیکھو یہاں تمہیں آنکھیں اور کان کھول کر رہنا ہوگا۔ میں یہاں صرف بابا کی وجہ سے رکا ہوا ہوں ورنہ وہ چالاک لومڑیاں بابا کا سارا پیسہ ہضم کر لیں گی، تم یہاں صرف بابا پر ٹرسٹ کر سکتی ہو۔'' وہ نرمی سے سرگوشی کرتا گیا۔
''خود کو سنبھالو اور اپنا حال صحیح کرو، ہمیں بابا کے پاس چلنا ہے۔'' اس کے سہمے، سہمے چہرے پر پیار بھری نظر ڈال کر اس نے تاکید کی۔
وہ بدستور اس کے حصار میں سمٹی کھڑی تھی اس کے ٹہوکا دینے پر بدقت چلنے پر آمادہ ہوئی۔
جب وہ اس کے ساتھ عزیز احمد کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہاں ایک نحیف و نزار سے شخص کو دیکھا جو آج اپنے کرتوتوں سے ان حالوں کو پہنچا ہوا تھا۔ ان کے ہاتھوں میں رعشہ تھا اور دمے کے باعث سانس بہت تیز چل رہی تھی۔ کسی کو پریشان کر کے انسان کبھی خوش نہیں رہ سکتا۔
اس کے سلام کا جواب انہوں نے سر کے اشارے سے دیا کہ سانس پھولنے سے بولنے میں دقت ہوتی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد گلابو نے ناشتا میز پر چن دیا اور جب وہ میز تک گئی تو...... فرخندہ اور ان کی تینوں بیٹیاں بھی مصنوعی مسکراہٹ لیے وہاں موجود

تھیں۔ اسے ان کی بناوٹی مسکراہٹ کے پیچھے چھپے مکروہ چہرے محسوس کر کے بہت دکھ ہوا۔ پُرتکلف ناشتے کے دوران مکمل خاموش رہی۔ اتنے خطرے کے باوجود شیراز کا ان لوگوں کو برداشت کرنا بہت حیران کُن اور قابلِ تعریف بھی تھا لیکن اس اجنبیت اور خوف کی فضا میں اس کا دم گھٹنے لگا تھا اور وہ یہ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ اس طرح وہاں کیسے وقت گزار پائے گی۔ ناشتے کے کچھ دیر بعد جب وہ شیراز کے ساتھ مریم پھپھو کو سلام کرنے گئی تب اس نے سکھ کی گہری سانس لی۔

جب وہ شیراز کے ساتھ گھر لوٹی تو فرخندہ اور ان کی بیٹیاں اپنے، اپنے کمروں میں بند تھیں ورنہ ان سب کے عجیب وغریب برتاؤ سے اسے الجھن ہونے لگتی تھی۔

صبح اس کی آنکھ کھلی تو شیراز اس سے پہلے جاگ چکا تھا اور کرسی پر بیٹھا یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔

’’ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟‘‘ وہ شرما سی گئی۔

’’مجھے خوشی ہے کہ تم جیسی خوب صورت، پیاری اور اپنی، اپنی سی لڑکی میری شریکِ سفر بن گئی۔‘‘

اس کی تعریف پر وہ مغرورانہ انداز میں مسکرا دی۔ اسے فخر تھا کہ اس کا شوہر اس پر جان چھڑکتا ہے۔

’’مجھے بھی اپنی خوش بختی پر ناز ہے کہ مجھے آپ جیسا ہم سفر ملا۔‘‘ اس نے بھی اپنی چاہت کا یقین دلایا۔

’’اب اٹھ بھی جاؤ۔ بہت زور کی بھوک لگ رہی ہے۔ ویسے ہی رات کو نیند نہیں آئی۔‘‘ اسے اپنے سہارے اٹھنے پر مجبور کرتے ہوئے اس نے کہا۔

’’ارے...... نیند کیوں نہیں آئی؟‘‘ اس نے بکھرے بال لپیٹتے ہوئے خوابیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

’’ایسے ہی...... بس تمہیں دیکھتا رہا...... جب زیادہ ایکسائٹڈ ہوتا ہوں تو نیند اڑ جاتی ہے، میری خوشی سے۔‘‘ اس کے والہانہ پن میں دیوانگی جھلک رہی تھی۔

’’ارے واہ، میں نے تو سنا تھا کہ فکر کے مارے نیندیں اڑتی ہیں۔‘‘ وہ بے ساختہ بولی۔

’’ہوں، جب فرسٹریٹڈ ہوتا ہوں تب بھی کبھی ایسا



مصنفہ غزالہ فرخ اپنے عزیز کی شادی کے موقع پر

ہو جاتا ہے مگر ابھی تو میری نیندیں تم نے اڑا دی ہیں۔‘‘ وہ جیسے پوری طرح اس کے حواسوں پر چھا گئی تھی۔

’’ارے!‘‘ وہ کھسیا کر ہولے سے مسکرا دی۔

جب وہ فریش ہو کر آئی تو گلابو کسی چھپاتے شوخ سے گلاب کی طرح مسکراتی ہوئی دستک دے کر اندر چلی آئی۔

’’تم کیوں آئی ہو یہاں...... چلو نکلو، اِدھر سے۔‘‘ شیراز نے بری طرح سے اسے ڈانٹ دیا۔

’’جی صاب...... ناشتے کا پوچھنے بھیجا تھا بیگم صاب نے۔‘‘ اس نے سہم کر جواب دیا۔

’’گیٹ آؤٹ...... ہزار بار منع کیا ہے مت آیا

کرو یہاں۔'' اس کی دھاڑ پر وہ ایک زقند میں کمرے سے باہر نکل گئی۔

''خیال رکھنا شہزانہ اس دو ٹکے کی ملازمہ کو منہ لگانے کی ضرورت نہیں۔ وہ ایجنٹ ہے ان کی، جاسوسی کرتی ہے آ کر ہماری۔'' اس نے خبردار کیا۔

اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اس پُراسرار ماحول سے اسے کوفت ہونے لگی۔ کھل کر سانس لینی بھی مشکل تھی۔

''میں ایک کام سے جا رہا ہوں اور پلیز تم اپنے ہی پورشن میں رہنا۔ ایک دو گھنٹے میں آ جاؤں گا میں۔ پھر ہم امی کی طرف چلیں گے۔'' ناشتے کے بعد اسے خاص ہدایت دے کر وہ دروازے کی طرف بڑھا اور پھر دوبارہ پلٹ آیا۔

''اداس مت ہونا اور پلیز اپنا خیال رکھنا کہ گلابو دوبارہ نہیں آئے بلکہ اندر سے دروازہ اچھی طرح بند کر لو۔ ریلیکس ہو کر بیٹھو، کہیں جانا مت، میرا انتظار کرنا۔'' اس کے چہرے پر بارہ بجتے دیکھ کر اس نے دلاسا دیا۔

اس کے جانے کے بعد وہ بے اختیار شیراز کے بارے میں سوچنے لگی۔ اسے شیراز کی ہمت اور حوصلے پر حیرت ہوئی کہ وہ اتنے ناپسندیدہ ماحول میں اپنا وقت گزار رہا تھا۔ فرخندہ کا سپاٹ چہرہ جذبات سے عاری لگتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سرد مہری تھی۔ وہ بظاہر لاتعلق لگتی تھی مگر اس کی آنکھوں میں عجیب سی کھوج تھی۔

چار گھنٹے گزرنے کے بعد بھی شیراز واپس نہیں آیا تو اکیلے بیٹھے، بیٹھے گھبراہٹ ہونے لگی۔ وہ بے ارادہ باہر نکل آئی۔ جہاں لاؤنج پر ہو کا عالم طاری تھا۔ رہائشی کمروں کے دروازے بند تھے۔ سب اپنی محدود سی دنیاؤں میں مگن تھے۔ بیرونی حصے میں شیراز کی جھلک دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی۔ وہ ڈرائنگ روم کے دروازے سے اندر مستقل دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی اس کے پاس آ گئی اور اُدھر دیکھا جہاں وہ دیکھ رہا تھا۔ گلابو ہولے سُروں میں گنگناتے ہوئے صفائی میں مصروف تھی۔ اسے بہت معیوب محسوس ہوا۔ گلابو نوجوان لڑکی تھی اور شیراز اسے مستقل تکے جا رہا تھا۔

''تو یہ تھا آپ کا ضروری کام......؟'' وہ چاہنے کے باوجود طنز کرنے سے نہ رک سکی۔

''ارے، تم یہاں کیوں آ گئیں؟'' اپنی محویت میں وہ اس کی آمد کو بھی نوٹ نہیں کر سکا۔

''ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو آیا ہوں میں، اب یہاں کھڑا اس کی نگرانی کر رہا ہوں، ان نوکروں کو اتنی چھوٹ نہیں دینی چاہیے مگر یہ ماں، بیٹیاں صرف عیش کرنا جانتی ہیں۔'' وہ سادہ سے انداز میں بتانے لگا۔

شہزانہ کو لمحہ بھر پہلے کی سوچ پر شرمندگی ہوئی، وہ تو اپنی ذمے داری نبھا رہا تھا اور وہ نہ جانے کیا سمجھ بیٹھی۔

پندرہ بیس دن بہت خوب صورت گزرے......

شیراز کی رفاقت میں اسے ذرا بھی بوریت نہ ہوئی لیکن جب وہ آفس جانے لگا تو اسے وحشت ہونے لگی۔ اکیلے بیٹھ کر وہ بیزار ہو گئی تو شام کو ایک سرسری جائزے کے لیے باہر نکل آئی۔ گھر میں چہل پہل کا احساس تھا۔ گلابو کچن میں برتن دھو رہی تھی۔ عزیز احمد مسکن دواؤں کے زیرِ اثر اپنے کمرے میں سو رہے تھے۔ فرخندہ کی بڑی بیٹی فرح کوئی ٹی وی شو دیکھ رہی تھی اور فرخندہ وہیں صوفے پر بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔

اس نے اچٹتی نظر ان پر ڈالی اور شیراز کی ہدایت کے مطابق نظر انداز کر کے آگے بڑھ گئی۔ اسی پل شیراز خلافِ معمول جلد لوٹ آیا اور وہ خائف سی ہو گئی کیونکہ شیراز نے اسے بلاضرورت وہاں جانے سے منع کیا تھا۔

''تم اِدھر کیوں آئیں؟'' اس نے غصے سے پوچھا۔

''وہ......وہ، بابا سے ملنے۔'' اسے بروقت یہی بہانہ سوجھ گیا۔

''بابا بہت دیر تک سوتے ہیں، تمہیں بتایا بھی تھا میں نے۔'' اس نے بھنچی ہوئی آواز میں اسے یاد دلایا۔ اس دوران وہ بہت محتاط انداز میں آس پاس نظر ڈال رہا تھا۔

''تم سے کسی نے کوئی بات تو نہیں کی؟'' اس

نے سوال کیا۔
''جی نہیں تو......'' اس کے انتہائی سنجیدہ انداز پر وہ پریشان ہوگئی۔
''شہزانہ تمہیں بتایا تھا میں نے کہ یہ سب مل کر میرے خلاف سازشیں کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ ان سب کی ہنستی نظروں میں میرے لیے تحقیر ہوتی ہے' انہوں نے ہمیشہ مجھے خود سے الگ کر کے رکھا اب اگر تمہیں کچھ ہوگیا تو......تو میں برداشت نہیں کر سکتا۔'' وہ واپس اپنے پورشن کی طرف اسے لے جاتے ہوئے خاص معلومات دیتا رہا۔
شہزانہ کچھ خوفزدہ، کھوئی کھوئی سی اس کے ساتھ اپنے پورشن میں آ گئی۔
''ایک گھنٹے بعد بابا اٹھ جاتے ہیں تم جب بابا کے پاس جانا اور وہیں بیٹھ کر گلابو سے چائے منگوانا بلکہ ہو سکے تو خود بنا لینا چائے، ان لوگوں کا کچھ بھروسا نہیں۔ یہ لوگ دن رات ہماری جدائی کے منصوبے بنا رہے ہیں اور ہاں......دوپہر کا کھانا بھی سب سے پہلے جا کر ہانڈی سے نکال لیا کرو......بھری ہوئی ہانڈی میں وہ کچھ نہیں ملا سکتیں بلکہ میں کوشش کروں گا کہ تمہارا کچن ہی علیحدہ کر دوں تاکہ تمہیں بھی سکون ہو......تم نہیں جانتیں شہزانہ یہ لوگ بہت چالاک اور خطرناک ہیں۔'' وہ دیر تک اسے سمجھاتا رہا اور شہزانہ ان حالات سے خوفزدہ اور پریشان سی سب باتیں سنتی رہی۔
یہ سب باتیں اس نے مریم پھپھو سے بھی نہیں کہی تھیں کیونکہ شیراز نے اسے منع کیا تھا۔
''امی پریشان ہو جائیں گی......بیکار میں ان کی طبیعت خراب ہوگی پھر۔'' اس نے خاص تاکید کی تھی۔
اس وقت تو اس نے تابعدارانہ بات مان لی تھی مگر اب اکیلے یہ بار سہہ نہیں پا رہی تھی۔
اگلے روز شیراز کا موڈ بہت خراب تھا۔ صبح اٹھ کر اس نے شہزانہ سے خاص بات نہ کی' اس کے آفس جانے کے بعد وہ پھر تنہا رہ گئی۔ اسے شدت سے کسی ایسے راز دار کی ضرورت تھی جس سے دل کا حال کہہ دے یا پھر ان خوفزدہ حالات کو بلانے کے لیے کسی اچھے دوست سے بہت ساری باتیں کرے، اس نے سہانہ کو فون کرنے کا ارادہ کیا۔ دروازہ کھول کر باہر جھانکا تو سب طرف سناٹا پھیلا تھا۔ لاؤنج خالی پڑا تھا لیکن فرخندہ ایک طرف بیٹھی کسی سے فون پر باتیں کر رہی تھیں۔ وہ خائف سی ہو کر آگے بڑھ گئی۔ فون تو ابھی مصروف تھا۔ ڈرائنگ روم سے فرح، زارا اور رملہ کی باتوں اور ہنسی کی آواز آ رہی تھی۔ وہ لان کے ایک گوشے میں کھڑی ہو کر حالات پر غور کرنے لگی۔ اسی وقت گلابو کسی کام سے وہاں آئی تو اسے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔
''دلہن جی......آپ یہاں اکیلی کیوں کھڑی ہیں، بیگم جی کے پاس آ جائیں ناں......'' اس نے پُرشوق نظروں سے دیکھتے ہوئے مخلصانہ مشورہ دیا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ فرخندہ کی خاص ایجنٹ ہے اور اسے اس کی جاسوسی پر لگایا گیا ہے۔ اس لیے اس پر ناگوار سی نظر ڈالی۔
''اپنے کام سے کام رکھو اور زیادہ مت بولا کرو......چلی جاؤ یہاں سے۔'' اس نے بدلحاظی سے اسے جھڑک دیا۔
اس کی ڈانٹ سن کر گلابو کا کھلا، کھلا چہرہ اتر گیا۔ وہ چپ چاپ وہاں سے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد وہ لان میں چہل قدمی کرتے ہوئے پھولوں کی مختلف اقسام کو دیکھتی رہی۔ اسی وقت گلابو ایک بار پھر چلی آئی۔ لیکن اس بار اس کے چہرے سے مسکراہٹ غائب تھی۔
''دلہن جی......آپ کا فون ہے۔'' اس نے محتاط انداز میں قدرے فاصلے سے ہی اسے اطلاع دی۔
وہ آنے والے فون کے متعلق سوچتی لاؤنج میں آئی تو وہاں فرخندہ اور فرح بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر دونوں کی باتیں سرگوشی میں بدل گئیں۔ اسے بہت غصہ آیا ان لوگوں نے پہلے ہی دن سے اس کے خلاف محاذ بنایا ہوا تھا۔ اس نے ریسیور کان سے لگایا تو دوسری طرف سہانہ تھی۔ اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''شہزانہ...... جلدی سے گھر آؤ...... میں یہاں اکیلی ہوں، ابو اسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔'' وہ روتے ہوئے بات کر رہی تھی۔

اس کے اوسان خطا ہو گئے اس نے فوراً روانگی کا ارادہ کیا۔ شیراز کو فون ملانے کی کوشش کی مگر خدا جانے وہ کہاں مصروف تھا کہ فون نہ اٹھایا۔ آپریٹر نے اطلاع دی کہ وہ اس وقت آفس میں نہیں ہے۔ اس نے سوچا کہ گھر پہنچ کر اسے فون کر دے گی۔ وہ اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر تیزی سے باہر نکل رہی تھی کہ خلافِ توقع فرخندہ نے اس کی راہ روک لی۔

''شیراز کی اجازت کے بغیر کہاں جا رہی ہو؟ اسے بتائے بغیر کہیں مت جاؤ۔ ورنہ پھر مجھے بتاؤ کہ کہاں جا رہی ہو اور کیوں جا رہی ہو؟ تمہارا ایسے جانا مناسب نہیں۔'' وہ دیوار بن کر سامنے کھڑی تھیں۔

اسے ان سے شدید نفرت محسوس ہوئی۔ ان کی دوغلی شخصیت اور منافقانہ طرزِ عمل سے کراہت محسوس ہوئی۔ اس وقت وہ ایسے فکر مندی ظاہر کر رہی تھیں جیسے اس کے بہت قریب ہوں۔

''شکریہ...... میں شیراز سے خود بات کر لوں گی۔'' اس نے رکھائی سے جواب دیا۔ گھر پہنچی تو سہانہ کا رو، رو کر برا حال تھا۔ اس کے والد سراج احمد کو اٹیک ہوا تھا تاہم اب حالت خطرے سے باہر تھی۔ دیگر افرادِ خانہ اسپتال میں ہی تھے۔ اس نے سب سے پہلے فون کر کے باپ کی خیر خیریت دریافت کی۔ سارا گھر بکھرا ہوا تھا اور کھانا بھی تیار نہیں تھا۔ وہ ذمے داری سے کچن میں چلی آئی۔ سہانہ نے سراج احمد کا بیڈ ٹھیک کیا اور پریشانی کے عالم میں بکھر جانے والے سامان کو سمیٹا۔ کچھ دیر بعد مریم پھپو اور بابر حسن چلے آئے۔ کچھ وقفے کے بعد تائی امی اور امی، واصف کے ساتھ چلی آئیں۔ سراج احمد کے پاس حسن احمد تھے۔ وہ اپنی امی کے گلے لگ کر سسک پڑی۔ اس وقت تائی امی بھی پچھلی تلخیوں کو بھلا کر اسے تسلی دینے لگیں۔ ان سب باتوں میں اسے شیراز کو فون کرنا یاد نہیں رہا۔ کھانا کھا کر وہ کچھ دیر لیٹی تو آنکھ لگ گئی۔ شام کو فرزانہ اور سہانہ کے ساتھ باتوں میں وقت کا پتا ہی نہیں چلا یہاں تک کہ شیراز کا فون خود ہی آ گیا۔

''کہاں ہو تم، کہاں چلی گئیں بغیر بتائے؟ حد کر دی تم نے غیر ذمے داری کی، دیکھو آئندہ میری مرضی کے بغیر کہیں مت جانا اور دوبارہ یہ غلطی بھی مت کرنا۔'' وہ غصے سے اس پر برسنے لگا۔

شہزانہ دکھ اور تاسف سے سب سنتی رہی۔ شیراز نے اس سے وجہ معلوم کرنے کے بجائے اسے باتیں سنانی شروع کر دیں۔ اسے یقین تھا کہ یہ حرکت فرخندہ کی ہے۔ انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اس کے خلاف شیراز کے کان بھر دیے تھے۔ اس نے بہ مشکل اپنا غصہ پیا اور مختصر و سپاٹ سے انداز میں باپ کی حالت کے بارے میں بتا دیا۔ واپسی پر وہ وہیں اس کے میکے آ گیا۔

''سوری شہزانہ، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تمہارے ابو کی اتنی سیریس حالت ہو گئی تھی۔'' اس کی متورم آنکھیں دیکھ کر اسے فوراً اپنی زیادتی کا احساس ہوا تو نرم لفظوں میں معذرت کر لی۔

اس روز شہزانہ نے گھر چلنے سے انکار کر دیا تھا۔ بے شک اس نے معذرت کر لی تھی۔ مگر اس کے رویّے اور لہجے سے وہ بددل ہو گئی تھی۔ ویسے بھی اس وقت اس کی یہاں زیادہ ضرورت تھی۔

''بیٹا مجھے ابھی شہزانہ کی ضرورت ہے، اس کے ابو بھی اسپتال میں ہی ہیں۔ دعا کرو خیریت سے گھر آ جائیں۔ کل آ جائے گی یہ۔'' اس کی امی نے بڑھ کر اس کی یہاں رکنے کی راہ ہموار کی۔

وہ راضی تو نہ تھا مگر رضامندی دینی پڑی۔ جاتے وقت اس کی نظریں پلٹ، پلٹ کر شہزانہ کی طرف جا رہی تھیں۔ جیسے اس کے بغیر وہ جانا ہی نہ چاہ رہا۔

''کل آ جاؤ گی ناں شہزانہ؟'' چلتے وقت اس نے یقین دہانی چاہی۔

''جی میں شام کو خود ہی آ جاؤں گی گھر۔'' اس

نے جواب دیا۔

رات گئے اس کا فون چلا آیا۔ وہ اس کے بغیر بے قرار تھا۔ اس کی تڑپ محسوس کر کے شہزانہ کا غصہ بھی اتر گیا۔

''تم کل آجاؤ گی ناں......؟'' وہ فون پر بھی بار، بار پوچھ رہا تھا۔

اگلا دن کافی مصروف گزرا۔ چونکہ اٹیک معمولی نوعیت کا تھا اس لیے شام تک سراج احمد ڈسچارج ہو کر گھر آگئے۔ ابھی وہ گھر جانے کی تیاری کر ہی رہی تھی کہ شیراز کا فون چلا آیا۔

''شہزانہ کہاں ہو تم، خیریت سے پہنچ گئیں گھر؟'' اس نے بے تابانہ پوچھا۔ لگ رہا تھا کہ آفس میں بھی وہ صرف اسی کو سوچ رہا تھا۔ اس احساس نے اسے سرشار کر دیا۔

اس نے شیراز سے کہہ دیا کہ وہ کچھ ہی دیر میں گھر کے لیے نکلنے والی ہے مگر جب وہ جانے کے لیے اٹھی تو اس وقت کچھ لوگ سراج احمد کی عیادت کے لیے آگئے لامحالہ اسے بھی رکنا پڑا۔ گہری شام اتر آئی، وہ رات کو دیر سے گھر پہنچی۔ راستے میں بار، بار شیراز کا خیال آتا رہا۔ وہ گھر پہنچی تو وہ بے تابی سے اس کا منتظر تھا۔ اس نے جب دیر سے لوٹنے کی وجہ بتائی تو وہ غصہ سے بپھر گیا۔

''یہاں میری جان پر بنی ہوئی تھی اور تم وہاں مہمانداری میں لگی ہوئی تھیں۔ گھر میں اور لوگ نہیں تھے کیا؟'' وہ بری طرح سے بول رہا تھا۔

شہزانہ پریشان اور خوفزدہ ہونے کے ساتھ رونکھی بھی ہوگئی۔ پہلے ہی باپ کی طرف سے پریشان تھی، ذہنی اور اعصابی تناؤ نے اسے نیم جان کر دیا۔ وہ بیڈ پر نیم دراز آنسو بہاتی رہی۔

کافی دیر بعد وہ کھانے کی ٹرے سجائے چلا آیا۔

''چلو اٹھو، پہلے ہی اتنی تھک رہی ہو، کھانا کھاؤ میرے ساتھ۔'' اس نے بصد اصرار اسے بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔

شہزانہ کے آنسوؤں میں روانی آگئی۔ مگر شیراز نے اتنے پیار بھرے انداز میں منایا کہ وہ زیادہ دیر تک انکار نہیں کر سکی۔ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے لقمے بنا، بنا کر کھلاتا رہا۔ اس کے دل پر چھائی کلفت دور ہوگئی۔

صبح بیدار ہوئی تو طبیعت بھاری سی تھی۔ شیراز کمرے میں موجود نہیں تھا۔ شاید وہ آفس جا چکا تھا۔ وہ ناشتے کے ارادے سے کچن میں چلی آئی۔ گلابو نے اس کی شکل دیکھتے ہی جھٹ سلام کیا اور مستعدی سے چائے کا پانی چولھے پر رکھ دیا۔

اسی اثنا میں شیراز جانے کہاں سے چلا آیا۔

''تم یہاں کیوں آئی ہو؟ کیا تم پھر مجھے چھوڑ کر جا رہی ہو۔ دیکھو آخری بار وارن کر رہا ہوں کہ آئندہ مجھ سے پوچھے بغیر تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ اے گلابو...... چلو جا کر گیٹ پر تالا ڈالو۔ دیکھتا ہوں یہ کیسے جاتی ہے یہاں سے۔'' اس نے بدمزاجی سے گلابو کو حکم دیا۔

غصے اور رنج سے شہزانہ کا برا حال ہوگیا۔ وہ اسے دل کے اونچے سنگھاسن پر بٹھا کر دیوانہ وار اس کی پرستش کر رہی تھی اور وہ وہی عام سا شکی اور تنگ نظر مرد نکلا۔

''بس کرو شیراز، حد ہوتی ہے تنگ نظری کی بھی...... میرے باپ کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا اس لیے گئی تھی میں وہاں اور یہ بات تم کو بھی معلوم ہے پھر بھی تم میرے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہو۔'' غصے کی آخری حدوں پر پہنچ کر وہ چیخ پڑی۔

''زبان چلاتی ہو میرے سامنے۔'' وہ اس بری طرح دھاڑا کہ وہ دہل کر رہ گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر اس پر ہاتھ اٹھانا چاہا مگر اسی وقت فرخندہ چلی آئیں۔

''کیا ہو رہا ہے یہاں، شیراز تمہارے بابا تمہیں بلا رہے ہیں۔'' فرخندہ نے بروقت مداخلت کر کے اسے وہاں سے ہٹایا۔

اور وہ فرخندہ کے ایک اشارے پر ان کے کندھے سے لگ کر سسکنے لگی۔ وہ کسی ہمدرد مخلص سہیلی کی طرح اسے اپنے ہمراہ اپنے کمرے میں لے گئیں۔

''آرام سے یہاں بیٹھو اور سکون سے میری

بات سنو۔‘‘ فرخندہ اس سے مخاطب تھیں۔
وہ نا سمجھی سے انہیں دیکھنے لگی۔ زارا نے اسے ٹھنڈا پانی پلایا اور فرح کسی گہری دوست کی طرح اس کا سرد ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبانے لگی۔
’’میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ کہاں سے بات شروع کروں۔‘‘ انہوں نے بات کا آغاز تو کر دیا مگر پھر کچھ پل کے لیے درمیان میں وقفہ آگیا جیسے بولنے کے لیے لفظوں کو اکٹھا کر رہی ہوں۔
’’شیراز سے تمہاری شادی کرنے میں میری مرضی بالکل نہیں تھی بلکہ میں تو ابھی اس کی شادی ہی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جب تک کہ وہ سیٹ نہیں ہو جاتا لیکن عزیز کو اکلوتے بیٹے کی نسل دیکھنی تھی' انہوں نے میری بات نہیں سنی۔ شیراز نے عمر کے کئی سال اپنی ماں کے پاس گزارے لیکن جب میں بدنصیب عزیز کو بیٹا نہ دے سکی تو وہ سازشی ہتھکنڈوں سے شیراز کو اس کی ماں سے چھین کر دور لے گئے اور اس طرح شیراز کی شخصیت مسخ ہو گئی۔ وہ ہم سب کے درمیان رہ کر بھی الگ تھلگ رہتا تھا۔ ماں کو یاد کر کے غمگین رہتا تھا۔ اسے ہم سب سے چڑ تھی، وہ ہم سے نفرت کرتا تھا۔ عزیز یہ بات نہیں سمجھتے تھے، ان کا خیال تھا کہ یہاں پیسہ اور عیش دیکھ کر وہ سب کچھ بھول جائے گا مگر ایسا نہ ہوا۔ جب اس کی ذہنی ابتری ہم پر عیاں ہوئی تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ وہ ڈپریشن کا مریض بن چکا تھا۔ وہ ہم سب پر شک کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ہم اس کے کھانے میں زہر ملاتے ہیں۔ اسے جلد غصہ آجاتا ہے لیکن وہ دل کا اچھا ہے۔ اس نے کبھی ہم کو نقصان پہنچانے کی یا تنگ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ دل کا کھلا ہے سارا گھر اسی پر چل رہا ہے۔ بس یہ ایک خرابی ہے اس میں، عزیز نے اسے سائیکاٹرسٹ کو دکھا رکھا ہے، علاج چل رہا ہے اس کا وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ اسے تمہارا محبت بھرا ساتھ ملا رہے گا تو وہ جلدی ٹھک ہو سکتا ہے۔‘‘ فرخندہ دھیرے، دھیرے بتاتی چلی گئیں۔
اور شہزانہ دم بخود، سانس روکے، بت بنی سنتی چلی گئی۔ ان انکشافات نے اس کے نازک دل کو بری طرح مجروح کر دیا تھا۔
’’یہ سب کچھ تمہیں پہلے نہیں بتا سکی اس کے لیے معذرت کیونکہ جب تم میرا یقین نہیں کرتیں۔ جب تم صرف شیراز کا یقین کرتیں۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے کہ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکی۔ میں پہلے تمہیں حقیقت نہیں بتا سکتی تھی کیونکہ میری حیثیت معتبر نہیں تھی۔‘‘ دکھ کے گمبھیر احساس سے شہزانہ کے ماند چہرے پر دھواں سا اڑ گیا۔ اس کے نازک جذبوں کو بری طرح ٹھیس پہنچی تھی۔ عزیز احمد نے بڑی چالاکی سے پرانے رشتے کو استوار کر کے اسے استعمال کر لیا تھا۔ اس کے دل کو کھلونا بنایا گیا تھا۔ لیکن اب وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی کیونکہ شیراز عزیز کو تو اس نے خود دل و جاں کی گہرائیوں کے ساتھ اپنے رب سے مانگا تھا۔ شیراز اس کی محبت تھا مگر یہ محبت اب اس کے لیے آزمائش بن گئی تھی اور ...
بہر صورت اسے اپنی محبت نبھانی تھی۔
کرب کے ان لمحات میں بابر حسن کا سادہ سا سراپا اس کے خیالوں میں جھلکا۔ اپنی ایک بھولی بسری غلطی کے ازالے کا فیصلہ اس نے اسی وقت کر لیا۔ اس نے فرح کو بابر حسن کی زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔
اسی وقت شیراز اسے ڈھونڈتا اور پکارتا ہوا وہاں چلا آیا۔
’’کہاں تھیں تم...... دیکھو پلیز مجھے اکیلا چھوڑ کر مت جانا۔‘‘ اس نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں بچپن کی محرومی اور جدائی کا خوف جھلک رہا تھا جس نے اسے ڈپریشن کا مریض بنا دیا تھا۔ شہزانہ نے آنسو پی کر حسرت سے اپنی محبت کو دیکھا اور پھر بے اختیار اس کے ہاتھ میں مقید اپنے ہاتھ پر دوسرا ہاتھ بھی رکھ دیا کیونکہ وہی اس کا سب کچھ تھا۔
’’میں تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی شیراز......‘‘ اس کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ تھی۔

جھلمل

شمع تفسیر

اُف یہ گرمیوں کی شادی...... پہلے پارلر...... پھر شادی ہال پورے آٹھ گھنٹے ہم دلہن کم اسٹیچو زیادہ بن کر بیٹھے رہے۔ جب کمرے میں آنا نصیب ہوا تو ہارے ری قسمت لائٹ چلی گئی...... اور پھر ایمرجنسی لائٹ کی کام چلاؤ قسم کی روشنی میں ہمارے دولھا نے ہمارا اور ہم نے اُن کا دیدار کیا...... پوری رات بجلی کی آوت جاوت جاری رہی اور یہ خوب صورت رات اس طرح گزری کہ کبھی دولھا صاحب ہمیں پنکھا جھلتے رہے اور کبھی ہم انہیں......

''آئی ایم سوری یار...... دراصل ہمارے علاقے میں لائٹ بہت جاتی ہے لیکن ایسا بھی نہیں ہوتا آج تو حد ہی ہوگئی ہے۔'' ہمارے دولھا ہمیں پنکھا جھلتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''تو...... کم سے کم شادی کے دنوں کے لیے تو آپ کو جنریٹر کا انتظام کرلینا چاہیے تھا۔'' ہم جھجکتے ہوئے



بولے ساتھ ہی ان کے ہاتھ سے پنکھا لے کر کہا۔ ''اب ہماری باری ہے، ہم آپ کو پنکھا جھلیں گے۔''

شاید وہ ہماری اس ادا سے گھائل ہو ہی گئے تھے اسی لیے ہمیں پیار بھری نظروں سے دیکھ کر بولے۔ ''میں تمہیں چھوٹا سا ایمرجنسی فین لا دوں گا...... ٹھیک۔''

''چھوٹا سا کیوں، بڑا سا کیوں نہیں۔'' اس وقت پسینہ ہمارے سر سے پیر تک چیونٹیوں کی طرح رینگ رہا تھا سو چھوٹا پنکھا ہمیں از حد ناکافی سا لگا۔

''تاکہ تم دن میں اسے اپنی الماری میں چھپا کر رکھ لیا کرو...... رات میں جب ہم کمرے میں آیا کریں گے تو چارج کر لیا کریں گے۔ پھر جب بھی رات میں لائٹ جایا کرے گی تو میری ماہم جانو پنکھے کی ہوا میں سکون سے سو جایا کرے گی۔'' عمیر بڑے لاڈ سے بولے مگر ہم تو پنکھے کو الماری میں چھپانے والی بات پر دنگ سے رہ گئے تھے۔

''الماری...... میں...... چھپانا کیوں ہے؟'' ہم نے اس طرح ان کی طرف دیکھا جیسے اُن کے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔

''ارے یار...... اب تم سے کیا چھپانا ہماری اماں ذرا کک...... کفایت شعار ہیں۔'' ہمیں محسوس ہوا کہ وہ کنجوس کہتے، کہتے رک گئے ہیں۔

''تو......؟'' ہم نے سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

''جنریٹر، یو پی ایس، ایمرجنسی فین یہ سب ان کی نظر میں پیسے کا زیاں ہے۔'' انہوں نے ہماری حیرت کو صدمے میں بدلتے ہوئے کہا۔ اسی لمحے لائٹ آ گئی تو ہم سر جھکا گئے۔

''میں تو تمہاری تعریف بھی نہیں کر سکا...... سوری یار...... چلو اب تمہارے حسن کو خراجِ تحسین پیش کیے دیتے ہیں۔'' انہوں نے خوب صورت رنگ ہماری انگلی میں پہناتے ہوئے ہمیں محبت پاش نگاہوں سے دیکھا تو ہم...... ہمارے اندازے کے مطابق لالوں لال نہ سہی گلابی سے تو ہو ہی گئے ہوں گے۔

☆☆☆

شادی کے اولین دن...... ہیٹ اسٹروک والی گرمی اور ہماری ساس امی کا سنگین مطالبہ......

''دلہن جھلمل کرتے کپڑے پہنو...... کوئی ہمارے گھر آ جائے تو اسے پتا تو لگے کہ تم نئی دلہن ہو چلو فوراً یہ سوتی کپڑے بدل کر ذرا چمک دمک والے کپڑے پہن کر آؤ۔'' انہوں نے پیار بھرے لہجے میں حکم سنایا۔

''سوتی کپڑے......'' ہم نے روتے ہوئے دل کو سنبھالا۔ ہمارے میکے کے پانچ ہزار والے لان کے سوٹ کو انہوں نے سوتی کپڑے کہہ کر دو ٹکے کا کر دیا تھا۔ ہم خاموشی سے جھلمل کرتے کپڑے پہن کر آئے تو ساس کے ساتھ، ساتھ نندیں بھی خوش ہو گئیں۔

''اللہ بھابی بہت پیاری لگ رہی ہیں آپ۔''

استر والے کپڑے، دوپہر کا وقت، لائٹ گئی ہوئی تھی تاہم ہم نے چہرے پر مسکراہٹ سجائی ہوئی تھی۔ ان سب کی محبت کے آگے ہم مجبور تھے اور پھر لحاظ و مروت کا جذبہ بھی ہم میں بدرجۂ اتم پایا جاتا تھا پھر میاں صاحب کی ہدایت...... ''سب کا دل رکھنا ماہم جانو......'' سو ہم خاموش۔

☆☆☆

ایک ہفتے کے اندر، اندر کھانا پکانے میں ہمارا ہاتھ لگوا دیا گیا، ہم خوش تھے کہ اس روٹین ورک کے ساتھ گوٹے کناری اور جھلمل کرتے کپڑوں سے نجات مل جائے گی...... بری میں تو ایک بھی لان کا سوٹ نہیں تھا۔ تاہم ہم جہیز میں تین لان کے سوٹ بھی لے کر آئے تھے ارادہ تھا کہ عمیر سے کہہ کر اور بنوا لیں گے...... مگر ظلم پر ظلم کہ یہاں تو ہمیں لان کے سوٹ پہننے کی اجازت ہی نہیں تھی۔

ہنڈیا پکائیں تو جھلملاتے کپڑوں میں، جھاڑو پوچا کریں تو جھلمل کرتے کپڑوں میں، حتیٰ کہ روٹی بھی اسی طرح پکاتے...... ہمارا تو جسم گرمی دانوں سے پک کر رہ گیا تھا۔ ہم نے اندازہ لگایا کہ محلے سے آنے والی خواتین بھی ہمیں اور ہمارے کپڑوں کو عجیب نظروں سے دیکھتیں۔

''شاید ہمیں پاگل سمجھتی ہوں۔'' ہم دل ہی دل میں کلس کر رہ جاتے۔

☆☆☆

یوں ہی جھلمل کرتے کپڑوں میں ڈیڑھ سال گزر گیا۔ بری جہیز کے جوڑوں کا خوب، خوب استعمال کروا دیا گیا۔ اسی دوران پیارا سا عابس بھی ہماری گود میں آ گیا۔

ایک روز ہماری بیسٹ فرینڈ ہما ہم سے ہماری درد بھری کتھا سن کر کہنے لگی۔

''تم ہی پاگل بنی جا رہی ہو...... بے وقوف اس طرح تمہاری ساس اپنا خرچہ بچا رہی ہیں...... لان کے ڈھنگ کے ایمبرائڈرڈ سوٹ کوئی سیتے تو آتے نہیں ہیں، اسی لیے انہوں نے شروع سے تمہیں جہیز، بری کے جوڑوں پر رکھا ہے تاکہ لان کے سوٹوں کا سلسلہ ہی شروع نہ ہو۔''

''واہ بھئی واہ بڑی دور کی کوڑی لائی ہو تم...... کیا بے وقوفوں کی سی باتیں کر رہی ہو ہما...... اس طرح بھلا وہ کب تک اور کتنا پیسہ بچا پائیں گی......'' ہم نے اس کی بات کو سرے سے مسترد کر دیا۔

''ہزاروں روپیہ تو بچا ہی چکی ہیں وہ اب تک اور رہا سوال کب تک کا...... تو جب تک تمہاری چھوٹی نند کی شادی نہیں ہو جاتی۔'' اس نے اتنے وثوق سے کہا جیسے ہماری ساس اسے بتا کر ہی ایسا کر رہی ہوں۔ مگر ہمیں بڑا برا لگا کہ ہماری ساس کی سادگی اور اکلوتی بہو سے لگاؤ کو وہ خود غرضی اور چالاکی کا نام دے رہی تھی۔

''ہما ہم ایک بات کہیں؟'' ہم نے اس سے پوچھا۔

''ہاں، ہاں کہو۔'' اس نے فراخ دلی سے اجازت دی۔

''اپنی مکار اور وہمی سسرال کا اثر تم پر بھی ہو گیا ہے، ہر بات کا منفی پہلو دیکھنے لگی ہو تم، ہمیں تو مکار، مکاری لگ رہی ہو اس وقت بھی۔'' ہم نے شرارت آمیز نگاہوں سے اسے دیکھا تو وہ ہمیں گھور کر رہ گئی۔

☆☆☆

ہمارے گھر میں اک ہنگامہ مسرت بپا تھا کہ ہماری سب سے چھوٹی نند کی شادی ہونا قرار پائی تھی۔ آج شادی کی تاریخ مقرر ہونا تھی۔ صبح سے گھر میں دھونا دھلانا، کھانا پکانا چل رہا تھا۔ بڑی دونوں شادی شدہ نندیں بھی رات ہی سے آئی ہوئی تھیں۔ ہم سب مل کر ہی کام کر رہے تھے۔

شام ہونے تک گھر بالکل شیشے کی طرح چمک گیا تھا اور کھانے بھی تیار ہو چکے تھے، صرف بریانی کی دیگ باہر سے آنی تھی۔

''چلو دلہن اب تم بھی تیار ہو جاؤ نہا دھو کے۔'' ہماری ساس نے تمام انتظامات سے مطمئن ہونے کے بعد کہا۔

''سنو ماہم...... اپنا چوتھی والا جوڑا پہن لینا وہ ویسے بھی تم نے بہت کم پہنا ہے۔'' بڑی نند بولیں۔

''سیٹ بھی اس کے ساتھ کا ہی پہن لینا، تین لڑی والا۔'' منجھلی نند نے بھی حسبِ توفیق مشورہ دیا۔

''مگر...... وہ سوٹ...... کچھ اور نہیں ہو جائے گا۔'' ہم نے دبے، دبے لہجے میں نرم سا احتجاج کیا۔ ایک تو پتا نہیں کیوں ان لوگوں کے سامنے بولتی بند ہو جاتی تھی۔ ساتھ ہی خود کو دل ہی دل میں کوسا۔

''ارے دلہن یہ کیا بات کی تم نے، اتنا جھلمل کرتا جوڑا ہے کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں اور تمہاری نظر میں ہی نہیں سما رہا۔'' ساس گویا برا مان کر بولیں۔

''نہیں، نہیں اماں سوٹ تو بہت خوب صورت ہے، ہمیں پسند بھی ہے ہم تو بس اس وجہ سے کہہ رہے تھے کہ نرم گرم سا موسم ہے اور پھر تقریب بھی گھر ہی کی ہے۔'' ہم نے ان کی ناراضی سے گھبرا کر کہا۔

''پورے چار ہزار کا لائی تھی میں لالو کھیت کی مارکیٹ سے آج سے دو سال پہلے...... اب تو کوئی چھ ہزار کا بھی نہ دے۔''

وہ فخریہ لہجے میں بولیں تو ہم سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے مذکورہ سوٹ استری کرنے چل دیے۔

☆☆☆

مہمان آ چکے تھے، شادی کی تاریخ مقرر ہو چکی تھی اب کھانا لگایا جا رہا تھا ہماری دونوں بڑی نندیں ہمارا...... بھرپور ساتھ دے رہی تھیں، آخر چھوٹی بہن کی سسرال کا معاملہ تھا۔

ہم اسی جھلمل کرتے جوڑے میں اِدھر سے اُدھر کام کرتے پھر رہے تھے۔ مہمانوں کی نظروں میں عجب سا

تمسخر تو ہم اپنے لیے محسوس کر ہی رہے تھے تاہم ابھی تک کسی نے کہا کچھ نہیں تھا۔

ہم کولڈ ڈرنکس لے کر ایک بار پھر کچن سے ڈرائنگ روم میں چلے آئے اور سب کو سرو کرنے لگے کہ اچانک ہی ہماری چھوٹی نند ناعمہ کی ہونے والی نند نے ہمیں مخاطب کیا۔

''بھابی آپ کو گرمی نہیں لگ رہی ؟''

''نہیں اب کہاں گرمی...... اب تو موسم بدل رہا ہے۔'' ہم بات سمجھ تو گئے تھے لیکن قصداً نارمل انداز میں کہا۔

''اصل میں آپ کا سوٹ ہے تو بہت خوب صورت مگر تھوڑا ہیوی ہے اور آپ مسلسل کاموں میں مصروف ہیں ناں اس لیے گڑیا نے پوچھا۔'' اس بار ناعمہ کی جیٹھانی مسکراتے ہوئے بولیں۔

''میں بھی ماہم سے یہی کہہ رہی تھیں۔ مگر دراصل ماہم کو اس طرح کے کپڑے بہت پسند ہیں، کہنے لگی بجیا اب تو اکتوبر شروع ہوگیا ہے اب تو ہم اس طرح کے کپڑے پہن سکتے ہیں، اب کیا کریں جوان کی پسند وہ ہماری پسند......'' بڑی نند جلدی سے بولیں اور ہم انہیں حیرت سے دیکھتے رہ گئے۔

''بہت کہتے ہیں بہو سے کہ دلہن اب تو بازار میں ایک سے ایک ایمبرائڈری والے کاٹن کے سوٹ ملتے ہیں اب ان ہی کا فیشن ہے مگر نہ بھئی ہماری دلہن کو تو اب بھی دلہن لگنے کا شوق ہے، یہ کھڑی ہے سامنے خود پوچھ لو......'' ساس امی پیار بھرے لہجے میں فراٹے سے جھوٹ بول رہی تھیں اور ہمارا سادہ اور معصوم دل ڈیڑھ برس سے کچلے جانے والے ارمانوں کی دہائیاں دے رہا تھا۔

''بھئی ناعمہ کی بری میں تو آپ لوگ ڈیزائنرز لان کے سوٹ بھی ضرور رکھیے گا، ہماری ناعمہ میں ڈریسنگ سینس بہت زیادہ ہے۔ اسے یہ تام جھام کچھ زیادہ نہیں بھاتا۔'' منجھلی نند نے لگے ہاتھوں موقع سے فائدہ اٹھایا۔

اسی وقت ہمیں محسوس ہوا کہ ہمارے جھلملاتے کپڑوں کے ساتھ، ساتھ ہماری آنکھیں بھی بس جھلملانے ہی والی ہیں، سو عابس کے رونے کا بہانہ کر کے کمرے میں چلے آئے اور ڈیڑھ برس کے آنسو ڈیڑھ منٹ میں بہا کر بقیہ آدھے سیکنڈ میں ایک فیصلہ کر کے ساس نندوں کو تصور کی آنکھ سے معاندانہ اور پھر فاتحانہ نگاہوں سے دیکھا اور فیس پاؤڈر سے چہرہ درست کر کے کچن کی طرف چل دیے۔

☆☆☆

ماہ اکتوبر کی اگلی شام ہمارے لیے بڑی خوشگوار اور سہانی تھی...... کہ ہم ہشاش بشاش، نک سک سے تیار، پرس کاندھے پر ٹانگے، عابس کو گود میں اٹھائے عمیر کے ہمراہ کمرے سے برآمد ہوئے۔

''ارے دلہن کہاں کی تیاری ہے، تم نے بتایا بھی نہیں۔'' حسبِ عادت انہوں نے عمیر کے بجائے ہم سے سوال کیا۔

''اماں شاپنگ مال جارہے ہیں۔ گزشتہ رات ہونے والی عزت افزائی ہمارے دل ودماغ میں اب تک تروتازہ تھی سو بھرپور اعتماد سے جواب دیا۔

''وہ کیوں......؟'' وہ بھونچکی سی ہوئیں، کمک کے لیے بیٹیاں بھی موجود نہ تھیں۔

''کاٹن کے ایمبرائڈرڈ سوٹ لینے۔'' ہم نے ان کی حیرت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے کہا۔

''مگر دلہن اب تو سردیوں کی آمد، آمد ہے۔ اور سردی کے موسم میں تو ہر طرح کے کپڑے چل جاتے ہیں سردیوں میں تو یوں ہی گزارہ ہوجائے گا۔'' وہ جز بز ہوئیں۔

''ارے اماں رات سب ٹھیک ہی کہہ رہے تھے، اب یہ جھلمل کرتے کپڑے اولڈ فیشن ہوگئے ہیں اب تو لان، کاٹن کا زمانہ ہے اور آپ ہی تو بتا رہی تھیں کہ بازار میں بہترین ایمبرائڈری والے سوٹ آئے ہوئے ہیں تو بس سوچا فوراً جا کر چار پانچ ریڈی میڈ سوٹ ایک ساتھ لے آئیں پوری سردی مزے سے گزر جائے گی ہماری تو...... آپ کے لیے سوٹ کا کپڑا لے آئیں گے...... ٹھیک ہے ناں......'' جواباً وہ چاروناچار اثبات میں سر ہلا گئیں اور ہم خوشی سے جھلمل کرتی آنکھوں کے ساتھ میاں جی کے سنگ چل دیے۔

احمر نے کسلمندی سے کروٹ بدلی اور مندی، مندی آنکھوں سے اپنے پہلو میں لیٹی ندا کو دیکھا۔ وہ سوتے میں بھی مسکرا رہی تھی احمر کے لبوں کو بھی ایک مسحور کُن سی مسکان نے چھوا۔ چند ثانیے احمر ایسے ہی محویت سے ٹکٹکی باندھے ندا کو دیکھتا رہا۔

رات سے اماں کی طبیعت ناساز تھی ۔احمر کے ذہن میں آیا اور وہ ایک جھٹکے سے کمبل پرے دھکیلتا عجلت میں بیڈ سے اترا اور کمرے کے پردے سرکا دیے۔ ملگجا اندھیرا چھٹا تو کمرا روشنی سے بھر گیا احمر نے سیل فون اٹھا کر ٹائم دیکھا۔ آفس ٹائم ہونے جا رہا تھا۔

''ندا اٹھو یار ناشتا بنا دو میں لیٹ ہو رہا ہوں۔'' احمر نے واش روم میں جھپاک سے گھستے ہوئے کہا ندا نے ذرا کی ذرا آنکھیں کھولیں۔ خوابیدہ نگاہوں سے کمرے کی چھت کو گھورا اور دوبارہ سے کمبل اوڑھا اور کروٹ بدل کر سوگئی۔

احمر تولیے سے بال رگڑتا ہوا کمرے میں آیا تو ٹھٹک کر رک گیا، ندا بے سدھ سو رہی تھی۔

''ندا یار کیا ہو گیا ہے۔'' احمر نے اس کے اوپر سے کمبل کھینچا۔ تو ندا نے سردی سے خائف ہو کر اپنی ٹانگوں کو اکٹھا کر کے پیٹ کے ساتھ لگا لیا، احمر نے ندا کے گٹھری بنے دھان پان سے وجود کو دیکھا وہ اتنی مضحکہ خیز

گھر گھروندا

فوزیہ احسان رانا



لگ رہی تھی کہ بے ساختہ اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

احمر نے ندا کے اوپر کمبل ڈال دیا اور خود وہ آفس کے لیے تیار ہونے لگا۔ ندا ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ احمر مصروف سے انداز میں اسے ایک نظر دیکھتا رہا۔ اسے ندا کی ڈھٹائی پر دکھ بھی ہوا۔ وہ بدستور سوتی رہی۔ ندا کو چنداں پروا نہیں تھی بس اپنی نیند ہی پیاری تھی۔ احمر نے کمرے سے نکلتے ہوئے ایک تاسف بھری نگاہ اس پر ڈالی اور آہستگی سے دروازہ بند کر کے باہر نکلا اور بغیر ناشتا کیے ہی آفس چلا گیا۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا تھا۔ شکیلہ بیگم ہمیشہ ہی احمر کے لیے اس کی پسند سے ناشتا بنایا کرتی تھیں۔ احمر ان کا اکلوتا بیٹا تھا، بیوہ ماں کا سہارا تھا بہت ہی اچھا اور تابعدار بیٹا تھا۔ شکیلہ نے بہت چاؤ اور ارمانوں سے احمر کی شادی کی تھی اور شادی کے بعد بھی وہ بیٹے اور بہو کے لیے کھانا، ناشتا خود بنایا کرتی تھیں۔ بہت محنتی خاتون تھیں انہیں بیٹھنے کی عادت تو تھی ہی نہیں اس لیے ہر وقت کسی نہ کسی کام میں لگی رہتی تھیں۔ کل رات سے انہیں ہلکا سا بخار تھا وہ سو نہیں پائی تھیں یہی وجہ تھی کہ احمر بھی رات بھر ڈھنگ سے آرام نہیں کر سکا تھا اور ندا...... اس نے تو شکیلہ کے کمرے میں جھانک کر بھی نہیں دیکھا تھا جلدی ہی سو گئی تھی اور اس کی نیند اب بھی نہیں ٹوٹی تھی۔ ان کی طبیعت کے پیش نظر احمر نے اپنی ماں کو جگانا مناسب نہیں سمجھا اور بنا ناشتے کے ہی چلا گیا۔

☆☆☆

کوئی گیارہ بجے کے قریب شکیلہ بیگم کی آنکھ کھلی تھی۔ اب بھی انہیں بخار تھا، وہ بستر سے اٹھیں اور اپنا لحاف تہ کر کے اسٹور روم میں رکھا اور اپنی بیڈ شیٹ جھاڑ کر بچھائی۔ یہ ان کی برسوں پرانی عادت تھی کہ بستر اٹھا کر فوراً ہی چادر جھاڑ کے سیٹ بھی کر دیتی تھیں وہ کمرے سے نکلیں صحن میں ہلکی دھوپ پھیلی ہوئی تھی ساتھ میں ٹھنڈی ہوا بھی چل رہی تھی۔

ندا اب بھی سو رہی تھی۔ شکیلہ نے اپنے لیے دو توس سینکے اور ایک کپ چائے کا بنایا۔ ایک چھوٹی ٹرے میں رکھ کر وہ صحن میں آگئیں وہیں تخت پر بیٹھ کر انہوں نے ناشتا کیا مگر ہوا کافی ٹھنڈی تھی اس لیے انہیں کپکپی طاری ہوگئی تو وہ اٹھ گئیں اور دوبارہ اپنے کمرے میں آ گئیں۔ انہیں بدن میں درد محسوس ہو رہا تھا۔ وہ لیٹ گئیں کافی دیر کروٹیں بدلتی رہیں۔ لگتا تھا ان کو پھر سے بخار ہو رہا تھا۔ وہ کراہ رہی تھیں، ان کے بدن پہ لرزہ طاری تھا انہیں لیٹے چند ثانیے گزرے تھے۔ تبھی احمر کی کال آ گئی۔ شکیلہ نے اپنی دکھتی ہوئی آنکھوں کو بہ مشکل کھول کر موبائل فون دیکھا احمر کی کال تھی۔

"السلام علیکم امی جی۔" احمر نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام بیٹا، کیسے ہو؟" شکیلہ نے اپنی نقاہت کو چھپاتے ہوئے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ صبح جب میں آفس آ رہا تھا تو آپ کے کمرے میں گیا، آپ تو سو رہی تھیں اس لیے آپ کو بے آرام نہیں کیا۔" احمر نے فکر مندی سے کہا شکیلہ اپنے بیٹے کی سعادت مندی پر نثار ہوگئیں۔

"بس بیٹا میں ٹھیک ہوں تم فکر نہ کرو۔"

"میں ندا کو کال کر رہا تھا مگر شاید وہ ابھی تک سو رہی ہے۔"

"ندا جاگ رہی تھی۔ ابھی میرے کمرے میں مجھے ناشتا دے کر گئی ہے۔ کسی کام میں لگ گئی ہوگی۔" شکیلہ ایسی ہی تھیں پردہ رکھنے والی۔

"بیٹا تم نے ناشتا کیا تھا کہ نہیں۔ مجھے جگا لیا ہوتا۔" شکیلہ اب بھی اسی غم میں تھیں کہ کہیں وہ بنا ناشتے کے تو نہیں چلا گیا۔

"ارے نہیں امی، آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لیے ندا نے مجھے ناشتا بنا دیا تھا۔"

وہ خوش ہوگئیں۔ وہ بھی تو ان کا ہی بیٹا تھا دل رکھنے والا، احساس کرنے والا۔ کیسے ندا کی برائی کرتا اپنی ماں سے۔

"چلیں امی آپ آرام کریں۔" احمر دھیرے سے بولا اس کے لہجے میں فکر گھلی ہوئی تھی۔

"جیتے رہو۔" شکیلہ خوش تھیں کہ ندا نے احمر کو ناشتا دے دیا اور احمر اپنی جگہ خوش کہ کیا ہوا جو ندا نے مجھے ناشتا

بنا کے نہیں دیا، میری امی کا تو خیال کیا ہی ہے ناں۔ احمر، ندا سے بہت محبت کرتا تھا جو ہلکی سی خفگی احمر کے دل میں ندا کے لیے تھی وہ اب ڈھل چکی تھی، اس نے مسکراتے ہوئے ندا کو کال کی صد شکر کہ کال پک بھی کرلی گئی تھی۔

''کیا چل رہا ہے؟'' احمر کے لہجے میں محبت چھلک رہی تھی۔

''سو کے اٹھی ہوں۔'' وہ جمائی روک کر بولی۔

''ندا تم نے میرا اور امی کا احساس کیا۔ امی کو ناشتا بنا کے دیا۔ یار میں تمہارا شکر گزار ہوں۔'' احمر نے کہا تو ندا کا منہ کھل گیا وہ منمنانے لگی، اس سے کوئی بات ہی نہیں ہو رہی تھی اور احمر سمجھ رہا تھا کہ ندا انکساری میں بول نہیں پا رہی ہے۔

''رشتوں کو احساس سے ہی مضبوط کیا جا سکتا ہے۔ یہی وہ واحد جذبہ ہے جو دلوں کو جوڑ کے رکھتا ہے اور میرا تو دنیا میں امی کے سوا کوئی اور ہے بھی نہیں۔'' احمر کی آواز میں خوشی جھلک رہی تھی۔

''جی......'' ندا آہستگی سے بولی ہلکی سی شرمساری کے احساس نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

''انسان کی عزت اس کے کام اور محنت کی وجہ سے ہوتی ہے ندا اور اپنی عزت خود بنانا پڑتی ہے۔ میرے معاملے میں غفلت برتو گی تو کوئی بات نہیں مگر امی...... میری امی نے میرے لیے بہت قربانیاں دی ہیں۔'' احمر کی بات پر ندا کا منہ بن گیا ذرا دیر پہلے کی ندامت کہیں ہوا میں تحلیل ہو گئی۔ ایک تو احمر کا یہ امی نامہ ندا کو بہت ناگوار گزرتا تھا۔ ندا کا منہ بن گیا وہ ہوں، ہاں کرتی رہی۔

''اوکے احمر میں ذرا امی کو دیکھ لوں۔ پھر لنچ کی بھی تیاری کرنی ہے۔'' ندا نے جان چھڑانی چاہی۔ اور دوسری طرف احمر کو اس پر ٹوٹ کے پیار آیا تھا۔ ندا کی آج کی کیئر نے اسے خوشگوار حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔ ندا اس کا انتخاب تھی اور وہ امی کے سامنے اپنی بیوی کے حوالے سے شرمندہ نہیں ہونا چاہتا تھا۔

''اچھا بات سنو ندا، میں کھانا بازار سے لے کر گھر آ رہا ہوں۔ تم مت بنانا۔'' ندا کی اب جان میں جان آئی۔ وہ بنا بھی کب رہی تھی ابھی تو وہ اٹھی ہی تھی بس جان بخشی کروانے کے لیے اس نے کہہ دیا مگر یہ بات بھی اسی کے حق میں گئی تھی۔ اب احمر خوش تھا اور لنچ بھی باہر سے آ رہا تھا۔ ندا نے مستی کے عالم میں ایک انگڑائی لی اور واش روم میں گھس گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر ندا نے اپنے لیے ایک کپ چائے بنائی۔ اور اپنے کمرے میں آ کر ٹی وی لگا کر بیٹھ گئی۔ چینل سرچنگ کرتے ہوئے اس نے بسکٹ چائے میں ڈبو، ڈبو کر کھائے چائے پی اور کمبل لے کر لیٹ گئی۔ اور ٹی وی دیکھتے، دیکھتے اسے پتا بھی نہیں چلا کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

احمر نے ہوٹل سے کھانا پیک کروایا اور گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے احمر مسکرا رہا تھا ندا کا خوب صورت چہرہ اس کی نگاہوں میں سمانے لگا۔ ندا اس کی محبت تھی، اس کی اولین چاہت تھی اور محبت کا تو ہر روپ ہی دلکش لگا کرتا ہے۔ محبت کی ہر ادا دلنشین ہوا کرتی ہے۔

چھ ماہ پہلے ان دونوں کی شادی ہوئی تھی۔ احمر کی شادی بہت دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ ایک، ایک ایونٹ کو احمر نے ندا کے سنگ یادگار بنانے کی کوشش کی تھی۔ وہ ایک کمپنی میں اکاؤنٹنٹ تھا۔ وہ ندا کا تب سے دیوانہ تھا جب سے اس نے محبت کو جانا تھا محسوس کیا تھا تب سے ہی احمر نے صرف ندا کو ہی چاہا تھا وہ اس کے دوست حسن کی بہن تھی۔ شادی طے ہونے میں تھوڑے سے مسئلے مسائل ہوئے تو احمر اتنا حواس باختہ ہوا کہ وہ جو کبھی مزاروں پر نہیں جایا کرتا تھا۔ اب ندا کو حاصل کرنے کی لگن میں وہ مزاروں پر جا، جا کر منتیں مانگنے لگا۔ ندا، احمر کی آنکھ میں سجنے والا پہلا خواب تھا جس کی تعبیر میں وہ سر دھڑ کی بازی لگانے کو تیار تھا۔ وہ اللہ کے حضور سر جھکا کر سجدوں میں ندا کو مانگا کرتا تھا۔ اور پھر اس کی ساری دعائیں رنگ لائی تھیں۔ احمر نے ندا کو پا لیا تو اس کی..... بے قرار روح سیراب ہو گئی۔ وہ اسے دیکھ، دیکھ کر جیتا تھا۔ اسے ندا کی ہر ادا انوکھی دکھائی دیتی تھی۔ وہ اس کی من چاہی لاڈلی بیوی تھی اس کے من آنگن میں مہکتی تھی۔ شکیلہ بیوہ تھیں، وہ احمر کی پسند کے مطابق ندا کو بہت

چاؤ اور ارمانوں سے بیاہ کرلائی تھی۔ چھ ماہ میں شکیلہ بیگم نے ندا کو۔۔کوئی کام نہیں کرنے دیا وہ خود ہر وقت گھر کے کام کاج میں لگی رہتی تھیں۔احمر، ندا کو ٹوکتا رہتا کہ امی کے ساتھ مدد کروایا کرو، امی کے پاس جاکر بیٹھا کرو مگر وہ سنی ان سنی کر دیتی۔ پھر شکیلہ بھی روایتی ساس نہیں تھیں کہ کوئی روک ٹوک کرتیں یا بیٹے سے شکایتیں لگا، لگا کر اس کا دل خراب کرتیں۔شکیلہ صبح صبح اٹھ جاتی تھیں۔نماز کے بعد قرآن پڑھتیں۔پھر کچن میں چلی جاتیں' احمر نے آفس جانا ہوتا تھا، شکیلہ اسے ناشتا دیتیں وہ ندا کو آوازیں دیتا رہتا مگر وہ اٹھتی نہیں تھی' وہ اسے سوتا چھوڑ کر چلا جاتا۔ندا گیارہ بجے اٹھتی اور ندا کو بھی شکیلہ ہی ناشتا بنا کر دیتیں۔ناشتے کے بعد ندا ٹی وی دیکھتی رہتی یا کبھی، کبھی شکیلہ کے پاس بھی بیٹھ جاتی تھی۔شکیلہ لنچ کی تیاری کر رہی ہوتیں اور ندا ٹی وی دیکھتی رہتی۔شکیلہ کو دکھ ہوتا تھا کہ ندا کو ان کے بڑھاپے کا احساس نہیں اور نہ ہی وہ یہ جانتی تھی کہ اس گھر کی بہو ہونے کے ناتے اس کی کیا ذمے داریاں ہیں۔شکیلہ اسے کیا سمجھاتیں جب اسے خود کوئی احساس نہیں تھا۔وہ اپنے گھر میں کوئی... بدمزگی نہیں چاہتی تھیں۔روک ٹوک سے گھر کی فضا میں ایک بوجھل پن پیدا ہو جاتا ہے جو گھر کے ہر فرد کے اعصاب کو کشیدہ رکھتا ہے، وہ زمانہ شناس عورت تھیں۔ زندگی کی تلخیاں' نرمیاں جھیلے بیٹھی تھیں۔کبھی بیٹے کو پریشان نہیں کرتی تھیں۔شکیلہ کا لاکھ دل کرتا کہ وہ بہو کو سمجھائیں کہ یہ گھر اسی کا ہی ہے وہ اپنی ذمے داریاں پہچانے اور انہیں خوش اسلوبی سے نبھائے مگر ان کی اسے کہنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی مبادا وہ اسے تنبیہہ کریں اور ندا ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دے یا بدتمیزی کرے تو ان کی کیا عزت رہ جائے گی ایسی باتیں سوچ کر وہ چپکی رہ جاتیں۔ویسے بھی ندا کا رویہ اتنا لیے دیے والا ہوتا کہ شکیلہ اپنے خول میں سمٹ کر رہ جاتیں۔

☆☆☆

احمر نے گاڑی گھر کے باہر ہی کھڑی کر دی تھی۔وہ کھانے والے شاپرز اٹھائے گھر میں داخل ہوا تھا۔گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔وہ ٹھٹکا۔روز وہ بیل دیتا تھا تو شکیلہ بیگم دروازہ کھولنے آیا کرتی تھیں اور آج دروازہ بند ہی نہیں تھا۔جیسے وہ چھوڑ گیا ویسا ہی تھا۔

احمر کچن میں آیا۔کھانے کے شاپرز سلیپ پر رکھے۔ایک بلی تیزی سے کچن سے بھاگ کر باہر نکلی۔احمر نے حیرت سے دیکھا چولھے کے پاس نہ جانے کب کا دودھ رکھا ہوا تھا۔جسے کچھ بلی نے پی لیا تھا اور کچھ گرا دیا تھا۔چولھے پر چائے کا ساس پین بھی الٹا پڑا تھا' یہ بھی کارنامہ بلی کا ہی تھا۔ایسے پھوہڑ پن کا مظاہرہ اپنی زندگی میں احمر نے اپنے گھر میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔غصے کی ایک لہر اس کے اندر سے اٹھی اعصاب تن سے گئے۔احمر تنتناتا ہوا کچن سے نکلا اور ندا کی تلاش میں بیڈروم میں چلا گیا وہاں کے منظر نے احمر کو اور غصہ دلایا تھا۔ٹی وی فل والیوم میں چل رہا تھا اور ندا بے خبر سو رہی تھی۔اور اس کے پاس ہی بیڈ پر چائے کا کپ اوندھا پڑا تھا احمر کو جی بھر کر کراہیت آئی تھی۔اس نے جلے دل کے ساتھ ٹی وی بند کیا۔کپ وہاں سے اٹھایا اور سوتی ہوئی ندا کو تاسف سے دیکھا۔اس کی نفاست پسند طبیعت پر یہ سب بہت گراں گزرا۔احمر کو شدید رنج کا جھٹکا لگا تھا ایسی ابتر حالات گھر میں دیکھنے کا وہ عادی نہیں تھا۔احمر ماں کو آوازیں دیتا ان کے کمرے میں گیا تو وہ بخار میں بری طرح پھنک رہی تھیں۔احمر کے اندر ایک گہرا ملال اترتا چلا گیا اور صحیح معنوں میں آج پہلی بار اسے ندا کی بے پروائی اور بے حسی نے دکھی کیا تھا۔وہ تیز، تیز سانسیں لیتا عجلت میں ڈاکٹر کو فون کر رہا تھا۔اس کی آتی جاتی ہر سانس میں دھواں سا بھر رہا تھا۔اس کی ماں اتنی بری حالت میں بے یارومددگار پڑی ہوئی تھی اور ندا......وہ جی بھر کر بد دل ہوا تھا۔

☆☆☆

احمر ماں کی پٹی سے لگ کر بیٹھا تھا۔دوائی کھا کے وہ سو رہی تھیں۔ندا بھی وہیں تھی مگر احمر اس سے بات نہیں کر رہا تھا، احمر کا منہ پھولا ہوا تھا۔اور وہ ندا کو جب بھی دیکھتا، اس کی نگاہوں میں ایک شعلہ سا لپکتا جس میں شکوہ تھا، دکھ تھا، خفگی تھی، خاموش گلہ تھا۔ندا نے احمر کا کب ایسا روپ دیکھا تھا وہ تو کبھی ناراض ہی نہیں ہوتا تھا' ہر وقت ندا پر نثار رہتا ہر لمحہ محبتیں نچھاور کرتا رہتا اور اب کتنا بے مہر

سا ہو گیا تھا احمر کا اتنا سرد رویہ ندا سے سہا نہیں جا رہا تھا۔ احمر، ندا کے لبوں سے نکلی بات کو حرفِ آخر کی طرح اہمیت دیتا تھا وہ کڑی دوپہروں میں ندا کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے گھنٹوں کھڑا رہتا اور اب اس سے کتنا اجنبی لگ رہا تھا۔ ندا نے شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا مگر وہ اسے دیکھ ہی کب رہا تھا۔ ندا کا دل دکھ سے بھرنے لگا وہ اپنے ہونٹ کچلتے ہوئے اٹھی اور ڈبڈبائی آنکھوں سے امڈتے آنسو لیے بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں جا کر اوندھے منہ لیٹ گئی اور چھکوں پھکوں رونے لگی، اس کی سسکیاں کمرے میں ارتعاش برپا کر رہی تھیں۔ کچھ دیر وہ ایسے ہی روتی رہی۔ اسے بہت غصہ آ رہا تھا جب وہ رو، رو کے تھک گئی تو بیڈ پر پڑا اپنا سیل اٹھا کر اپنی امی کا نمبر ملانے لگی۔ اسی اثنا میں گیراج سے گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔ احمر اپنی امی کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جا رہا تھا، ندا نے ناک سکوڑی۔ میری بلا سے۔

''السلام علیکم امی۔'' کہتے ہی وہ زار، زار رونے لگی۔ دوسری طرف زینت کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔

''کیا ہوا ہے، رو کیوں رہی ہو بیٹی۔'' زینت بوکھلا گئیں۔

''یہ پوچھیں کیا نہیں ہوا۔'' ندا ایسے چلانے لگی جیسے اس گھر میں اس پر کسی نے بہت مظالم ڈھائے ہوں۔

''ارے بیٹا چپ ہو جاؤ اور اطمینان سے مجھے بتاؤ کہ ہوا کیا ہے، میرا دل ہول رہا ہے۔'' زینب دہل گئی تھیں اللہ خیر کرے ایسا کیا ہو گیا۔

''امی وہ احمر جو اتنا چاہنے والا بنا پھرتا تھا، اب بدل گیا ہے میری طرف دیکھ بھی نہیں رہا، مجھ سے... برداشت نہیں ہو رہا۔'' ندا نے سسکیوں کے دوران کہا تھا، اس کی ہچکیاں بلند ہو رہی تھیں۔ زینب کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا اول فول بول رہی تھی۔

''میرے کچھ پلے نہیں پڑ رہا بچے۔ اچھا یہ بتاؤ شکیلہ باجی کہاں ہیں۔'' زینب کو کچھ نہیں سوجھا تو یہ کہہ دیا۔

''وہی تو ہیں فساد کی جڑ...... ذرا سا بخار کیا ہوا چارپائی ہی پکڑ کر لیٹ گئیں اور احمر ماں کی پٹی سے لگا بیٹھا ہے۔ چونچلے ہی ختم نہیں ہو رہے۔'' ندا اپنے دل کی بھڑاس نکال رہی تھی اور دوسری جانب زینب ورطۂ حیرت میں ڈوبی سوچ رہی تھیں کہ یہ ندا بول رہی ہے۔

''شرم کرو ندا۔ کوئی اپنے بڑوں کے لیے ایسی زبان استعمال کرتا ہے اور تمہیں اس وقت شکیلہ باجی کی تیمارداری کے لیے ان کے پاس ہونا چاہیے تھا اور تم فون پر بیکار کی ہانک رہی ہو۔ بہت افسوس ہوا مجھے تم پر۔ فون بند کرو اور ان کے پاس جاؤ، اپنی احمقانہ حرکتیں چھوڑ دو۔ اب تم ایک کھلنڈری لڑکی نہیں ہو شادی شدہ ہو خود کی ذمے داری پہچانو۔ جاؤ ان کے پاس اور اپنے ہونے کا ثبوت دو بیٹا۔ اپنے ساتھ رہنے والوں کو اپنے وجود کا احساس اپنی محبت سے دلانا پڑتا ہے، بند کرو فون.... بے وقوف۔ میں ابھی آتی ہوں شکیلہ باجی کی خیریت معلوم کرنے کے لیے۔'' زینب نے کھڑاک سے فون بند کر دیا اور ندا سیل کو گھورتے ہوئے ایک بار پھر سے رو دی۔ اس کی ماں نے اس کی ہاں میں ہاں نہیں ملائی تھی ندا کی اپنی ماں بھی اس کی بات نہیں سن رہی تھیں۔ وہ سلجھی ہوئی خاتون ہونے کے ناتے رشتوں کی نزاکتوں کو سمجھتی تھیں۔ اس لیے انہوں نے ندا کو ڈپٹ کر رکھ دیا تھا۔ اکثر مائیں اپنی بیٹیوں کا گھر خود اجاڑا کرتی ہیں، اپنی بیٹی کو... سرزنش کرنے کے بجائے اس کی ہر اوٹ پٹانگ اور غلط بات میں اس کا ساتھ دینا بھلا یہ کہاں کی دانشمندی ہے یہ سب کم از کم زینب تو نہیں کر سکتی تھیں۔

☆☆☆

زینب اور ان کا بیٹا حسن شکیلہ کی تیمارداری کے لیے آئے تھے۔ شکیلہ اتنی وضع دار خاتون تھیں کہ وہ اتنی خراب طبیعت میں بھی ان دونوں سے بہت اچھے سے ملیں البتہ احمر کا موڈ کچھ بگڑا سا تھا۔ زینب جھینپ سی گئیں انہیں شرمندگی ہو رہی تھی۔ ندا نے چائے بنائی تھی وہ دونوں کچھ دیر بیٹھے رہے پھر اجازت لے کر جانے لگے تو ندا ان کو دروازے تک چھوڑنے آئی حسن گاڑی میں جا بیٹھے تبھی زینب نے شکوہ بھری نگاہوں سے ندا کو دیکھا ان کی نگاہ بڑی کاٹ دار تھی ندا بے ساختہ نظریں چرانے لگی۔

''گھر کے بزرگ روشنی ہوتے ہیں بیٹا ان چراغوں کو

بجھنے سے بچالینا ہی دانشمندی ہے ورنہ گھر ہی نہیں دل بھی ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے اندھیروں میں ڈوب جاتے ہیں۔ گھپ اندھیروں میں بزرگ منوں مٹی تلے جا سوتے ہیں، گھر ویران رہ جاتے ہیں، دعا جو ایک ڈھال ہوتی ہے گھر کے بزرگ بے لوث دعائیں دیتے ہیں، بچے خود کو اس دعا سے محروم نہ کرو، اس سچائی کو سمجھو ابھی وقت تمہارے ہاتھ میں ہے شکیلہ باجی کا خیال رکھو ہم تو بجھتے ہوئے چراغ ہیں کب آنکھ بند ہوئی کب گھر سے باہر۔ پھر جو دل کرے کرنا۔'' زینب کا چہرہ ستا ہوا تھا وہ کسی گہری سوچ میں تھیں اداس و دلگرفتہ۔ ٹوٹی سی چال چلتی گاڑی میں بیٹھیں اور عجیب سی خالی، خالی نظروں سے ندا کو دیکھا اور اُسے ہاتھ چہرے پر رکھ لیے۔ گاڑی چلی گئی اور ندا وہیں تادیر کھڑی رہی۔ خالی الذہنی کی کیفیت تھی اور ندا کا رنگ فق تھا۔ کچھ لمحے وہ شرمساری تھی۔

☆☆☆

شکیلہ کی طرح ہی زینب بھی ایک بیوہ عورت تھیں حسن اور ندا ان کے دو ہی بچے تھے مالی حالات زیادہ اچھے نہیں تھے۔ زینب لوگوں کے کپڑے سلائی کیا کرتی تھیں کچھ شوہر کی پنشن کا آسرا تھا گزر بسر بہ مشکل ہوتی تھی۔ وہ بہت خوددار اور نیک دل عورت تھیں دو بچوں کے ساتھ بوڑھی ساس کی خدمت بھی دل و جان سے کی۔ ندا ابھی پڑھائی سے فارغ ہی ہوئی تھی کہ شکیلہ اپنے اکلوتے خوبرو بیٹے احمر کا رشتہ لے کر آ گئیں، احمر محلے کا لڑکا تھا دیکھا بھالا نیک، کماؤ، حسن اور احمر کی مشقت کا سفر ساتھ، ساتھ تھا رشتہ ہر لحاظ سے اچھا تھا اس لیے فوراً قبول کرلیا گیا۔ شکیلہ بھی بہت اچھی عورت تھیں معاملہ فہم، صابر، سمجھدار اور دانشمند اتنی کہ جہیز لینے سے انکار کر دیا یعنی درپردہ زینب اور حسن کی عزت رکھ لی۔ ان کا بھرم رہ گیا ورنہ ان میں اتنی مالی سکت تھی بھی نہیں کہ وہ زمانے کے بدلتے رجحانات کے مطابق جہیز دے سکتے۔ شکیلہ نے خود کمرے میں فرنیچر خرید کر رکھا تھا۔ زینب نے بیٹی تین کپڑوں میں رخصت کر دی تھی اور ندا اتنی کم عقل اور خوش فہم...... یہ سمجھے بیٹھی تھی کہ وہ چاہی گئی ہے تو ہمیشہ چاہی ہی جائے گی۔ اسے کوئی محنت مشقت کرنے کی قطعی ضرورت نہیں۔ مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ مرد چاہے جتنا بھی جاں نثار کرنے والا ہو، اپنی ماں سے زیادہ بیوی سے محبت کبھی نہیں کر سکتا اور ماں بھی شکیلہ جیسی بے ضرر اور محنتی۔ زینب قدر دان تھیں وہ شکیلہ کی اچھی عادات کو جانتی تھیں اس لیے ان دونوں ماں بیٹے کی دل سے عزت بھی کرتی تھیں۔ شادی کے چھ ماہ تک شکیلہ گھر کی ساری ذمے داریاں نبھاتی رہیں اور ندا محبت، محبت کھیلتی رہی۔ احمر دبے، دبے لفظوں میں ندا کو کہتا رہتا تھا کہ امی کا ہاتھ بٹایا کرو مگر وہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتی اس نے اپنی پسند کی روش ہی اپنائی ہوئی تھی۔

وہ خود کو کوئی شہزادی سمجھ رہی تھی۔ نادان یہ نہیں جانتی تھی کہ محبت پالینا کمال کی بات نہیں ہے، اس محبت کو سنبھال کر رکھنا عقلمندی ہے۔ رشتوں کو پوری ایمانداری کے ساتھ احساس کی لڑی میں پرو کر رکھنا پڑتا ہے، اپنے خلوص سے، اپنے رویے سے تمام رشتوں کو اس لڑی میں پھولوں کے مانند پرو کر سینت، سینت کر رکھنا پڑتا ہے مگر ندا اپنے نام کی ہی ایک بے پروا تھی جسے سمجھ ہی نہیں آتی تھی۔

☆☆☆

شکیلہ کی طبیعت بہتر تھی، وہ حسب معمول ناشتا بنا رہی تھیں۔ احمر نے سیل پر الارم سیٹ کیا ہوا تھا جیسے ہی الارم بجا احمر جلدی سے اٹھا اس کی نظر ندا پر رکی۔ ندا حسب عادت بے خبر سو رہی تھی، احمر کو بہت غصہ آیا تھا۔

''ندا اٹھو اور کچن میں جاؤ۔'' احمر نے سختی سے اسے بلایا ندا نے ذرا کی ذرا آنکھیں کھولیں۔ مندی، مندی آنکھوں سے احمر کو دیکھا۔

''آنٹی بنا رہی ہوں گی ناشتا۔'' اس نے کہا اور کروٹ بدل گئی۔ احمر کے اندر اشتعال کی ایک لہر اٹھی اور اس نے اسے سلگا کر رکھ دیا۔

''تم جانتی ہو امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور ویسے بھی میں اور یہ گھر اب تمہاری ذمے داری ہے ندا۔'' احمر باوجود کوشش کے اپنے لہجے کو تلخ ہونے سے نہیں روک پایا۔ ندا نے سر گھما کر حیرت سے احمر کو دیکھا۔ وہ

دیارِ کعبہ میں حاضری

جس سمت نظر اٹھے بس تو نظر آتا ہے
کعبہ نظر آتا ہے، جلوہ نظر آتا ہے
پُر کیف نظاروں کو محسوس میں کرتی ہوں
آنکھیں ہیں کھلی لیکن سپنا نظر آتا ہے
ہے ہوش کہاں مجھ کو دربار میں آئی ہوں
اب جلوۂ جاناناں ہر جا نظر آتا ہے

از: فریدہ افتخار، اسلام آباد

ان کا حق

کہتے ہیں کہ جنم دینے والی ماں سے زیادہ حق پالنے والی ماں کا ہوتا ہے بالکل صحیح بات ہے کیونکہ شادی کے بعد ساس صاحبہ کو بھی پالنا پڑتا ہے۔ اس لیے ان کا حق زیادہ ہوا ناں......!

مرسلہ: نرگس نسیم، صابہ موہڑہ

ایسے تو کبھی بات نہیں کیا کرتا تھا۔

''احمر مجھ سے صبح صبح نہیں اٹھا جاتا، مجھے عادت نہیں ہے۔'' ندا نے اپنے تئیں شاید اسے جتلایا تھا۔

''شادی کے بعد اپنی عادتیں لڑکیوں کو بدلنا پڑتی ہیں ورنہ......''

''ورنہ کیا......؟'' ندا جھٹکے سے اٹھ بیٹھی، اس کی آنکھوں سے غصے کی تپش احمر کے چہرے کو چھونے لگی مگر احمر نے چنداں پروا نہیں کی۔

''میرے لیے ناشتا تمہیں خود بنانا ہوگا، میں اپنی ماں کو اس عمر میں کچن میں کام کرتا نہیں دیکھ سکتا، سنا تم نے۔'' احمر نے دانت کچکچائے۔

''مجھ سے نہیں ہوتے یہ گھر کے کام...... ملازمہ رکھ لو۔'' ندا کی آواز بہت اونچی تھی۔

''اپنی آواز نیچی کرو۔'' واش روم کی طرف جاتے، جاتے وہ پلٹ کر اس کے پاس آیا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو خونخوار نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

''کیوں نہ بولوں۔ تم نے ہی مجھے پسند کیا تھا اور بڑے محبت کے دعوے دار تھے اتنی جلدی بدل گئے۔'' ندا کمبل پرے دھکیلتی بیڈ سے اتر کے احمر کے روبرو کھڑی ہوگئی اور اسے جتاتی ہوئی گھور رہی تھی۔

''میں نہیں بدلا نہ ہی کبھی بدلوں گا ندا، تم اس بات کو سمجھو کہ اس گھر میں اور میرے دل میں تمہاری کیا حیثیت ہے......''

''مجھے نوکرانی بنا کے رکھنا چاہتے ہو۔ یہ ہے تمہاری محبت......؟'' ندا سلگی۔

''گھر کی صفائی کے لیے ملازمہ آتی ہے، اب میں نے ...کپڑوں اور برتن دھونے کے لیے بھی ملازمہ رکھ لی ہے ایسا کون سا کام ہے جو تم کرتی ہو اور اس میں ملازمہ والی کیا بات ہے۔ تم میری بیوی ہو اور میرا دل کرتا ہے کہ جب میں آفس جاؤں تو تم مجھے تیار ہونے میں مدد دو، میرے لیے ناشتا بناؤ مجھے گیٹ تک چھوڑنے جاؤ، کیا یہ خواہش میرا حق نہیں ہے ندا۔'' احمر نے اپنا لہجہ کنٹرول کر کے نرمی سے کہا۔

''میں نہیں کر سکتی یہ سب۔'' ندا نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''کیا تمہیں میری خوشی کا کوئی خیال نہیں۔ یہ میری خوشی ہے۔'' احمر کی بات پر ندا چپ سی ہوگئی۔

''کل سے میرے لیے ناشتا تم بناؤ گی امی نہیں۔ ان کو اب آرام کی ضرورت ہے۔ یہ تمہارا گھر ہے اب تم سنبھالو۔'' احمر کہتا ہوا تیار ہونے چل دیا ندا نے تنفر سے اسے جاتا دیکھا اُسے احمر کا دھونس جمانا بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔ وہ برے، برے منہ بناتی کمرے میں چکر کاٹتی رہی اس کا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا۔ احمر تیار ہو کر گھر سے باہر جا چکا تھا۔ کچھ دیر کڑھنے کے بعد ندا دوبارہ سونے کے لیے لیٹ گئی، وہ کروٹ پہ کروٹ بدلتی رہی مگر اسے نیند نہیں آئی تو وہ کمبل پرے دھکیلتی بیڈ سے اتری اور کمرے سے باہر آگئی۔ صبح صبح اٹھنے اور اس بدمزگی کی وجہ سے اس کے سر میں درد ہونے لگا۔ شکیلہ سامنے ہی تخت پر بیٹھی تھیں ندا کا انہیں دیکھ کر حلق تک کڑوا ہو گیا جبکہ وہ ندا کو دیکھ کر مسکرائی تھیں۔ احمر جا چکا تھا۔

''ناشتا بنا دوں بیٹا؟''

"آپ مجھ سے اتنی محبت کیوں جتاتی ہیں؟" ندا نے کڑے تیوروں سے ان سے پوچھا تو وہ سٹپٹا گئیں اور ان کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو بیٹا، تم بیٹی ہو میری۔" وہ لجاجت سے کہہ رہی تھیں کہ ندا نے ان کی بات کاٹ دی شکیلہ جہاں کی تہاں رہ گئیں۔

"ایک بات تو بتائیں آنٹی، کیا میں شکل سے آپ کو اتنی بدھو دکھائی دیتی ہوں۔" ندا کی ناک غصے سے پھول رہی تھی اس نے اپنے لب بھینچ کر اپنی آنکھیں شکیلہ پر گویا گاڑ دی تھیں انہوں نے نافہمی سے الجھ کر ندا کو دیکھا۔

"احمر کو میرے خلاف بھڑکاتی ہیں اور خود میرے سامنے معصوم بن جاتی ہیں اور شو ایسے کرتی ہیں جیسے آپ مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں۔" ندا نے جھجک اور شرم کو بالائے طاق رکھ کر کہا تو شکیلہ کا منہ کھل گیا وہ ندا کو دیکھے جا رہی تھیں اور جیسے ہی انہوں نے کچھ کہنا چاہا ندا ہاتھ کے اشارے سے منع کر کے پاؤں پٹختے ہوئے دوبارہ کمرے میں چلی گئی وہ آنسو بھری آنکھوں سے اپنی اکلوتی بہو کو جاتا دیکھتی رہتیں، ان کو ندا سے اس بدتمیزی کی توقع بالکل نہ تھی۔ احمر ان کی عمر بھر کی پونجی تھا اور وہ ندا کو بہت چاؤ سے بیاہ کر لائی تھی۔ ان کو دونوں کی خوشی عزیز تھی اور ندا کیا کہہ کر گئی تھی۔ شکیلہ کی حیرت دکھ اور صدمے میں بدلی تو وہ وہیں بیٹھی روتی رہیں، رونے کی وجہ سے اور ٹینشن لینے کی وجہ سے ان کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ اندر کمرے میں ندا ٹی وی لگائے بیٹھی تھی ٹی وی کی آواز بہت تیز تھی۔ شکیلہ کا درد بڑھتا جا رہا تھا، انہوں نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام رکھا تھا انہیں اپنا سر گھومتا ہوا سا محسوس ہونے لگا، دل میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں، انہیں سانس لینی دوبھر ہو رہی تھی انہوں نے اپنی دھندلی ہوتی آنکھوں سے ندا کو گھر سے باہر جاتے دیکھا تھا شکیلہ نے اسے آواز دینا چاہی مگر ان کی آواز گلے میں ہی دب کر رہ گئی۔ ندا نے شکیلہ کو دونوں ہاتھوں سے سر تھامے روتے دیکھا اس نے سر کو حقارت سے جھٹکا۔

"ہونہہ ڈرامے بازی!" کہتی وہ باہر نکل گئی۔

ندا محلے میں کسی کے گھر گئی تھی تھوڑی دیر وہ وہاں بیٹھی گپیں مارتی رہی جب واپس آئی تو اس نے شکیلہ کو دیکھا وہ صحن میں گری پڑی تھیں ندا کو کچھ غیر معمولی پن کا احساس ہوا وہ لپک کر گئی، وہ بے ہوش تھیں۔ ندا ایک لمحے کے لیے ڈر گئی اسے بہت شرمندگی ہوئی تھی وہ جلدی سے احمر کو فون کرنے لگی۔ شکیلہ بے ہوش تھیں ندا ان کا سر سہلا رہی تھی جب احمر گھر آیا۔ وہ دونوں انہیں اسپتال لے کر گئے تھے ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ شکیلہ نے کوئی ٹینشن لی ہے جس کی وجہ سے ان کا بلڈ پریشر شوٹ کر گیا تھا ڈاکٹر شکیلہ کا بی پی نارمل کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے انہیں ایڈمٹ کر لیا گیا تھا۔ احمر پاگل ہوا پھر رہا تھا۔ کافی گھنٹے بعد وہ مکمل ہوش میں آئی تھیں۔ انہیں دو دن اسپتال میں رکھا گیا تھا مگر سارا وقت وہ ٹکر ٹکر احمر اور ندا کو دیکھتی رہتیں، منہ سے کچھ نہ بولتیں۔ ندا بھی سر جھکائے رہتی۔ احمر شدید پریشان تھا ماں اگرچہ گھر آ گئی تھیں مگر وہ خاموش تھیں۔ احمر اپنی سوچوں میں غلطاں رہتا کہاں اس سے غلطی ہوئی۔

☆☆☆

شکیلہ نے اسے ماں باپ بن کر پالا تھا۔ کس مشقت سے زندگی گزاری اور اب ندا نے اس کی ماں کے ساتھ اچھا نہیں کیا تھا۔

احمر یہی باتیں سوچ سوچ کر سلگ رہا تھا۔ ندا اس کا انتخاب تھی اور اسے پچھتاوؤں نے آن گھیرا تھا وہ اچھی بیوی اور بہو ثابت نہیں ہوئی تھی احمر کو اس نے جی بھر کے مایوس کیا تھا۔ وہ شوہر کی دیکھ بھال کیا کرتی وہ تو اس کی ماں کا بھی خیال نہیں رکھ سکی تھی بجائے یہ کہ وہ گھر کی اور گھر میں رہنے والوں کی دیکھ بھال کرتی ندا نے تو الٹا اپنا بوجھ بھی ان پر ڈال دیا تھا۔ احمر بری طرح بددل ہوا تھا۔

احمر کے سر میں درد ہو رہا تھا وہ اپنے لیے چائے بنانے کے لیے کچن میں گیا۔ کچن کے ساتھ ہی ان کا بیڈ روم تھا ندا کے سیل پر کال آ رہی تھی۔ اتنی رات گئے کس کی کال آ گئی بیل مسلسل ہو رہی تھی مگر ندا کال ریسیو ہی نہیں کر رہی تھی احمر کو کوفت ہو رہی تھی، وہ اپنا چائے کا کپ وہیں چھوڑ کر اپنے بیڈ روم میں آیا ندا بے سدھ سو رہی

تھی۔ احمر کو اس کی اس بے خبری پر تاؤ آیا اور وہ کلس کر رہ گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر فون اٹھایا ندا کی یونیورسٹی کی دوست فارحہ کی کال تھی احمر نے ریسیو کی وہ اسے بتانا چاہ رہا تھا کہ وہ سو رہی ہے۔ مگر وہ ہی بولے چلی گئی۔

''ندا تم میسیجز کا جواب کیوں نہیں دے رہی ہو کہیں تمہاری ساس مر مرا تو نہیں گئیں، اچھا ہے یار مر ہی جائیں تو جان چھوٹے۔ احمر تو تمہارا دیوانہ ہے ہی۔ عیش کرنا پھر۔'' وہ اپنی رو میں کہتی چلی گئی احمر کی غصے سے بری حالت تھی اس کی سانس بگڑ گئی تنفس معتدل نہیں رہا۔

''شٹ اپ، جسٹ شٹ اپ۔'' وہ دھاڑا دوسری طرف سے فون بند ہو گیا۔ احمر سیل ہاتھ میں لیے ندا کو دکھ سے دیکھتا رہا ندا وائس میسیجز کرتے، کرتے سو گئی تھی احمر جیسے، جیسے سارے میسیجز سنتا گیا اس کے پیروں تلے سے زمین نکلتی گئی۔ اس نے سوتی ہوئی ندا کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور پوری طاقت سے اس کے چہرے پر ایک تھپڑ رسید کیا تھا ندا کے پھول سے چہرے پر نشان ابھر آیا وہ ساکت سی آنکھیں پھاڑے احمر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو اور چہرے پر حزن وملال چھا گیا۔

''اٹھو ابھی میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ کر آتا ہوں۔'' وہ ابھی ایک دکھ کی شدت میں تھی۔ احمر نے دوسرا جھٹکا دے ڈالا۔

''تم نے مجھے تھپڑ مارا احمر۔'' ندا کی آواز پھٹ، پھٹ کے نکلی۔

''میرا دل کر رہا ہے ندا کہ تمہیں جان سے ہی مار دوں، تم نے میری امی سے بدتمیزی کی اور ان کو اس حالت میں پہنچایا اور اپنا کارنامہ اپنی دوست کو ہنس، ہنس کر بتا رہی ہو۔ شیم آن یو ندا۔ تمہیں میرے دل کا ذرا بھی خیال ہوتا تو تم ایسا کبھی نہیں کرتیں میں اب تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا، چلی جاؤ یہاں سے ابھی اور اسی وقت۔'' احمر نے ندا کو بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا وہ کوئی اپنی صفائی دینے کے قابل ہی نہیں رہی تھی وہ مضحکہ خیز وائس میسیجز فارحہ سے کر رہی تھی، اسے اپنی کارکردگی بتا رہی تھی وہ دونوں شکیلہ کا مذاق اڑا رہی تھیں رشتوں کا تقدس پامال کر رہی تھیں نہ جانے کب ندا کی آنکھ لگ گئی اور اسے میسیجز ڈیلیٹ کرنا یاد نہیں رہا اور وہ پکڑی گئی۔

''اٹھو۔'' وہ جو ندا کی پلکوں پر نمی تک نہیں دیکھ پاتا تھا آج کیسے وہ بلک، بلک کر رو رہی تھی اور احمر کو کوئی پروا نہیں تھی وہ گاڑی میں اسے زبردستی بٹھا کر لے گیا تھا وہ روتی رہی۔ کچھ دور ہی اس کی امی کے گھر کے سامنے گاڑی روک کر احمر نے ندا کی امی کو باہر بلوا کر سارے میسیجز سنوائے اور ندا کو گاڑی سے اتر جانے کا اشارہ کیا۔ زینب سہم کر رہ گئیں وہ اسی دن سے ڈرتی تھیں۔

''آنٹی اب میں ندا کو اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتا کیونکہ اسے دلوں میں رہنے کا ہنر نہیں آتا۔ میں اپنی ماں کے لیے ندا جیسی ہزار بیویاں چھوڑ سکتا ہوں کاش ندا ماسٹر ڈگری ہولڈر نہ ہوتی، کاش ندا خوب صورت نہ ہوتی مگر ایک خوب صورت دل ضرور رکھتی ہوتی احساس سے بھرا دل جو اپنے تو کیا غیروں کے دکھ پر بھی تڑپ اٹھے ایسا دل جو جھکنا جانتا ہوتا، جو رشتوں کی قدر و قیمت کو جانتا سمجھتا اور مانتا ہوتا کاش آنٹی میں نے ندا سے شادی نہ کی ہوتی کاش......'' وہ بے بسی سے رو دیا۔ احمر واپس چلا گیا تھا زینب نے روتی ہوئی ندا کو دیکھا دنیا بیوقوفوں سے بھری ہوئی ہے جو اپنے اعمال ٹھیک کیے بغیر جنت کے خواب دیکھتے ہیں۔ زینب گھر کے اندر گئیں تو ندا بھی ٹوٹی پھوٹی چال چلتی ماں کے پیچھے چل پڑی اب کچھ اچھا نہیں ہونے والا تھا یہ ندا جان گئی تھی۔

☆☆☆

ندا ساری رات روتی رہی، کبھی وہ شرمندہ ہوتی کبھی اسے وہ تھپڑ یاد آتا جو احمر نے اسے مارا تھا۔ وہ پچھتاوؤں میں گھر گئی کاش کہ وہ باتیں احمر نہ جانتا۔ وہ ساری رات جلتے کڑھتے جانے کب سوئی تھی۔ پتا نہیں کون سا وقت تھا جب ندا کی آنکھ کھلی تھی وہ اٹھ بیٹھی وہ اپنے بیڈ پر نہیں تھی اس نے اپنے بال اکٹھے کر کے کچر میں کیے اسے سب یاد آتا گیا کہ رات کو کیا ہوا تھا ندا چارپائی پر بیٹھی دونوں ہاتھوں میں سر تھامے بیٹھی رہی۔

''نماز کا ٹائم ہو گیا ہے بیٹا حسن۔'' زینب کی آواز

ندا کے کانوں میں آئی۔

''امی جی میں وضو کر رہا ہوں۔'' یہ آواز حسن بھائی کی تھی۔

''جویریہ کیا کر رہی ہو؟'' حسن بھائی نے جویریہ بھابی سے پوچھا تھا۔

''میں دادو کے لیے چائے بنا رہی ہوں' چائے بنا کے نماز پڑھتی ہوں آپ اسامہ اور حذیفہ کو بھی اپنے ساتھ مسجد لے کر جایئے گا نماز کے لیے۔'' جویریہ بھابی نے کہا تھا چھوٹے سے گھر میں آوازیں گونج رہی تھیں اور ندا چور سی بنی کمرے میں دبکی بیٹھی تھی۔ وہ اچانک سب کے سامنے کیسے جائے گی۔ امی کیسے بتائیں گی۔ ندا یہی باتیں سوچ رہی تھی۔ آج اس نے بہت مہینوں بعد نماز پڑھی تھی بھابی، بچے، بھائی اور دادو سب ندا کو پہلے جیسی گرم جوشی سے ملے کسی نے اسے کچھ بھی محسوس نہیں ہونے دیا مگر ندا نے کچھ ہی دنوں میں اندازہ لگا لیا کہ جویریہ بھابی گھر کو کتنے اچھے سے سنبھالتی ہیں نہ صرف امی کی عزت کرتی ہیں۔ ان کا خیال رکھتی ہیں بلکہ دادو کی بھی بہت دیکھ بھال کرتی ہیں۔ اپنے بچوں کو بڑوں کی عزت کرنا سکھا رہی ہیں ندا کو بہت شرم آئی وہ اب روتی تھی اسے ندامت ہوتی جب وہ عام سے سستے سے سوٹ میں بھابی کو خوش دیکھتی۔ بھابی صبح سب سے پہلے اٹھتی تھیں اور سب سے بعد میں سوتی تھیں سب کا بہت خیال رکھتیں۔ گھر کا سارا کام خود کرتیں اور قناعت پسند اتنی کہ ہر حال میں خوش اور مگن رہتی تھیں اور اسامہ اور حذیفہ کتنے تابعدار بچے تھے۔ بزرگوں کے زیر سایہ پل رہے تھے دادو کے ساتھ لیٹتے تو دادو بچوں کو کلمے پڑھایا کرتیں۔ اچھی، اچھی باتیں بتاتیں۔ حسن بھائی آتے تو سیدھا دادو کے پاس جاتے اور ان کے ساتھ لیٹ جاتے وہ دو دو ماؤں کا پیار سمیٹ رہے تھے۔ حسن بھائی، امی اور دادو کے ساتھ ہی کھانا کھاتے تھے۔ جویریہ بھابی کے چہرے پر کیسی الوہی سی چمک تھی اور حسن بھائی' جویریہ بھابی سے کتنی محبت کرتے تھے۔ جویریہ، حسن کو اس کے سارے رشتوں سے جوڑ کر رکھتی تھی وہ عام سی شکل صورت کی مالک تھی کچھ خاص پڑھی لکھی بھی نہیں تھی مگر دلوں میں بسنے کا فن جانتی تھی کسی نے بھی ندا کو کچھ نہیں جتلایا تھا سب اسے ہاتھوں ہاتھ لے رہے تھے جیسے ہمیشہ لیا تھا مگر زینب اس کی طرف دیکھتی بھی نہیں تھیں۔

ندا نے ہمیشہ اچھا پہنا تھا اچھا کھایا تھا ماں اور بھائی نے اسے کبھی کوئی کمی نہیں ہونے دی تھی کالج کے بعد وہ یونیورسٹی چلی گئی تب بھی اس کو حسن نے کوئی کمی نہیں ہونے دی۔ ان کے مالی حالات کبھی اچھے نہیں رہے تھے۔ ندا یونیورسٹی سے فارغ ہوئی تو اس کی شادی ہوگئی اسے گھر گرہستی کا کچھ پتا نہیں تھا اس نے ہمیشہ لیا ہی لیا تھا کبھی بدلے میں کسی کو کچھ دیا نہیں تھا۔

☆☆☆

اس دن بھابی اور بھائی دادو کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گئے ہوئے تھے۔ ندا ماں کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ وہ سبزی بنا رہی تھیں۔

''امی مجھے معاف کر دیں، میرے دل پر بہت بوجھ ہے۔'' ندا پھوٹ، پھوٹ کر رو دی۔

''کیوں معاف کر دوں تمہیں...... میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔'' زینب نے منہ موڑ لیا۔

''آپ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی ہیں امی آپ تو مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں۔'' ندا نے بیچارگی سے کہا تو انہوں نے اسے گھور کر دیکھا۔

''جب تم اپنی ماں کی ساری زندگی کی محنت ایسے ضائع کر سکتی ہو تو میں ناراض ہونے کا حق بھی نہیں رکھتی کیا؟''

''امی مجھے معاف کر دیں۔''

''کیوں معاف کر دوں تمہیں۔ کبھی معاف نہیں کروں گی تم اتنی خود غرض کیسے ہو سکتی ہو ندا۔ میرا سر جھکا دیا مجھے شرمندہ کروا دیا، میری تربیت پر ایسے انگلی اٹھے گی میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔'' وہ اپنا چہرہ ڈھانپ کر رونے لگیں۔

''امی مت روئیں۔'' ندا نے ان کے ہاتھ چہرے سے ہٹانے چاہے زینب بپھر گئیں۔

''کیوں نہ روؤں میں، میں اتنی کم ظرف بیٹی کی ماں ہوں جو اپنی ساس کے لیے اپنے دل میں جگہ نہیں بنا سکی۔ مجھے بتاؤ تم نے کبھی بچپن سے آج تک دیکھا کبھی کہ میں نے تمہاری دادی کے ساتھ ایسا ناروا سلوک کیا ہو؟ میں نے ان کی ہمیشہ عزت کی' ان سے اللہ کی رضا کے لیے محبت کی، محبت کرنا پڑتی ہے یہ جو رشتوں کا جال ہوتا ہے ناں اس کی حفاظت عورت کو ہی کرنا ہوتی ہے۔ سب رشتوں کو اس محبت کے جال میں سمیٹ کر رکھنا قربانیاں دینا، صلہ رحمی کرنا اور بہت سی عورتیں تو ایسی بھی ہوتی ہیں جو ساری زندگی گھر بناتی رہتی ہیں، رشتے نبھاتی رہتی ہیں اور پھر بھی انہیں کوئی صلہ بھی نہیں ملتا تم تو خوش نصیب ہو کہ تمہیں اتنی اچھی ساس ملی مگر تم نے اس عورت کی قدر نہیں کی۔ تف ہے تم پر۔ کاش تم میری بیٹی نہ ہوتیں... سوچواب اکیلے میں بیٹھ کے...... بائیس سال تک تمہارا خیال رکھنے والی ماں نے بدلے میں تم سے کیا مانگا تھا جب تم رخصت ہو رہی تھیں تو میں نے کیا کہا تھا؟'' زینب کی رو، رو کے ہچکی بندھ گئی تھی ان کا انداز سوالیہ تھا۔

''امی آپ نے کہا تھا کہ ندا اپنی ماں کی تربیت کی لاج رکھنا اور اپنی تعلیم کی بھی عزت رکھنا۔''

''اور تم نے کیا، کیا ندا۔ ماں کو ایک خوشی بھی نہیں دے سکیں' تم اپنی ماں کا احساس نہیں کر پائیں تو اپنے شوہر کی ماں کا کیا خیال کرتیں...... کوئی لحاظ ہوتا ہے کوئی مروت ہوتی ہے ندا تم نے تو حد کر دی۔ پہلے اسکول پھر کالج، یونیورسٹی جاتی رہیں۔ تمہارے گیلے تولیے کون سمیٹتا تھا، تمہارا کمرا کون سیٹ کرتا تھا کوئی جن نہیں رہتا تھا گھر میں۔ وہ میں ہی تھی جو ہر گزرتے دن کے ساتھ اپنے بدن میں تھکن بھر رہی تھی شاید وہ میری ہی غلطی تھی کہ تم پر کوئی ذمے داری نہیں ڈالی خود ساری زندگی سستے کپڑے پہنے اور تمہیں فیشن کے مطابق پہنایا کہ تم اپنی دوستوں میں خود کو کم تر نہ سمجھو۔ تمہاری تعلیم پر اپنی اوقات سے بڑھ کر خرچ کیا۔ اس لیے کہ تم انسان اور انسانیت کو سمجھ سکو جینے کا شعور مل سکے۔ ساری عمر میں نے صرف تمہیں دیکھا' تمہیں چاہا اور تم سے ایک چیز ہی مانگی تھی، وہ بھی تم ماں کو نہیں دے پائیں۔ چلی جاؤ میرے سامنے سے ورنہ میں تمہارا گلہ دبا دوں گی۔'' زینب نے ندا کو دھکا دیا تھا۔

وہ روتی رہی زینب بھی روتی رہیں مگر نہ ان کا ملال کم ہوا نہ ہی ندا پر غصہ۔

☆☆☆

زینب، ندا کو اس کے گھر چھوڑنے گئی تھیں۔ انہوں نے جاتے ہی شکیلہ اور احمر کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے ندا نے بھی اپنی ساس کے پاؤں پکڑ کے معافی مانگی تھی، وہ دل سے شرمندہ تھی، احمر چپ تھا۔

''شکیلہ باجی مجھے معاف کر دیں، میرا سر شرم کے مارے آپ کے آگے جھکا ہوا ہے، ندا کا جرم بہت بڑا ہے مگر آپ اسے ایک موقع دیں تا کہ یہ خود کو سدھار سکے۔ ہر بار سسرال والوں پر ہی الزام رکھا جاتا ہے اور مائیں اپنی بیٹیوں کا ہی ساتھ دیتی ہیں جبکہ بہت ساری ندا جیسی لڑکیاں بھی ہوتی ہیں جو نئے گھر میں جا کر ان کے مطابق خود کو ڈھالنے کی کوشش نہیں کرتیں، اپنی ذمے داریوں کو خوش اسلوبی سے نبھانے کے بجائے بے پروائی برتتی ہیں اور اپنی عاقبت نا اندیشی کی بدولت اپنا گھر خراب کر لیتی ہیں میں مانتی ہوں ایسے سسرالی بھی ہوتے ہیں جو اپنی بہوؤں کا جینا محال کر دیتے ہیں مگر ندا خوش نصیب ہے کہ اسے آپ جیسی ساس ملی اور احمر جیسا سلجھا ہوا شوہر ملا۔''

''یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں زینب بہن۔ ندا نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا، آپ معافی کیوں مانگ رہی ہیں۔ مجھے احمر نے بتایا تھا کہ ندا کی طبیعت ٹھیک نہیں میں اس لیے اس کی امی کے پاس اسے چھوڑ آیا ہوں، میں نے کافی دفعہ کہا کہ مجھے اپنی بیٹی سے ملنا ہے، مجھے لے چلو مگر احمر کو کہتا رہا کہ ابھی تو میں مصروف ہوں۔''

شکیلہ کی بات پر زینب نے پہلے احمر پھر ندا کو دیکھا۔ ندا پر گھڑوں پانی پڑ گیا دونوں ماں بیٹا کتنے اچھے تھے۔ بیٹے نے ماں سے اور ماں نے بیٹے سے ندا کا پردہ رکھا ہوا تھا۔ ندا کا دل گریہ سے لرزنے لگا۔ وہ ایک بار پھر شکیلہ کی گود میں سر رکھ کر رو دی۔ ندا دل سے نادم تھی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



مکمل ناول

اشک، جگنو اور ستارے

عالیہ حرا



سعد بن رضا...... مشہور و معروف بزنس مین رضا گیلانی کا بیٹا میرے پاس مسلسل کیوں آرہا تھا۔ آج تیسری بار وہ مجھ سے ملنے آیا تھا۔ سعد کی شادی کو ایک ماہ ہوا تھا۔ میرے حساب سے تو اسے ہنی مون کے لیے کسی پُرفضا مقام پر کسی حسین لینڈ اسکیپ کا حصہ ہونا چاہیے تھا۔ شمالی علاقہ جات کے بجائے سوئٹزر لینڈ، آسٹریلیا یا پھر آئی لینڈ میں...... مگر...... اِک انگلی سے اپنی پیشانی کھجاتے ہوئے میں پُرسوچ بلکہ پُرتفکر انداز میں کمرے کے بند دروازے کو دیکھ رہا تھا۔ جہاں سے ابھی، ابھی سعد بن رضا...... رضا گیلانی کا ہونہار سپوت گیا تھا۔

''وہ میرے پاس کیوں آیا؟'' سعد سے تیسری ملاقات نے یہ سوچ میرے دماغ میں بھر دی...... رضا گیلانی سے میری اچھی دعا سلام تھی کتنی دفعہ انہیں باہمی مشاورت کی ضرورت پڑی، انہوں نے مجھے بلوالیا یا میرے کلینک چلے آئے...... مگر ان کا بیٹا...... وہ کیوں آرہا تھا؟ یہ ابھی واضح نہیں ہوا تھا۔ میں اپنی چیئر کو اِدھر اُدھر گھمانے لگا۔



سعد سے میری ملاقات رضا گیلانی کے آفس میں ہی ہوئی تھی۔ باپ کے تعارف کروانے پر بڑی خوش دلی سے پورا ہاتھ پھیلا کر گرمجوشی سے اس نے مصافحہ کیا تھا۔

''سعد بیٹا ان سے ملو، یہ ہیں مشہور و معروف اور بے انتہا مصروف سائیکا ٹرسٹ مہران غزنوی۔'' انہوں نے کچھ انہی الفاظ میں میرا تعارف کرایا تھا۔

اپنی شادی میں وہ بہت حسین لگ رہا تھا، آف وہائٹ شیروانی اور میرون کلاہ میں وہ بہت وجیہہ لگ رہا تھا۔ اس کی دلہن بہت پیاری تھی۔ سی گرین اور رائل بلو کے کنٹراسٹ میں غضب ڈھا رہی تھی۔ دونوں کی جوڑی شاندار تھی۔ میں اور فضہ بلوریں جام پکڑے... قدرے الگ تھلگ کھڑے تبصرہ کر رہے تھے، تبصرہ تو فضہ ہی کر رہی تھی، میں فقط جائزہ لے رہا تھا مگر دیکھ اپنی دلہن کو ہی رہا تھا۔ اس نے آج میری فرمائش پر رائل بلیو کامدار ساڑی باندھی تھی۔ اس کے ہموار دراز سلکی بال کھلے ہوئے تھے۔ کانوں کے جھمکے نمایاں تھے۔ شنگرفی گداز ہونٹوں پر میرا پسندیدہ کلر حسن کو لو دے رہا تھا۔ میں قدرے فرصت سے کم ہی تقریبات میں جاتا تھا اور جب جاتا تو اندر تک ایک بھرپور طمانیت کے ساتھ شامل ہوتا تھا۔ بچے، امی جان کے پاس ہوتے تھے۔ اور میرا سارا وقت بھرپور انداز میں فضہ کے لیے ہی ہوتا اور وہ میری قربت سے سرشار، سارے گلے، شکوے، شکایتیں، حکایتیں بھول جاتی۔

سعد بن رضا کی شادی اس لیے بھی مجھے یاد رہ گئی کہ فضہ کو دلہن کا حسن، سادگی بھرا سنگھار اور باحیا روپ بہت ہی اچھا لگا تھا۔

سعد بن رضا کا میرے پاس میرے کلینک پر کیا کام...... اسے تو ابھی اپنی زوجہ محترمہ کے حسن کے قصیدے پڑھنا چاہیے تھے۔ اور وہ سائیکا ٹرسٹ مہران غزنوی کے کلینک کے چکر لگا رہا تھا۔

چلو پہلا اتفاق ہو سکتا تھا...... دوسری مرتبہ بھی آنا۔ ''اِدھر سے گزر رہا تھا سوچا آپ سے ملتا چلوں۔''

تیسری مرتبہ...... اخلاقاً...... چوتھی مرتبہ...... مروتاً......

آخر کیوں......؟

میرے سامنے بیٹھا سعد بن رضا مکمل خاموش تھا۔ آنکھیں گہری یاسیت لیے تھیں۔ وہ خاصا بے چین سا بھی لگا تھا۔ میں اپنے آخری مریض کو الوداعی جملے کہتا اس کی جانب متوجہ ہوا تھا، اس نے دو مرتبہ پہلو بدلا تھا اور......

میں حیران ہوا......

مریض کے جانے کے بعد وہ بھی اٹھا اور۔ ''خدا حافظ مہران بھائی۔'' کہتا ہوا نکل گیا۔

جب سننے کا وقت آیا تو سنائے بغیر چلا گیا۔ اور مہمان نوازی میرے ہونٹوں پر ہی رہ گئی۔

''کیوں......'' میں اپنی چیئر گھماتا سعد بن رضا پر غور کر رہا تھا۔ سارے مریض جا چکے تھے۔ میری ٹیبل پر تمام فائلیں بند تھیں۔

تبھی دروازہ کھلا اور اقبال (میرا سیکرٹری) اندر آ گیا۔

''سر تمام مریض جا چکے ہیں۔'' فائلیں سمیٹ کر ایک پر ایک نمبر سے رکھیں۔

''ہوں۔''

''سر گھر سے دوبار فون آ چکا ہے۔''

''ہوں......'' میں غائب دماغی سے اسے دیکھنے لگا۔

اِک مسٹری، اک الجھن، اِک سسپنس، اِک الجھاؤ تھا۔ جو مجھے از خود ہی سمجھنا تھا۔

میرے پاس بہت سے مریض، بہت سے کیس آتے ہیں اپنا مسئلہ بتاتے ہیں۔ باہمی مشاورت، تحلیلِ نفسی، ذہنی خلفشار کو باہمی روابط سے حل کر لیتے ہیں۔

پر ہر مریض ایسا نہیں ہوتا۔ ہر مریض میں اتنی صلاحیت یا اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ خود کو مریض سمجھے یا اپنے مسئلے کو مسئلہ سمجھے۔

بعض مریضوں کو مجھے بڑے طریقے سے ہینڈل کرنا ہوتا ہے۔

''تو......'' میں گہری سانس لے کر سیدھا ہوا۔ اقبال کچھ فائلیں، میری پانی کی بوتل، گلاس لے کر باہر

جا رہا تھا۔

تو سعد بن رضا کوئی مریض ہے یا اس کے ساتھ کوئی نفسیاتی الجھن ہے جو وہ شادی کے ایک ماہ بعد ہی اس نفسیاتی کلینک کے چکر لگاتا فطری جھجک کا شکار ہے۔ میں دھیرے سے کھڑا ہو گیا۔ کرسی کی پشت سے اپنا کوٹ ٹیبل سے موبائل اور وہ دو فائلیں اٹھائیں اور باہر کی جانب قدم بڑھا لیے۔

☆☆☆

''نیکسٹ......'' انٹرکام پر اقبال کو کہا۔

''سر اِک شخص ہے، پہلے بھی آ چکا ہے مگر اس نے نمبر نہیں لیا۔ کافی دیر سے بیٹھا ہوا ہے۔ کسی گہری سوچ میں غلطاں، قدرے بے چین بھی ہے۔ کبھی باہر جا کر کھڑا ہو جاتا ہے، کسی کشمکش و پیچ کا شکار ہے۔'' میں ایک دم سے کھڑا ہوا۔ باہر نکلا......

سعد بن رضا داخلی دروازے سے باہر جا رہا تھا۔ اس کے قدموں کی رفتار سست تھی۔ میں نے پیچھے سے آواز دینا مناسب نہیں سمجھا۔ میں دونوں ہاتھ کمر پر رکھے اسے جاتا دیکھتا رہا۔

''مجھے خود اس سے ملنا چاہیے...... کیا آفس میں؟ کلب میں؟ ٹینس کورٹ میں؟ یا پھر اس کے گھر جا کر؟'' میں نے دل میں سوچا اور کاؤنٹر کی جانب گھوم گیا۔

☆☆☆

میں پُر یقین تو نہیں تھا مگر وہ مجھے کلب میں مل گیا۔ اپنے دوستوں سے دور سوئمنگ پول کے کنارے سنگی بینچ پر اکیلا بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر کشمکش، اِک تناؤ، اِک افسردگی تھی۔ کسی گہری سوچ میں گم...... میں قدرے سائڈ پر بیٹھا لیمن سوفلے سے لطف اٹھاتا اسے واچ کرتا رہا۔ اس کے انداز میں اِک اضطراب نمایاں تھا۔ کبھی اپنے پاؤں کو ہلانے لگتا۔ کبھی بے چینی سے اپنی انگلیوں کو باہم الجھا لیتا...... کبھی بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگتا۔ پھر بینچ کی پشت سے سر ٹکا کر آسمان کو دیکھنے لگتا۔

کوئی نفسیاتی الجھن تھی...... مجھے یقین تھا۔

سعد بن رضا کچھ کہنے اور نہ کہنے کے درمیان فطری جھجک کا شکار تھا۔ وہ ایک کامیاب مرد تھا۔ معاشرے کا فعال رکن، کیا اس کی مردانگی اسے اپنا مسئلہ بیان کرنے سے روکے ہوئے ہے۔ شاید مردوں کی سوچ ابھی اتنی وسیع نہیں ہوئی کہ اپنے مسئلے کو نفسیاتی سمجھ سکیں...... ہاں......عورت ان کے نزدیک ہر قسم کے نفسیاتی مسئلے کا شکار ہو سکتی ہے۔

وہ اٹھا اور سوئمنگ پول کے کنارے، کنارے چلنے لگا۔ میں وائٹ کین کی کرسی پر بیٹھا دور سے ہی اس کا جائزہ لیتا رہا اور پھر اٹھ کر پارکنگ ایریا تک چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ مجھے آتا نظر آیا۔ میں سیل فون آن کرتے ہوئے جان بوجھ کر منظر پر واپس آیا...... مجھے یقین تھا وہ چونک کر میری جانب دیکھ رہا ہوگا اور میرا اندازہ درست نکلا۔ وہ میری جانب آ رہا تھا۔ میں فون پر فضہ سے بات کر رہا تھا، وہ میرے پاس ٹھہر گیا۔

میں نے چونکنے کے سے انداز میں اسے دیکھا اور پھر اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔ اگلے لمحے میں نے فون بند کر دیا۔

''سر آپ یہاں......؟'' وہ سنجیدہ تھا۔

''میں تو روز ہی یہاں آتا ہوں اور آج تو ذرا فارغ تھا تو کافی دیر سے ہوں۔ سوئمنگ بھی کی ہے۔'' میں گاڑی کا دروازہ کھولنے لگا۔ اس کے چہرے پر تاسف سا ابھرا۔

''او کے ینگ مین......'' میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے لگا۔

وہ میری ہی جانب دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر کوئی سوچ تھی۔

''کیا ہوا پریشان ہو......''

''پریشان؟ نہیں تو......'' اس نے سر جھٹکا۔ ''وہ دراصل...... میں......'' وہی تذبذب وہی کشمکش میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کے ساتھ یقیناً کوئی مسئلہ تھا۔

''میرے آفس آنا......'' میں نے ہمت بندھائی۔

''آیا تھا......'' دھیرے سے کہا گیا۔
میں اسے بغور دیکھتا رہا۔
''سعد......'' دھیرے سے ہاتھ دبایا۔
''کیا کوئی مسٹری ہے؟'' وہ میری شکل دیکھنے لگا۔
''ہاں......''
''کیا......؟'' میں گاڑی سے نکل کر اس کے سامنے کھڑا ہوا۔
''میں یا تو اسے مار دوں گا......یا اسے طلاق دے دوں گا۔'' اس کے لبوں سے دھیرے سے نکلا۔
اور میں دنگ رہ گیا۔
اس کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا۔
''چلو ابھی میرے آفس چلو اور اپنا مسئلہ بتاؤ......کیا ہوا......اتنے ہرٹ کیوں ہو، اتنی پیاری ہے تمہاری دلہن......فضہ تو بہت تعریف کر رہی تھی۔ اور تمہاری تو لو میرج ہے ناں...... فضہ بتا رہی تھی، وہ دراصل فضہ میری بیگم ہے۔'' سعد رضا میری شکل دیکھنے لگا۔ سورج ڈھل چکا تھا اور شام کے سائے دیواروں پر اتر کر ایک ٹھنڈا سا احساس دے رہے تھے۔ سُبک ہواؤں نے بسیرا کر لیا تھا۔
''میں کل آؤں گا۔'' اس نے دھیرے سے میرا ہاتھ چھوا اور بڑے، بڑے ڈگ بھرتا اندر کی جانب چلا گیا۔
ابھی اس کی مردانگی کو یقین کرنا تھا کہ اس نے اپنے مسئلے کو کسی سائیکاٹرسٹ سے شیئر بھی کرنا ہے یا نہیں...... اگر وہ کل نہیں آیا تو مجھے خود اس سے ملنا ہوگا اس کی دلہن بہت خوب صورت، نازک سی اور پھر لو میرج......
ایسا کیا ہوا؟ جو سعد اسے طلاق دے گا...... یا مار ہی ڈالے گا۔ میں پارکنگ ایریا کی طرف بڑھ گیا۔ میرا ذہن الجھ گیا تھا۔ تصور میں سعد اور اس کی دلہن کا خوب صورت روپ ابھرا جو چاند سورج کی جوڑی اور مثالی جوڑا کہلایا جا رہا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن وہ نہیں آیا......اس سے اگلے دن آ گیا۔ اس کا حلیہ بکھرا ہوا تھا شیو بڑھی ہوئی تھی۔ وہ ٹراؤزر اور بلیو ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔ نک سک سے تیار دولہا سے الٹ۔
اس کی آنکھیں شب بیداری کی غماز تھیں......
چہرے پر اِک تھکان تھی اسے سکون کی ضرورت تھی۔
میں نے اسے کچھ ٹرینکولائزر دیں اور اسے آرام دہ نشست پر لٹا دیا۔
''کتنے دن سے نہیں سوئے......؟'' اس کے ماتھے سے بال ہٹا کر میں نے اپنی نشست سنبھال لی۔
''بہت دنوں سے......جب سے شادی ہوئی ہے جب سے اور اب تو سلیپنگ پلز بھی سکون نہیں دیتیں۔''
''ایسا کیوں ہے؟'' میں نے سوال کیا۔
''میری شادی غلط ہوئی ہے، مجھے اس سے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ وہ مجھے اچھی لگی میں نے اسے محبت سمجھ لیا۔ محض اچھا لگنا تو محبت نہیں ہوتی ناں۔ حالانکہ ممی کہتی تھیں رشتے اپنی برابری میں ہی اچھے لگتے ہیں۔ اپنی سوسائٹی میں شادی کر لو......مگر مجھے صبا اچھی لگی، میں اسے اپنی زندگی میں لانا چاہتا تھا۔ اس کی طبیعت میں احتیاط پسندی تھی۔ اسے مردوں سے بے تکلفی اچھی نہیں لگتی تھی۔ اس نے میری پزیرائی کو قبول نہیں کیا۔ اور میں اس کی چاہ میں ڈوبتا چلا گیا۔'' اِک لمحے کو رک کر سعد بن رضا نے آنکھیں موند کر گہری سانس لی اور پھر گویا ہوا۔
''ممی اور بابا میری پسند پر مان گئے مگر انہیں متوسط گھرانے پر اعتراض تھا۔ مگر صبا کی خوب صورتی نے انہیں متاثر کر دیا۔ میری بارات سادگی سے گئی مگر میرا ولیمہ خوب دھوم دھام سے ہوا۔ آپ بھی تو آئے تھے ناں......''
''ہاں بہت خوب صورت جوڑی ہے تمہاری۔''
سعد چپ کر کے چھت کو دیکھتا رہا۔
''مگر......صبا اس رشتے سے اس......ساتھ سے خوش نہیں، میری موجودگی میں وہ ڈری سہمی گھبرائی ہوئی رہتی ہے ایسے جیسے میں غیر ہوں۔'' میرا متحرک قلم کاغذ کی سطح پر ٹھٹک گیا۔ میں اسے دیکھنے لگا۔
''ہلکی آہٹ بھی اسے چونکا دیتی ہے، میرا لمس

اسے ڈرا دیتا ہے۔ پہلے دن ہی وہ بدک کر سہم گئی تھی۔ اس کے دل کا چور اس کے چہرے پر تھا۔ میں کمرے میں موجود ہوں تو وہ باہر ہوتی ہے دعوتوں میں جاتے ہوئے اس کے چہرے پر ہراس اور سہم ہوتا ہے۔ خوفزدگی کا شکار رہتی ہے جیسے میں نامحرم ہوں اس کے لیے ناپسندیدہ ہوں۔ میں نے اس سے پیار سے، محبت سے، سختی سے پوچھا کہ وہ اتنی خوفزدہ، اتنی ڈری سہمی کیوں رہتی ہے۔ کیا مسئلہ ہے؟ میری محبت اس کے لیے اہمیت ہی نہیں رکھتی۔ میری کشش اسے نہیں اکساتی۔ میرا وجود اسے نظر نہیں آتا۔ میری آمد اسے ڈرا کیوں دیتی ہے؟''

''تم نے پوچھا نہیں کہ ایسا کیوں ہے؟''

''پوچھا تھا، وہ کہتی ہے ایسی کوئی بات نہیں، آپ کا وہم ہے۔''

''تم نے زبردستی اپنا حق تو نہیں لیا؟''

''نہیں لینا تو دور کی بات ہے ایسا سوچنا بھی محال ہے۔ میں نے کہا ناں اسے مجھ سے خوف آتا ہے۔ کسی دہشت کا شکار رہتی ہے۔ اک ہراس اسے ہر وقت گھیرے رہتا ہے، وہ...... وہ شاید کسی اور سے محبت کرتی تھی ......'' دھیرے، دھیرے اس کی آواز مدھم ہوتی گئی۔

''مجھے بھی تو وہ اچھی لگتی ہے، میں اس پر شب خون نہیں مارنا چاہتا۔'' وہ بولتے، بولتے شاید تھک گیا تھا۔

اور میں دم بخود اسے آنکھیں موندے دیکھتا رہا۔

کتنا عجیب مسئلہ تھا۔

اس کے لیے صبا اس کی دلہن سے بھی ملنا ضروری تھا۔ بہت گمبھیر کیس تھا۔

☆☆☆

''سر جو میں نے کل ٹیبلٹ کھائی تھا اتنا سکون ملا تھا، میں خود کو بہت اچھا اور فریش محسوس کر رہا تھا۔ مجھے میڈیسن لکھ دیں میں خرید لوں گا۔'' وہ آج پھر آ گیا تھا۔

''مگر میڈیسن تو کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتیں۔'' میں نے دونوں کہنیاں ٹیبل کی سطح پر رکھ کر اسے دیکھا، وہ چپ سا ہو گیا۔

''میں تمہارا مسئلہ حل کر دوں گا۔ مجھے کچھ اور بتاؤ؟''

''بتانے کے لیے میرے پاس کچھ اور نہیں ہے بس اس کا گریز اس کا فرار...... اس کا خوف و ہراس، اس کا ڈر...... یہی تو مسئلہ ہے۔''

''تم نے وجہ جاننے کی کوشش نہیں کی؟''

''سر میں نے پوچھا تھا بہت پوچھا مگر وہ......''

''جاننے کی کوشش...... اس کے گھر والے، بہن، بھائی اس کی کوئی دوست...... کسی کو اعتماد میں لیا؟'' میں نے کہا۔ سعد میری شکل دیکھنے لگا۔

''ہوسکتا ہے کوئی ایسی وجہ ہو جو وہ بتا نہ پا رہی ہو یا کسی نے اسے دھمکایا ہو...... یا پھر وہ تمہارے گھر کے سیٹ اپ میں شمولیت نہ کر پا رہی ہو۔ اس حد اس فاصلے کو بعض اوقات لمحوں میں طے کر لیا جاتا ہے اور بعض دفعہ عمریں بیت جاتی ہیں سعد......'' میں نے رسان بھرے انداز میں اسے دیکھا۔

سعد...... چونک کر میری جانب دیکھنے لگا۔

''اور تم جذبات میں آکر کچھ اور سوچ رہے ہو۔''

''سر میں کوئی جیمز بونڈ تو نہیں ہوں...... مجھے آفس بھی جانا ہوتا ہے۔''

''ایسی صورت حال میں بننا پڑتا ہے جیمز بانڈ...... واچ کرنا پڑتا ہے اگر زیادتی ہو جائے تو کفارے کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔ انسان کے خوف کی ایک ہی صورت نہیں ہوتی جو تم سوچ رہے ہو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اس رشتے سے ہی خوفزدہ ہو...... تمہیں پہلے اسے دوست بنانا چاہیے۔'' وہ تذبذب سے مجھے دیکھنے لگا۔

''سر میرے کزنز کی شادی بھی تو میرے ساتھ ہوئی ہے' وہ ہنی مون پر گیا ہوا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں میرے دوست وقار کی شادی ہوئی ہے وہ تو بہت خوش ہے۔''

سعد نے اپنی مٹھیاں بند کر لیں۔

اس کے دل میں جو اندیشہ بیٹھ گیا تھا وہ زیادہ مضبوط تھا اور گزرتے دنوں کے ساتھ اور مضبوط ہو رہا تھا۔

''مجھے یہاں صرف سعد سے ہی نہیں بلکہ صبا اس کی دلہن سے بھی بات کرنی چاہیے۔'' پیپر ویٹ گھماتے ہوئے میں نے سوچا۔

''کوئی اور بات ہے جو تم اپنی مسز کے بارے میں جانتے ہو؟''

''وہ فون کی آواز پر ڈر جاتی ہے۔''

''وہ اپنے میکے کتنی بار گئی ہے؟''

''دو مہینے میں چار، پانچ بار گئی ہے مگر وہ جانا نہیں چاہتی، اس کی نانی اسے زبردستی لے گئی تھیں۔''

''نانی......؟'' میں چونکا۔

''ہاں، اس کی والدہ نہیں ہیں ناں......'' وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ اور میں اس کی شکل دیکھتا رہ گیا۔

اچانک ہی اس کا سیل فون بجنے لگا، سعد فون سننے لگا، میں برابر اسے واچ کر رہا تھا۔

''اوکے سر......'' فون بند کر کے وہ اٹھ کھڑا ہو گیا۔

''میں چلتا ہوں بابا کا فون ہے۔'' اس نے ہاتھ بڑھایا۔

''شاید یہ مسئلہ آپ کے بس کا نہیں ہے، اس کا حل وہی ہے جو میں نے سوچ لیا ہے۔''

میں نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

''مایوسی گناہ ہے۔ دو ملاقاتوں میں مسئلے حل نہیں ہوا کرتے۔''

''آپ مجھے میڈیسن کا نام لکھ دیں۔''

''تم صرف ایک کام کرنا جب رات کو اپنے بستر پر لیٹو تو آنکھیں بند کر کے اپنے ردِعمل کے متعلق سوچو، سلوک کے متعلق جانچو۔ اپنی غلطی، اپنی کوتاہی پر غور کرو اور پھر اسے لکھو۔ اگر لکھ نہ سکو تو یاد کر لو پھر مجھے بتانا۔'' اسے مشورہ دیتا اس کا ہاتھ تھامے، تھامے باہر آ گیا۔

''سر اس سارے قصے میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔''

''تم صرف سوچنا اور غور کرنا...... باقی میرا کام ہے۔''

اس نے چند لمحوں تک رک کر مجھے دیکھا اور سیڑھیاں اتر کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

میں واپس اپنے کمرے میں آ بیٹھا۔ اس میں زیادہ قصور اس کی دلہن کا تھا جو کسی ڈر، خوف کا شکار تھی۔ اور سعد کا رعب و دبدبہ اس کے ڈر کو بڑھا رہا تھا۔ مجھے اسی کے لیے فضہ کی مدد لینا تھی۔

فضہ اکثر میرے کام کر دیتی تھی۔ وہ میری رائٹ ہینڈ بن جاتی تھی مگر اپنے کام کی پوری ''وصولی'' کرتی تھی اور میں ہنستے ہوئے اس کی باتوں میں آ جاتا تھا۔

☆☆☆

''فضہ تمہیں وہ شادی یاد ہے جس میں تم بہت زیادہ پیاری لگ رہی تھیں۔'' میں بیڈ پر لیٹا اس سے مخاطب تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑی فضہ مجھے دیکھنے لگی۔

''کیا میں صرف شادیوں میں ہی پیاری لگتی ہوں؟'' مصنوعی غصے سے مجھے دیکھا۔

''ہاں...... کیونکہ تم شادیوں میں ہی لگن سے تیار ہوتی ہو۔'' وہ اپنا کام مکمل کر کے بیڈ پر آ گئی۔

''میں پیاری ہوں، اچھی ہوں، خوب صورت ہوں اس لیے کہ آپ کے ساتھ ہوں۔''

''اس میں کیا شک ہے۔'' میں نے سر کھجایا۔

''تم واقعی حسین ہو اور اس وقت اور زیادہ حسین لگتی ہو جب میرے پاس ہوتی ہو۔'' میں نے اس کی کلائی پکڑ کر کھینچی۔

''کیا بات ہے ڈاکٹر مہران غزنوی، کوئی کام ہے جو مابدولت کے حسن کے قصیدے پڑھے جا رہے ہیں۔'' اس کی چھٹی حس الرٹ تھی۔ میں ہنس دیا۔ اس نے بکھرے بالوں کو سمیٹا۔

''مہنگائی بہت زیادہ ہو گئی ہے ڈبل فیس لوں گی۔'' چتون تیکھے ہوئے۔ بڑے آرام سے میرے گھٹنے سے ٹیک لگا کر میرا مسئلہ سنے بغیر اپنی فیس کا تعین کر لیا۔

''خرم کی شادی ہونے والی ہے اور......''

''اور بس......'' میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ

دیا۔ ”پہلے سن تو لو......اپنے ترانے مت شروع کرو......“

”ہوں......“ اپنے کھلے بالوں کو پیچھے کر کے توجہ کا ارتکاز کیا۔

”ہم سعد بن رضا کی شادی میں گئے تھے ناں...... تو مسئلہ اس کے ساتھ ہے۔“ میں دھیرے، دھیرے اسے بتانے لگا۔

اور وہ توجہ سے تمام پہلوؤں کو سن رہی تھی۔

☆☆☆

”ارے آپ سر یہاں؟“ سعد بن رضا اپنے گھر کے آگے میری گاڑی دیکھ کر حیران ہوا۔ وہ گیٹ کے اندر ہی جا رہا تھا۔

”مجھے فون کر لیتے۔“

”تمہارا فون بند تھا، تم کلینک بھی نہیں آئے۔ میں سمجھا تمہارا مسئلہ حل ہو گیا ہے، تمہیں مبارک باد دے آؤں۔“ میں گاڑی سے نکل آیا۔

”میرا مسئلہ......؟“ وہ بالوں میں ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

فضہ اسے مسلسل واچ کر رہی تھی۔ مسئلہ گویا جوں کا توں تھا۔

”آیئے ناں اندر......“

”ہاں میری مسز بھی ساتھ ہیں۔“ وہ مجھے اندر لے آیا۔ فل لگژری ہاؤس، شاہانہ ڈرائنگ روم، ڈرائنگ روم کی مرر وال سے نظر آتا سوئمنگ پول...... یوکلپٹس کے قطار در قطار کھڑے درخت، ہموار گھاس اور پھولوں کے قطعات، بہت خوب صورت منظر تھا۔ فضہ مبہوت تھی۔ ویٹر ٹرالی لے آیا۔

اور کچھ دیر میں سعد اپنی بیگم کو لے آیا۔ نکھری، نکھری سادہ سی اپنے لمبے بالوں کی چوٹی بنائے، بالوں کی اِک لٹ چہرے کو چھو رہی تھی۔ کسی بھی قسم کے میک اپ سے پاک میں نے اپنے انداز سے اور فضہ نے اپنے انداز سے اس کا جائزہ لیا۔

اس کیس کا اصل کردار صبا تھی اور صبا کی مسٹری جاننا بہت ضروری تھی۔ فضہ کو یہ کام کرنا تھا اور وہ بخوبی کر رہی تھی۔ دونوں کسی بات پر ہنس رہی تھیں۔ دونوں کے درمیان دوستی کا رشتہ استوار ہو گیا تھا۔ فضہ یہ کام بہت اچھے طریقے سے کرتی تھی۔

”تم نے وہ کام کیا جو میں نے کہا تھا؟“ میں نے بغور اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”جی...... مگر مجھے اپنا کہیں کوئی قصور نظر نہیں آیا۔“

”کوئی زیادتی؟“

”میں اسی سے محبت کرتا ہوں۔ میں زور زبردستی تو نہیں کر سکتا اگر مجھے کرنی ہوتی تو اب تک کر چکا ہوتا...... آپ کے پاس نہیں آتا۔“

”تمہارے گھر والوں سے اس کے تعلقات کیسے ہیں؟“

”ٹھیک ہیں۔“

”تمہاری ماما اس رشتے سے خوش تھیں ناں......؟“ سعد میری جانب دیکھنے لگا۔

”پہلے تو نہیں مگر میری ضد کی وجہ سے مان گئی تھیں۔ بعد میں انہیں صبا پسند آ گئی تھی۔“

صبا اور فضہ اٹھ کر باہر نکل گئیں۔ کچھ دیر بعد وہ مجھے سوئمنگ پول کے کنارے نظر آئیں......

”ہوں......“ میں نے مشروب اٹھا لیا۔ میں بہت کچھ سوچ رہا تھا۔

”تم اکیلے رہتے ہو؟“

”نہیں سب ہیں مگر اس وقت سب اپنی، اپنی مصروفیات کے سلسلے میں گھر سے باہر ہیں۔ میں بھی نکل رہا تھا۔“

”تمہاری مسز کی کوئی مصروفیات نہیں ہیں؟“ شفاف شیشے کی اوٹ سے اسے دیکھتے ہوئے میں نے کہا۔

”شادی سے پہلے اسکول میں جاب کرتی تھی، بی بی اے کیا ہے۔“

”تو اسے گھر میں کیوں بٹھا رکھا ہے، اپنے آفس میں جگہ دو ناں......“

”اسے شوق نہیں ہے۔“

”ہوں...... کچھ حل نکلا؟“

”نہیں...... بس چپ رہتی ہے گہری خاموشی......“

”کچھ دنوں کے لیے اسے اس کے میکے چھوڑ

دو...... میں فضہ کو اسی لیے اِدھر لے کر آیا ہوں مگر روز، روز یہاں آنا ممکن نہیں ہے تمہارا گھر بہت دور ہے۔''

سعد میری شکل دیکھنے لگا۔

''میں ایک سائیکاٹرسٹ ہوں اور اس حیثیت سے سامنے نہیں آنا چاہتا بجائے کھلنے کے وہ اور سمٹ جائے گی۔''

''ہوں......'' بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

''سنو...... ان گزرتے دنوں میں اس صورتِ حال میں، اس ماحول میں تمہاری محبت کیسی ہے؟ بڑھی ہے یا وقت کے ساتھ، ساتھ گھٹ رہی ہے؟''

''رک گئی ہے۔'' مجھے دیکھ کر گہری سانس لی۔

''تمہاری محبت اتنی کمزور تھی؟''

''محبت ماند پڑ جاتی ہے جب اگلا کوئی پیش قدمی نہیں کرے اور میں زبردستی کا قائل نہیں ہوں۔''

''ہوں......'' میں اپنی پیشانی کھجاتے ہوئے اسے دیکھ کر شیشے کے پار دیکھنے لگا۔ فضہ شاید صبا کے بالوں کی تعریف کر رہی تھی کیونکہ وہ اس کے بالوں کو چھو رہی تھی۔ صبا کے چہرے پر بہت معصوم سی مسکراہٹ تھی۔ ایسی لڑکیاں یا تو واقعی معصوم ہوتی ہیں یا پھر...... یا پھر بہت گہری...... کوئی کمند نہ ڈال سکے۔ کوئی گہرائی نہ ناپ سکے...... کوئی راز نہ پالے۔

میرے سیل پر کلائنٹ کے میسج آنے لگے۔

''اوکے ڈیئر! جب بیگم میکے جائیں تو مجھے آگاہ کر دینا۔''

''مگر آپ...... آپ کیا کریں گے وہاں، اس کے گھر کا ماحول......'' وہ تذبذب کا شکار ہوا۔

''ہاں...... مجھے علم ہے مگر میری بیگم میرے ہر معاملے میری رائٹ ہینڈ' میری نصف بہتر ہے اور یہ رشتہ باہمی اعتماد کا ہی ہوتا ہے۔ وہ دیکھو......'' میں نے شیشے کے پار اشارہ کیا اور کھڑا ہو گیا۔

دونوں گہری سہیلیوں کی طرح ایک دوسرے سے لگی ہوئی تھیں۔ سعد بھی اُدھر ہی دیکھنے لگا۔

''تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا تھوڑا ٹائم لگے گا۔''

اسے لے کر میں باہر لان میں نکل آیا تھا۔ فضہ مجھے دیکھ کر میری جانب آ گئی جبکہ صبا اُدھر ہی کھڑی رہی۔

سعد کو خدا حافظ کہہ کر میں گاڑی میں بیٹھا، فضہ میرے برابر میں آ بیٹھی۔ چوکیدار نے گیٹ کھولا اور ہم مین روڈ پر آ گئے۔

گاڑی میں گہری خاموشی اور ایئر فریشنر کی خوشبو باہم مدغم تھیں۔

''کیسا رہا......؟''

''یار...... وہ بہت نائس، کیوٹ اور پیاری ہے۔ بولتی ہے تو لگتا ہے لہجے سے پھول جھڑ رہے ہو، سنتے رہو بڑا پیارا لہجہ ہے اس کا۔''

''اور تمہیں اس سے محبت ہو گئی۔''

''ہاں......'' وہ ہنسی۔

اور میں اسی اعتماد کا اظہار چاہتا تھا۔

''وہ تمہیں کوئی نفسیاتی کردار لگی؟'' گردن گھما کر اسے دیکھا۔ لمحہ بھر کی خاموشی......

''نہیں...... شاید ابھی ہم دو اجنبی تھے اور وہ مجھے کمپنی دے رہی تھی۔ اگلی ملاقات میں محفل جم سکتی ہے۔''

''اگلی ملاقات مجھے نہیں صرف تمہیں کرنی ہے، یہ اس کا سیل نمبر ہے۔ میں نے سعد کو کہا ہے کہ تم صبا کو اس کے میکے بھجوا دو...... تم اس سے اُدھر ہی ملاقات کرو گی اور......'' میں نے گہری سانس لی۔

''مجھے فالودہ کھانا ہے۔'' تیزی سے گزرتے آئس کریم پارلر کو دیکھ کر فضہ نے مجھے یاد دلایا۔

''راستے میں اور بھی ہیں فلاں جگہ سے کھلا دوں گا۔'' میں نے مشہور پارلر کا نام لیا۔

''وہ بہت دور ہے۔'' وہ مچلی۔

''میرے ساتھ لانگ ڈرائیونگ پر ہو۔''

''تو ایک وہاں سے دلا دیتے وہاں تک پہنچتے، پہنچتے یہ والا ختم ہو جاتا۔''

میں نے گاڑی سائڈ میں کرتے، کرتے اسے دیکھا اس کے چہرے پر بڑی دلآویز شرارتی سی مسکان تھی۔ میں اسے دیکھے گیا۔ اور یہ ہی وہ چاہتی تھی۔

''میں رپورٹ مانگ رہا ہوں شاید......''
''فیس......'' وہ شرارت پر آمادہ تھی۔
''سوچ لو...... بڑی فیس لوگی یا چھوٹی؟''
دروازہ کھولا۔

''ڈاکٹر مہران غزنوی...... بڑی فیس دینے سے پہلے چھوٹی فیس دینی پڑتی ہے۔اور میں نے ابھی فیس کا تعین نہیں کیا مگر مائنڈ بنالیں۔ بڑی پارٹی...... تگڑی فیس۔''اس کی ہنسی جاندار تھی۔

میں اترتے، اترتے اسے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں جگنو اور چہرے پر غزل تھی۔ دل چاہ رہا تھا رک کر پڑھوں مگر...... ''آہا'' میں اتر گیا۔ میری قربت میں سرشار وہ ایسے ہی راہ چلتے میرے امتحان لیتی تھی اور میں ایک ہی دفعہ میں اسے سارے نتیجے سنا دیا کرتا تھا۔ اس کے لیے میں اسپیشل فالودہ لے آیا تھا۔

''اگر صبا مجھے کہیں اور بھی ملتی تو میں اسے دوست بنالیتی۔ دوستی کا رشتہ بڑا پائیدار ہوتا ہے۔ انشاء اللہ میں جلد ہی گڈ نیوز دوں گی۔'' فالودہ کھا کر اس نے مجھے اپنا تجزیہ بتایا۔

''اے......'' میں نے انگلی اٹھا کر اسے دیکھا۔
''میرا سوئٹزر لینڈ جانے کا ارادہ ہے اس کیس کے بعد میں کوئی گڈ نیوز نہیں سنوں گا۔''

اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اسے مجھ سے ایسے مزاح کی توقع نہیں تھی۔ میں نے گنگناتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر کے اپنے رستے پر ڈال دی۔

بات سمجھ میں آئی تو اس کے چہرے پر بڑے شرمیلے سے گلاب کھلے تھے۔ مجھ پر مکے برسانے لگی۔ میں کھلکھلا کر ہنسا۔

اس کے ترنم نے ماحول کے ردھم میں اضافہ کر دیا تھا...... پھر ہمارے درمیان موسم رہتا ہی خوشگوار تھا یہ ہماری باہمی محبت کا نتیجہ تھا۔

چند دن بعد سعد کا فون آیا۔ ''صبا میکے گئی ہے اس کے کسی کزن کی شادی ہے۔'' اس کا فون نمبر، ایڈریس اس نے مجھے دیا۔

''تم ریلیکس کرو۔ گھومو پھرو...... پریشان مت ہو، جلد ہی مسئلہ حل ہو جائے گا۔''
''جی...... اسی لیے تو آپ کے پاس آیا تھا۔''
''اس اعتماد کا شکریہ ''پاک فین'' ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے گا۔'' اس کی ہنسی ابھری اور میں نے خدا حافظ کہہ کر سیل آف کر دیا۔

☆☆☆

فضہ نے بڑے شوق سے فون نمبر اور ایڈریس لیا۔
''ایڈریس کی فکر مت کرو، میں خود تمہیں پہنچاؤں گا۔''
''میں جانتی ہوں آپ کا جو مسئلہ ہے۔ مجھے تو میری دوستوں کے گھر لے کر نہیں جائیں گے اور......''
''بھئی میرے دوست جو اُن کے گھر پر نہیں ہوتے ناں......'' میں ہنسا۔ لب بھینچ کر اس نے مجھے گھورا۔ ہاتھ بڑھا کر میں نے اس کی لٹ کھینچی۔ جواب میں استحقاق بھرے انداز میں اس نے میری پاکٹ میں سے سیل فون نکالا اور کارڈ پر لکھا نمبر ملانے لگی۔

میں اُدھر ہی اس کے گھٹنے پر سر رکھ کر لیٹا اور ٹیبل سے ریموٹ اٹھا کر خاموش سرچنگ کرنے لگا۔ نمبر بزی تھا۔ چند لمحوں بعد پھر کیا...... اٹھا لیا گیا۔
''ہیلو...... صبا...... میں فضہ مہران ہم ملے تھے ناں......''
''ہاں بس...... مل گیا تمہارا نمبر...... تم تو بھول گئیں ناں......''
''نہیں بس دل چاہ رہا تھا تم سے ملنے کو...... آجاؤں...... بھئی میں نے تمہیں دوست بنالیا ہے۔ میں تمہاری جان نہیں چھوڑوں گی۔'' وہ ہنسی۔
''اچھا کہاں آؤں......؟''
''اوہ، امی کے گھر ہو۔''
''تو نانی کے گھر کون، کون ہے؟''
''اوکے...... شادی سے فارغ ہو جاؤ پھر ملتے ہیں۔''
''ایسے کیسے...... مہران نہیں مانیں گے۔ تم آنا ناں کارڈ دینے۔''
''اوکے جب بھی آؤ اس نمبر پر کال کر لینا،

مہران تمہیں ایڈریس سمجھا دیں گے۔''

''او کے بائے......'' سیل فون آف کر کے فضہ میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ بڑا سکون سا ملا...... آنکھیں بند ہونے لگیں۔ میرا کام ذہنی تکان کا ہوتا تھا ایسی لگاوٹ ایسی پزیرائی سکون دیتی تھی۔ اور فضہ مجھے جانتی تھی ایسی تشفی اکثر مجھے دیتی رہتی تھی۔

''صبا میکے گئی ہوئی ہے۔ اس کے کزن کی شادی ہے بلا رہی تھی، میں نے کہا کارڈ دو...... مہران ایسے نہیں لائیں گے...تو وہ آئے گی کارڈ دینے۔''

''رہنے دیتیں، ہم چلے جاتے کام تو ہمارا ہے ناں......'' اسی سے تو ایک پوائنٹ ملے گا وہ پلس ہو گا یا مائنس۔''

''کیا مطلب......؟'' میں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''وہ میکے میں ہے، ظاہر ہے کارڈ لے کر کسی نہ کسی کے ساتھ تو آئے گی ناں...... وہ کون ہوگا؟ اس کا بھائی، اس کا کزن...... یا پھر وہ......'' وہ ذو معنی انداز میں ہنسی...... میں چونکا۔

''یا پھر وہ جسے وہ چاہتی ہوگی۔ اس سے شادی نہیں ہو سکی ہو احساسِ محرومی یا پھر......''

میں نے گہری سانس لی اور فضہ کا ہاتھ تھام کر اس پر اپنا چہرہ رکھ کر آنکھیں موندلیں۔ ایسے ہی تو مجھے اس کی صلاحیتوں پر ناز نہیں تھا۔

''کیوں......؟ بیویوں کی صلاحیتوں کو آزمانا نہیں چاہیے، جانچنا چاہیے۔ زندگی میں بہترین جیون ساتھی بننے کے لیے یہ تجزیاتی نظریہ اپنانا بے حد ضروری ہوتا ہے۔''

''بہت سکون مل رہا ہے یار......؟''

''میں جانتی ہوں اس طرح سر رکھ کر آپ بالکل رافع بن جاتے ہیں۔'' اس نے ہمارے بیٹے کا نام لیا۔ میرے بال ہلکے سے کھینچے اور میں نے ہنس کر آنکھیں موندلیں۔

☆☆☆

میں نے گھر کال ملا کر فضہ کو بتایا کہ ''صبا کا فون آیا ہے وہ کارڈ دینے آرہی ہے۔ ریسیو کر لینا اسے۔''

''او کے......''

اب مجھے تجسس ہو گیا کہ صبا کس کے ساتھ جاتی ہے، فضہ کا کہنا تھا کہ وہ میکے میں ہے وہاں سے کسی کے ساتھ آئے گی۔ اور میرا خیال تھا کہ وہ سعد کے ساتھ جائے گی اگر اسے کسی اور سے محبت نہ ہوئی تو......

تین گھنٹے بعد گھر فون کیا۔ فضہ میری بے چینی پر ہنسی۔

''نہیں آئے ابھی......''

اگلے چار گھنٹوں بعد میں گھر چلا گیا۔ سادگی سے تیار فضہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

''کیا آئی......؟''

''نہیں...... بس آنے والی ہے۔''

''اوہ......'' میں نے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''اتنی بے چینی......؟'' فضہ ہنسی۔

میں نے ہنس کر اس کے بال کھینچے...... اس نے میرا بازو تھام لیا۔

''بچے کہاں ہیں؟''

''امی کے ساتھ پارک گئے ہیں۔''

''واؤ......'' میں نے اس کا شانہ دبایا۔

''کرن آئی ہوئی ہے۔'' میرے جذبوں کو تو چٹکیوں میں اڑاتی ہے یہ۔

''کہاں ہے؟''

''اندر اپنے منے کے ساتھ ہے۔''

''فیصل بھی ہے۔''

''نہیں دو دن کے لیے آئی ہے، وہ فیصل آباد گئے ہیں۔'' ہم دونوں اندر آگئے۔

فضہ کچن میں جانے لگی، میں سیڑھیاں چڑھ کر اس کے روم تک گیا باہر ہارن بجا...... میرے اندر کی بے چینی باہر متوجہ ہو کر بھاگی...... میں کمرے میں داخل ہوا...... اور ٹیرس کا دروازہ کھول کر باہر گرل سے نیچے جھانکا۔ اور گہری سانس لے کر مسکرایا۔

میں نے پہلے دیکھ لیا تھا۔ اور فضہ گیٹ کھول کر باہر جھانک رہی تھی۔

صبا...... سعد کے ساتھ آئی تھی۔ یعنی اسے شادی

سے پہلے کسی سے محبت نہیں تھی۔ وہ لوگ اندر آرہے تھے۔ ذہنی خلجان، خوف، ہراس، بیرونی نہیں اندرونی تھا۔ کوئی تھا جو اُن کی زندگیوں میں زہر گھول رہا تھا۔ میں نے گہری سانس لی اور پلٹ آیا۔

''خیریت بھائی......'' کرن...... بیٹے کو لیے کھڑی تھی۔

''ہاں، تم ٹھیک ہو۔'' میں نے آیان کو گود میں لیا اور اچھالنے لگا۔

''ہائے بھائی......'' کرن کا دل جیسے اچھلا۔

''آرام سے...... ہم نے دو بچے پالے ہیں، یہ میرا بھی کچھ لگتا ہے۔ گبلو سے آیان کو باہوں میں جھلاتا میں سعد سے ملنے کے لیے نیچے آگیا۔

☆☆☆

''نہیں ہم رکیں گے نہیں، مجھے جلدی ہے صبا کو کارڈ دینا تھا اور کہہ رہی تھی کہ آپ کے ساتھ ہی جانا ہے حالانکہ میں نے کہا بھی اپنے کسی کزن کے ساتھ چلی جاؤ...... مگر......'' وہ لوگ باہر ہی کھڑے تھے اور سعد کہہ رہا تھا۔ فضہ مسکراتے ہوئے کارڈ تھامے صبا سے مل رہی تھی۔ سعد آگے بڑھ کر مجھ سے ملا...... مجھے ذاتی طور پر سعد سے ملنا اچھا لگتا تھا۔

''یار...... کافی...... کولڈ ڈرنک کچھ تو......''

''نو تھینکس، آئندہ سہی......''

''چلیں۔'' مڑ کر صبا کو دیکھا اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''آئندہ ایسا نہیں ہو۔''

''ہوں...... بائے......''

دونوں گیٹ سے باہر نکل گئے۔

''کیسا......؟'' فضہ چمکتی آنکھوں سے میری جانب دیکھنے لگی۔ وہ اِک ماہرِ نفسیات کی بیگم تھی پھر بھی لفظوں میں اس کا مدعا چاہتا تھا۔

''کیا......؟'' تجاہلِ عارفانہ انداز اختیار کر کے میں نے آیان کو ہوا میں اچھالا۔ ماموں کی گود میں وہ خوش تھا۔

''صبا اپنے میاں کے ساتھ آئی ہے، اسے سعد کے ساتھ رہنا پسند ہے۔ ہر دم اس کا ساتھ چاہتی ہے۔ وہ کسی گزشتہ سے پیوستہ محبت کا شکار نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو وہ اپنے کسی کزن کے ساتھ آتی۔ یہ مسئلہ کوئی اور ہے۔'' وہ بڑی عمیق گہرائی سے میری طرح پیشانی کھجاتی سنجیدہ تھی، میں نے نگاہ چرائی۔

''یہ مسئلہ ہی تو تلاش کرنا ہے۔''

''کوئی نفسیاتی گرہ ہے، کوئی ذہنی خلجان ہے کسی قسم کے خوف کا شکار ہے۔ یہ جاننا ہے میرا خیال ہے یہ مسئلہ میں ہی حل کر سکتی ہوں......'' وہ بہت ہی سنجیدہ تھی۔

''فیس کس کے لیے دی ہے تمہیں......؟'' میں آیان کو پیار کرنے لگا۔

''کیسی فیس......؟'' وہ چونکی ہوئی۔

''تم کسی سیاست دان کی اولاد ہو جو کھا کر بھولتی جاتی ہو۔''

''تو دی کیا ہے؟'' وہ حیران تھی۔

''وہ جو تم نے دو فالودے کے گلاس کھائے تھے۔'' میں نے یاد دہانی کرائی۔

''کیا......؟'' وہ تقریباً چیخی۔

''جی تین سو کے دو گلاس تھے اور آپ نے یہ ہی فیس مانگی تھی اور میں نے بیعانہ دیا تھا۔'' میں مکھی چوس ہوا۔

اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''سات سو باقی ہیں، باقی کام پورا ہونے کے بعد......'' مجھے اپنے بنیے پنے پر ہنسی آئی۔

''اور فیس کتنی ہوگی؟''

''یہ تم پر چھوڑا......'' میں گویا بادشاہ ہوا۔

''یعنی بلینک چیک دے رہے ہیں مجھے؟''

''ہاں ـ'' شاہانہ انداز اختیار کیا۔

''تو بس......'' وہ خوش ہوئی۔ ہوا میں چٹکی بجائی۔ ''جلد ہی آپ کو خوشخبری سناتی ہوں۔''

''اے...... اے......'' میں نے فضا میں کھڑا اس کا ہاتھ پکڑا......'' میں نے کہا ناں مجھے ابھی کوئی خوشخبری نہیں چاہیے۔ ان بچوں سے کام چلاؤ سوئٹزر

لینڈ جانا ہے مجھے۔''

''منہ دھو رکھیں۔'' فضہ نے سر گھما کر میری آنکھوں کی چمک کو دیکھا اور ہنس دی۔

''جی نہانے جا رہا ہوں۔'' آیان کو اس کی گود میں دیا۔

''سنیں، مجھے سعد کے بارے میں کچھ پوچھنا تھا۔ اس کے بارے میں کچھ اور بتائیں۔''

''رات کو......'' میں آگے بڑھنے لگا۔

''نہیں، میں بھول جاؤں گی۔'' میں نے رک کر اسے دیکھا......اور گہری سانس لی۔

''اچھا پوچھو......'' میں چیئر پر بیٹھا۔

''صبا......سعد کے ساتھ اِدھر آئی وہ خوش تھی۔ مگر ایسا اطمینان اس وقت اس کے چہرے پر نہیں تھا جب میں وہاں اس گھر میں اس سے ملی تھی۔ جب...... خاموش......ڈری، ڈری سی تھی۔ میں اس کے گھر جا کر اس کے فیملی ممبر سے بھی ملنا چاہوں گی اس کا ماحول دیکھوں گی۔ وہ کسی ذہنی اختلاج میں مبتلا ہے۔ بات یقینی ہے، آپ نے سعد سے یہ پوچھنا ہے کہ گھر کے اندر اور گھر کے باہر......صبا کا رویّہ، اس کا انداز کیسا ہوتا ہے۔ یہ شادی پسند کی ہے یا مکمل ارینج یا لو ارینج کے ساتھ۔''

''ہوں......'' بات کافی گہری تھی مگر گرہ کھل سکتی تھی۔

''سعد سے ملاقات کریں اور یہ ملاقات ایسی ہو کہ صبا ساتھ ہو۔''

''ہوں......'' میرے اندر کے جہاز اڑان لے رہے تھے۔

''اور یہ کہ میں نے صبا کے گھر ہر فنکشن میں جانا ہے۔''

میں چونکا...... ہر فنکشن میں جانے کا مطلب تھا شاپنگ اور شاپنگ میں فی الوقت کر انہیں سکتا تھا۔ آج کل میں ایک دوسرے کیس میں الجھا ہوا تھا۔

''فکر نہیں کریں، میں پرانے کپڑوں سے کام چلا لوں گی وہاں کون مجھے جانے گا کہ میں معروف ڈاکٹر مہران غزنوی کی زوجہ ہوں۔'' اس کی مسکین صورت پر میں دل ہی دل میں ہنسا۔

''ہاں تمہیں لگنا بھی نہیں چاہیے خواہ مخواہ میں لوگوں کو شک ہو جائے گا۔ پرانے ڈریسز جو اتنے بھی پرانے نہیں ہیں ان سے کام چلا لو......'' وہ مجھے گھورنے میں مصروف تھی۔

☆☆☆

بلو کلر کا بے حد خوب صورت گھیر والا ڈریس، چوڑی دار پاجامے کے ساتھ کانوں میں ہلکے سے آویزے، کھلے بال شانوں پر بکھرے تھے۔ مسحور کُن پرفیوم اس کے وجود کو مہکا رہا تھا۔ لائٹ میک اپ کے ساتھ وہ سیڑھیاں اترتی، روش پر چلتی، مالی سے کچھ کہتی گاڑی کے قریب آئی۔

''ٹھیک......'' کجراری آنکھوں میں شرارتی سی چمک تھی۔ خدا کسی بیوی کو یہ احساس نہ دے کہ اس کا شوہر اسے کتنا چاہتا ہے۔ مہران غزنوی نے گہری سانس لی۔

''نائس......''

''بس......!'' کھلے فرنٹ ڈور سے میرے پہلو میں بیٹھ کر دروازہ بند کیا۔

''جی......'' میں شوخ ہوا۔

''آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے، ابھی مہندی، شادی، ولیمہ باقی ہے اور تمہاری اقساط پر کمیشن اور......''

میں نے گاڑی اسٹارٹ کر کے گیٹ سے باہر نکالی...... چوکیدار کو ہدایت دیں اور مین روڈ پر آ گیا۔

میں گنگنانے لگا۔ مجھے تیار ہوئی فضہ بہت اچھی لگتی تھی۔ دل چاہتا تھا اس کے نکھار کو بس نکھارتا رہوں۔ مگر ابھی وقت تھا نہ ماحول......

''اور سنو......جس کام کے لیے جا رہی ہوں ناں وہی کام کرنا۔ میسج مت کرتی رہنا۔ میں مصروف ہوں گا اور میرا اسیل......''

''میرے پاس ہے......'' وہ شوخ ہوئی اور میرا ہاتھ جیب میں جا تارہ گیا۔

''کمال کرتی ہو اگر میں بھول جاتا......تو......''

''مگر میں نہیں بھولتی۔'' میری جانب سیل بڑھایا۔

میں نے تھام لیا۔ روشن اسکرین جگمگا رہی تھی۔
اس کا عکس میرے ہاتھوں میں تھا۔ اسکرین پر اس کا کھلکھلاتا کلوز اپ لو دے رہا تھا۔ وہ یہی کرتی تھی۔ جب میں اس کے ساتھ کسی تقریب میں نہیں جاتا تھا تو وہ سیل اسکرین پر خود کو براجمان کر دیتی تھی۔ اُدھر سے مس کال دیتی...... یا میری کال آتی لازماً مجھے دیدارِ یار کر کے سیل آن کرنا پڑتا۔
میرے دل میں محبت کے دیے بڑھتے جاتے، وہ گانے لگانے لگی تھی۔

☆☆☆

''کافی اچھی فیملی ہے صبا کی اس کی نانو کی پرسنیلٹی ذرا دبنگ ٹائپ ہے۔ شادی میں آپ چلیے گا، صبا بہت محبت سے ملی۔ اسے یقین نہیں تھا کہ میں مایوں میں آسکتی ہوں۔ بہت سادہ سی تھی آنکھوں میں کاجل تک نہیں لگا۔ پھر بھی بہت حسین لگ رہی تھی۔'' رات فضہ، مہران غزنوی کو مایوں سے واپسی پر رپورٹ دے رہی تھی۔
اور وہ توجہ اور یکسوئی سے اسکرین کی جانب دیکھتے ہوئے اس کی باتیں سن رہے تھے۔
''صبا کی آنکھوں میں مجھے ہلکا سا انتظار لگا...... بار، بار پہلو بدلتی اور باہر کی جانب نگاہ کرتی دوبار تو وہ گیٹ کی جانب بھی گئی۔ مگر اداس سی لوٹ آئی۔''
''سعد آیا تھا۔'' مہران غزنوی چونکے۔
''پتا نہیں، مجھے نظر نہیں آیا۔'' وہ ہاتھوں کی کلینزنگ کر رہی تھی۔
''پھر اسے سعد کا ہی انتظار ہوگا۔''
فضہ اس کی جانب دیکھنے لگی۔ پھر گہری سانس لی۔ '' اس کے سارے کزنز بہت اچھے اور اسمارٹ تھے۔ اس کی نانو نے ہی صبا کو پالا ہے۔ اس کی امی کے انتقال کے بعد پاپا باہر چلے گئے اُدھر ہی دوسری شادی کر لی تھی۔ اپنے کزنز کے درمیان وہ بہت خوش لگ رہی تھی۔'' فضہ اب بیڈ پر آ بیٹھی تھی۔
''اپنے کسی کزنز میں انوالو لگی؟''

فضہ نے لمحہ بھر کو سوچا۔
''نہیں، ایسا کچھ تو میں نے محسوس نہیں کیا۔ ویسے میں نے پوچھا تھا کہ سعد کیوں نہیں آئے تو بس مسکرا دی تھی۔ میں نے پھر پوچھا تو بس اتنا ہی کہا کہ پتا نہیں، شادی میں آئیں گے۔ بس اتنا ہی کہا۔''
''یہ کیا بات ہوئی بھلا...... میرے خیال میں تمہاری شادی کے بعد یہ پہلی تقریب ہوگی خاندان میں...... تمہیں تو اسپیشل ڈریس لینا چاہیے تھا۔'' میں نے فوراً کہا تھا۔ مگر وہ ہوں کہہ کر خاموش ہوگئی۔ فضہ بڑی تفصیل سے بتا رہی تھی۔
''ہوں......'' وہ لحظہ بھر کو مسکائی تھی۔
''آپ نے سعد کو جانچا، پڑھا، اسٹڈی کیا۔''
''نہیں، وہ آیا نہیں...... کچھ میں بھی مصروف تھا۔'' مہران بولے۔
''میرے خیال میں...... میں شادی کی تقریب میں یہ مسئلہ کچھ نہ کچھ تو حل کر لوں گی۔'' فضہ نے بڑے خلوص سے کہا۔
''کیسے؟'' سر گھما کر مہران نے اسے دیکھا۔
''یہی تو سسپنس ہے...... بتاؤں گی بعد میں......'' وہ ہنستے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی تھی۔ اور مہران اسے دیکھتے رہ گئے۔
''اچھا جی ہماری بلی، ہمیں ہی میاؤں۔''
''جی نہیں، میں مسز شرلاک ہومز ہوں۔''
''او...... اوہو۔'' مہران کا قہقہہ بڑا جاندار تھا۔

☆☆☆

فضہ بقعۂ نور بنے ہال میں داخل ہوئی۔ متلاشی نظروں سے اطراف کا جائزہ لیا۔ مہران گیٹ پر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ دھیرے، دھیرے چلتی اِدھر اُدھر دیکھتی وہ اسٹیج سے فاصلے پر ایک گول میز کی سائڈ پر جا بیٹھی یہاں سے ہر منظر صاف نظر آ رہا تھا۔
تبھی صبا برائیڈل روم سے باہر آتی نظر آئی۔ پنک اور سلور کنٹراسٹ کی لانگ شرٹ، پنک ہی دوپٹا اور چوڑی دار پاجامہ ہلکا، ہلکا میک اَپ بالوں کی چٹیا گندھی

ہوئی آگے بڑھی تھی۔

فضہ اسے فوکس کیے رہی۔ ابھی سامنے جانا نہیں چاہتی تھی۔ اسے صبا کے انداز، حرکات، گیدرنگ نوٹ کرنی تھی۔ اس کی نظریں آنے والے رستے پر تھیں، وہ ادھر اُدھر گھوم کر پھر برائیڈل روم میں چلی گئی۔ پھر گفٹس اٹھاتی نظر آئی۔

ابھی بارات نہیں آئی تھی۔

فضہ مہران کو مس کال دینے لگی مسکراتے ہوئے اپنی سیلفی لی...... مہران بھی ہنس رہے ہوں گے۔ انہیں ذو معنی ٹیکسٹ کیا۔

اکیلی آکر وہ اسی طرح کی شرارتیں کرتی تھی۔

بہت دیر ہوگئی...... اب کے وہ اُدھر سے گزری تو ہیلو کہہ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''آپ......'' حیرانی سے اسے دیکھا۔

''آپ کب آئیں، میں سمجھی آپ نہیں آئیں گی......'' وہ اس کے سامنے آبیٹھی۔

''مجھے آنا تھا۔''

''کیوں......؟'' تحیر آمیز انداز میں آنکھیں پھیلائیں۔

''تم مجھے بہت اچھی لگی ہو۔''

''اوہ......'' ہلکی سی مسکان صبا کے چہرے پر ابھری۔

''تم نے اپنا برائیڈل ڈریس کیوں نہیں پہنا؟''

مسکان معدوم ہوئی۔

''تم بڑے شوق سے بتا رہی تھیں ناں کہ میں اپنا حسین برائیڈل ڈریس پہنوں گی...... تو بس وہی عروسی جوڑا دیکھنے میں خاص طور پر آئی ہوں۔''

''اوہو......'' مسکان میں اداسی کا رنگ حلول کرنے لگا۔

اس کی نظریں آنے والے رستے پر جا ٹھہریں۔

''سعد نہیں آئے ناں۔''

''کیوں نہیں آئے؟''

''مجھ سے ناراض ہیں ناں......'' اس کی نظریں کسی غیر مرئی نقطے پر تھیں۔

''کیوں؟'' فضہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''شاید میں غلط ہوں، نا سمجھ ہوں...... یا پھر میری قسمت خراب ہے...... مگر پھر بھی میں انہیں منانا چاہتی ہوں مگر میرے اندر کا خوف...... کوئی نہیں سمجھ سکتا۔'' اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے فوراً نظریں چرالیں۔ آنسو شاید اس کے اندر گر رہے تھے۔

''مجھ سے اپنا دکھ شیئر نہیں کرو گی؟''

''میرا مسئلہ کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ نانو کہتی ہیں تم بہت خوش قسمت ہو تمہیں ایسا امیر سسرال ملا ہے بنا کر رکھنا وہاں...... میری زندگی ہے جب تک، تمہاری عزت ہے اس کے بعد تم یہاں مہمان بن کر آنا۔'' فضہ الرٹ ہو کر سن رہی تھی اِک، اِک حرف متاعِ جاں کی طرح سنبھال رہی تھی۔

''تمہارا مسئلہ سعد ہے؟'' دھیرے سے ہاتھ دبا کر پوچھا۔

فضہ کی جانب نگاہ کی۔ شدتِ ضبط سے اس کی آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔ جس نے اس کے حسن میں اضافہ کر دیا تھا۔

''نہیں، وہ تو بہت اچھے ہیں بس میں بری ہوں، ان کی محبت کی پزیرائی نہیں کر رہی......''

''کیوں؟'' فضہ کے اندر تجسس بھر گیا۔

صبا نے اس کی جانب یوں دیکھا اعتماد کرے نہ کرے۔

''تم اپنا دوست سمجھ کر مجھ پر اعتبار کر سکتی ہو۔''

اس نے نگاہ جھکا کر ہتھیلیوں کو دیکھا۔

''زندگی اصل میں ویسی کیوں نہیں ہوتی جیسی ہمیں نظر آتی ہے۔'' اس کا لہجہ بھرایا ہوا تھا۔

حسن جہاں سوز ہو کر لو دے رہا تھا۔ سعد اس مکمل حسن و خوب صورتی کی دیوی سے کیسے دور تھا۔

''نانو کا اصرار نہ ہوتا تو میں آتی بھی نہیں۔''

''صبا اس شادی میں تمہاری مرضی شامل نہیں تھی کیا؟''

''مجھے پسند کی شادی نہیں کرنا تھی۔ زندگی اذیت ناک ہو جاتی ہے۔ ایسی شادی میں محبت یوں ختم ہو جاتی ہے جیسے ہم ایک گھونٹ میں شربت کا گلاس خالی کر دیں۔ پھر ابھی تو میرا بی اے ہوا تھا میں تو شوقیہ

اسکول میں جاب کر رہی تھی۔ میں ابھی شادی بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ایم بی اے میرا خواب ہے۔ اور سعد کہتے ہیں تم ایم بی اے ضرور کرنا...... میں تمہارے ساتھ ہوں...... مجھے پڑھی لکھی لڑکیاں بہت اچھی لگتی ہیں۔'' وہ کسی اندرونی احساس سے مسکرائی۔

تجسس کا پیالہ لبالب بھر کر جھلکنے لگا۔

''پھر اتنی محبت پر اس بے رخی کی وجہ تم اپنی نہیں دوسرے کی چاہت ہو...... میں سعد سے ملی ہوں اِک مکمل وجیہہ انسان ہے، کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل......''

''ہوں......'' اپنی ہتھیلیاں مسلیں۔ ''پتا نہیں یہ میرا نصیب ہے، سعد کی ضد ہے...... تقدیر کا فیصلہ ہے یا پھر کوئی ڈراؤنا خواب ہے۔''

ان کی نگاہ پھر آنے والے رستے پر اٹھی۔ تبھی باہر شور ہوا۔ بارات آگئی، بارات آگئی۔ لڑکیاں باہر بھاگیں، آتش بازی کا شور ہو رہا تھا۔ صبا کھڑی ہوگئی۔

''میں چلوں نانو ناراض ہوں گی۔'' فضہ نے بے اختیار اس کا ہاتھ تھام لیا۔ سارے اندر کے سوال باہر آنے لگے۔

''تم......''

''فضہ......'' دھیرے سے مڑتی وہ ٹھہر گئی۔

''ایسا کیوں ہوتا ہے۔ ہماری زندگی دوسرے گزاریں......'' اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

پھر وہ رکی نہیں...... رک جاتی تو بھرم ٹوٹ جاتا۔

گہری سانس فضہ کے اندر ہی اترنے لگی تھی۔

''دوسرے......؟ ہماری زندگی دوسرے کیوں گزارتے ہیں؟'' ساری حسیات چوکس ہوگئیں۔

''دوسرے کون......؟ کون ہے جو ان کی زندگی گزار رہا ہے۔ ان کی خوشیوں کا چور...... ان کی خوشیوں کا دشمن ہے۔''

اب صبا برائیڈل روم میں چلی گئی۔

فضہ اُدھر ہی بیٹھی رہی۔

بارات اندر آگئی تھی۔ سب نے نشستیں سنبھال لیں۔

صبا اب اپنی نانو کے ساتھ کھڑی نظر آئی، چہرہ اداس تھا۔

فضہ نے اطراف میں نگاہ کی...... سعد نہیں آیا تھا۔ اس کا آنا اہم تھا۔ یہ مسٹری تب ہی حل ہو سکتی تھی۔

کھانے کے دوران صبا کئی دفعہ فضہ کو پوچھنے آئی تھی۔

''سعد آئے؟''

''نہیں...... وہ نہیں آئیں گے...... کہہ دیا تھا۔''

''او ہو...... کیا بہت شدید جنگ ہے؟''

''نہیں...... ایسا بھی نہیں ہے۔'' اس نے کہا۔ ''بس خوف اور دہشت کے آکٹوپس نے مجھے جکڑ لیا ہے، نہ پزیرائی کر سکتی ہوں نہ پسپائی کا اختیار ہے۔''

''ہوں......''

''میں تمہارا مسئلہ حل کر سکتی ہوں اگر تم چاہو......''

''نہیں، میرا مسئلہ کوئی حل نہیں کر سکتا۔'' اس کا لہجہ دھیما ہو گیا...... آگے بڑھ کر گلاس میں پانی ڈالا اور دو گھونٹ پیا۔

تبھی فضہ کا سیل گنگنایا...... مہران اسے لینے آرہے تھے۔ رخ موڑ کر پیچھے دیکھا تو صبا ستون سے ٹیک لگائے اسٹیج پر بیٹھے دولہا، دلہن کو دیکھ رہی تھی۔

ادھوری کہانی، ادھوری داستان، خوب صورت اپسرا...... اداس، اکیلی اور تنہا......

گہری سانس لے کر اس الجھن کو سلجھانے کا عہد کرتی صبا کو خدا حافظ کہتی فضہ گیٹ کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

''کچھ پتا چلا......؟''

''نہیں......''

''پھر یہ اداسی کیوں......؟'' گاڑی آہستہ کی۔ ''اچھا فالودہ کھانا ہے۔''

''نہیں ابھی کھانا کھایا ہے۔ سنیں، آپ کی سعد سے ملاقات ہوئی؟''

''سعد شادی میں نہیں آیا؟'' چونک کر اسے دیکھا۔

''نہیں...... میں سمجھی سعد آپ کے ساتھ ہے۔''

''نہیں، میں تو اپنے کلائنٹس کے ساتھ تھا۔''

''او ہو...... ہم سعد کے کیس پر کام کر رہے ہیں

اور یہ ایک نو بیاہتا جوڑے کا کیس ہے جو آپ کو کہہ چکا ہے کہ وہ خودکشی کرسکتا ہے، اس کے معمولات پر نگاہ رکھنی ہے آپ کو......'' فضہ بردباری سے سمجھاتی اسے بہت اچھی لگی۔

''ہوں......سوری مادام......'' سرِ تسلیم خم کیا۔

''تمہاری صبا سے تفصیلی ملاقات ہوئی؟''

''ہاں ہوئی تو...... لیکن صبا سے ملاقات کے دوران مجھے کہیں یہ محسوس نہیں ہوا کہ وہ کسی اور میں دلچسپی رکھتی ہے۔ اس نے سعد کی بہت باتیں کیں......کہیں بے رخی، ناپسندیدگی محسوس نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کی توجہ کا محور ہی سعد تھا۔''

''ہوں......''

''ابھی کل کا دن باقی ہے، ولیمہ ہے کل...... میں چاہتی ہوں کہ آپ سعد کو لے کر آئیں۔ ان کی ملاقات اور گفتگو میں خود دیکھنا اور سننا چاہتی ہوں...... اردگرد کے لوگوں کا رویہ جانچوں گی۔ وہ خود کو بہت خوش ظاہر کرتی ہے پر اندر سے اداس ہے۔ اس کی کزنز اس کی نانو، صبا کی خوش قسمتی پر فخر کرتی ہیں۔''

''ہوسکتا ہے کوئی ان کی خوشیوں سے جلتا ہو۔ اور انہیں بلیک میل کررہا ہو؟'' موڑ کاٹتے ہوئے اس نے کہا۔

''ہاں......اور اسی ''کوئی'' کا تو پتا کرنا ہے۔''

''میرے خیال میں سعد کے گھر والوں یا صبا کے گھر والوں میں سے کوئی ہے جو ان دونوں میں سے کسی سے شادی کرنا چاہتا تھا اور ناکامی کی صورت میں یہ گل کھلا رہا ہے۔'' مہران غزنوی سنجیدگی سے کہانی کے ہر رخ کا جائزہ لے رہا تھا۔ فضہ بھی اتنی ہی سنجیدہ تھی۔

''کل ہمیں بہت کچھ پتا چل سکتا ہے اگر آپ سعد کو لے آئیں۔''

''اوکے، میں کوشش کرتا ہوں۔'' انہی باتوں کے دوران وہ گھر پہنچ چکے تھے۔

☆☆☆

فضہ کو ولیمے کے لان میں چھوڑ کر مہران سعد کو لینے چلا گیا تھا۔ صبا کو تو ظاہر ہے میکے سے ہی آنا تھا۔

ابھی اس کی نگاہیں اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں کہ ایک لڑکی جو شاید صبا کی کزن تھی اس کی طرف پرتپاک انداز میں بڑھی۔

''آپ صبا کی دوست ہیں ناں، میں نے کل اس کے ساتھ آپ کو دیکھا تھا۔'' فضہ نے نے اثبات میں سر ہلایا اور اس کے ساتھ چلتی ہوئی ایک میز کی طرف آگئی۔

''صبا ابھی آنے والی ہے۔'' اس نے خود ہی بتادیا۔

''اچھا ایک بات بتاؤ......صبا خوش ہے ناں اپنی سسرال میں......'' فضہ کو اپنا سوال بے تکا سا لگا تھا مگر پوچھنا ضروری تھا۔

''ہاں بہت خوش ہے مگر مجھے لگتا ہے اس کی ساس اور چھوٹی نند خوش نہیں ہیں جب بھی جاؤ منہ ہی بنا رہتا ہے ان کا۔ کل شادی میں بھی نہیں آئیں۔ سعد بھائی کو بھی آنے نہیں دیا۔'' وہ متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتے خاصی گہری بات کہہ گئی تھی۔

''تم نے محسوس کیا یا اس نے بتایا؟''

''وہ کیا بتائے گی، ہمارے بھی یہ بال دھوپ میں کالے نہیں......میرا مطلب ہے سفید ہورہے ہیں تجزیہ کاروں کو ہی اندر کی بات چلتی ہے۔'' اس نے خاصی شوخی سے کہا۔

''اصل میں میرا اور صبا کا بچپن کا ساتھ ہے، میری دعا تھی کہ آئندہ زندگی میں بھی ہم دونوں ساتھ رہیں۔ مگر بھلا ہو میری قسمت کا......سعد بھائی کا چھوٹا بھائی نہیں تھا اور فراز نے مجھے کہیں اور جانے نہیں دینا تھا۔ نکاح کر کے ہی چھوڑا......اگلے ماہ رخصتی ہے میری......آپ بھی آیئے گا۔'' خاصی باتونی، شوخ و شرارتی سی لگی اسے رابین۔

''اچھا یہ بتاؤ، صبا اور سعد کا رشتہ کیسے ہوا؟'' فضہ نے اچانک ہی پوچھ لیا۔

''سعد بھائی کو صبا بک فیئر میں پسند آگئی تھی۔ لائن مارنے لگے، صبا تو سدا کی ڈرپوک......ہراساں ہو کر

بھاگی۔ انہوں نے گھر تک پیچھا کیا۔ پھر دو تین بار گھر کے آگے بھی پائے گئے۔ پارک میں بھی آ گئے، بازار میں مل گئے اور تو اور اتنی فرصت تھی ان کے پاس کہ آئس کریم پارلر تک پہنچ کر ہمارے سامنے بیٹھ گئے۔ صبا ٹھنڈی ٹھار اس کا قلفہ بھی مجھے کھانا پڑا۔ سعد بھائی نے مجھ سے ہی کہا کہ میں آپ کی کزن کے لیے رشتہ بھیجنا چاہتا ہوں۔ اور صبا تو خوف سے بے ہوش ہونے لگی؟ اس نے آپ کو یہ سب نہیں بتایا......؟'' کہتے کہتے وہ اچانک ہی رکی۔

''نہیں، ہم ابھی دوست بنے ہیں۔''

''اوہو......''

فضہ نے اطراف میں نگاہ کی لوگ آنا شروع ہو گئے تھے۔ مہران اور سعد کا دور، دور تک پتا نہیں تھا۔ وہ رامین کی جانب متوجہ ہوئی معلومات کا خزانہ تھا۔ اس کے پاس...... ''صبا'' اس کا پسندیدہ موضوع تھا۔

''پھر......؟''

''پھر...... یہ کہ میں چاہتی تھی کہ یہ رشتہ نہ ہو...... صبا کو ہر لمحہ میری ضرورت تھی، میں اسے جانتی، سمجھتی ہوں، میں چاہتی تھی کہ فراز کے بڑے بھائی اعتراز سے اس کا رشتہ ہو مگر ممانی کو صبا پسند نہیں تھی اس کی زندگی کے حالات، والدین کے تعلقات، جھگڑے وہ سمجھتی تھیں کہ صبا میں ایک اچھی بہو بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔ پھر نانو بھی چاہتی تھیں کہ اس کا رشتہ باہر ہو، سعد کا رشتہ اچھا لگا...... انہوں نے قبول کر لیا۔ یوں اس کی شادی ہو گئی۔ اور میرے خیال میں یہ شادی خالصتاً سعد بھائی کی پسند ہے۔ ان کی ممی اور گھر والوں کی دلچسپی نہ ہونے کے برابر ہے۔'' فضہ کی ساری حسیات رامین کے لفظوں پر تھی، کہانی کا تانا بانا بننا شروع ہو گیا تھا۔

''اگر آج فراز نہیں آئے ناں تو میں اپنا سیل توڑ دوں گی۔ نہ ہوگا بانس نہ بجے گی بانسری......'' منہ بسورا۔ فضہ ہنس دی۔ رامین کے پیچھے کھڑا شخص بھی ہنس رہا تھا۔

''صبا بھی نہیں آئی ابھی تک۔'' تبھی فضہ شرارت

سے ہنسی۔

''رامین......''

''جی...... اس کی جانب دیکھا تاہم نظریں اطراف میں تھیں۔

''فراز کیسے ہیں، کس نیچر کے ہیں۔'' رامین ہنس دی۔ فضہ کے سوال پر پیچھے کھڑا لڑکا ذرا سا آگے ہوا۔ وہ یقیناً فراز ہی تھا۔

''بہت اچھے، لونگ، کیئرنگ، مجھے بہت اہمیت دیتے ہیں، سوفٹ نیچر ہے ان کی...... وہ تو میں ہی جھگڑا کرتی ہوں، صبا مجھے لڑاکا کہتی ہے۔''

''ہوں......اور تم کہتی ہو میں لڑاکا ہوں......'' وہ سامنے آگیا تھا۔ چیخ کر رامین نے منہ پر ہاتھ رکھا۔ اظہار اور اتنا اظہار، شرارت اور ہنسی فراز کی آنکھوں اور چہرے سے پھوٹ رہی تھی۔

''شکریہ...... مادام......'' اس کی جانب جھکا...... رامین بلش ہو رہی تھی۔ فضہ دلچسپی سے اس پیارے کپل کو دیکھ رہی تھی۔

لان بھر گیا تھا، دولھا، دلہن سامنے سے آرہے تھے۔ صبا، نانو کا ہاتھ تھام کر چلی آرہی تھی۔ اس نے گولڈن سلور امتزاج کا بے حد خوب صورت انگرکھا...... اسٹائل کا خوب صورت گھیر دار ڈریس زیب تن کیا ہوا تھا مگر وہ برائیڈل ڈریس نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی اداسی تھی۔ ہونٹوں پر مسکان......

سعد نہیں آیا تھا شاید......

صبا نے ابھی تک اسے نہیں دیکھا تھا۔ نانو کے ساتھ اسٹیج کے سامنے رکھے صوفوں پر بیٹھ گئی۔ دولھا، دلہن سے لوگ مل رہے تھے۔ اسٹیج خالی ہوا تو وہ نانو کے ساتھ اسٹیج پر چلی گئی۔ رسمی ملاقات اور منہ دکھائی ہوئی۔ مووی کی لائٹس میں صبا بے حد چمک رہی تھی۔ تبھی فضہ نے سر گھمایا مہران اور سعد آرہے تھے، سعد نے پنک شرٹ کے ساتھ نیوی بلیو سوٹ پہنا ہوا تھا۔ اور......اور اس کی نظریں اسٹیج پر کھڑی صبا پر ٹک گئی تھیں۔

''چلو......!'' مہران اسے دیکھ کر اس کی جانب گیا اور اس کا ہاتھ تھاما......

''مہران آپ سعد کو نوٹ کریں، میں صبا کو واچ کر رہی ہوں۔'' مہران کا ہاتھ تھام لیا۔

صبا نانو کو لے کر اسٹیج سے اتر رہی تھی، وہ کوئی مغلیہ حور کی شہزادی لگ رہی تھی۔

سعد کی نگاہ نہیں ہٹ رہی تھی۔ محبت آمیز وارفتگی نگاہوں سے عیاں تھی۔ صبا گھوم کر گئی اور نانو کو گلاس میں پانی لاکر پلایا۔ گلاس رکھنے گئی تو اُدھر ہی کزنز سے ملنے لگی۔ سعد اور پیچھے ذرا سائڈ میں ہوا......تبھی گھومتے ہوئے صبا کی نگاہ اطراف میں دیکھتے ہوئے سعد پر پڑی اور وہ دم بخود تھی۔ اسے شاید سعد کے آنے کی امید نہیں تھی۔ بے ساختہ کرسیوں سے ٹکراتی فراک سنبھالتی وہ اس کے قریب آئی۔

سعد تھوڑا پیچھے ہو گیا تھا۔ مہران اور فضہ انہیں بغور دیکھ رہے تھے۔

''آپ......'' بے حد قریب آکے ٹھہری۔ اس کی آنکھوں میں تحیر آمیز خوشی تھی۔ کانوں میں جھمکے گنگنا رہے تھے۔

''کیسی ہو؟'' سعد نے بے ساختہ اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''ٹھیک...... آپ کل کیوں نہیں آئے؟'' اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''کیوں آتا......کیا فائدہ تھا؟''

''میں کل اپنا برائیڈل ڈریس پہننا چاہ رہی تھی۔''

''کیوں......؟''

صبا کا سر جھک گیا۔ ہونٹوں پر مسکان تھی۔

''میں آج پہن لیتی اگر مجھے پتا ہوتا کہ آپ نے آنا ہے۔''

''کیوں بھئی......؟''

''آپ کو وہ ڈریس پسند ہے ناں۔'' وہ بلش ہو رہی تھی۔

''سب پتا ہے پسند ناپسند کا پھر بھی......'' وہ بڑبڑایا۔

''تم آج بھی اپسرا لگ رہی ہو۔''

''فضہ یہ غیر اخلاقی حرکت ہے، وہ کپل ہے اور ہم ان کی گفتگو سن رہے ہیں۔'' قریب کھڑے مہران کو ہوش آیا۔

''نہیں، یہ گفتگو سننا ان کے علاج کا حصہ ہے۔ دنوں میں محبت وچاہت ہے، کشش ہے مگر درمیان میں ہے کوئی جو ان کی خوشیوں کا رس کشید رہا ہے۔''

''ہوں......'' پھر دونوں نے ایک ٹیبل سنبھال لی۔ پھر دونوں اٹھے اور باہر نکل گئے۔ فضہ اور مہران ان کی ٹیبل پر آ کے بیٹھ گئے۔

''یہ پنچھی تو گئے......''

''سعد کل کیوں نہیں آیا تھا؟'' فضہ نے مہران سے پوچھا۔

''اس کی ماما کو سعد کے ساتھ ڈاکٹر کی جانب جانا تھا۔''

''اور آج......''

''آج یہ میرے ساتھ ہے اور انہیں خبر نہیں کہ میں اسے یہاں شادی میں لے کر آیا ہوں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ سعد اس شادی میں جائے۔''

''پر کیوں......؟'' فضہ کو اچنبھا سا ہوا۔

''ان کا رویہ عجیب سا لگا مجھے ایسے جیسے وہ سعد کے سسرال والوں کو پسند نہیں کرتی ہوں۔''

''کیوں......؟''

''اس کیوں کا ہی تو جواب ڈھونڈنا ہے۔''

''آپ نے دیکھا یہ دونوں کتنی خوشی اور بے ساختگی سے ملے ہیں۔''

''ہاں......'' فضہ، مہران کو رامین سے ہونے والی گفتگو بتانے لگی۔

''میرے خیال میں دونوں کی الگ، الگ psychoanalysis (تحلیلِ نفسی) کیا جائے اور مجھے سعد کے گھر والوں سے ملنا چاہیے۔''

''بڑا غرور ہے ان میں، نہیں ملتے اپنی کلاس کے سوا......''

''ہماری کلاس بھی کم ہے کیا۔'' فخر سے اس نے مہران کو دیکھا۔

''شکر ہے آپ نے ہماری جانب بھی توجہ کی۔''

''ساری توجہ ہی آپ کے لیے ہے جناب۔'' مہران غزنوی کی قربت میں سرشار رہتی تھی وہ...... قریب سے گزرتے ویٹر سے پائن ایپل فریش جوس کے دو گلاس اٹھا لیے۔

''تم نے سیلفی تو زبردست بھیجی تھی۔'' فضہ ہنس دی۔ تبھی میسج ٹون بجی۔

فضہ نے میسج چیک کر کے سیل ٹیبل پر رکھ دیا۔ جوس پیتے ہوئے مہران نے سیل فون اٹھایا۔ اور ہنس کر فضہ کو دیکھا۔ سیل پر مہران کا پوز جگمگا رہا تھا۔

''اچھی ہے ناں......''

''ہاں...... کب لی!''

''جب آپ مصروف تھے۔'' وہ ہنسی۔

تبھی مہران نے فضہ کے شانوں پر ہاتھ پھیلایا اور دوسرے ہاتھ سے سیل آن کر کے سیلفی لینے لگا۔ اردگرد سے لوگ واؤ کہتے گزرے۔ دو تین تصویریں لیں۔ تبھی کھانا لگ گیا۔ سامنے سے صبا اور سعد آ رہے تھے۔ خوب صورت جوڑا...... آتے ہوئے حسین لگ رہا تھا۔ فضہ نے کیمرا آن کر لیا۔

''یار ہمیں لائے تھے، ہمیں بھی بھول گئے۔'' ہنستا ہوا وہ ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

صبا کے چہرے پر مسکان تھی۔ وہ فضہ کی جانب آ گئی۔

''ہو گئی تمہاری مصروفیت ختم......'' ہاتھ تھاما۔

''آئی ایم سوری...... میں دراصل......''

''پتا ہے سب...... اب طبیعت کیسی ہے تمہاری......؟''

''ارے تمہاری طبیعت خراب تھی بتایا کیوں نہیں، میڈیسن لیں تم نے؟'' سعد سنجیدگی سے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''بس فلو اور بخار تھا...... اب ٹھیک ہے۔''

''دکھاؤ......'' کلائی تھام لی۔

''ابھی ہے فیور......''

یہ دونوں توجہ سے ان کا آپس کا انہماک دیکھ

رہے تھے۔ دونوں کی محبت گرمجوشی، احساس، توجہ ایک دوسرے کے لیے تھی۔ اک دوسرے میں گم تھے۔ ایک دوسرے میں ہی جینا چاہتے تھے۔

فضہ اور مہران نے ایک دوسرے کو دیکھ کر گہری سانس لی۔ یہ کیس حل کر کے انہیں ذاتی خوشی ہوتی۔ محبت کو محبت کے پاس ہی رہنا چاہیے۔

☆☆☆

گیٹ کھلا اور چوکیدار نے اسے لان میں بیٹھی خاصی فربہ مائل خاتون تک پہنچا دیا۔ آج وہ صبا کی سسرال آئی تھی۔ اسے معلوم تھا وہ نہیں ہے مگر پھر بھی مہران نے اس کے کہنے پر اسے یہاں چھوڑ دیا تھا۔ انہوں نے سر سے لے کر پاؤں تک اس کا جائزہ لیا۔ خاصا غرور اور نخوت بھرا انداز تھا۔

''کون......؟''

''میں فضہ ہوں، صبا کی دوست۔'' تنقیدی نگاہ سے انہوں نے دیکھا۔

''وہ تو میکے گئی ہوئی ہے۔''

''اچھا......وہ تو کہہ رہی تھی کہ میں آجاؤں گی۔''

''جن لڑکیوں کا میکے میں دل لگتا ہے وہ گھر نہیں بساتیں۔ اس کے تو طور طریقے ہی مجھے اچھے نہیں لگتے......آئے دن میکے کی دوڑ......'' خاصی تیز طرار، خاتون لگیں اسے۔

''صبا آپ کی بہت تعریف کرتی ہے۔'' وہ اب کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔

''ظاہر ہے اتنا اچھا امیر کبیر سسرال ہے، تعریف بھی نہ کرے، میرا معصوم سا بیٹا پھانس لیا۔ سعد نے جانے کیا دیکھا اس میں...... خیر اب تو وہ سعد کے دل سے اترتی جا رہی ہے۔ عقل آ رہی ہے اس میں...... میاں کو چھوڑ کر میکے جانے کا مطلب اب سعد کو بھی سمجھ آنے لگا ہے۔''

فضہ اندر ہی اندر جز بز ہو رہی تھی۔ یہ تو گویا ادھار کھائے بیٹھی تھیں۔

''تم اس کی کون سی دوست ہو اس کو دوست بنانا اچھا نہیں لگتا۔''

''دراصل ہماری ابھی حال ہی میں ملاقات ہوئی ہے، میں ایم بی اے کر رہی ہوں اور اسے ایم بی اے کا شوق ہے تو میں نے سوچا ذرا گائیڈ ہی کر دوں۔''

''میکے میں جا کر کرو یہاں تو وہ رہتی نہیں......'' خاصی بے رخی سے کہا۔

فضہ کو فرق صاف نظر آ رہا تھا۔

تبھی اندر سے خاصی ماڈرن سی لڑکی آئی۔

''ماما، سعد، صبا کو لینے جا رہا ہے؟''

''ہاں مگر میں منع کر دوں گی۔''

''تھینکس اور اسے مایا کے گھر لے کر آئیے گا اپنے ساتھ میں وہیں جا رہی ہوں۔''

''او کے جانو......''

فضہ زیرک نگاہی سے دیکھ اور سن رہی تھی۔

ایک عورت کے انداز میں دولت کا تکبر تھا دوسری کے انداز میں پیسے کا نشہ......امارت کا زعم......

''تم اس سے فون پر بات کر لینا۔''

''گویا کہہ رہی ہوں جاؤ تم۔''

''جی دراصل میں......''

تبھی ان کا سیل فون بجا......اسے اگنور کر کے سیل آن کیا۔

''ہاں زہرہ، ٹھیک ہو......ہاں میری بات نہیں ہوئی، مانتا نہیں ہے، تمہارے بابا سے بھی بات کی تھی۔ وہ تو سعد کو ہی لے رہے ہیں۔''

''ہوں......میں شام میں کلب آؤں گی اُدھر ہی بات کرتے ہیں۔''

''نہیں، نہیں آئی وہ میکے سے۔ نہ آئے تو بہتر ہے آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل......''

''مائی گاڈ......!'' فضہ نے ایک جھرجھری سی لی۔

''یہ شادی ہوئی کیسے؟ محض سعد کی ضد کی وجہ سے۔''

''میں نے کہا ناں بی بی جاؤ......وہ یہاں نہیں رہتی۔'' انہوں نے بات ختم کر کے اس سے کہا۔

''جی میں دراصل......''

مگر وہ کچھ کہنے سننے کے موڈ میں نہیں تھیں اسے اگنور کر رہی تھی۔ سیل پھر بجا...... فضہ اٹھی اور خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئی۔

ایسی دولت کا کیا فائدہ جو دوسروں کی عزتِ نفس مجروح کر کے صبا کا گریز و فرار بھی شاید اسی لیے ہے۔ تکبرانہ انداز اسے غلام بنا رہا تھا۔ جبکہ سعد اسے چاہتا تھا صبا بھی محبت کرتی ہے۔ درمیان...... یہ درمیان کے لوگ، تکبرانہ خیالات...... حاسدانہ انداز اور ناپسندیدگی ان کے درمیان خلش تھی۔ فضہ کڑی سے کڑی ملا رہی تھی۔

صبا سے ملنا ضروری تھا۔ اس سے زیادہ ضروری مہران کا سعد سے۔

☆☆☆

وہ گیٹ سے نکل کر چلتی ہوئی روڈ تک آ گئی تھی۔

''پتا نہیں کیوں صبا، مجھے لگتا ہے تم سعد کے ساتھ خوش نہیں ہو، تمہارا رویہ، تمہارا گریز، تم اتنے دن سے نانو کے گھر ہو۔'' فون پر بہت ساری گپ شپ کے بعد اچانک ہی فضہ نے کہہ دیا۔

''نہیں، ایسی بات نہیں ہے۔''

''ہوسکتا ہے میرا وہم ہے...... مگر مجھے وہم نہیں لگتا۔ ایک مکمل انسان تمہارے پاس ہے اور اس سے دور رہ کر اسے اگنور کرنا جبکہ تمہاری شادی کو بھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔'' انتہائی نازک موضوع اٹھایا تھا اس نے۔

''دراصل نانو بیمار ہے ناں!''

''تمہارا گھر بھی تو ہے ناں......''

''سعد کا فون آ جاتا ہے۔''

''اسے تمہاری محبت، تمہاری قربت کی ضرورت ہے۔ شروع دنوں کا ساتھ ساری عمر یاد رہتا ہے، بہت دلگداز لمحے ہوتے ہیں، تم لوگ ہنی مون پہ بھی نہیں گئے۔''

دوسری جانب خاموشی تھی۔

''یار میں تو دوست سمجھ کر بات کر رہی ہوں، برا لگا تمہیں۔''

''نہیں......''

''کوئی مسئلہ ہے تو کہہ سکتی ہو۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' دھیمی سی آواز ابھری۔

فضہ کی چھٹی حس متحرک ہوگئی۔

''تمہاری ساس نندوں کا رویہ تمہارے ساتھ ٹھیک ہے؟''

''ہاں......'' کئی لمحوں کی خاموشی کے بعد پھیکا سا جواب دیا گیا۔

''پھر تم اتنے دن سے میکے میں ہو، سعد کی خبر نہیں تمہیں۔''

''فضہ میں فون بند کرتی ہوں، نانو بلا رہی ہیں۔'' فون بند ہوگیا تھا۔

فضہ نے گہری سانس لی۔

''تو دوسرے جو اس کی زندگی خراب کر رہے ہیں۔ وہ اس کے سسرال والے ہیں۔''

موضوع سے فرار، خوفزدہ انداز مگر کیوں...... ولیمہ تو بہت دھوم دھام سے ہوا تھا۔ سعد کے گھر والے ایسا کیا کر سکتے ہیں کہ سعد مرنے مارنے پر اتر آئے۔ خودکشی کی دھمکی دے ڈالے...... اتنی شدت پسندی اختیار کر لے۔

بالکونی میں ٹہلتے ہوئے فضہ ان دونوں کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

''تم سسرال کب تک جاؤ گی؟'' آج پھر وہ اس سے بات کر رہی تھی۔

''کیوں......؟''

''دل چاہ رہا ہے تم سے ملنے کو......''

''نانو کے گھر آ جاؤ ناں!''

''اچھا نہیں لگتا روز، روز آنا، تم آؤ ناں ویسے بھی خاصے دن ہوگئے ہیں تمہیں میکے میں رہتے، سعد غصہ نہیں ہوتا؟'' دوسری جانب تھکی ہوئی خاموشی تھی۔

''اور تمہارا خود دل نہیں چاہتا سعد کے قریب رہنے کو آخر تم بھی تو چند ماہ کی دلہن ہو۔'' ہنوز خاموشی برقرار تھی۔

''چلو تمہاری نانو سے بات کرتی ہوں اسے گھر بھجوائیں بہت ہوگیا۔''

وہ ضرب یہ ضرب دے رہی تھی۔

''لگتا ہے، تمہیں میری باتیں بری لگتی ہیں۔''

''نہیں...... ایسا نہیں ہے۔''

''کچھ پریشان ہو یا سسرال میں الجھنیں ہیں۔''

''میری الجھنیں کوئی نہیں سلجھا سکتا۔'' دھیمی سی سرگوشی......

''کیوں...... تم مجھے بتاؤ، میں ہوں، میرے شوہر نفسیاتی ڈاکٹر ہیں۔''

''مجھے سسرال میں ہی رہنا ہے، سعد مجھے عزیز ہیں۔ فضہ میں انہیں اور ہرٹ نہیں کر سکتی۔''

''ایک بیوی تو شوہر کو خوشیاں دیتی ہیں، نئی امیدیں ہوتی ہیں، وصلِ یار کا خمار ہوتا ہے، ایسی کون سی بات ہے جو ہرٹ کر سکتی ہے؟''

''زندگی میں بہت ساری چیزیں ہوتی ہیں جو ہماری تابع نہیں ہوتیں۔ ہمیں اتفاقاً ملتی ہیں اور انہیں کھونے کا بھی ڈر رہتا ہے۔ اور نانو کے بعد میں اپنی زندگی میں بہت اکیلی ہوں۔ میں سعد کی خوشی کھونا نہیں چاہتی۔''

''کون چھینے گا تمہاری خوشی......؟'' فضہ نے کریدا۔

فون یک دم ہی بند ہوگیا تھا۔

''ہیلو، ہیلو صبا۔''

دوبارہ رنگ کیا، جواب ندارد...... سوچوں کے در وا ہوگئے۔ ایسی کون سی بات ہے جس نے دونوں کو پریشان کر رکھا ہے، زندگی ویسی کیوں نہیں ہوتی جیسی ہمیں نظر آتی ہے۔ یقیناً صبا کی ساس اس کی نندیں اس کے لیے دکھ کا باعث ہیں مگر کیوں......؟ ولیمہ کتنا شاندار تھا، فضہ اندر ہی اندر سوچتی رہی۔

رات میں مہران سے بات ہوئی۔

''سعد کلینک آیا تھا؟''

''ہاں......''

''کوئی بات آگے بڑھی؟''

''نہیں...... وہ خاموش رہتا ہے، تذبذب کا شکار...... اس کی بیوی میکے میں ہے اور......'' مہران نے گہری سانس لی۔

''اور......''

''اور یہ کہ سعد باہر جا رہا ہے بزنس کے سلسلے میں اس کے پاپا بھیج رہے ہیں ساتھ ہی کوئی کورس کرنا ہے اسے وہاں۔''

''اور صبا......؟''

''تم نے کیا نتیجہ اخذ کیا اس سے ملاقات اور کالز پر۔''

''وہ نہیں کھلتی...... میرے خیال میں ایک میٹنگ آفس میں رکھ لیں۔''

''ہوں......''

''کچھ ٹیسٹ لیں، تحلیلِ نفسی کریں، کچھ پزل کروائیں۔'' مہران غزنوی نے اسے دیکھا اور ہنس دیے۔

''میری جانشین......'' اس کے شانوں پر ہاتھ پھیلائے۔

''تگڑی تنخواہ لیا کروں گی......''

''کچھ کام فی سبیل اللہ بھی کر لیا کرو......'' اپنے ساتھ لگا کر اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

وہ بھی کھلکھلا کر ہنس دی۔

☆☆☆

''سعد تم مجھے جب تک خود اپنے بارے میں نہیں بتاؤ گے کچھ نہیں ہو سکتا۔ صبا بھی کچھ نہیں بولتی۔ مگر تم دونوں کے درمیان کوئی بات ہے ضرور۔ مگر ایک بات یاد رکھنا صبا کی زندگی میں تمہارے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اور تمہاری زندگی بھی میرے سامنے ہے...... بات کچھ اور ہے اور یہ تم سے بہتر کوئی دوسرا نہیں جانتا...... اگر تم اس ڈپریشن سے باہر نکلنا چاہتے ہو تو تم خود بتاؤ۔''

سعد غور سے مہران غزنوی کی باتیں سن رہا تھا۔

''آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اسے کسی دوسرے سے محبت نہیں ہے۔''

''اس بارے میں تم کیا جانتے ہو؟''

''بہت کچھ مطلب...... وہ میرے ساتھ خوش نہیں ہے۔'' اس نے سخت لہجے میں کہا۔

''گھر میں اس کا رویّہ بیگانوں والا ہے۔ میرا قرب، میری خلوت اسے ڈراتی، سہاتی ہے۔ مجھ سے فرار کے راستے تلاش کرتی ہے، وہ میری چیزوں کو میرے سامنے استعمال نہیں کرتی۔ میری موجودگی میں خود کو مصروف رکھتی ہے۔ اور...... اس سے زیادہ کیا بتاؤں۔''

''مگر ہم نے تو تم دونوں کو ایک ساتھ خوش دیکھا ہے۔ اس کی آنکھوں میں چمک ہوتی ہے۔''

''شاید......''

''ہوں......''

''کوئی نہ کوئی مسٹری ہے۔''

''اور یہ مسٹری آپ نہیں سلجھا سکتے۔ میرا خیال ہے مجھے چلنا چاہیے۔ مایوس ہو جانا چاہیے۔ ہماری قسمت میں ملن نہیں ہے۔ مجھ سے بھاگنے کے لیے اس کے پاس ایک سو ایک بہانے ہیں تو پھر ہمیں ایک دوسرے سے دور ہی بھاگ جانا چاہیے۔'' بہت تلخ ہو رہا تھا وہ۔

''ہوں......''

مہران غزنوی کی آنکھیں اسے پڑھ رہی تھیں جانچ رہی تھیں۔ تجزیہ کر رہی تھیں۔

اُدھر...... پارک میں صبا کے ساتھ واک کرتے ہوئے فضہ اسے سمجھا رہی تھی۔ زندگی اس طرح سے نہیں گزرتی جس طرح سے وہ گزارنا چاہتی تھی۔ ''میں تمہاری ہم راز ہوں، اعتبار کرو یار......'' چپ چاپ چلتے ہوئے تھک کر وہ سنگی بینچ پر بیٹھ گئی۔

''بولو صبا......''

''فضہ......'' اس کی جانب دیکھا اور اس کی آنکھوں سے بے بسی کی تصویر بنے آنسو رخساروں پر پھسل گئے۔ ''میرے پاس بولنے کے لیے لفظ نہیں ہیں۔''

''تمہارا گھر ٹوٹ جائے گا۔''

''شاید ٹوٹنے کے لیے ہی بنا ہے۔'' اس کے انداز میں خود ترسی تھی۔

''رشتے اتنے معمولی نہیں ہوتے کہ انہیں یوں توڑ دیا جائے۔ اپنی خوشیوں کے لیے آخری وقت تک جنگ کی جا سکتی ہے۔'' وہ اپنی انگلیاں مروڑتی رہی، بے چینی سے پاؤں کا انگوٹھا مسلتی رہی۔

''زندگی گزارنے کا سلیقہ سیکھو صبا۔'' وہ سر جھکائے سنتی رہیں۔

''تمہاری زندگی میں کوئی دوسرا ہے۔''

''نہیں......''

''تمہاری شادی خاندان میں کیوں نہیں ہوئی؟'' زیرِ لب ہونٹ کاٹتی رہی۔

''جن کے ماں، باپ اپنی جنگ لڑتے رہیں، ان کی اولادوں کو کوئی نہیں پوچھتا۔''

''کوئی تم سے محبت تو کرتا ہوگا؟''

''محبت حاصل نہیں ہوتی۔''

صبا کی نظریں غیر مرئی نقطے پر تھیں، سامنے درخت پر پرندے بسیرا کرنے کے لیے اتر رہے تھے۔

''شاید وقت خود میرے مسئلے کا حل کر دے۔''

''مسئلے کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔ اسے حل کرنے کے لیے وقت کا انتظار نہیں ہوتا۔''

صبا چپ رہی، وہ کسی ذہنی کشمکش کا شکار تھی۔ اندرونی انتشار اسے شدید ضبط سے گزار رہا تھا۔ اور زندگی میں اس نے سب سے زیادہ صبر کرنا ہی سیکھا تھا۔

دھیرے سے فضہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا جو ٹھنڈا برف ایسا ہو رہا تھا۔ فضہ کو نظر آ رہا تھا کہ صبا کچھ نہیں بولے گی۔ اسے عزتِ نفس بہت عزیز تھی۔ اور اسے صرف اپنے لیے ہی جینا نہیں آتا تھا باقی سب کے لیے وہ جیتی تھی۔

''تمہیں جینا میں سکھاؤں گی۔ زندگی پر تمہارا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا دوسروں کا تم پر۔'' فضہ نے دھیرے سے اٹھ کر اس کا ہاتھ دبایا۔

وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی۔

''میں اِک راؤنڈ لگا کر آتی ہوں۔'' اسے یونہی چھوڑ کر وہ آگے بڑھی تھی۔

☆☆☆

کمرے میں مخصوص ہلکا سا اندھیرا تھا۔ صبا

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماءے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

میڈیسن کے زیر اثر کلینک کے بیڈ پر نیم دراز تھی۔
مہران غزنوی سائڈ چیئر پر بیٹھے تھے۔ فضہ کھڑی تھی۔
بہت مشکل سے اس تیسری کوشش میں وہ بولی تھی اور اس طرح سے بول رہی تھی کہ فضہ دم بخود تھی۔
ماہر سائیکاٹرسٹ مہران غزنوی نے اپنے طریقۂ علاج سے اسے بولنے پر مجبور کیا تھا۔
''مجھے نانو بہت عزیز ہیں، مجھے سعد بہت عزیز ہے، میں ان کے لیے اپنی جان بھی دے سکتی ہوں۔ شاید میری زندگی کے لیے خوشیاں اتنی دیر کے لیے ہی آتی ہیں۔''
''کیا تم اپنی زندگی سے خوش ہو؟''
''خوش...... ہاں میں اپنی زندگی سے خوش ہوں...... اگر، اگر سعد کی ماما درمیان میں نہ ہوں۔ ماما جو مجھے نہیں چاہتیں...... میری غربت انہیں اچھی نہیں لگتی، وہ کہتی ہیں' ہیں... یں'' رک کر گہرے سانس لینے لگی۔ ''میں تمہیں سعد سے الگ کردوں گی اگر تم اس سے دور نہ ہوئیں تو...... مجھے تمہارے، وجود سے سعد کی نسل نہیں چاہیے۔ وہ، وہ کہتی ہیں کہ...... کہ......'' صبا کے چہرے پر شدید کرب تھا۔ جانے اذیت و درد کی کس، کس منزل سے گزر رہی تھی وہ۔ فضہ دم بخود تھی۔
''وہ کہتی ہیں کہ میں تمہیں زہر دے دوں گی۔ سعد کو تم...... تم سے نفرت پہ مجبور کردوں گی۔'' بے چینی اور سیمابی انداز اس کی رگ و پے سے ظاہر تھا۔ اندرونی خلفشار اسے مضطرب کیے دے رہا تھا۔
''تم زیادہ سے زیادہ میکے میں رہو...... نانو کہتی ہیں تم گھر کب جاؤ گی؟ سعد کہتے ہیں کب لینے آؤں؟ میں...... میں......'' گہری سانس بھری۔
''میں سوچتی ہوں، میں کب مروں گی؟ میرے ہونے کا مقصد کیا ہے؟ میں کیوں ہوں؟ کیوں...... ہوں؟'' اس کا سارا وجود کپکپا رہا تھا۔
شدید اذیت کا شکار تھی وہ۔ فضہ نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا جسے صبا نے مٹھیوں میں بھینچ لیا۔
میڈیسن کے زیر اثر وہ غنودگی میں جانے لگی۔
مہران شدید دکھ کا شکار ہو رہے تھے۔
یہ رشتے، اتنے قریبی رشتے، اتنے بھیانک بھی ہو سکتے ہیں۔
اور جب انہیں اپنی انتہا سے گزرنا ہوتا ہے تو پھر رشتے بناتے کیوں ہیں؟
''دولت پہ اتنا غرور...... اُف...... لوگ خدا کو کیوں بھول جاتے ہیں۔''
فضہ کی آنکھوں سے آنسو نہ تھم رہے تھے۔ صبا کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

☆☆☆

سعد دم بخود ریکارڈ باتیں سن رہا تھا۔ دونوں ہاتھوں میں سر گرائے بیٹھا تھا۔ ماما سے اس درجہ گری ہوئی حرکت کی امید نہیں تھی۔
مانا کہ وہ اس رشتے کے خلاف تھیں مگر اس کی ضد کے آگے مجبور ہوگئی تھیں۔
سب خوشی، خوشی اس کے ولیمے میں شریک ہوئے تھے۔ پھر...... پھر یہ، یہ سب...... وہ حد درجہ ٹینس ہو رہا تھا۔
''وہ ایسا کیوں چاہتی ہیں۔'' مہران نے سعد کو مخاطب کیا۔
''شاید اس لیے کہ وہ امیر کبیر بہو لا سکیں...... یا شاید اس لیے کہ وہ مجھے بھی مایوس نہیں کرنا چاہتی تھیں۔''
''مگر...... مگر یہ مسئلے کا تو حل تو نہیں ہوا ناں دوسرے شخص کو زندہ درگور کردیا جائے۔'' اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔
''تمہاری والدہ یہ چاہتی تھیں کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔''
''صبا کیسی ہے؟''
''بہتر ہے؟ فضہ اسے کمپنی دیتی ہے۔''
''میں اس سے ملنے جاؤں؟''
''نہیں ابھی نہیں۔ ابھی اس مسئلے کا فائنل حل نکالنے دو۔''
''فائنل حل تو نکل آیا، مجھے صبا کا اصل مسئلہ سمجھ

آ گیا ہے، میں اس کے لیے آپ کا شکر گزار ہوں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ سب مارِ آستین ہیں۔ میں صبا کو لے کر دور چلا جاتا ہوں...... وہ...... وہ کتنی مجبور و مظلوم ہے۔ تنہا اکیلی لڑ رہی ہے ہر محاذ پر...... ماما کی بے اعتنائی اور اس کے ساتھ میری ناراضی برداشت کر رہی ہے۔ زندگی نے اسے دیا ہی کیا ہے۔''

''صبا...... کو یہ سب ابھی نہیں بتانا...... اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو سکتا ہے، تمہاری ماما نے اسے ٹارچر میں رکھا ہوا ہے۔''

سعد نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''ذہنی اذیت نے اسے نفسیاتی کر دیا ہے اور شاید کچھ میڈیسن بھی دے رہی ہیں وہ اسے۔''

''کیا مطلب......؟''

''تاکہ وہ کبھی ماں نہ بن سکے۔''

''کیا...... مطلب؟''

''انہوں نے دھمکی دی تھی کہ اگر تم نہیں لوگی تو سعد کو دے دوں گی۔''

''او مائی گاڈ......'' سعد کے اعصاب شل ہو گئے۔

''اور وہ معصوم لڑکی تمہاری محبت میں مبتلا تمہیں تیز دھوپ سے بچا لینا چاہتی ہے۔ میں نے اس کی دوسری گفتگو بھی ریکارڈ کی ہے۔ وہ تمہیں سنواتا ہوں۔ وہ کہتی ہے ماما مجھے جو چاہیں کرلیں، کہہ دیں بے شک سعد کی دوسری شادی کریں مگر مجھے ان کی زندگی سے بے دخل نہ کریں، میں ان کی زندگی سے خود ہی نکل جاتی ہوں۔ بس انہیں خوش رہنے دیں۔''

''پاگل کہیں کی۔''

سعد نے دونوں گھٹنوں پر کہنیاں ٹکا کر ہتھیلیوں پر چہرہ رکھ لیا۔

''سعد...... صبا کے بغیر کچھ نہیں ہے۔ ایک بار...... بس ایک بار...... زندگی میں خوشیوں کا در کھلنے تو دو......''

شدتِ ضبط سے آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ تسلی آمیز انداز میں مہران نے سعد کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''میں، میں کیا کروں مہران بھائی۔'' وہ رو دیا۔

''معذرت کے ساتھ سعد، تمہاری ماما ایک لالچی عورت ہیں، ان کے اندر امیری، غریبی کا فرق بہت ہے۔ اسی حوالے سے وہ احساسِ برتری میں مبتلا ہیں اور یہ بھی ایک بیماری ہے دراصل علاج کی انہیں ضرورت ہے۔''

سعد چپ چاپ سا بیٹھا تھا۔

محبت دکھ میں مبتلا ہو تو دل کیسے سکون پا سکتا ہے۔

''ماما......'' دل گریہ کناں تھا۔

احترام بھی مانع تھا اور احتجاج بھی ضروری تھی۔

تحفظ بھی دینا تھا اور احترام بھی کرتا تھا۔

☆☆☆

فضہ بہت غور سے صبا کو دیکھ رہی تھی بظاہر وہ مسکرا رہی تھی۔ چھوٹی، چھوٹی بات پر خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔ چہرہ پھر بھی چغلی کھا رہا تھا۔ وہ بات سے بات نکالتی اور ہنستی جاتی۔

فضہ ترحم نگاہی سے دیکھتی رہی۔ دل میں آنسو گرتے رہے۔

''کیا چھپا رہی ہو تم؟'' اس کی ہنسی رک گئی۔

''کیا مطلب......؟'' اس کی جانب دیکھا۔

''مطلب تم اچھی طرح سے جانتی ہو۔'' صبا چپ ہو گئی۔

تم اتنا جو مسکرا رہے ہو
کیا غم ہے جس کو چھپا رہے ہو
غم......

''پتا نہیں صبا مجھے کیوں لگتا ہے کہ تمہارے اور سعد کے درمیان بے نام سی دوری ہے، تمہارے رشتے میں ایک جھجک مانع ہے جبکہ نئی زندگی کی یہ پہلی اسٹیج میاں، بیوی کے درمیان باہمی توازن، اعتماد، اعتبار و پختگی کو پروان چڑھاتی ہے اور گزرتا ہوا وقت اسے مضبوط کرتا ہے۔''

صبا سر جھکائے اپنی انگلیاں مسلتی رہی۔

''اور ہمیں اس بات کی اجازت دوسروں کو نہیں دینی چاہیے کہ دوسرے ہماری زندگی بسر کریں۔''

صبا سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

''میاں، بیوی ایک نئے خاندان کی بنیاد ہوتے ہیں، باہمی اعتماد ان بنیادوں کو مضبوط کرتا ہے۔ محبت پروان چڑھاتی ہے، محبت تمہیں بھی ہے۔ محبت سعد کو بھی ہے پھر تم لوگوں میں وہ بات کیوں نہیں جو ہونی چاہیے۔''

فضہ سب جانتی تھی مگر صبا کے منہ سے سننا چاہتی تھی۔ اور...... صبا...... صبا زندگی کے شیرازے کو بکھرتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ دھیرے سے اس کا ہاتھ تھاما جو سرد اور برف سا ہو رہا تھا۔

''تمہاری نانو تمہیں نہیں سمجھاتیں؟'' اور اس نے سب سچ سچ فضہ کے سامنے اگل دیا تھا جو وہ نیم غنودگی کے عالم میں کہہ چکی تھی، یہ کتھارسس ضروری تھا۔

''تمہیں پتا ہے تمہارا یہ ردِعمل سعد کو غلط فہمی کا شکار کرسکتا ہے۔''

صبا نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

''تمہیں یہ سب سعد کو بتانا چاہیے تھا۔''

''کیسے ہمت کروں، ماما مجھے جھٹلا دیں گی......''

بلے کی تفسیر بنی وہ گریہ کناں تھی۔

''محبت سچ، جھوٹ کا کھوج لگا لیتی ہے، اگر تمہیں اپنا گھر بچانا ہے سعد جیسے پرفیکٹ آدمی کے ساتھ زندگی چاہیے تو تمہیں اسٹینڈ لینا ہوگا، ورنہ آج کی سسکتی زندگی کو تم اپنا مقدر بنا لوگی۔''

آنسو پھر سے پھسلنے لگے۔

''میں اتنی بہادر نہیں ہوں فضہ، ماما، سعد کو مجھ سے اور دور کر رہی ہیں۔ انہیں باہر بھیج رہی ہیں۔ کل ہی انہوں نے فون کر کے مجھے بتایا ہے اگر تم اپنی نانو کے ساتھ فیصل آباد جانا چاہتی ہو تو چلی جاؤ، سعد بزنس کے سلسلے میں باہر جا رہا ہے۔''

''مائی گاڈ......'' فضہ نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

''سعد نے تمہیں یہ سب بتایا؟''

''نہیں......''

''کیوں......؟''

''وہ مجھ سے ناراض ہیں؟''

''کیوں......؟''

''میں راحیلہ کی شادی کے بعد گھر نہیں گئی...... فضہ...... میں، میں کیا کروں......'' وہ پھوٹ، پھوٹ کر رو دی تھی۔

''تم خواہ مخواہ کی دھمکیوں سے سہم کر اپنے جائز حق سے ہی دستبردار ہو گئیں۔''

''فضہ...... ایسا نہیں ہے، میں بہت بہادر نہیں ہوں، میں نے تمہیں بتایا ناں کہ میں اپنے جیسی زندگی اپنے بچوں کو نہیں دے سکتی۔ میں بروکن فیملی سے تھی تو میرے بچے بھی اسی کا شکار ہوتے۔ دوری، روگ سہی آنے والا مستقبل تو محفوظ ہے ناں۔''

''تم پاگل ہو...... تمہارا مستقبل محفوظ نہیں، غیر محفوظ ہے جس شخص کو محبت نہ ملے وہ شکی ہو جاتا ہے۔ اور شک سے بڑا خوشیوں کا دشمن کوئی نہیں ہے۔''

''فضہ......'' صبا نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''ماما نے کوئی انتہائی قدم اٹھا لیا تو؟'' خوفزدہ انداز تھا۔

''تمہارا ساتھ دینے کے لیے سعد ہے ناں، اس پر اعتبار کرو جو بے اعتباری کی فضا میں ٹرینکولائزر کے سہارے جی رہا ہے۔''

صبا دم بخود تھی۔ فضہ کی باتیں صبا کے دل میں ترازو ہو رہی تھیں۔ سوچ کے در وا کر رہی تھیں۔

محبت کے بادبان کھلے اور کھلتے چلے گئے۔

''ممکنہ خوف کے ڈر سے ہم خود پر خوشیوں کے در بند نہیں کر سکتے، ہماری زندگی دوسروں کے تابع نہیں ہونی چاہیے۔ ہماری زندگی پر ہمارا اتنا ہی حق ہے جتنا دوسروں کی زندگی پر ان کا...... دولت کی خودی انسان کو غرق کر دیتی ہے۔ ایمان کی پختگی کے لیے یقین پہلی شرط ہے صبا۔''

''فضہ......'' دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''وہ مجھ سے بہت خفا ہوں گے؟''

''خفگی اور ناراضی کا عمل اپنی جگہ مگر جو مزہ روٹھ کر منانے کا ہے ناں اس کا اپنا الگ ہی رنگ

ہے۔'' فضہ کسی شوخ سے منظر کا سوچ کر مسکائی، مہران سے خفگی اسے بڑا مزہ دیتی تھی۔

''اچھا میں رات کو سعد سے بات کروں گی مجھے لے جائیں۔'' پل بھر میں فیصلہ ہو گیا۔

فضہ نے صبا کو اپنے ساتھ لگا لیا...... اس اپنائیت بھرے انداز پر صبا کے آنسو ٹوٹ کر گرنے لگے۔

☆☆☆

''یہ لیں......''

بلیو کلر کی فائل مہران غزنوی کے سامنے میز پر رکھی۔

''یہ کیا ہے؟'' فائل پر نظر ڈال کر پیپرز پر نظر ڈالی۔

''صبا، سعد کی مکمل فائل...... مسئلہ حل ہو گیا ہے، صبا کو عقل آ گئی ہے، میرے لیکچرز اس کے لیے مفید ثابت ہوئے ہیں۔'' وہ ہنوز سنجیدہ تھی۔

''ہوں...... ویل ڈن...... یعنی کہ یہ کیس مکمل طور پر تم نے حل کیا ہے۔''

فضہ نے جواب نہیں دیا۔ سامنے چیئر پر بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا؟'' نظر اٹھا کر خاموشی کو نوٹ کیا اور سرتا پا تک جانچتی نظر ڈالی۔

''اب آپ سعد سے ملاقات کریں...... اسے سمجھائیں کوئی انتہائی قدم نہ اٹھائے۔ اپنی ماما سے بات کرنے کا مطلب ہے کہ ضد اور ہٹ دھرمی کا مقابلہ...... اس جنگ میں نہ کوئی فاتح ہوتا ہے اور نہ مفتوح...... نہ ماں ہارتی اچھی لگتی ہے نہ بیٹا جیتتا......''

''تو......؟''

''تو یہ کہ سعد باہر چلا جائے...... وہ بھی اکیلا......''

''اکیلا......؟''

''ہاں...... صبا نانو کے پاس رہے...... وہاں جا کر چپکے سے اسے بلا لے سعد کی ماما خوش فہمی میں مبتلا رہیں گی کہ سعد اور صبا کو الگ کر دیا۔ صبا ان سے کہہ چکی ہے کہ مجھے طلاق نہیں چاہیے میں تاعمر نانو کے ساتھ رہوں گی۔''

''واؤ...... تم کتنی عقل مند ہو۔''

فضہ سنجیدگی سے بیٹھی انگلی کی انگوٹھی گھماتی رہی۔

''تم واقعی میری رائٹ ہینڈ ہو۔ کیا خیال ہے، اقبال کی چھٹی کرا دوں......'' ذومعنی شرارت سے دیکھا۔

''پتا نہیں۔'' نظریں چرا لیں۔

''لیکن فضہ یہ چوری زیادہ عرصہ تک نہیں چھپ سکتی۔''

''ہاں...... جب تک چھپ سکتی ہیں چھپا لیں۔ گزرتا وقت درد کا درماں بن سکتا ہے دن پھر سکتے ہیں، دل بدل سکتے ہیں، وقت بدل سکتا ہے۔ تقدیر مہربان ہو جاتی ہے۔''

''واؤ...... کیا فلسفے بھرا لیکچر ہے۔ اِدھر آؤ میں دیکھوں تو یہ تم ہی ہو یا کوئی اور ہے۔'' اس نے ہاتھ بڑھایا۔

''میں چلوں...... امی جان نے آنا ہے، کچن دیکھ لوں۔'' انتہائی سنجیدگی سے کہتی وہ اٹھی اور باہر نکل گئی۔

''اسے کیا ہوا؟ یہ وقت تو اس کا دبنگ سی فیس مانگنے کا تھا۔ اور بونس الگ......'' اچنبھے کے سے انداز میں اسے جاتے دیکھا۔

پھر کھلے ہوئے لیپ ٹاپ پر نظر ڈالی ٹیبل پر ہاتھ کے نیچے دبے پیپر ہلائے پھر مڑ کر دروازے کو دیکھا۔ دل مچلا کے پیچھے جائے اسے کیا ہوا ہے۔ کام زیادہ ضروری تھا۔ ''ابھی جاتا ہوں کہہ کر پیپر کی جانب متوجہ ہوا۔ تاہم دھیان...... فضہ کی جانب ہی تھا۔

☆☆☆

''خیریت اس وقت فون کیا؟''

''ہاں...... فضہ، سعد میرا فون نہیں اٹھا رہا ہے۔''

''تم نے بھی تو کچھ کم گل نہیں کھلائے۔''

''اب کیا کروں......'' روہانسا انداز تھا۔

''وہ چلے تو نہیں گئے۔''

''نہیں، جانے سے پہلے تمہارا فیصلہ کر کے جائیں گے، آر یا پار......''

''فضہ......''

''یار وہ ناراض ہیں، کیسے تمہارا فون اٹھائیں گے، تم خود اسے مناؤ۔''

''کیسے......؟''

''کل ویک اینڈ ہے گھر چلی جاؤ نانو کے ساتھ یا

پھر انہیں بلوا لو۔“

”وہ فون ہی نہیں اٹھا رہے ہیں۔“

”اچھا...... ایسا کرو کہ ابھی رہنے دو، صبح میں کال کر کے بلواتی ہوں، فیصلہ حل ہو جائے گا۔“

”فضہ...... وہ کچھ اور نہ کر لیں۔“

”اب بڑی فکر ہے۔“ فضہ ہنسی۔

”ہاں ہے اور بہت ہے، انسان بار، بار خوش قسمت نہیں بنتا۔“

”اوہو...... یہ آپ فرما رہی ہیں۔“

”ہاں، میں۔“ اس کی ہنسی ابھری۔

فضہ اسے چھیڑنے لگی۔

☆☆☆

”اِدھر آؤ تم...... کیا ہوا ہے تمہیں؟“ صبح وہ کلینک جا رہا تھا۔ فضہ کی خاموشی کو دیکھ کر رک گیا۔

”کچھ نہیں......“

”کوئی بات ہے ضرور......؟“

”کہا ناں کوئی بات نہیں ہے۔“ وہ کچن کی جانب گھوم گئی۔ مہران دیکھتا رہ گیا۔

”مہران میری دوا ختم ہو گئی ہے لیتے آنا......“ ماں نے آواز دی۔

”پاپا میری اسٹرابری۔“

”او کے بیٹا۔“

”اور تمہارے لیے......“ کچن کے دروازے پر رکے۔

”کچھ نہیں۔“ اس کے پاس سے گزر کر وہ باہر نکل گئی۔ لمحۂ فکریہ...... نہ قریب آئی، نہ ٹائی کی ناٹ ٹھیک کی، نہ شوخ سی ہنسی...... نہ جسارت کا موقع...... اور نہ فالودے کا نعرہ...... ”کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہے صاحب......“ سر کھجایا۔ مگر یہ وقت ان باتوں کا نہیں تھا۔

☆☆☆

مہران غزنوی بول رہے تھے سمجھا رہے تھے، سعد سر جھکائے بیٹھا سن رہا تھا۔ ماما کی کمزوریاں، صبا کا فیصلہ...... مستقبل کی حکمت عملی...... سکون سعد کے اندر اتر رہا تھا۔

”گزرتا ہوا وقت فیصلوں کو بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ انسان کو اتنا جذباتی نہیں ہونا چاہیے۔ اب کے مرد بنو......“ اس کے شانے پر ہاتھ مارا...... ”اور اس کا ہاتھ تھام لو...... مجھے یقین ہے تمہیں مایوسی نہیں ہوگی۔“ سعد مسکرا دیا۔

”میں جانتا ہوں...... یہ سب مجھے معلوم نہیں تھا، ورنہ مایوس تو میں پہلے بھی نہیں ہوتا۔ بس میں زبردستی نہیں کرنا چاہتا تھا۔“ مسکراہٹ گہری ہوئی۔ کہاں تھکا ہوا مرجھایا ہوا سعد...... کہاں یہ جھلملاتے جگنوؤں والا سعد...... زور سے شانے دبائے۔

”بیسٹ آف لک...... یار اس کو بھی تو خوشخبری دو جو لمحہ لمحہ روگ پال رہی ہے۔ پلاننگ تمہیں آ گئی ہے ناں......“

”جی......“

”بس اب تم دونوں خوش رہو۔ تمہاری ماما مطمئن رہیں گی، جیت ان کی ہے۔ ماؤں کو بھی ناراض نہیں کرتے۔ دس بارہ سال بعد تمہارے چھ سات بچے ہو جائیں تو بتانا...... جب کچھ نہیں ہو سکتا۔ فضہ...... صبا بن کر ان سے رابطے میں رہے گی اور گاہے بگاہے سعد کے بارے میں پوچھتی رہے گی۔ اور انہیں بھی اطمینان رہے گا کہ صبا کو سعد کی زندگی سے نکال دیا ہے۔ بس اس سے زیادہ اس کا کوئی حل نہیں ہے اگر تم صبا اور اپنی ماما کو خوش دیکھنا چاہتے ہو تو......“

”او کے باس......“ سر تسلیم خم کیا۔

”مجھے یہی کرنا ہے، لڑائی جھگڑا...... معاملے کو طول دے گا۔“

”اور اگر تم یہ سب جان کر اسی گھر میں رہتے ہو تو تمہاری ماما اور صبا کے درمیان ٹارچر سیل قائم ہو جائے گا۔ زندگی کی خوشیاں حرام ہو جائیں گی۔ بہتر ہے کہ مفاہمت کی صورت رہے اور......“

”ہوں......“

”کوئی حساب، کوئی باز پرس، کوئی سوال جواب نہیں ماؤں کو بیٹوں کا غرور مار ڈالتا ہے سعد...... یہ نفسیاتی گرہیں انہیں اور پیچیدہ کرتی جاتی ہیں، مائیں

کے بغیر رہا بھی نہیں جاتا۔ انہوں نے تمہارا من پسند کھلونا تمہیں دلا دیا ہے۔ اب وہ چاہتی ہیں کہ تم سے یہ کھلونا چھین کر دوسرا تھما دیں۔ اب یہ تمہارا فیصلہ...... تمہاری احتیاط پسندی ہے کہ تم من پسند چیز کی حفاظت کس طرح کرتے ہو۔'' شانے پر ہاتھ رکھا۔

''جی......'' وہ مسکرا دیا۔

''چلو اٹھو اور فتح کے جھنڈے لگا دو۔ اور سنو...... تمہاری ماما تم سے ملنے تمہارے پاس آئیں تو تم نے کیا کرنا ہے؟'' مہران غزنوی کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

''کیا......؟''

''بے وقوف اسے میکے بھجوا دینا۔'' وہ زور سے ہنسا...... سعد بھی ہنسنے لگا۔

''چلو، صبا کو فون کرو، اسے لمبی ڈرائیو کی نوید دو...... اس کے ڈر، خوف، خدشے دور کرو، ان تمام اوہام سے اسے نکالو جس میں وہ جی رہی ہے۔''

سعد نے مسکرا کر اسے دیکھا اور سیل نکالنے لگا۔ صبا کا نمبر ملایا...... چند رنگ ٹیون کے بعد اس نے اٹھا لیا۔

''ہیلو صبا میں تمہیں لینے آ رہا ہوں، تیار رہو......''

''یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ کہاں جانا ہے؟ تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

''او کے...... میں آ رہا ہوں......'' وہ کھڑا ہوا۔

''کیا ہوا......؟'' مہران غزنوی اسی کی جانب متوجہ تھے۔

''اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''جاؤ اسے محبت کی ڈوز دو خوف کا بخار اتر جائے گا۔''

''او کے سر......'' اس کی جانب ہاتھ بڑھایا جس کو اس نے محبت سے تھام لیا۔

''سنو زندگی کی الجھنیں زندگی گزارنے کا حسن ہوتی ہیں، اظہار بہت سی الجھنوں کو سلجھا دیتا ہے۔ ٹیبل ٹاک، باہمی مشاورت اور مثبت رویہ ہمیں بہت سی پیچیدگیوں سے بچا لیتا ہے۔''

''جی......''

''او کے...... بیسٹ آف لک۔'' خدا حافظ کہہ کر چمکتی آنکھوں سے سعد بن رضا باہر نکل گیا۔

سکون بھرے انداز میں مہران غزنوی اسے جاتا دیکھتا رہا۔ دھیرے سے اپنا سیل اٹھا کر آن کیا دوسرے لمحے چونکا۔ سیل اسکرین سادہ تھی۔ چار بج رہے تھے اور اور فضہ مہران غزنوی کا کوئی کلوز اپ اسکرین پر نہیں تھا، لمحۂ فکریہ۔

''اوہ...... مائی گاڈ......'' ہڑبڑا کر اٹھا اور عجلت بھرے انداز میں باہر نکلا۔

☆☆☆

آج دو ماہ بعد اس کے سامنے تھا۔ نانو کا غصہ اسے دیکھ کر بیٹھنے لگا۔ گھر والوں کی تیکھی نظریں تیکھے چتون رخ بدلنے لگے۔ ماموں امیر احمد نے بڑھ کر مصافحہ کیا۔

نانو اسے اپنے کمرے میں لے آئیں، اس کا بازو یوں پکڑا تھا گویا اب آئے ہو تو جانا نہیں...... بوڑھی آنکھیں جھلملا رہی تھیں۔

سامنے ان کے بیڈ پر صبا گول تکیے سے ٹیک لگائے نڈھال سی بیٹھی تھی۔ ملگجا حلیہ، بکھرے بال، زرد چہرہ، پانی پیتے ہوئے ہاتھ کپکپا گئے۔ نانو الٹے قدموں مڑ گئیں۔

''آپ......'' یہ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ کیسی ہو...... حالتِ زار سامنے تھی۔

بیڈ کے کنارے بیٹھ کر کلائی تھامی...... اسے تیز بخار تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' نظر چرائیں۔ ہاتھ کھینچ لیا۔

''میں اتنا غیر ہوں تمہارے لیے......'' شکوہ آمیز نگاہ ڈالی۔

''میں دوا لائی ہوں۔'' نظر چرائی۔

''کس قدر کمزور اور پیلی ہو رہی ہو۔'' دھیرے سے رخسار چھوا۔

''ہاں، موسمی بخار ہے۔''

''کیا ہم ساری عمر غیر رہیں گے۔'' نگاہیں اس

پر فوکس کیں۔

صبا کا دل پھوٹ، پھوٹ کر رونے کو بے چین ہوا۔

''تم میری محبت میں دکھ سہہ رہی تھیں یا...... اپنا گھر بچانے کے لیے؟''

صبا کی نظر اٹھی اور ٹھہر گئی...... آنسو تسبیح کے دانے ایسے تھے۔

''تم نے اپنا کیوں نہیں سمجھا...... تم سے محبت کر کے تمہیں پالیا تو...... کیا...... تمہیں تحفظ نہیں دیتا۔''

اس کا سر جھک گیا۔

''اتنا خود غرض بے مروت سمجھا تھا یا...... تمہیں بے اعتنائی برتی تھی۔'' آنسوؤں کا کنارہ نہیں تھا۔

رونا بھی کتھارسس ہوتا ہے۔

''یا پھر میرے جیسے محبت کرنے والے شخص سے محبت ہی نہیں ہوئی۔'' اس نے ہتھیلیوں میں منہ چھپالیا۔

سعد بن رضا نے اسے اپنے ساتھ لگالیا۔

''ازدواجی بندھن میں، محبت، اعتبار نہ ہو تو زندگی کا سفر کٹتا نہیں ہے مگر ہمیں سفر کاٹنا نہیں ہے ساتھ، ساتھ چلنا ہے بھروسے کے ساتھ۔''

اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

''ماما بہت مضبوط ہیں، پاپا کی سپورٹ کے ساتھ ان کے اختیار میں سب کچھ ہے مگر تمہارے لیے میں بااختیار ہوں، تمہاری ڈھال، تمہارا مان، تمہارا سب کچھ...... مجھے دونوں ہی عزیز ہیں...... مائی ڈیئر۔'' اس کا بھیگا ہوا چہرہ اونچا کیا۔

شدت گریہ وزاری نے اس کو کیا بنا دیا تھا۔

''اب بولو......؟''

''مجھے ماما سے ڈر لگتا تھا، خوفزدہ تھی ان سے...... آپ کو کھونے کا ڈر تھا۔ ورنہ...... محبت تو مجھے بھی ہو گئی تھی۔'' سر اٹھا کر دیکھا

''خود کو...... سزا دیتی رہیں۔'' بال سنوارے۔

''مگر اب نہیں حالات کا مقابلہ ہم دونوں کریں گے، محبت اور ایک دوسرے کے اعتبار کے ساتھ۔'' گرمجوشی سے اس کا ہاتھ تھاما۔ اور بھیگی پلکوں سے وہ بھی مسکرا دی۔

''تم نے تو نفسیاتی مریض بنا کر چھوڑا تھا۔ مہران بھائی نہ ہوتے ناں تو......'' مسکرا کر اسے دیکھا۔ ''یہ جو آنسو ہیں ناں......'' رخسار صاف کیے۔ ''میری موت کے سوگ میں ہوتے۔''

''ہائے...... اللہ نہ کرے۔'' اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔

صبا کی اس ادا پر وہ نثار ہو گیا۔

زندگی نئے سفر پر گامزن ہوئی۔

☆☆☆

''تمہیں اچانک ہوا کیا ہے؟'' مہران غزنوی نے باہر جاتی فضہ کا ہاتھ تھام لیا۔

''کچھ نہیں......؟'' نظر جھکالی۔

''تم پریشان ہو؟''

''نہیں تو......'' ہونٹ دبا کر ہنسی روکی۔

''خفا ہو......''

''اونہوں......''

''پھر......؟ پھر کیوں دور، دور رہندے ہو، حضور میرے کولوں مینوں دس دیو ہویا کی قصور میرے کولوں......''

شرارتی سا انداز تھا۔

ہاتھ کھینچ کر اپنے پہلو میں گرالیا۔

''کھاناں کچھ نہیں......''

''فالودہ کھانا ہے؟''

''نہیں......''

''بہت مزے کا ہے...... شاپنگ کرنی ہے؟''

''نہیں......''

''پھر تو تمہیں کیس پر کام کرنے کی فیس بھی نہیں چاہیے۔''

نہیں کہتے، کہتے رکی۔

نظر اٹھا کر دیکھا...... آنکھوں میں پوری شرارت تھی۔

''وہ میرا حق ہے۔''

''میں نے کب انکار کیا۔ مگر ناراضی کی وجہ تو بتا دو......''

''آپ کو کیسے پتا کہ میں ناراض ہوں۔'' نظر اٹھا کر دیکھا۔

''پانچ دن سے دور...... دور ہو، کتنی اکیلی ہو، نہ سنگھار، نہ موتیا، نہ پرفیوم کی مہک، میں بھی بغیر ٹائی کے جارہا ہوں، لیپ ٹاپ بھی خود ہی اٹھالیتا ہوں، جب تک ناراض ہوتی ہو تو اپنی پسند کا کھانا بناتی ہو۔'' وہ جو اس کو حیرانی سے دیکھ رہی تھی سب پتا تھا اسے کہ وہ ناراض ہے۔

''کیا مطلب......؟''

''اور کیا توری، بھنڈی، ٹنڈے، کریلے پر ٹرخا رہی تھیں۔'' فضہ ہنس دی۔ کتنا جانتے تھے وہ اسے۔

''اچھا ناراض کس بات پر ہو......'' بازو پھیلا کر اپنے ساتھ لگالیا۔ دھیرے سے بالوں کو چھوا۔

''میں ناراض نہیں تھی، خفگی کا ڈراما کررہی تھی، کتنے دن ہوگئے تھے ناراض ہوئے۔ ناراضی کے بعد منانے کا مزہ ہی اور ہے۔''

''یو چیٹ......'' وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

''آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں ناراض ہوں۔''

''میرے سیل سے تمہارا روپ اور لیپ ٹاپ سے تمہاری تصویر غائب تھی۔''

''اوہو...... تبھی......''

''اور یہ کیسے ہوسکتا تھا آپ ناراض ہوں اور ہمیں پتا ہی نہیں چلے۔'' اس کی جانب جھکا۔

''مگر ناراض کیوں تھیں؟''

تجدیدِ وفا، تجدیدِ محبت اور تجدیدِ یقین کے لیے۔''

''اوہو میرے خدا...... میں سمجھا کہ صبا اور سعد کا کیس حل ہوگیا، تمہیں فیس نہیں دی اس لیے......''

''مہران......'' آنکھیں پھیلائیں۔

وہ ہنس دیا۔

''دیکھ لیں۔''

''دیکھ رہا ہوں......'' ذومعنی ہوا۔

فضہ ہنس دی...... اور مسکراتے ہوئے سر اس کے شانے پر رکھ دیا۔

بادِ صبا کے نرم جھونکوں نے انہیں چھوا اور تجدیدِ وفا کی نوید دیتے گزرتے چلے گئے۔

''مہران......''

''ہوں......''

''مجھے آپ کے ساتھ صبا اور سعد کا کیس حل کرنے میں بہت مزہ آیا ہے۔ بس ایسے کیسوں پر کام کروں گی آپ کے ساتھ بھی اور اپنے اردگرد بھی...... ایسی کتنی عورتیں جو بے موت مر رہی ہیں۔ کتنی لڑکیاں ہیں جو اذیت کا شکار ہیں جو ہمارے علم میں ہیں جنہیں ہم جانتے ہیں، ان کو تو خوشیوں سے ہمکنار کرسکتے ہیں ناں......'' فضہ سنجیدہ تھی۔

''ہوں...... رائٹ...... میں تمہارے ہم قدم ہوں۔''

''اپنے حق، اپنے حقوق سے آگہی بہت ضروری ہے، ذرا سی ہمت، بہت سے مسائل کا حل ہے۔''

''اوہو...... بڑی سمجھدار ہوگئی ہو۔''

''ہاں...... آپ کی سنگت میں، آپ جانتے ہیں مجھے سعد اور صبا کی اتنی خوشی ہے کہ میں بتا نہیں سکتی......'' فضہ کا چہرہ چمک رہا تھا۔

''میں ہمیشہ آپ کے ساتھ کام کروں گی بلکہ اسٹڈی کرکے آپ کے ہم قدم رہوں گی۔''

''اوکے میری...... جانشین۔'' شانہ دبایا۔

''ایسے ہی تو میں تمہارا قدر دان نہیں ہوں ناں......''

''اچھا......'' فضہ اترائی۔

''یقین نہیں ہے۔''

''ہے...... نہیں۔''

''بس یہ ہے کہ......'' شرارتی انداز ہوا۔

''کیا......''

''پھر سے کہو......''

''کیا......؟''

''اچھی لگتی ہو۔'' کھلکھلا کر ہنسی۔

اور اس کی شرارت سمجھ کر مہران غزنوی بھی کھلکھلا کر ہنس دیا۔



شمع ہدایت

اختر شجاعت

حج...... بندگیِ الٰہی

تمام تر حمد و ثنا اور تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

جو اکیلا ہے جس کا کوئی شریک نہیں جس کا کوئی ہمسر نہیں۔

اے اللہ! ہمارے دلوں میں ایسا شکر ڈال دے اور اپنی نظرِ عنایت سے اطاعت، عبادت کی پابندی کرنے میں ہماری مدد فرما۔ اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہمارے رب! تو اپنے عبدِ خاص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما۔ درود و سلام ہو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر......

اسلام کے دین کے ستونوں میں آخری ستون حج ہے...... جو ہماری عبادات کا اہم رکن ہے اور ہمارا آج کا موضوع بھی حج ہے۔ حج کے معنی عربی زبان میں زیارت کرنے کے ہیں۔ اور لغوی معنی مقررہ وقت پر بیت اللہ شریف کی زیارت کرنا ہے۔

تمام مسلمان، عیسائی، یہودی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا پیشوا مانتے ہیں...... چار ہزار سال سے زیادہ مدت گزری جب وہ عراق کی سرزمین پر پیدا ہوئے۔

اس وقت ساری دنیا گمراہی کا شکار تھی ایسے ہی بت پرست گھرانے میں آپؑ پیدا ہوئے۔ مگر آپؑ نے سب سے منہ موڑ کر اس رب عظیم اللہ تعالیٰ کو عبادت اور بندگی کے لیے خاص کر لیا...... اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ والدین، پوری قوم سب آپؑ کے پیچھے پڑ گئے۔ آپؑ کا مقدمہ بادشاہ کے سامنے پیش ہوا اور فیصلہ ہوا کہ آپ کو زندہ جلا دیا جائے آپؑ اپنے اللہ پر ایمان لا چکے تھے، یہ سزا بھگتنے کے لیے تیار ہو گئے۔ مگر اللہ رب العزت نے اپنی قدرت سے آپؑ کو جلنے سے بچا لیا......

پھر آپؑ اپنا گھر بار، اپنی قوم اور اپنا وطن چھوڑ کر صرف اپنی بیوی اور بھتیجے کو لے کر نکل کھڑے ہوئے۔

جب آپؑ کی عمر 86 سال ہو گئی تو اولاد سے مایوس ہو چکے تھے مگر اللہ نے آپؑ کو اولاد سے نوازا، آپؑ نے اپنی اولاد سے بھی یہی چاہا کہ وہ لوگوں کو ایک خدا کا بندہ بنائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی ایک کامل انسان اور ایک سچے اور اصل مسلمان کی زندگی تھی...... اپنے رب کی خاطر صدیوں کے آبائی مذہب اور اس کی رسموں اور عقیدوں کو چھوڑا۔ جلا وطنی کی مصیبتیں سہیں۔ ملک، ملک کی خاک چھانی اور اپنی زندگی کا ہر لمحہ اپنے رب العالمین کی اطاعت اور اس کے دین کی تبلیغ میں صرف کر دیا...... جب بڑھاپے میں اولاد نصیب ہوئی تو اس کے لیے بھی یہی دین اور یہی کام پسند کیا۔

تاریخ کعبہ کے سلسلے میں مختلف روایات ہیں، کعبے کو سب سے پہلے فرشتوں نے تعمیر کیا۔ اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا۔ ان کے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام نے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ از سرِ نو اسے تعمیر کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں کعبے کے ابتدائی آثار تو مٹ چکے تھے مگر فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وہ مقام بتا دیا تھا جہاں تعمیر ہوئی تھی۔ ہزاروں سال کے حوادث نے اس کو بے نشان کر دیا تھا۔

البتہ اب بھی وہ ایک ٹیلہ یا ابھری ہوئی زمین کی شکل میں موجود تھا۔ انہوں نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مدد سے کھودنا شروع کیا تو سابقہ تعمیر کی بنیادیں نظر آنے لگیں ان ہی بنیادوں پر از سرِ نو بیت اللہ کی تعمیر کی گئی۔

☆☆☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام جدُ الانبیا ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی آپؑ ہی کی ملت کی پیروی کا حکم دیا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام دین اسلام کے داعی تھے...... ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

”یاد کرو وہ وقت جب ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے اس گھر (خانہ کعبہ) کی جگہ تجویز کی تھی اس ہدایت کے ساتھ کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو اور لوگوں کو حج کے لیے اذنِ عام دے دو کہ وہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور دبلے پتلے اونٹوں پر سوار ہو کر آئیں۔“ (سورۂ حج)

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

”اور یہ کہ ہم نے اس گھر (خانہ کعبہ) کو لوگوں کے لیے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا تھا اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ابراہیم (علیہ السلام) جہاں عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔ اس مقام کو متصل جائے نماز بنا لو۔ (یعنی حرم پاک) اور ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو تاکید کی تھی کہ میرے اس گھر کو طواف اور اعتکاف اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔“ (سورۂ بقرہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باوجود استطاعت کے حج نہ کرنے والوں کے لیے ارشاد فرمایا۔

”جو شخص حج کے لیے زادِ راہ اور سواری رکھتا ہو۔ جس سے بیت اللہ تک پہنچ سکے اور پھر بھی حج نہ کرے تو اس کا اس حالت میں مرنا یہودی یا عیسائی ہو کر مرنا برابر ہے۔“ یہ عبادت کتنی عظیم ہے کہ یہ نہ ہو تو دین کامل نہیں ہوتا، اس عبادت سے اعراض کرنے والا گمراہی میں یہود و نصاریٰ کے برابر ہے۔

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ وہ لوگوں کو حج بیت اللہ کے لیے بلائیں تو انہوں نے اعلان کیا......

”اے لوگو......! اللہ تعالیٰ نے ایک گھر بنایا ہے تم اس کا حج کرو......“ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ اعلان بنی نوع انسان کے ان تمام افراد نے سنا جنہیں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہو چکی ہے یا قیامت تک حاصل ہوگی۔

دنیا میں سب سے پہلے جس نبی کو اسلام کی عالمگیر دعوت پھیلانے پر مامور کیا گیا تھا مکہ اس مشن کا صدر مقام تھا۔ کعبہ وہ مرکز تھا جہاں سے یہ تبلیغ دنیا کے مختلف گوشوں میں پہنچائی جاتی تھی۔ اور حج کا طریقہ اس لیے مقرر کیا گیا تھا کہ جو لوگ خدائے واحد کی بندگی کا اقرار کریں اور اس کی اطاعت میں داخل ہوں خواہ وہ کسی قوم اور کسی ملک سے تعلق رکھتے ہوں یہ سب اس ایک مرکز سے وابستہ ہو جائیں اور ہر سال جمع ہو کر اس کے گرد طواف کریں......

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ ”مکانات تو اس سے پہلے بھی تھے لیکن عبادت کے لیے سب سے پہلے یہی مکان موزوں ہوا۔“ متعدد صحابہ کرام سے نقل کیا گیا ہے کہ تمام زمین کے پیدا ہونے سے پہلے یہ جگہ پانی پر بلبلے کی طرح تھی پھر اس کو پھیلا کر ساری زمین اسی سے بنائی گئی جیسا کہ آٹے کے پیڑے سے پھیلا کر روٹی بنائی جاتی ہے۔ دو وجہ سے یہ مقامِ امن ہے کہ ایک آخرت کی وجہ سے کہ اس میں نماز و حج وغیرہ کرنے سے جہنم کے عذاب سے امن ہو جاتا ہے۔

حج و عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے وفد اور اس کے مہمان ہیں اگر وہ اس سے مانگتے ہیں تو وہ انہیں عطا کرتا ہے اس سے مغفرت چاہتے ہیں تو ان کی مغفرت کرتا ہے اگر دعا مانگتے ہیں تو ان کی دعا قبول فرماتا ہے اور اگر سفارش کرتے ہیں تو ان کی سفارش قبول کی جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک فرمان ہے۔

”لوگوں میں بڑا گناہ گار وہ ہے جو عرفہ کے دن وقوف کرے اور خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت نہیں کی۔“ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

”غزوہ بدر کا دن تو مستثنیٰ ہے اس کو چھوڑ کر کوئی دن عرفہ کے دن کے علاوہ ایسا نہیں ہے جس میں شیطان بہت ذلیل ہو رہا ہو۔ بہت راندہ پھر رہا ہو بہت حقیر ہو رہا ہو بہت زیادہ غصے میں پھر رہا ہو اور یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ عرفہ کے دن اللہ کی رحمتوں کا کثرت سے نازل ہونا بندوں کے بڑے، بڑے گناہوں کا معاف ہونا دیکھتا ہے۔ شیطان کو اس دن

میں جتنا بھی غصہ ہو جتنا بھی اس پر رنج وملال کا اثر ہو جتنا بھی وہ پریشان حال ہو کیونکہ اس کی عمر بھر کی کمائی یعنی اس کی محنت کہ اس نے بڑے، بڑے گناہ لوگوں سے کرائے، وہ آج ایک رحمت کے جھونکے میں سب صاف ہو گئے اس سے جتنا بھی اسے غصہ اور رنج ہو ظاہر ہے۔

☆☆☆

شہر بغداد میں حضرت جنید بغدادیؒ کی خانقاہ میں ایک شخص آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا...... آپؒ نے حسب معمول مہمان کی تواضع کی اور پھر پوچھا۔ ”میرے بھائی تم کہاں سے آ رہے ہو؟“ اس شخص نے جواب دیا کہ ”میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تاکہ شیخ کی روحانی برکات سے فیضیاب ہو سکوں۔“

”جو شخص اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو چکا ہو اسے ایک انسان کے پاس آنے کی کیا ضرورت ہے؟ جو ذات اپنے ایک، ایک بندے کی کفیل ہو اس نے تمہیں بھی محروم نہیں رکھا ہوگا۔“ حضرت جنید بغدادیؒ نے اس کو ٹوکتے ہوئے کہا...... اس شخص نے آپؒ کی بات سنی مگر اپنی ضد پر قائم رہا۔ ”شیخ مجھے آپؒ کا فیضِ محبت درکار ہے، بڑی توقعات لے کر حاضر ہوا ہوں برائے خدا مجھے مایوس نہیں کریں۔“

تب حضرت جنید بغدادیؒ نے کچھ دیر سکوت اختیار کیا پھر آپؒ اس شخص سے مخاطب ہوئے...... ”تم حج کے لیے گھر سے نکلے ہو تو کیا تم نے گناہوں سے بھی اجتناب کیا ہے؟“ اس شخص نے نفی میں جواب دیا...... آپؒ نے پھر فرمایا۔ ”اس کا مطلب ہے کہ تم سفر میں نہیں تھے۔“ پھر آپؒ نے پوچھا۔ ”سفر کے دوران جب تم رات گزارنے کے لیے کسی سرائے میں ٹھہرے تو کیا تم نے کوئی مقامِ قرب طے کیا؟“ اس شخص نے بڑی حیرت سے آپؒ کو دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔ ”آپؒ نے بڑے تاسف آمیز لہجے میں کہا۔ ”اس کا مطلب ہے کہ تم نے منزل بہ منزل سفر طے نہیں کیا۔“ پھر آپؒ نے اس سے پوچھا کہ ”جب تم نے احرام باندھا تو اپنے سابقہ لباس کے ساتھ، ساتھ انسانی کمزوریوں مثلاً خود بینی، بغض، حسد اور حرص وطمع کو بھی اپنے آپ سے دور کیا یا نہیں؟“ آپؒ کے سوالات سن کر اس شخص کی حیرت میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ ”نہیں میں اپنی کسی ایسی کمزوری پر قابو نہیں پا سکا۔“ تب حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا۔ ”پھر تم نے احرام ہی نہیں باندھا۔“ پھر آپؒ نے مزید سوال کیا۔ ”جب تم نے عرفات کے میدان میں وقوف کیا تو مراقبۂ ذاتِ باری کیا؟“ اس شخص نے انکار میں جواب دیا۔ آپؒ نے فرمایا۔ ”پھر تم نے وقوف ہی نہیں کیا......“ پھر آپؒ نے مسلسل اس شخص سے کئی سوالات کیے۔ ”جب تم مزدلفہ پہنچے تو تمام نفسانی خواہشات سے قطع تعلق کیا؟ جب تم نے خانۂ کعبہ کا طواف کیا تو جمالِ ذات باری تعالیٰ کا مشاہدہ کیا؟ جب تم نے صفا و مروہ کی سعی کی تو مقامِ صفا و مروہ حاصل کیا یا نہیں؟ پھر جب تم منیٰ میں آئے تو تم نے اپنی نفسانی خواہشات کو قربان کیا؟ جب تم نے رمی جمرات کی تو اپنی حیوانی حسرتوں اور آرزوؤں کو بھی دل سے نکال کر دور پھینکا یا نہیں؟

وہ شخص ہر سوال کا نفی ہی جواب دیتا رہا...... تب حضرت جنیدؒ نے بغیر کسی تکلف کے کہا۔ ”میرے بھائی! تم نے سرے سے حج کیا ہی نہیں...... واپس جاؤ اور دوبارہ اسی طرح حج کرو جیسے میں نے تمہیں بتایا ہے تاکہ تم مقامِ ابراہیمؑ تک پہنچنے کی سعادت حاصل کر سکو......“

☆☆☆

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں منیٰ کی مسجد میں حاضر تھا کہ دو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کے بعد عرض کیا۔

حضور ہم کچھ دریافت کرنے آئے ہیں۔ آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا...... ”تم کیا دریافت کرنا چاہتے ہو؟“ انہوں نے عرض کیا کہ آپؐ ہی ارشاد فرما دیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ”تم حج کے متعلق دریافت کرنے آئے ہو کہ حج کے ارادے سے گھر سے نکلنے کا کیا ثواب ہے؟ اور طواف کے بعد دو رکعت پڑھنے کا کیا فائدہ اور صفا و مروہ کے درمیان دوڑنے

کا کیا ثواب ہے اور عرفات پر ٹھہرنے اور شیطانوں کو کنکریاں مارنے کا اور قربانی کرنے کا طواف زیارت کرنے کا کیا ثواب ہے؟'' انہوں نے عرض کیا...... اس پاک ذات کی قسم جس نے آپؐ کو نبی بنا کر بھیجا ہے یہی سوالات ہمارے ذہن میں تھے...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔'' کہ حج کا ارادہ کر کے گھر سے نکلنے کے بعد تمہاری سواری اونٹنی جو ایک قدم رکھتی ہے یا اٹھاتی ہے وہ تمہارے اعمال میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور طواف کے بعد دو رکعتوں کا ثواب ایسا ہے جیسا ایک عربی غلام کو آزاد کیا ہو۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے کا ثواب ستر 70 غلاموں کو آزاد کرنے کے برابر ہے۔ اور عرفات کے میدان میں جب لوگ جمع ہوتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں سے فخر کے طور پر فرماتا ہے کہ میرے بندے دور، دور سے پراگندہ بال آئے ہوتے ہیں اور میری رحمت کے امیدوار ہیں اگر تم لوگوں کے گناہ ریت کے ذروں کے برابر ہوں یا بارش کے قطروں کے برابر ہوں یا سمندر کے جھاگوں کے برابر ہوں تب بھی میں نے معاف کر دیے۔ میرے بندو! جاؤ بخشے بخشائے چلے جاؤ تمہارے بھی گناہ معاف ہیں اور جن کی تم سفارش کرو ان کے گناہ بھی معاف ہیں۔'' اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''شیطانوں کے کنکریاں مارنے کا یہ حال ہے کہ ہر کنکری کے بدلے ایک بڑا گناہ جو ہلاک کر دینے والا ہو معاف ہوتا ہے اور قربانی کا بدلہ اللہ کے یہاں تمہارے لیے ذخیرہ ہے اور احرام کھولنے کے وقت سر منڈانے میں ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ہے۔ اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے۔ اس سب کے بعد آدمی جب طوافِ زیارت کرتا ہے تو ایسے حال میں طواف کرتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا اور ایک فرشتہ مونڈھوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر کہتا ہے کہ آئندہ از سرِ نو اعمال کر تیرے پچھلے سب گناہ تو معاف ہو چکے۔''

لیکن یہ ضروری ہے کہ حج وہی حجِ مبرور ہو جو حقیقتاً حج کہلانے کا مستحق ہے۔ لبیک اس ندا کا جواب ہے جو اللہ جل شانہ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمائی تھی اس لیے جیسا کہ حاکم کی پکار پر دربار کی حاضری میں امید و خوف کی حالت ہوتی ہے ایسا ہی حال ہونا چاہیے، اس سے ڈرتے رہنا چاہیے کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں اپنی بداعمالیوں کے سبب حاضری ہی قبول نہ ہو۔

حضرت زین العابدینؒ نے جب حج کے لیے احرام باندھا تو چہرہ زرد ہو گیا اور بدن پر کپکپی آگئی اور لبیک نہ کہہ سکے۔ کسی نے عرض کیا آپ نے احرام کے شروع میں لبیک نہیں کہی تو آپؒ نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس کے جواب میں لا لبیک نہ کہا جائے یعنی تیری حاضری معتبر نہیں، اس کے بعد بڑی مشکل سے لبیک کہا تو غشی آگئی اور اونٹنی سے گر گئے...... اس کے بعد جب لبیک کہتے یہی حال ہوتا۔ سارا حج اسی طرح پورا کیا۔

☆☆☆

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ جل شانہ کی ایک سو بیس رحمتیں روزانہ اس گھر پر نازل ہوتی ہیں جن میں سے 60 طواف کرنے والوں پر اور 40 وہاں پر نماز پڑھنے والوں پر اور 20 بیت اللہ کو دیکھنے والوں پر ہوتی ہیں۔ حضرت موسیٰ بن محمدؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک عجمی شخص طواف کر رہا تھا۔ نیک، دیندار آدمی تھا طواف کرتے ہوئے ایک خوب صورت عورت کی پازیب کی آواز جو طواف کر رہی تھی اس کے کان میں پڑی۔ یہ شخص اس عورت کو گھورنے لگا۔ رکنِ یمانی سے ایک ہاتھ نکلا اور اس زور سے اس کے تھپڑ مارا کہ آنکھ نکل گئی اور بیت اللہ شریف کی دیوار سے ایک آواز آئی۔ ''ہمارے گھر کا طواف کرتا ہے اور ہمارے غیر کو دیکھتا ہے۔ یہ تھپڑ اس نظر کے بدلے ہے اور اگر آئندہ کوئی اور حرکت کرے گا تو ہم بھی زیادہ بدلہ دیں گے۔'' تو یہ سفر جس کا نام حج ہے تمام دوسرے سفروں سے مختلف ہے کیونکہ یہ سفر اپنی کسی غرض کے لیے نہیں یا اپنے نفس کی کسی خواہش کی تکمیل کے لیے نہیں ہے بلکہ صرف اور صرف اللہ رب العزت کے لیے ہے تو پھر اس سفر پر لازم ہے کہ اللہ کا خوف اور محبت دونوں ہوں...... 8 ذی الحج سے 12 ذی الحج تک کے دن حج

کے دن کہلاتے ہیں۔

☆☆☆

حج کے مبارک فریضے سے ... سبکدوش ہونے کے بعد زندگی کی سب سے بڑی اور عظیم الشان سعادت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ کی روانگی ہے۔

اس مبارک دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حاضری کی برکتوں اور فضیلتوں کا کیا کہنا...... اس مقدس مقام پر اگر ہم سر کے بل بھی جائیں تو بھی گناہ گار غلام اپنے اشتیاق کو کم نہیں کر سکتے۔ ان جگہوں پر اولیائے اکرام نے مدتوں تک جوتے نہیں پہنے...... تمام مسلمانوں کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اہم ترین نیکیوں میں سے ایک ہے۔ ایک افضل ترین عبادات میں ہے اور اعلیٰ درجات تک پہنچنے کے لیے کامیاب ذریعہ اور پُر امید وسیلہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جتنے احسانات امت پر ہیں اور جو توقعات موت کے بعد آپؐ سے وابستہ ہیں ان کے لحاظ سے وسعت اور طاقت کے بعد حاضری نہ نصیب ہو تو بے حد محرومی ہے۔

جب حج سے فارغ ہو جائیں تو چاہیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کی نیت سے مدینہ منورہ کا ارادہ کرے کہ حضور کی قبر کی زیارت اہم ترین قربات میں سے ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت مستحب ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ

''جو شخص حج کرے پھر میری قبر کی زیارت کرے اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی۔''

اور ایک حدیث رسولؐ میں ہے کہ ''جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی تو ایسا ہے گویا میری زندگی میں زیارت کی۔'' (اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ صحابی ہوگیا)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جس شخص نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔''

کتنی سخت وعید ہے اور بالکل ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو احسانات امت پر ہیں ان کے لحاظ سے وسعت کے باوجود حاضر نہ ہونا سراسر ظلم و جفا ہے۔

جب حج سے فارغ ہو جائیں تو اس پر توجہ رہے رنج و غم اور خوف کے ساتھ یہ سوچ کہ معلوم نہیں کہ میرا حج قبول ہوا یا نہیں؟ مجھے مقبولین میں شامل کیا گیا یا پھر ان لوگوں میں جنہیں ٹھکرا دیا گیا ہو...... پھر اپنے دل پر نظر ڈالے اور دیکھے کہ اس کا دل دنیا کی رنگینی سے کنارہ کش ہو گیا ہے اور عبادات میں لذت محسوس ہونے لگی ہے تو مجھے کہ اس کی محنت بار آور ہوئی اور حج قبول کر لیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کا حج قبول کرتا ہے جس سے وہ محبت رکھتا ہے اور جس سے وہ رب محبت رکھتا ہے تو اس کے دل میں اپنی محبت ڈال دیتا ہے۔ اور شیطان کو اس پر غالب نہیں ہونے دیتا لیکن اگر معاملہ اس کے برخلاف ہو کہ دل میں دنیا کی محبت بڑھ گئی۔ عبادات کی رغبت کم ہوگئی تو یہ سمجھے کہ اس کا حج ٹھکرا دیا گیا ہے اور وہ تمام محنت جو اس نے اس راہ میں کی سب ضائع ہوگئی...... جو کہ انتہائی دکھ اور افسوسناک بات ہے...... اللہ تعالیٰ ہمیں حج مبرور عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆

حرفِ آخر: ہر مضمون کے مکمل ہونے پر ہمیشہ ایک کرب کی کیفیت سے دوچار رہتی ہوں۔ اور اپنے عظیم الشان رب سے بے حد شرمندہ ہوں کہ اس مضمون کی تیاری میں مجھ سے جتنی کوتاہیاں ہوئی ہوں پروردگار مجھے معاف فرما دے۔ اور مجھے وہ توفیق عطا فرمائے کہ جو کچھ وہ مجھ سے لکھوانا چاہ رہا ہے، میرا قلم وہی تحریر کرے جو میرے رب کی رضا ہو۔ یہی میری خواہش ہے پروردگار قبول فرمائے...... آمین۔

اس مضمون کی تیاری میں جن عظیم الشان ہستیوں کی کتب سے میں نے مضامین منتخب کیے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ الٰہی آمین!

☆☆☆

وہ آئے بزم میں......

نزہت اصغر



متانت و وقار کا مرقع......

سنجیدہ و سبق آموز تحریروں کی خالق

پاکیزہ کی دیرینہ مصنفہ صبیحہ شاہ کی دلچسپ حقائق سے پُر گفتگو

عید الاضحیٰ کے پُرمسرت موقع کا... لطف اٹھاتے اور اسے روایتی انداز میں مناتے ہمارے پیارے قارئین کو بہت، بہت سلام اور مبارک باد...... کلیجی گوشت کھاتے، کھاتے دل بھرا کہ نہیں تو بس اب آپ لوگ سلاد اور سبزی پر گزارہ کریں اور آرام سے اپنی بزم کا مطالعہ کریں کہ آج ہمارے درمیان پاکیزہ کے ابتدائی زمانے کی بہترین تحریر نگار صبیحہ شاہ موجود ہیں جن کی کہانیوں سے جہاں تک میں واقف ہوں کافی کچھ سیکھنے کو

ملتا ہے، ان کا انداز تو اگرچہ تیکھا لگتا ہے مگر بڑی، بڑی باتیں، بڑی خوب صورتی سے لکھ جاتی ہیں، ہاں سوچ کا در ضرور وا ہو جاتا ہے جو ایک لکھاری کا اصل مقصد ہوتا ہے۔ ایک بھی مثبت سوچ کو عملی شکل مل گئی تو کڑی سے کڑی جُڑتی جاتی ہے اس لیے کہ سوچیں نسل در نسل منتقل ہوتی ہیں اور اگر مثبت پہلو منتقل ہوتے رہیں تو کیا ہی اچھی بات ہے۔

صبیحہ شاہ نے کم، کم لکھا مگر خوب صورت لکھا اور بامقصد لکھا۔ آج ہماری بزم انہی سینئر ترین رائٹر کی دلچسپ تیکھی مگر پُرلطف باتوں سے سجی ہے تو آئیں قارئین صبیحہ آپی سے گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔

☆☆☆

پاکیزہ ✧......آپ کو خوش آمدید کہتے ہوئے نہایت شکر گزار بھی ہیں کہ آپ نے ہماری اس بزم کو رونق بخشی......اس بارے میں اپنے تاثرات سے آگاہ کریں۔

صبیحہ شاہ ❖......بہت شکریہ آپ کی اس عزت افزائی کا......پاکیزہ سے صدیوں، قرنوں پرانا تعلق ہے بھئی......تجھے یاد ہو کہ نہ یاد ہو......(واہ قرنوں کی کیا بات کہہ دی) درمیان میں بوجوہ ایک دوری، ایک وقفہ، ایک سکوت ضرور آ گیا تھا مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ تعلق ٹوٹ گیا تھا۔ آج آپ کو لوگوں کے درمیان اپنے آپ کو پا کر مسرت ہو رہی ہے۔ (چلیں اچھی بات ہے)

پاکیزہ ✧......آج کل آپ کی کیا مصروفیات ہیں؟ لکھنے سے کیوں کنارہ کشی اختیار کی ہوئی ہے؟

صبیحہ شاہ ❖......میں آج کل ایک inclusive اسکول چلانے میں اپنی بیٹی کی معاونت کر رہی ہوں اور لکھنا پڑھنا تو ہے ہی زندگی کی روٹین، لکھنے سے کنارہ کشی کبھی نہیں ہوئی، یہ الگ بات ہے کہ ہر لکھا ہوا چھپنا بھی ضروری ہو، ہاں کبھی کبھی وقفہ ضرور آ جاتا ہے تو ظاہر ہے بھئی، لکھنے والی عورت صرف لکھاری نہیں ہوتی وہ زندگی کے اسٹیج پر بہت سے رول بہ یک وقت پلے کر رہی ہوتی ہے تو لکھنے میں وقفہ آ جانا معمول کی بات ہے۔ (جی یہ تو ہے)

پاکیزہ ✧......اس قلم، کاغذ کی کہانی ہمیں بھی بتائیں کہ کب اور کیسے پہلی تحریر منظرِ عام پر آئی؟

صبیحہ شاہ ❖......قلم کاغذ سے رشتہ کب جڑا؟ سوچوں تو سچی بات ہے کہ یاد کی گرفت میں کچھ نہیں آتا......میں نے شاید......جب قلم تھاما تب ہی سے لکھ رہی ہوں۔ اب سننے اور پڑھنے والے کہیں گے کہ یہ کیا بات ہوئی بھلا......تو......کہانی کچھ یوں ہے کہ میرے والد کا انتقال میرے بہت بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ میرا ددھیال دراصل (مرحوم مشرقی پاکستان) میں تھا اور ان سے تعلق کا ذریعہ خطوط تھے۔ کہانیوں سے پہلے میں نے خطوط لکھنے شروع کیے، شاید میری تحریر اور اندازِ تحریر میں کوئی بات ایسی ہوگی، جو میری مرحومہ امی نے مجھے باقاعدہ لکھنے کی ترغیب دی اور تربیت کی......پہلی تحریر کب اور کہاں شائع ہوئی؟ یہ بھی کچھ صحیح سے یاد نہیں، ان دنوں اخبارات میں طلبہ میگزین کے نام الگ سے صفحات مخصوص ہوتے تھے، میرا خیال ہے میں نے کسی طلبہ میگزین میں ہی لکھنا شروع کیا۔ روزنامہ کلیم سکھر، ماہنامہ طلبہ میگزین فیصل آباد......ان سب میں دیگر رسالوں اور ڈائجسٹوں میں لکھنے سے پہلے لکھا، یہ میرے کالج کے اوّلین دنوں کی بات ہے۔ پاکیزہ کا اجرا ہوا تو یہاں بھی میں نے لکھنا شروع کیا بلکہ یوں کہہ لیں آپ نے مجھے شائع کرنا شروع کیا......جی ہمارا آپ کا ناتا اتنا ہی پرانا ہے۔ (بہت خوب)

پاکیزہ ✧......مطالعے میں آپ کی کیا ترجیحات رہیں، آج بھی نئے لکھاریوں کی کاوشیں زیرِ مطالعہ رہتی ہیں؟ یا مصروفیات آڑے آتی ہیں؟

صبیحہ شاہ ❖......مطالعے میں میری ترجیحات......؟ بھئی مجھے جو کچھ ملتا ہے، پڑھ ڈالتی ہوں پڑھے بغیر سونے کا تصور ہو نہیں سکتا......تو ظاہر ہے سب کچھ پڑھنا مجبوری بھی ٹھہری۔ ہاں سبھی نئے لکھنے والے بہت اچھا لکھ رہے ہیں۔ میں نے کہا ناں......میں پڑھے بغیر سو نہیں سکتی......میں نیا پرانا، سب پڑھ لیتی

ہوں اور یہ پڑھنے کی ہی ہوس ہے جو لکھنے کا موقع کم، کم دیتی ہے۔

پاکیزہ ✧...... پاکیزہ سے تعارف کب، کیسے ہوا؟

صبیحہ شاہ ❖...... اس کا تو جواب یہی ہوسکتا ہے کہ جیسے سورج اور چاند سے آگاہی ہوئی۔ وہی معاملہ پاکیزہ یا اس دور میں چھپنے والے دوسرے پرچوں، میگزینز کا بھی رہا۔ دراصل ہم نے جب پڑھنا اور لکھنا شروع کیا وہ دور الیکٹرانک کا نہیں، پرنٹ میڈیا کا تھا...... نیٹ تھا نہیں...... موبائل اور ٹی وی نے بھی زندگی میں بے وجہ کی مصروفیات نہیں بھری تھیں۔ آج جس طرح لوگوں کو پتا ہوتا ہے کہ کس چینل پر کیا آرہا ہے، موبائل کا کون سا نیا ورژن، کون سا نیا ایپ متعارف ہوا، اسی طرح تب پڑھنے والوں کو پتا ہوتا تھا کہ کب اور کہاں سے نئے پرچے کا اجرا ہورہا ہے؟ کب اور کہاں کسی کی نئی کتاب شائع ہوئی ہے؟ کتابوں کی دکانیں پڑھنے والوں کی آسان پہنچ میں تھیں اور گھر میں...... پڑھنے پڑھانے والا ہی نہیں لکھنے لکھانے والا بھی ماحول تھا۔ میری امی بہت اچھی لکھاری اور شاعرہ تھیں۔ آج میرے ماموں، میری خالہ اور ایک خالہ زاد لکھنے اور پڑھنے والوں میں جانا پہچانا نام ہیں اور میرے شوہر بھی بہت اچھے شاعر تھے۔ (اچھا خاندانی ادبی ماحول تھا، جبھی تو شوق پروان چڑھا)

پاکیزہ ✧...... اپنی بہترین تحریر آپ کی نظر میں کون سی ہے؟ پاکیزہ کے حوالے سے بھی؟

صبیحہ شاہ ❖...... بہترین جب لکھ سکی تب ہی بتاؤں گی۔ ابھی تک تو کچھ ایسا نہیں لکھ پائی...... ہر نئی لکھی ہوئی چیز مکمل ہونے کے بعد بچگانہ اور کمتر لگنے لگتی ہے۔ (اوہ کیا کسر نفسی ہے)

پاکیزہ ✧...... ماہنامہ پاکیزہ کو کیسا پایا؟ آج اس کی مزید بہتری کے لیے کیا تجاویز دیں گی؟

صبیحہ شاہ ❖...... معاف کرنا بھئی صرف پاکیزہ میں ہی نہیں، تمام پرچوں میں یکسانیت کا عالم ہے، جس ڈھرے پر ان پرچوں نے پاؤں پاؤں چلنا سیکھا اور پھر دوڑنا سیکھا آج تک اسی ڈھرے پر دوڑے چلے جارہے ہیں۔ کچھ تبدیلی اور کچھ نیا ہوتے رہنا چاہیے۔ (اسی لیے تو پوچھا ہے تجویز بھی تو دیں ناں کچھ نئے پن کی)

پاکیزہ ✧...... اب تو رائٹرز ٹی وی چینلز کے حوالے سے پہچانی جاتی ہیں، آپ نے بھی کیا ڈراما اسکرپٹ لکھا؟

صبیحہ شاہ ❖...... نہیں ڈراما اسکرپٹ میں نے نہیں لکھا...... شاید اس لیے کہ میں نے کوشش ہی نہیں کی یا شاید اس لیے کہ میں اتنی محنتی نہیں ہوں جتنا ایک اسکرپٹ رائٹر کو ہونا چاہیے اور شاید اس لیے بھی کہ میں فرمائشی چیزیں نہیں لکھ سکتی...... یہ میری خامی ہے۔

پاکیزہ ✧...... اپنے سینئرز اور ہم عصروں بلکہ آج کے بھی چند نام جو آپ کو متاثر کرتے ہوں؟

صبیحہ شاہ ❖...... مختلف اوقات میں مختلف تحریریں دل کو چھو لیتی ہیں۔ ایسا تو کبھی ہو نہیں سکتا کہ کوئی لکھاری ہمیشہ ہی بہترین لکھ سکے، لہٰذا کسی ایک یا دو تین پسندیدہ رائٹرز کا نام نہیں لے سکتی۔ (دوستیاں بھی خطرے میں پڑ سکتی ہیں) ہاں ڈاکٹر شیر شاہ سید کی تحریر کا خلوص اور گداز دل پر ضرور اثر کرتا ہے...... ہاں ان لکھاری دوستوں کا اکثر خیال ضرور آتا ہے جن سے تحریری رابطہ بذریعہ خطوط رہتا تھا...... بُرا ہو اس سیل فون کا، اس واٹس ایپ کا، اس فیس بک کا جس نے ڈاک ملنے کی معصوم سی خوشی بھی چھین لی ہے۔ مرحومہ لبنیٰ عروج، جس کے لیے مرحومہ لکھتے اور بولتے ہوئے دل کٹتا ہے مجھے بہت یاد آتی ہے، اس سے بڑا پیار دوستانہ رہا اللہ اسے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے، آمین۔ بہت نیک اور معصوم روح تھی۔ نگہت سیما سے خط کتابت رہتی تھی، میری نالائقی اور گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے اس کا خیال آنے کے باوجود رابطہ بحال نہیں ہو پاتا۔ اللہ اسے خوش باش رکھے۔ افسر سلطانہ کو اس کی ذاتی مصروفیات نے قریب ہوتے ہوئے بھی دور کردیا۔ مہناز عرفان سے کافی عرصے سے رابطہ نہیں ہوا۔ (آواز دو کہاں ہو) اختر شجاعت بہت پیاری دوست ہے، سالوں بعد بھی ہم ملیں تو یوں ملتے ہیں جیسے پچھلے ہفتے تو ملے تھے، سیما مناف



بیگم ریٹائرڈ مرل سے صبیحہ شاہ نیول ویلفیئر کلب کا سونیئر وصول کرتے ہوئے

مہینوں بعد ملے تو اس کی گرمجوشی اور اپنائیت ایسی ہوتی ہے جیسے کل نہ ملے تو مر جائیں گے......غزالہ رشید سے بہت اپنائیت والا رشتہ ہے، میرے لکھے ہوئے میں خامیاں اور کمزوریاں وہ بنا کسی ہچکچاہٹ کے نکال سکتی ہے اور میں اس کی...... دراصل یہ سب لکھاری ستارے ہیں، ہم سب کی زندگیاں ایک دوسرے کے ہونے سے روشن ہیں......اور زندہ رہنے کو اتنی ہی روشنی، اتنی ہی آکسیجن بہت ہے۔(بہت خوب صبیحہ کن کن ہنر مندوں کے نام لیے آپ نے سب ہی بہترین تحریر نگار ہیں)

پاکیزہ✧......مرد رائٹرز اور خواتین تحریر نگاروں کی تحریروں میں کوئی نمایاں فرق؟

صبیحہ شاہ❖......مرد اور عورت کو اللہ تعالیٰ نے صرف شکل و جسم میں مختلف نہیں بنایا۔ دونوں اصناف کی صلاحیتیں مختلف، عادتیں اور فطرتیں مختلف، اندازِ گفتگو اور سوچنے کے انداز اور زندگی کے معاملات میں دونوں کے رویّے مختلف تو تحریر کا کوئی نمایاں فرق کیا بتایا جا سکتا ہے! میرا خیال ہے یہ تو محسوس کرنے کی بات ہے، عورت عموماً جس چیز کا نوٹس نہیں لیتی، مرد کی پہلی نگاہ ہی اس کو نوٹ کرتی ہے یا مرد کی نظر میں جس چیز کی اہمیت ہی نہیں ہوتی عورت کے لیے وہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہو سکتی ہے(جی بالکل) گو کہ عورت اب ہر میدان میں سرگرمِ عمل ہے لیکن پھر بھی کچھ چیزیں مرد کے ہی تجربے میں ہوتی ہیں اور وہ ہی ان کے بارے میں زیادہ اچھا لکھتا ہے ہاں...... یہ الگ بات کہ نیٹ کے استعمال کے باعث ہر فرد، ہر چیز کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکتا ہے لیکن پھر بھی اندازِ تحریر چغلی کھا جاتا ہے کہ زنانہ نام کے پردے میں مرد ہے یا مرد کا ماسک پہنے کوئی عورت (جی ہاں بالکل)

پاکیزہ✧......اپنی تحریری مصروفیات کے دوران کوئی دلچسپ یا ناقابلِ فراموش واقعہ تو بتائیں؟

صبیحہ شاہ❖......لکھنے والے کے لیے اس سے بڑا انعام اور کوئی نہیں ہو سکتا ہے کہ اس کی تحریر کا نوٹس لیا جائے اور سراہا جائے۔ میں نے ابھی لکھنا شروع ہی کیا تھا کہ پاکیزہ میں ہی شائع شدہ ایک کہانی سفید خون کے حوالے سے بہت سے خطوط ملے۔ مدیرہ نے وہ خطوط یہ کہہ کر میرے حوالے کر دیے کہ یہ ہماری پالیسی تو نہیں لیکن اتنے اور ایسے خطوط کبھی کسی کے لیے نہیں آئے۔ اور ان خطوط میں کیا تھا بھلا...... آج بھی وہ خطوط میرے پاس محفوظ ہیں۔ سوچتی ہوں تو ہنسی آتی ہے۔ ایک خط تھا

”صبیحہ شاہ، یہ کیسا نام ہے بھلا؟ ہمیں تو کوئی فیک پرسنالٹی لگتی ہے۔ اس نام کے پردے میں کوئی مرد لگتا ہے۔“ کئی خطوط میں سفید خون کے مرکزی کردار ”حرمت“ کی ہمدردی میں اس کی مالی معاونت کرنے کو تیار تھے۔ دو خطوط میں شادی کی پیشکش تھی۔ ایک وکیل صاحب نے امی کو میسج بھجوایا کہ (میری امی ڈپٹی ایجوکیشن آفیسر تھیں) ”میں آپ کی بیٹی پر مقدمہ دائر کر رہا ہوں ہتکِ عزت کا......“ ان کے خیال میں وہ ان کی کہانی تھی امی نے جواب بھجوایا۔ ”ضرور......اپنا شوق ضرور پورا کیجیے......“ بس کئی ماہ ایک ہلچل مچی رہی۔ لاہور میں ایک کتاب کی تقریب رونمائی میں ایک لڑکی ملی اس نے میرے افسانے شیشے کا چراغ کا حوالہ دے کر کہا آپ ہماری محسن ہیں اس نے بتایا کہ ہم تین بہنیں ہیں اور ہم لڑکی دیکھنے آنے والوں سے پریشان اور والدین سے شرمندہ رہتے تھے لیکن یقین کریں آپ کا افسانہ ہماری امی نے اور ہم نے جب پڑھا تو دل کو ایک سکون اور بے فکری سی ہوگئی اپنے اوپر اعتماد بحال ہوا۔ آج ہم سب بہنیں شادی شدہ اور اپنے، اپنے گھروں میں خوش اور بیٹیوں کی مائیں ہیں لیکن شیشے کا چراغ آج بھی ہمارے ذہنوں میں روشن ہے۔ میرے اس افسانے کا مرکزی خیال تھا کہ لڑکیوں کے رشتوں کے حصول میں والدین کس قدر پریشان اور زیر بار ہوتے ہیں لیکن بیٹیاں ہم نے منت مان، مان کر تو نہیں مانگی ہوتیں، یہ تو اللہ رب العزت کی عطا ہیں تو یقیناً ان کے نصیب بھی اس رحیم و کریم نے لکھے تو ضرور ہوں گے۔ ان کے مستقبل بھی اس نے ہی تحریر کیے ہیں اور وہ ہمیں ہماری ماں سے ستر گنا زیادہ چاہنے والا ہے، تو ہم کیوں پریشان ہوتے ہیں؟ اس پیاری سی لڑکی، خاتون کی بات سن کر دل بڑا مطمئن ہوا کہ میرا لکھا رائگاں نہیں گیا۔ کہیں تو کسی دل کا سکون، کسی دل کا مرہم بنا......(واہ بہت حیران کُن واقعات سنائے بالکل درست کہا خلوصِ نیت سے لکھا رائگاں نہیں جاتا اور ایک ذمے دار لکھاری بہت سوچ کر ہی لکھتا ہے محض تفریحِ طبع تو مقصد نہیں ہونا چاہیے ناں)

پاکیزہ✧......ٹی وی بینی کس حد تک ہے؟ کیا مطالعہ وقت گزاری کے لیے ہوتا ہے یا طلب ہوتی ہے پڑھنے کی؟

صبیحہ شاہ❖......ٹی وی دیکھتی ہوں مگر خبریں اور ٹاک شوز نہیں......کوئی ایک دو اچھے ڈرامے، فیشن شوز اور بس......اور مطالعہ تو میں نے کہا ناں کہ وقت گزاری بھی ہے، طلب بھی اور عادت بھی......اکثر گھروں میں، میں دیکھتی ہوں کہ نصابی کتب کے علاوہ کوئی کتاب، رسالہ......اخبار نظر نہیں آتا، حیرت ہوتی ہے کہ یہ سب صحیح الدماغ کیسے اور کیوں ہیں؟ بغیر کچھ پڑھے۔ (ہاہا کیا بات کی ہے، جبھی تو ان کی فکر بھی سطحی ہوتی ہے)

پاکیزہ✧......اچھا! آج کل آپ کی کیا روٹین ہے جبکہ بچے ماشاء اللہ اپنی، اپنی زندگیوں میں مگن ہوں گے......کچھ تفصیل بتائیے؟

صبیحہ شاہ❖......یکے بعد دیگرے تین بیٹیوں کی شادیوں کے سلسلے رہے۔ اس میں مصروف رہی......دوسری بیٹی کی شادی کے بعد میرے شوہر بہت بیمار رہے، وہ ایک الگ مصروفیت رہی۔ ان کے انتقال کے بعد بیٹے کے پاس ملک سے باہر چلی گئی......پھر یہ آنے اور جانے کے سلسلے رہے......یہ وہی دور تھا جب میرے لکھنے میں ایک وقفہ آگیا۔ اب آج کل میں بیٹی کے ساتھ اس کے اسکول میں ہوتی ہوں......دس بجے تک اسکول جاتی ہوں، کبھی بارہ، کبھی دو ڈھائی بجے تک واپس ہوتی ہوں۔ اسکول کے ساتھ ہی ایک تھراپی سینٹر ہے جہاں اسپیچ سینسوری آکوپیشنل اور ریمیڈیل وغیرہ پر کام ہوتا ہے اور پھر گھر آکر کوئی خاص کام نہیں ہوتا، کھانا پکانے کا شوق مجھے کبھی نہیں رہا، ضرورتاً ہی پکایا جب بھی پکایا۔ (ارے یہ کیا بات کہی ضرورتاً ہی سہی پکانا تو پڑا ناں......)

پاکیزہ✧......کہتے ہیں شادی کے بعد لڑکیوں کی مصروفیات شوق، مشاغل اور ہنر دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں، آپ کے سلسلے میں کیا صورت حال تھی؟

صبیحہ شاہ❖......میں الحمدللہ اس معاملے میں بڑی

خوش قسمت رہی کہ میں نے اپنے سارے شوق پورے کیے۔ شادی سے پہلے تو سب ہی اپنے شوق پورے کرتے ہیں میں نے شادی کے بعد بھی سب شوق پورے کیے۔ میری ساس ایک نیک اور بے ضرر خاتون تھیں۔ اللہ انہیں غریقِ رحمت کرے، (آمین) وہ علم کی بڑی قدر دان تھیں، میں نے شادی کے بعد تین بچوں کی پیدائش کے بعد ایم اے کیا۔ (بہت خوب صبیحہ) ظاہر ہے شوہر کا تعاون بھی حاصل تھا اور ساس کا بھی...... میری سسرال بھری پُری تھی، چھ بھائی تھے اور میں سب سے بڑی بھابی، نند کوئی نہیں تھی۔ جوائنٹ فیملی میں انیس برس رہی لیکن شوق سب پورے کیے۔ اسی بھرے پُرے گھر میں اور مصروفیات کے دوران پہلی کتاب سائبان شیشے کا شائع ہوئی۔ وہ نعمتیں جو اللہ نے عطا کیں ان کا شکر ادا کرنے کے الفاظ ہی نہیں میرے پاس...... (جی بے شک)

پاکیزہ✧...... یہ سوال اس لیے پوچھا کہ رائٹرز بیچاریاں بھی اپنی صلاحیت کا گلا بھی گھونٹتی دیکھی گئی ہیں اور بھی آرٹسٹ لڑکیاں رنگ اور برش تک فراموش کر گئیں اور جناب دیگر مشغلے بھی کچھ ایسے ہی رہ گئے...... آپ کا کیا خیال ہے؟

صبیحہ شاہ ❖...... ہاں صحیح کہہ رہی ہیں آپ...... وہ جن کو اپنا گھر بسانا ہوتا ہے وہ تو اپنے آپ کو مار دیتی ہیں...... بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ شادی سے پہلے کے شوق اور مشغلے بعد میں بھی جاری رہیں...... یہ جو لوگ کہتے ہیں ناں کہ بہترین کک مرد ہوتا ہے، بہترین ٹیلر مرد ہوتا ہے، مرد ہی بہترین آرٹسٹ ہوتا ہے، قابلِ ذکر افسانہ نگار و شاعر بھی مرد ہی ہیں۔ تو اس کی وجہ یہی ہے کہ انہیں سسرال اس طرح نہیں بھگتنی پڑتی جس طرح ہمارے معاشرے میں عورت کو بھگتنی پڑتی ہے، عورت بیچاری کی صلاحیتوں کے دم خم تو گھر داری، بچے پالنے اور بچوں کا باپ پالنے میں ختم ہو جاتے ہیں...... ایسا ہی ہے لیکن یہ کوئی فارمولا نہیں ہے، (وہ آپ نے بیشتر عورتوں کے خیالات کی عکاسی کر دی)

پاکیزہ✧...... آپ کے بچے آپ کی اس صلاحیت میں کس حد تک معاون رہے اور کس نے آپ کی یہ صلاحیت اپنائی؟

صبیحہ شاہ ❖...... ایمان کی بات ہے کہ میرے بچے ماشاء اللہ بڑے نیک، راضی بہ رضا اور قناعت پسند بچے رہے ہیں جبکہ میرے بچوں کے بچے ایسے نہیں ہیں، گو ابھی بہت چھوٹے ہیں مگر پوت کے پاؤں پالنے میں نظر آنے والی بات ہے۔ جب میرے بچے چھوٹے تھے تب بھی مجھے لکھنے کے دوران ڈسٹرب نہیں کرتے تھے، اب تو بڑے ہو گئے ہیں اور خود بچوں والے ہیں، رہی بات یہ کہ کس نے یہ صلاحیت اپنائی...... تو مزے کی بات ہے کہ چاروں میں یہ صلاحیت ہے...... کسی نہ کسی سطح پر اسکول، کالج میں انہوں نے لکھا بھی...... لیکن میری طرح باقاعدہ کوئی اس طرف نہیں آسکا۔ چھوٹی بیٹی کے تین چار ریسرچ آرٹیکل انٹرنیشنل جرنل، اسپیشل ایجوکیشن میں شائع ہو چکے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے لیکن ظاہر ہے ان کی نوعیت افسانہ نگاری سے قطعاً مختلف ہے۔

پاکیزہ✧...... زندگی کے چار دور...... بچپن، لڑکپن، جوانی، بڑھاپا، کون سا دور اچھا؟ چاروں کی خاص، خاص باتیں بتائیں؟ وہ بھی اپنے حوالے سے؟

صبیحہ شاہ ❖...... زندگی کے ہر دور کا اپنا ایک حسن، ایک چارم ہوتا ہے۔ بچپن کو بادشاہت کا دور کہہ لیں...... لڑکپن حماقتوں کے لیے مخصوص ہے اور جوانی...... لیکن سنو......! یہ چار بھی ہوا کرتے تھے، اب تو مجھے لگتا ہے بچپن کے بعد یک دم جوانی ٹوٹ کر آتی ہے اور بڑھاپے کو اس وقت تک قبول اور منظور نہیں کیا جاتا جب تک قویٰ بالکل ہی جواب نہ دے دیں، آج کے تیسری چوتھی کے بچوں کو دیکھیں یوں لگتا ہے چھوٹے، چھوٹے مرد اور عورتیں، بچپن کی معصومیت بے ساختگی اور بے خبری میڈیا کھا گیا...... جوانیاں دیکھیں...... ایسی بے دھڑک کہ الاماں...... بڑھاپے دیکھیں...... ایسے چھچھورے کہ الفاظ گنگ ہو جائیں...... سارے معاملات الٹ پلٹ ہو گئے ہیں، مجھے تو سچی بات ہے اپنی

یہ عمر (تم بڑھاپا کہہ لو) انجوائے کرنے میں مزہ آرہا ہے، دل چاہا تو تیار ہولیے، نہیں تو یوں ہی سہی...... اپ لپ آئی بروز بنوائیں تو بنوائیں نہ تو یوں ہی سہی...... کوئی نظر بھر کر دیکھنا چاہے تو بیٹا کہہ لو...... ہاہا...... ہاہا ویسے میرے حوالے سے اگر ان ادوار کو دیکھو تو میرا بچپن، بہت دیر بچپن نہیں رہا...... ابا کے انتقال نے شاید مجھے جلدی سمجھدار اور بڑا کر دیا تھا۔ لڑکپن اور جوانی کب آئی اور کب گئی پتا ہی نہیں چلا، دورِ طالب علمی میں اتنے کام کیے کہ جوانی کو انجوائے کرنے کا تصور ہی نہیں رہا۔ اب پوچھ رہی ہو تو یاد آرہا ہے اور افسوس ہو رہا ہے۔ میں اسکول و کالج میں بیسٹ ڈبیٹر، بیسٹ ایتھلیٹ، بیسٹ ڈراما ایکٹر، یونین کی ہر سال کی عہدیدار رہی رائٹر تو تھی ہی...... تو بس جی جوانی ان چکروں میں بیت گئی......

جواب پلٹ کر نہیں آنی۔ اب بڑھاپا ہے، فرصت ہے، کوشش کرتی ہوں شعوری طور پر کہ ایک اچھی بزرگ بن سکوں۔ (ہاں بھئی آج کل تو لوگ بزرگ بننا ہی نہیں چاہتے چاہے جتنے بھی بڑے ہوجائیں)

پاکیزہ ✧...... آج کل کی نوجوان نسل، آپ کے خیال میں کس طرف جا رہی ہے، آپ اپنے وقت سے کس طرح تقابل کریں گی؟

صبیحہ شاہ ✧...... دیکھو بھئی...... نوجوان نسل جہاں بھی جا رہی ہے اس میں ہمارا، ہم ماؤں کا بھی ہاتھ ہے، ایسا تو نہیں ہے ناں کہ ایک دن صبح ہوئی اور نوجوان نسل کسی خاص راستے پر چل پڑی، قطرہ، قطرہ دریا بنتا ہے، تو لمحہ لمحہ ایک نسل تیار ہوتی ہے اور ان لمحوں کو ماؤں نے، باپوں نے کیسے کشید کیا؟ جن گھروں میں ماؤں کی آنکھیں کھلی ہیں ان گھروں میں نئی نسل آج بھی سنبھلی ہوئی ہے۔ ہماری نسل کی اکثر ماؤں نے جدید ایجادات سے آگاہی حاصل نہیں کی، روٹیاں ہی تھوپتی، ہانڈیاں ہی بھونتی رہیں، سسرال کے نتنے ہی نبٹاتی رہیں اور جنہوں نے آگاہی حاصل کرلی وہ اس آگاہ ہونے کے زعم میں گم ہوگئیں...... سیلفیاں اور ان کا فیس بک پر سجنا اور پھر کمنٹس در کمنٹس (اور لائکس ڈس لائکس اور پھر موزانہ کس کی کتنی لائکس بنیں، واہ کیا ترقی کی ہے) دیکھو تو کیسی گاڑھی مصروفیت ہے جس میں آج کی ماں مصروف ہے۔ اور بیچارہ باپ کمانے کی مشین...... ویسے تو میرا ایک افسانہ ہے اسی موضوع پر بے بی اور باربی...... بس ہمارا یہ غیر متوازن رویّہ ہماری نسل کو تباہ کر رہا ہے...... سب فرشتے تو ہمارے وقت میں بھی نہیں ہوتے تھے...... چور دروازے ڈھونڈ ہی لیے جاتے تھے...... لیکن اب...... سر سے دوپٹا لپیٹے، ماں کے پہلو میں بیٹھی ہوئی بیٹی کن جہانوں کی سیر کر آتی ہے ماں بیچاری کو کبھی پتا نہیں چلتا اور ہاں میرے زمانے اور آج کے زمانے کی بات نہ کرو بھئی...... یہ بھی ہمارا ہی وقت، ہمارا ہی زمانہ ہے، ہاں بس یہ ہے کہ ہماری جوانی کے دور میں اور میری بیٹی کی جوانی کے دور میں ایک ٹچ اسکرین کا فرق ہے۔ اور یہ فرق زمین آسمان کا فرق ہے۔ (جی ہاں صبیحہ، مادیت پرستی کی اور مقابلے کی دوڑ ہے، اخلاقی اقدار تو بہت پیچھے ہی رہ گئیں)

پاکیزہ ✧...... لڑکیوں کے لیے کوئی خاص نصیحتیں، مشورے؟

صبیحہ شاہ ✧...... میں نے ہمیشہ اپنی بیٹیوں سے کہا ہے اور آج آپ کے توسط سے سب بیٹیوں، سب لڑکیوں سے کہوں گی کہ اپنے ہونے کی عزت کریں، اپنے عورت ہونے پر فخر کریں، آپ اپنی عزت خود کرنا سیکھیں گی تو دنیا آپ کی عزت کرے گی۔ اور یہ کہ شادی ہونے، نہ ہونے کو زندگی موت کا مسئلہ نہ بنائیں یہ تو جب ہونی ہوگی ہوجائے گی کیونکہ پیدائش، شادی اور موت ان پر کسی انسان کا بس نہیں...... جب خالق کا حکم ہوگا تب ہی ہوگی، آپ فارغ رہنے کے بجائے مصروفیات ڈھونڈیں...... مثبت مصروفیات اور یہ کہ شادی صرف خوشی کا نام نہیں، یہ آزمائش کا نام ہے، آزمائش آپ کے صبر، برداشت اور قناعت کی...... اور ان تین عناصر کا فقدان ہی طلاق کی بڑھتی شرح کا سبب ہے۔ (بہت دل کو چھو جانے والی نصیحتیں ہیں)

پاکیزہ ✧...... زمانہ طالب علمی کی دوستیں آج بھی

رابطے میں ہیں؟

صبیحہ شاہ❖......ہاں، زمانۂ طالب علمی کی چند دوستوں سے آج بھی رابطہ رہتا ہے، اور یہ چند اس لیے کہ میری دوستی ہی چند سے تھی......میں اتنی ہی دوستیوں کی قائل ہوں جتنی کہ میں نبھا سکوں......(ہونا بھی یہی چاہیے)

پاکیزہ✧......ویسے دوستی آپ کی نظر میں کیا ہے؟ کیسا رشتہ ہے؟ بہترین دوست کون ہوتا ہے؟

صبیحہ شاہ❖......دوستی کیا ہے؟ اس کا جواب میری کالج، اسکول فیلو بشریٰ سے سنو......میری یہ دوست میرے گھر سے دس منٹ کی ڈرائیو پر رہتی ہے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ کئی دن تک نہ وہ خود آئی نہ کوئی فون آیا، مجھے خیال آیا تو فون کر کے پوچھا کہ کیا بات ہے، ناراض ہو گیا؟ حسبِ عادت اس نے قہقہہ مارا اور بولی کہ ''لو ناراض ہی ہونا تھا تو رشتے دار نہ بن جاتی؟'' تو بس......دوست کا رشتہ غرض سے پاک ہوتا ہے، شکوے، شکایتوں، توقعات سے بالاتر......(پھر تو رشتے داروں سے دوستی کے یہی رشتے رکھنے چاہئیں ناں!)

پاکیزہ✧......آج کل تو مخلوط نظامِ تعلیم ہے تو دوستی بھی اسی حوالے سے ہے، کیا سمجھتی ہیں ایسا ہونا چاہیے؟ بچے کہتے ہیں یہ تو روٹین کی بات ہے اس میں حرج کیا ہے؟

صبیحہ شاہ❖......ہاں، روٹین کی اور معمولی بات ہے، مخلوط اداروں میں پڑھیں گے، ساتھ جاب کریں گے تو دوستیاں بھی ہوں گی......حرج کیا ہے، بس یہ ہے کہ والدین کو مذہبی تعلیم کا اہتمام ضرور کرنا چاہیے، مذہب کی جڑیں مضبوط ہوں گی تو وہ راہِ راست پر رہیں گے......اور یہ کہ والدین کو اپنی آنکھیں کھلی رکھنی چاہئیں۔(جی بالکل درست کہا)

پاکیزہ✧......محبت کا فلسفہ کیا ہے؟ آپ کی تحریروں میں یہ جذبہ کس حد تک غالب رہا؟

صبیحہ شاہ❖......محبت؟ کون سی محبت؟ شیریں فرہاد، لیلیٰ مجنوں، ہیر رانجھا والی محبت کبھی ہوتی



ہو گی......لیکن ایسی محبت کے بارے میں، میں ہمیشہ مشکوک اور غیر یقینی ہی رہی ہوں......محبت میں عزت ہونی چاہیے، اخلاص اور وقار ہونا چاہیے۔میں نے زندگی کی حقیقتوں کو رقم کیا ہے، چارمنگ ہیرو، مظلوم لڑکی، غریب ہیرو، امیر ہیروئن، حسین لڑکا، معمولی صورت مگر ''پیاری'' لڑکی......ایسی محبتوں کی کہانیاں میں کبھی نہیں رقم کر پاتی۔

پاکیزہ✧......آپ کا نام بہت خوب صورت ہے۔ کبھی ماضی کی حسین اور باصلاحیت اداکارہ کے حوالے سے آپ کے نام کو لوگوں نے پوائنٹ آؤٹ کیا؟ مطلب آپ کا نام لیتے ہی ان فنکارہ کا تصور ضرور آتا ہے......ہے ناں؟

صبیحہ شاہ❖......ہاں، میرا یہ خوب صورت نام، سنا ہے میرے نانا نے رکھا تھا، اب ان کے ذہن میں اس دور کی وہ حسین فنکارہ تھیں یا صرف نام کا معنوی حُسن ان کے پیشِ نظر تھا کہہ نہیں سکتی......اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ نام عام بھی نہیں......کم کم ہی سنا جاتا ہے۔(جی ہاں اسی لیے تو پوچھا)

پاکیزہ✧......کچھ اپنی فیملی کے بارے میں بھی بتائیں؟

صبیحہ شاہ ❖......میری پیدائش سبی، بلوچستان کی ہے، زندگی کے ابتدائی چار برس سبی اور زیارت میں گزرے...... جہاں میرے والد کی جاب تھی۔ والد کے انتقال کے بعد خیر پور میرس سندھ نانا کے گھر آنا ہوا۔ جہاں میں نے خیر پور گرلز ہائی اسکول سے میٹرک اور... خیر پور کالج فار ویمن سے بی اے کیا۔ میری امی نے ابا کے انتقال کے فوراً بعد بطور اسکول ٹیچر ملازمت شروع کی اس وقت وہ صرف میٹرک تھیں، دورانِ ملازمت انہوں نے انٹر، پھر بی اے، بی ایڈ اور پھر ایم اے کیا اور ڈپٹی ایجوکیشن کے عہدے پر تعینات رہیں، ٹیچرز ٹریننگ کالج خیر پور اور پھر کراچی میں بھی پڑھایا، خیر پور کی تاریخ میں اگر کچھ خواتین کا نام روشن حروف میں لکھا جائے تو اس میں ایک نام میری امی، مسز صفیہ شاہ المعروف آپا شاہ کا بھی ہوگا۔ یہ ایک الگ اور تفصیل طلب موضوع ہے۔ (صبیحہ بھئی میں تو بے حد متاثر ہوئی ہوں آپ کی والدہ کی کوششوں اور کامیابیوں سے آپ بھی تو انہی کا عکس ہوں گی یقیناً) شادی کے بعد کراچی آنا ہوا، میرے شوہر بینکنگ کی دنیا میں ایک جانا پہچانا اور معتبر نام تھے اور امی کے بعد سید عزیز احمد ہی وہ ہستی تھے جن کی بدولت صبیحہ آج صبیحہ شاہ ہے۔ چار لوگ جسے چہرے سے پہچانتے اور نام سے اور کام سے جانتے ہیں، یہ میرے میاں کی وسیع النظری ہی تھی میں شادی کے بعد بھی صبیحہ شاہ ہی رہی، عام مردوں کی طرح انہوں نے اپنے نام کا لاحقہ لگانے پر مجبور نہیں کیا کیونکہ شادی سے پہلے ہی میں اپنی پہچان بنا چکی تھی۔ بچے میرے چار ہیں، بیٹا بڑا، اور پھر تین بیٹیاں الحمدللہ...... بیٹے نے انجینئرنگ کے بعد ایم بی اے کیا ہے، آج کل بحرین میں بزنس کر رہا ہے، بڑی بیٹی ڈبل ماسٹرز اور ایک ملٹی نیشنل نیٹ ورکنگ فرم میں جاب کر رہی ہے، دوسری بیٹی بحریہ کالج کارساز میں پڑھا رہی ہے، چھوٹی پی ایچ ڈی اسپیشل ایجوکیشن میں کر رہی ہے، اسی نے SCLD کے نام سے school of cognition Inclusive and language development and theropy centre قائم کیا ہے۔ بہو میری غیر ملکی (یو کے۔ ائن سے تعلق ہے) ہے اور بحرین میں ایک مذہبی تعلیم کے ادارے ڈسکور اسلام میں پڑھاتی اور پڑھتی بھی ہے۔ (بہت خوب دلی مسرت ہوئی آپ کی فیملی کے متعلق جان کر، اللہ سلامت رکھے)

پاکیزہ ✧......دیگر کیا مشاغل ہیں؟ شاپنگ کی بلکہ ونڈو شاپنگ کی کس حد تک شوقین ہیں؟

صبیحہ شاہ ❖......مشاغل کے نام پر آج کل تھوڑی باغبانی، تھوڑی سلائی، کڑھائی تھوڑی سی بچوں یعنی اپنے سود، نواسہ نواسی کی دیکھ بھال بہت سا سونا اور بہت بہت سا پڑھنا ہے، اور بس...... ونڈو شاپنگ اچھی لگتی ہے اور شاپنگ بھی اچھی لگتی ہے، مالز میں سیل لگتی ہے تو ضرور جاتی ہوں، میں سڑیل بڈھی نہیں ہوں، نہ بننا چاہتی ہوں (ہاہاہا)

پاکیزہ ✧......بھئی اکثر دیکھا گیا ہے کہ خواتین کی تفریح تو اب شاپنگ مال گھومنا ہی ہے، آپ کا کیا خیال ہے؟

صبیحہ شاہ ❖......تو بھئی تم ہی بتاؤ، کہاں جائیں تفریح کرنے؟ کچھ گھوم لیے، طرح طرح کے چہرے، حلیے دیکھ لیے، ٹک دل شاد کیا تو کیا برا کیا؟ (بالکل برا نہیں مگر سب خواتین آپ جیسی ذمے داریاں نبھا کر تو شاپنگ کو نہیں نکلتی ناں وہ بیچاریاں تو صرف اور صرف شاپنگ ہی کرتی ہیں)

پاکیزہ ✧......فلم بینی کا کتنا شوق ہے؟ آخری پاکستانی فلم کون سی دیکھی؟ ویسے آج تو سینما بینی کافی عام ہوگئی ہے؟

صبیحہ شاہ ❖......فلم دیکھنے کے لیے ٹک کر بیٹھنا پڑتا ہے جو مجھ سے ہوتا نہیں۔ آخری فلم بحرین میں ہی دیکھی تھی بیٹے کے ساتھ...... شاید 2012ء تھا فلم کا نام پاکستان میں کبھی سینما نہیں گئی۔

پاکیزہ ✧......کچھ اپنی نیچر کے بارے میں بھی بتائیں کس حد تک مہمان نواز ہیں؟

صبیحہ شاہ ❖......اپنی نیچر کے بارے میں کیا بتاؤں؟ ساری اچھی، اچھی باتیں بتائیں تو کیا یقین

کرلوگی؟ (اب یقین تو کرنا ہی پڑے گا) مہمان نواز کس حد تک ہوں، یہ پتا کرنے کے لیے غریب خانے پر تشریف لا کر دیکھو۔ (جی ضرور)

پاکیزہ ✧...... کس قسم کے لوگوں میں جلد گھل مل جاتی ہیں؟

صبیحہ شاہ ❖...... سادہ مزاج، بے ریا لوگ شاید سب کو ہی پسند ہوں گے، مجھے بھی ہیں، ایسے ہی لوگوں سے جلد گھل مل جاتی ہوں۔

پاکیزہ ✧...... کسی اجنبی سے گفتگو میں پہل کس انداز سے کرتی ہیں؟

صبیحہ شاہ ❖...... یہ میری کمزوری ہے، خامی ہے، برائی ہے کہ میں اجنبیوں سے بہت جلد نہیں کھل مل سکتی۔

پاکیزہ ✧...... کیسے انسانی رویّے ناقابلِ برداشت ہوجاتے ہیں؟

صبیحہ شاہ ❖...... میں مغرور، خود پسند، شیخی خورے اور کریدنے والے لوگوں کے ساتھ ایزی نہیں رہتی...... بدتمیزی، بدتہذیبی اور ایسے ہی لطیفہ گو میں بالکل برداشت نہیں کرسکتی، میں کھانے پکانے کی ترکیبیں ڈسکس کرنے میں کبھی انٹرسٹڈ نہیں رہی تو اب کیا ہوں گی۔ (لو بھئی اب پتا چلا کہ ایک آدھ ہی دوست کیوں ہے آپ کی، اب آپ کے مطلوبہ خواص کی حامل شخصیت کہاں سے ملے ڈیئر! خیر...) گھر کو سجانا بنا کر رکھنا پسند ہے مگر اتنا کہ گھر، گھر ہی رہے، شوروم یا شوکیس نہ بن جائے۔ (ایسے تو انٹیریئر ڈیکوریٹرز کا پھر کیا بنے گا)

پاکیزہ ✧...... آپ کی اپنی تین خوبیاں اور تین خامیاں بھی؟

صبیحہ شاہ ❖...... خامیاں تو بہت سی ہیں؟ سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ

زمانہ سازیوں سے میں ہمیشہ دور رہتا ہوں
مجھے ہر شخص کے دل میں اتر جانا نہیں آتا

اور...... لیکن بھئی...... تمہیں کیوں بتاؤں؟ اور خوبیاں دوسروں کو پتا ہوں گی...... (ہمیں بھی ایک آدھ تو معلوم ہی ہے ہاہاہا)

پاکیزہ ✧...... کچھ پسند ناپسند بھی گوش گزار کیجیے ...... پسندیدہ موسم، رنگ، ذائقہ، خوشبو، لباس، تفریحی مقام، رشتہ، کوئی یادگار جملہ، تلخ یا شیریں؟

صبیحہ شاہ ❖...... سردی اچھی لگتی ہے، سردیوں میں لمبی واک کرنا مگر رات کو...... پسند ہے۔ میٹھا بہت کھاتی ہوں، رنگوں میں پسند بدلتی رہتی ہے۔ آج کل گرے اور یلو اچھے لگ رہے ہیں، ہر وہ جگہ جہاں خنکی ہو، سبزہ اور پھول ہوں، پسند ہے۔ لوگوں کی کہی باتوں کے حوالے سے...... یہ کہوں گی کہ اب لوگوں کی تلخ و ترش، شیریں یا خوشامدی باتوں اور جملوں کا نوٹس اور اثر ارادی طور پر کم، کم لینے لگی ہوں...... (اچھا کرتی ہیں) یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ جب ہمیں زندگی گزارنے کا، زندگی کو سمجھنے کا ہنر آنے لگتا ہے اس وقت پتا چلتا ہے کہ لو بھئی...... اب تو زندگی کی شام ہونے والی ہے، سورج غروب ہونے والا ہے، جن چیزوں، جن باتوں کو میں اب ٹالریٹ (برداشت) کرلیتی ہوں اگر چند برس پہلے یہ کرنے کا ہنر آجاتا تو شاید تصویر زیادہ حسین ہوتی لیکن...... وقت رہتا ہے، آخری سانس تک...... بالکل ایسے ہی...... آج آپ کے فورم میں بیٹھ کر ایک ایسی بات کی صفائی دینا چاہوں گی جس کی صفائی کی ذمّے داری میری ہے ہی نہیں...... لیکن ضرورت بہر حال ہے۔ تفصیلات تو خیر کیا بتاؤں بس میرے حوالے سے کسی نے کوئی بات شاید میرے کسی ”خیر خواہ“ نے ایسی مشہور کی کہ مجھے سن کر انتہائی افسوس ہوا جبکہ اس قصے سے میرا دور، دور تک کوئی واسطہ نہیں تھا۔ نزہت آپ نے زندگی کے تجربوں کے حوالوں سے کوئی تلخ و شیریں بات پوچھی تو میں کچھ ہمت کر کے بس اتنا ہی لکھ پائی تاکہ میں اپنی صفائی دے سکوں اگرچہ بات پرانی ہوچکی ہے مگر خیر...... اور میرے لیے اپنا وقار، اپنی عزت، اپنی جان سے زیادہ اہم ہے۔ معاف کرنا نزہت...... بات ذرا سنجیدہ گمبھیر ہوگئی ہے لیکن تم نے ہی حوصلہ دلایا ہے اپنی بات، کہانیاں کہنے کا جس کے لیے میں واقعی تمہاری دل سے مشکور ہوں۔ (ارے صبیحہ دنیا کا کام تو کچھ نہ کچھ کہنا ہی ہوتا

ہے، بس اللہ سب کو نیک ہدایت دے آمین)

پاکیزہ ✧......اپنے چھوٹوں کو اکثر کیا دعا دیتی ہیں؟

صبیحہ شاہ ❖......اپنے چھوٹوں کو میں ایمان و علم میں، زندگی و صحت میں، خوشحالی، نیک بختی میں فراوانی و کشادگی کی دعا دیتی ہوں۔

پاکیزہ ✧......پاکیزہ قارئین کے لیے کوئی خوب صورت، قابلِ غور باتیں؟

صبیحہ شاہ ❖......ارے بھئی، ہم کیا اور ہماری نصیحتیں کیا......ہم خود عقل میں کُل ہو جائیں تو نصیحت کرتے بھی اچھے لگیں۔ (پھر بھی آپ کی باتوں سے بچیوں کو کافی آگاہی ملے گی)

پاکیزہ ✧......ہاں ہماری ینگ رائٹرز کے لیے بھی کوئی کام کی باتیں کوئی کامیابی کے گر بتائیں؟

صبیحہ شاہ ❖......میں نے اکثر دیکھا ہے کہ لوگوں کے اپنے عمل، اپنے خیالات ان کے خیال میں اتنے درست ہوتے ہیں کہ وہ تصحیح کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے جبکہ......بہتری کی گنجائش تو ہمیشہ رہتی ہے ناں......بس یہ سوچ لیں......جب تک ہم اپنی غلطیاں، کمزوریاں، ریالائز (یعنی خود احتسابی) نہیں کریں گے ہم بہتری کی جانب نہیں جاسکیں گے۔ (جی بالکل اپنی غلطیوں سے آگاہی ہی خود احتسابی کے عمل کی طرف مثبت قدم ہے)

پاکیزہ ✧......ماہنامہ پاکیزہ کے لیے آپ کی رائے، کوئی تجویز، خواہش؟

صبیحہ شاہ ❖......جن سے ایک تعلق خاطر ہو، ان کی ترقی، ان سے متعلق اچھی باتیں اچھی لگتی ہیں......پاکیزہ، ظاہر ہے پاکیزہ ہے۔ ایک خواہش میری صرف پاکیزہ کے لیے ہی نہیں ہے بلکہ تمام پرچوں کے لیے ہے کہ بچیوں کو خوابوں کی جنت میں نہ گم ہونے دیں، سرورق پر ہر مرتبہ دلہن، پھولوں و زیوروں اور اعلیٰ کپڑوں میں لدی لپٹی عورتیں نہ سجایا کریں، شوبز کے لیے مختص صفحات زندگی کو زندگی کرتی لڑکیوں اور عورتوں کے لیے مخصوص کریں......اپنے اردگرد نظر ڈالیں بے شمار ایسے کردار ملیں گے جن سے متعارف کرانا، ایک مثبت عمل ہوگا، ایک اداکارہ کب اٹھتی ہے، کب سوتی ہے۔ اسے غصہ کس بات پر آتا ہے، کھانا وہ میز کرسی پر کھاتی ہے، بیڈ پر؟ اس کے بجائے اگر لڑکیوں کو یہ بتایا جائے کہ زندگی بڑی مشکل ہے، مگر اس مشکل کو کچھ عورتیں، کچھ لڑکیاں آسان کیسے بنا رہی ہیں......تو میرا خیال ہے زیادہ بہتر ہوگا۔ (جی درست کہا شعبہ کوئی بھی ہو محنت و لگن تو مانگتا ہی ہے)

پاکیزہ ✧...اچھا آپ اپنی نئی کہانی سے کب ماہنامہ پاکیزہ کے صفحات کو رونق بخش رہی ہیں؟

صبیحہ شاہ ❖......بہت جلد انشاء اللہ!

بہت شکریہ صبیحہ شاہ کہ آپ ہماری بزم میں پورے خلوص اور خیر سگالی جذبے کے ساتھ تشریف لائیں۔

☆☆☆

جی تو پیارے اور باذوق قارئین! صبیحہ شاہ کی حقیقت سے پُر باتیں......کچھ تلخ کچھ شیریں اور کچھ نصیحت آموز آپ کو بھی یقیناً بھائی ہوں گی کیونکہ ہم تو بہت محظوظ ہوئے۔ یہاں ایک سے بڑھ کر ایک لکھاری سے گفتگو کرنا ان کے خیالات سے آگاہ ہونا اور آپ جیسے خوش ذوق قارئین کے ذہنوں میں ابھرتے سوالوں کو مطمئن کرنا ہی ہمارا مقصد ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں آپ سب کے بھرپور تعاون کا شکریہ! تبصرے کا انتظار رہے گا۔

اگلے ماہ پھر حاضر ہوں گے تب تک کے لیے اس دعا کے ساتھ اجازت کہ خود بھی خوش رہیں اور اطراف کے لوگوں کو بھی خوش رکھیں۔ یہاں تک کہ اپنی موجودگی سے اللہ تعالیٰ کی دیگر مخلوق کا بھی حق ادا کریں وہ چاہے جاندار ہو یا بے جان......اللہ ہم سب کا حامی و مددگار ہو......!

جنوں کے راستے یوں تو کٹھن سے لگتے ہیں
مگر یہ راستے منزل تلک نکلتے ہیں
زمانہ ہر قدم پہ راہ روکنے والا
عزائم پختہ ہوں جن کے وہ کب بھٹکتے ہیں

☆☆☆

شوہر اور سسرال والوں کو کیسے اپنا بنایا جاسکتا ہے

شائستہ زریں

راشد الخیری'' اپنے ناول'' صبح زندگی'' میں ناول کے مرکزی کردار'' نسیمہ'' کی رخصتی کے باب میں رقمطراز ہیں......

''میں تم کو ایک زبردست امتحان میں بھیجتی ہوں اور ایک اجنبی شخص کے ہاتھ میں تمہارا ہاتھ اس امید پر دیتی ہوں کہ تم اپنی خدمت گزاری اور سلیقہ شعاری سے اس کو رضامند رکھو گی، یہ وہ شخص ہے جس کے اوپر تمہاری زندگی کا دارومدار ہے اور جس کے ساتھ عمر بسر کرنی ہے۔ تم اور وہ دونوں مل کر دنیا میں ایک آدمی سمجھے جاؤ گے کہنے کو دو مگر اصل میں ایک۔ ہر رنج میں دونوں شریک اور ہر خوشی میں دونوں ساتھی۔ نسیمہ بیگم میں کہتی ہوں کہ ساس کی اطاعت میں غفلت نہ کی تو سسرال میں بیٹھی حکومت کرو گی۔ ہاں چند نامرادیں تم کو ایسی بھی ملیں گی جو اِدھر کی اُدھر باتیں لگا کر اور بات کا بتنگڑ بنا کر دلوں میں فساد ڈلوانے کی کوشش کریں گی ان سے البتہ ہوشیار رہنا، یاد رکھنا کہ ساس کی رضامندی سسرال کی پہلی منزل ہے یہ مہم جیت لی تو نندوں کا سر کر لینا بڑی بات نہیں، نئے دلوں میں گھر کرنا آسان نہ ہو مگر مشکل بھی نہیں، اطاعت کے میٹھے پھل اور خدمت کے شیریں ثمر تمہارے سامنے موجود ہیں۔''

وقتِ رخصت نسیمہ کی پھوپی اور منہ بولی ماں نے جو نصیحتیں اسے کی تھیں گئے وقتوں میں ان ہی کا رواج تھا لیکن آج بھی بیاہ کر جانے والی بیشتر لڑکیاں'' ہیمن'' کے اس قول کی تائید کرتی نظر آتی ہیں کہ'' عورت کی تمام زندگی ایثار، ہمدردی، محبت اور خدمت کی مکمل تاریخ ہے۔''

کیا یہ تاریخ رقم کرنے والی خواتین ہی شوہر اور سسرال والوں کے دل میں گھر کرتی ہیں یا انہیں اپنانے کی اور بھی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟ اس سوچ کے تحت پاکیزہ کے'' دلہن نمبر'' کے لیے ایک خصوصی سروے رپورٹ کا اہتمام کیا ہے جس میں چند خواتین سے معلوم کیا کہ'' شوہر اور سسرال والوں کو کیسے اپنایا جاسکتا ہے؟'' اور التزام یہ رکھا ہے کہ اس سروے میں دو نسلوں کی خواتین یعنی ماں اور بیٹی دونوں کے تاثرات ان کے ذاتی تجربے کی روشنی میں معلوم کیے ہیں۔

شاہینہ یاور
ماں (گھریلو خاتون)

پیار، محبت، خدمت، ایثار اور قربانی ہی سے اپنایا جا سکتا ہے۔ شادی کے بعد پہلے سب کو سمجھنا پڑتا ہے اور پھر نئے ماحول کے مطابق خود کو ڈھالنا پڑتا ہے۔ خاص طور پر شادی کے پہلے سال اپنی ذات کی نفی کر کے خود کو مکمل طور پر سسرال والوں کے لیے وقف کر دیں تو خود بخود ایک دوسرے کے لیے دل میں جگہ بن جاتی ہے۔ اور لڑکی اس ماحول کا حصہ بن جاتی ہے۔ شوہر کی مرضی اور خواہش کے مطابق رہیں۔ شوہر جب دن بھر کا تھکا ہارا شام کو گھر آئے تو اپنی دن بھر کی تھکاوٹ کو بھلا کر خود بھی صاف ستھری رہیں اور بچوں کو بھی صاف ستھرا رکھیں۔ خوشگوار موڈ میں خوش دلی سے شوہر کا استقبال کریں۔ میں نے ہمیشہ ایسا ہی کیا۔ میرا یہ طرزِ عمل ان کے لیے باعث راحت بنا۔ میکے والوں کا کردار بھی بہت اہم ہوتا ہے کہ بیٹی کو رخصت کرنے کے بعد اس کے معاملات میں بے جا مداخلت نہ کریں۔ میرے والدین کا انتقال ہو گیا تھا میں نانا کے ہاں پروان چڑھی میری پرورش خالاؤں نے کی۔ میری شادی ہوئی اس وقت میری عمر ۱۹ سال تھی۔ میکا راولپنڈی اور سسرال کراچی میں تھی۔ یکسر مختلف ماحول میں بیاہ کر آئی تھی۔ میکے میں سسرال سے زیادہ



آسائشیں تھیں لیکن میں نے کبھی سسرال کی بات میکے میں جا کر نہیں بتائی۔ میکے میں گیس کا چولھا تھا سسرال میں مٹی کے تیل کے چولھے پر سالن پکاتی۔ میری شادی کے دس سال بعد جب میری خالہ میرے گھر آئیں اور مجھے لکڑی پہ روٹی پکاتے دیکھا تو دل تھام کر رہ گئیں کہ ”تم اس طرح رہتی ہو تم نے تو کبھی ہمیں بتایا ہی نہیں۔“ سسرال میں سب سے چھوٹی بہو تھی۔ میری بڑی جیٹھانی اور نندیں تو مجھے اپنی بیٹی کہتی تھیں۔ بڑی نند کہتی تھیں اللہ کرے میری ساری بہویں تمہاری جیسی آئیں۔ میں نے کبھی کسی کام کو بوجھ نہ سمجھا ہل جل کر رہی۔ ہنسی خوشی نئے ماحول کے مطابق خود کو ڈھالا اور بہت خوش دلی سے شوہر اور سسرال والوں کا اپنا بنالیا۔

سیدہ ناز ظفر کاظمی
بیٹی (معلمہ،ذاکرہ)

محترمہ شاہینہ پاور کی اکلوتی صاحبزادی سیدہ ناز ظفر کاظمی کا تجربہ ان سے یکسر مختلف ہے شادی کے ابتدائی پانچ سال اپنی ذات کو پسِ پشت ڈال کر ان کے رنگ میں رنگنا پڑتا ہے۔ میں نے بھی یہی رویّہ اختیار کیا۔ میری خوش بختی کہ شوہر ہم مزاج نکلے اس لیے ان کے مزاج کو سمجھنے میں زیادہ وقت نہیں لگا تو ان کی جانب سے مشکلات بھی پیش نہیں آئیں۔ جہاں تک سسرال والوں کا تعلق ہے۔ سسر نے مجھے بہت پیار دیا۔ میں ایک معلمہ اور ذاکرہ ہوں، اس لیے اپنی تمام مصروفیات کے ساتھ گھر اور بچوں کو توازن کے ساتھ لے کر چلنا مشکل تھا۔ کیونکہ ہم جہاں بھی ہوں سامنے والا ہم سے ہر چیز پرفیکٹ چاہتا ہے۔ اسکول میں ہیڈ کو... پرفیکٹ کام چاہیے۔ گھر میں گھر والے بھی کوئی کمی برداشت نہیں کرسکتے۔ ان سب کے بیچ مجھے بہت سے مسائل کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ شوہر اور بچوں کی ضرورتیں پوری کرنا، ساس سسر کا کام وقت پر کرنا اور میں سمجھتی کہ سب بہت بہترین چل رہا ہے کیونکہ میں نے ہر چیز مینج کرلی ہے مگر یکا یک کچھ ایسے حالات ہو جاتے کہ میں خود کو صفر پر کھڑا پاتی اور محسوس یہ ہوتا کہ سب کو مطمئن کرنے کی جتنی بھی کوشش کی تھیں سب ناکارہ رہیں لیکن میں نے کبھی ہمت نہیں ہاری لیکن گزرتے وقت نے احساس دلایا کہ یہ تمام حالات میری زندگی کا حصہ رہیں گے۔ خلوصِ نیت سے کتنی ہی محنت کیوں نہ کرلوں اس مقام تک نہیں پہنچ سکتی جس کی اصل میں حقدار ہوں۔ لیکن یہ ضرور کہوں گی کہ ایک پُرسکون زندگی گزارنے کے لیے صبر، برداشت اور سمجھوتے کو اپنے مزاج کا حصہ بنالیں تو کافی حد تک زندگی بہتر گزاری جاسکتی ہے۔ اللہ نیتوں کا پھل ضرور دیتا ہے۔ اگر شوہر ہم مزاج اور سمجھنے والا اور ساتھ دینے والا ہو تو کسی کے بھی نامناسب رویّوں کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ اللہ کا بڑا اکرم اور شکر ہے کہ میں اس معاملے میں بہت خوش قسمت ہوں اور یہ سوچ کر خوش اور مطمئن ہوں کہ

یہاں کسی کو مکمل جہاں نہیں ملتا
کہیں زمیں تو کہیں آسماں نہیں ملتا

سیما راشد
ماں (گھریلو خاتون)

نو بیاہتا دلہن کے لیے سب سے بڑا اور مشکل مرحلہ شوہر اور سسرال والوں کا دل جیتنا ہوتا ہے۔ بزرگوں کے بقول ”دل کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے“ یعنی اچھے اچھے اور خوش ذائقہ کھانے کس کو پسند نہیں؟ جیسے ہی پہلا

نوالہ منہ میں گیا اور پسند آیا تعریفی الفاظ باہر آتے ہیں۔ الفاظ کے ساتھ، ساتھ دل میں قدر بھی پیدا ہوتی ہے اور یوں دل جیتے جاسکتے ہیں۔ بیاہ کر جانے والی لڑکی اگر ادب آداب کو ملحوظ رکھے اور خوش ذائقہ کھانے کھلائے تو کون اتنا کٹھور ہوگا جس کے دل میں وہ جگہ نہ بنا سکے۔ شوہر تو کیا پورا سسرال ہی اس کا گرویدہ ہو جائے گا میری شادی کو پانچ سال ہی ہوئے تھے کہ ایک صبح میرے شوہر کی نانی کا انتقال ہوگیا اور شام کو میری نند کی ساس کا۔ ایک دن میں دو رنجیدہ گھروں کو دیکھنا۔ میں نند



کے گھر کھانا پکا کر لے گئی۔ اکٹھے اتنے لوگوں کا کھانا میں نے پہلی بار پکایا تھا ان سب کو سنبھالنا تسلی دینا، ساتھ ہی غمزدہ ماحول میں کھانے کی ترغیب دینا، سب کو کھانے کے لیے راضی کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور میں نے یہ تمام مراحل نہایت محبت، خلوص، ذمے داری اور خوش اسلوبی سے طے کیے تو میرے شوہر نے میرے اس اپنائیت بھرے رویے کو بہت سراہا ساس سسر نے بھی بہت تعریف کی اور دعائیں دیں۔

ثنا کامران

بیٹی (گھریلو خاتون)

ثنا کامران محترمہ سیما راشد کی صاحبزادی ہیں۔ ثنا کہتی ہیں کہ نئے گھر نئے ماحول میں جگہ بنانے کے لیے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ حسن اخلاق، سلجھے ہوئے اطوار، سلیقے اور ہنر سے محض شوہر ہی کو نہیں سسرال والوں کو بھی اپنا گرویدہ بنایا جاسکتا ہے۔ الحمدللہ میرے سسرال والے بہت اچھے ہیں جن میں گھلنا ملنا اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے میرے لیے بہت آسان ہوگیا۔ کبھی کسی الجھن میں پڑنے کے بجائے سلجھے ہوئے دماغ سے اس مسئلے کا حل نکالا۔ میرے شوہر نے بھی میرا بھرپور ساتھ دیا اور میں نے بھی ہر جگہ ان کا مان رکھا۔ میٹھی زبان تو بڑے سے بڑے بادشاہوں کو زیر کر دیتی ہے۔ اس نے مجھے بھی خوشیوں کا خزانہ عطا کیا۔

فریدہ خان

ماں (براڈکاسٹر، معلمہ)

میاں بیوی کے خوب صورت رشتے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت بھی شامل کی ہے۔ پھر ان سے وابستہ دیگر تمام رشتوں کا نچوڑ بھی اسی ایک بندھن میں ہے۔ سو دونوں کو ہی ایک دوسرے کا احترام کرنا چاہیے۔ مرد کی ذات ذمے داری کے حوالے سے کئی خانوں میں بٹی ہوئی ہے ایسے میں بیوی کی کوشش ہونی چاہیے کہ مرد کی ذات کا کوئی خانہ اس کی وجہ سے اپ سیٹ نہ ہو۔ بیوی شوہر کو ذہنی و قلبی سہارا دے گی اور ہر طرح کا سکون پہنچائے گی تو وہ اس کا بن کر رہے گا۔ شوہر اور سسرال والوں کا دل جیتنا کوئی مشکل کام نہیں خلوص نیت، محبت اور ذمے داری سے کام لے کر بہ آسانی دل میں جگہ بنائی جاسکتی ہے۔ لڑکی کو چاہیے کہ پہلے نئے گھر اور اس کے ماحول کو تسلی سے سمجھے اگر کہیں الجھن ہے تو میکے والوں سے مشورہ لینے کے بجائے شوہر اور ساس سے بات کرے۔ سسرال کی ہر چھوٹی بڑی بات میکے نہ پہنچائیں۔ بیاہ کر جانے والی لڑکی کو نئے ماحول اور نئے گھر میں دل لگانے اور اس کا حصہ بننے میں کچھ وقت لگتا ہے۔ ایسے میں اگر میکے والے اسے مل جل کر رہنے اور اس ماحول کے مطابق خود کو ڈھالنے کی ترغیب دیں تو نہ اجنبیت باقی رہے گی اور نہ ہی کوئی الجھن۔ اس ضمن میں ماں اور ساس کو اپنا کردار نہایت سمجھداری اور بردباری سے ادا کرنا چاہیے۔ میں



اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی۔ میرے والدین کی سخت نصیحت تھی کہ اپنے ساس سسر کو ناراض نہ ہونے دوں۔ یقین کیجیے میرے ماں باپ میرے لیے اجنبی بن گئے تھے اور ساس سسر میرے ماں باپ بن گئے تھے۔ جب چار لوگوں میں ساس سسر میرے ماں، باپ اور میری تعریف کرتے تو میں خوشی سے نہال ہو جاتی۔ آج وہ اس دنیا میں نہیں ہیں، میں خود بہو اور داماد والی ہوں مگر میری اطاعت، فرماں برداری اور خدمت کی مثال آج بھی دی جاتی ہے اور بالکل یہی کردار میری بیٹی کا اپنے سسرال والوں کے ساتھ ہے۔

در اصل عورت ایک باوقار اور مکمل عورت اپنے انہی رویّوں سے بنتی ہے۔

ماریہ ہارون
بیٹی (بینکر)

بیوی خواہ آج کے دور کی ہو یا دورِ گزشتہ کی اگر واقعی اپنی زندگی خوشگوار چاہتی ہے اور آخرت میں بھی سرخرو ہونا چاہتی ہے تو شوہر کی فرماں برداری کرے۔ اس کے اس عمل سے خوش ہو کر وہ بھی اس کا ہر طرح سے ساتھ دے گا مگر شرط خلوصِ نیت ہے۔ میری امی کی زندگی میرے سامنے تھی۔ انہوں نے میری ضروریات پوری کیں۔ تربیت کی، پیار سے پرورش کی مگر ضد کبھی پوری نہیں کی۔ میں سمجھتی ہوں لڑکیوں میں ضد ہونی ہی نہیں چاہیے۔ امی کہتی تھیں عورت میں برداشت ہونی چاہیے ضد نہیں اور ساتھ ہی ایک مسلمان عورت کا کردار ہمیشہ ذہن میں رہنا چاہیے۔ اس سے زندگی الجھتی نہیں آسان ہو جاتی ہے۔ میں نے ان باتوں پر عمل کر کے شوہر اور سسرال والوں کو اپنا لیا۔

سیما عامر خان
ماں (ماہرِ حسن و صحت)

شوہر کی توجہ حاصل کرنے کے لیے بعض خواتین بیماری کا بہانہ بناتی ہیں، بعض شکایتی انداز اختیار کرتی ہیں۔ شوہر اس سے الجھتا ہے۔ اس کے برعکس جب تھکا ہارا شوہر شام کو گھر میں داخل ہوتا ہے تو مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کریں۔ اس کی دن بھر کی مصروفیت پر ہلکے پھلکے انداز میں گفتگو کریں۔ اپنی کم سنائیں اس کی زیادہ سنیں۔ اگر اس کو کوئی مسئلہ ہے تو اسے حل کرنے کی کوشش کریں۔ جب وہ گھر میں اپنا ہمدرد پائے گا تو وہ بیوی کے ساتھ ہی وقت گزارنے کو ترجیح دے گا۔ اسے یہ اطمینان دلانے کی کوشش کریں کہ دن بھر آپ بہت خوش رہی ہیں۔ یہ اس کے لیے بھی باعثِ طمانیت ہوگا۔ شوہر پر فرمائشوں کا بوجھ کم سے کم ڈالیں۔ اگر شوہر کے وسائل دیکھتے ہوئے فرمائش کریں گی تو اس کے دل میں آپ کی محبت اور عزت بڑھے گی۔ سسرال کے معاملات میں زبان کو قابو میں رکھتے ہوئے بغیر کسی ستائش اور صلے کی تمنا کے خدمت گزاری کا رویہ اختیار کریں اور اپنی خدمت کو بار بار نہ جتائیں۔ جو جذبات اپنے والدین اور بہن بھائیوں کے لیے ہیں وہی جذبات شوہر سے وابستہ ان رشتوں کے لیے رکھیں گی تو اپنائیت کا رشتہ خود بخود بن جاتا ہے۔ شوہر کے ساتھ بھی اور سسرال والوں کے ساتھ بھی۔ میرا تجربہ تو یہی ہے۔

ہو وصل کا زمانہ، محبت کا ہو فسانہ
غمِ ہجر ملے جس میں ، نہ آئے کبھی وہ کل
میری زندگی ادھوری ، تیرا ساتھ ہے ضروری
تیرا ساتھ جو مل جائے ، تو ہو جائے یہ مکمل



شاعرہ سعدیہ ہما شیخ' سرگودھا

زویا سلیم انصاری

بیٹی (گھریلو خاتون)

سیما عامر خان کی اکلوتی بیٹی زویا سلیم جو سند یافتہ بیوٹیشن بھی ہیں اب مکمل گھریلو خاتون کا روپ دھار چکی ہیں زویا کا کہنا ہے۔

میں اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی اور ایک بھائی چھوٹے سے گھرانے سے رخصت ہو کر ماشاءاللہ ... بڑے گھرانے میں گئی۔ جوائنٹ فیملی ہو تو شوہر یہ توقع رکھتا ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ اس کے گھر والوں کو بھی محبت اور عزت دی جائے۔ میں نے گھر میں امی کو دیکھا تھا کہ وہ کس طرح پپا اور دادا، دادی کا خیال رکھتی ہیں۔ میری امی میرے لیے رول ماڈل ہیں سو میں نے بھی امی کا طریقہ اختیار کیا۔ محبت، عزت، خلوص اور اپنائیت سے نہ صرف شوہر بلکہ سب گھر والوں کو جو اب میرے بھی گھر والے ہیں اپنا لیا۔ اس کے ساتھ، ساتھ یہ کوشش ضرور کریں کہ ہر معاملے میں دل بڑا اور کھلا رکھیں تیرا میرا نہ کریں، برداشت سے کام لیں زبان درازی سے بچیں۔ طبیعت اور زبان کی مٹھاس سے بہ آسانی





سیما سراج' کراچی

شوہر اور سسرال والوں کا اپنایا جاسکتا ہے۔

عظمیٰ عامر

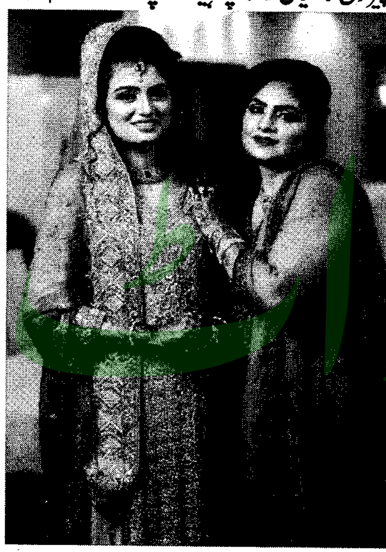
ماں (گھریلو خاتون)

شوہر اور سسرال والوں کو اپنانے کا واحد ذریعہ ''محبت'' ہے۔ شوہر کو اپنا بنانے کے لیے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ اس کے والدین کا بہت خیال رکھا جائے۔ ان کو بالکل اپنے والدین جیسی ہی عزت، توجہ اور محبت دی جائے۔ سسرال والوں کو اپنی فیملی کی طرح ہی سمجھیں گے تو نہ صرف خود ایڈجسٹ ہونے میں آسانی رہے گی بلکہ گھر کا ماحول بھی خوشگوار رہے گا۔ میں نے ایسا ہی کیا اور الحمدللہ شوہر ہی نہیں سب گھر والے میرے اپنے ہیں۔

سرویٰ تشکیل فاروقی

بیٹی (گھریلو خاتون)

شوہر کو اپنانے کے لیے ان کی چھوٹی، چھوٹی چیزوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ اپنے سارے کام ان کی



پسند ناپسند کے حساب سے کریں، یہاں تک کہ اگر اپنی کوئی عادت بدلنی بھی پڑے تو وہ بدل لیں۔ یہ خوشگوار زندگی کی بنیاد ہے۔ شوہر کا دل جیتنے کا دوسرا طریقہ ان کے گھر والوں کے ساتھ اچھا رویہ رکھنا ہے۔ آپس میں مل جل کر کام کریں۔ ایک دوسرے کا خیال رکھیں تو کبھی مشکل نہیں ہوگی۔

☆☆☆

قارئینِ کرام! دلہن اپنے اخلاص و محبت اور دانشمندی سے شوہر کے دل میں گھر بنا لیتی ہے تو دراصل یہی اس کی کامیابی کی دلیل ہے۔ بلاشبہ زندگی جن سے وابستہ ہے اگر انہیں خود سے بڑھ کر چاہا جائے، عزت اور اہمیت دی جائے تو وہ خود بخود ہمارے بن جاتے ہیں شرط اخلاصِ نیت ہے اور جہاں نیت میں کھوٹ ہوتا ہے وہاں ظاہری طور پر بہت کچھ کرنے کے باوجود ہاتھ کچھ بھی نہیں آتا۔ سروے کی شرکا نے ایک اہم پہلو کی نشاندہی بھی کی ہے اور وہ ہے شادی شدہ بیٹی کی زندگی میں میکے والوں کی بے جا مداخلت۔ بلاشبہ شادی شدہ بیٹیوں کے نجی معاملات میں میکے والوں کو بے جا دخل اندازی نہیں کرنا چاہیے کہ یہ وہ زہر ہے جس کا کوئی تریاق نہیں۔ بیٹی کی شادی کے بعد میکے سے اس کا رشتہ ختم ہوتا ہے اور نہ ہی ماں کی تربیت کا عمل رک جاتا ہے۔

میکے والوں کو چاہیے کہ وہ بیٹی کو سمجھائیں کہ پتھر اپنی جگہ پر بھاری ہوتا ہے۔ بیٹی کو مشورے ضرور دیں لیکن ایسے مشورے جن پر عمل کر کے وہ خود کو مظلوم سمجھ کر نفسیاتی مسائل کا شکار نہ ہو بلکہ اس کا گھر حقیقی خوشیوں اور تعلق کی پائداری کے ساتھ آباد رہے۔ اسی میں ماں کی جیت بھی ہے اور بیٹی کی خوشی بھی۔

سروے میں شریک ماں بیٹی کی آرا کی روشنی میں یہ امر باعثِ فخر ہے کہ مشرقی عورت خواہ کسی بھی عہد اور عمر کی ہو اپنے شوہر اور سسرال والوں کے دل میں گھر بنانے ہی کو اپنی اصل فتح سمجھتی ہے۔ دراصل ایسی خواتین دلوں پر ہی نہیں گھروں پہ بھی حکمرانی کرتی ہیں لیکن کیا ہی اچھا ہو کہ شوہر اور سسرال والے بھی انہیں اپنائیت کا بھرپور احساس دلائیں جو اِن کی بن کر رہنا اور انہیں اپنانا چاہتی ہیں۔

☆☆☆

شادی مبارک

پاکیزہ بہنیں

میرا بھائی بنا دولھا

پاکیزہ رسالے میں اکثر دولھا، دلہن کی تصویریں دیکھتی ہوں جو مجھے بہت اچھی لگتی ہیں اور پھر شادی کے دلچسپ احوال پڑھ کر مزہ آتا ہے۔ آج میں بھی اپنے بھائی کی شادی کا احوال لے کر آئی ہوں۔ میرے سب سے بڑے بھائی ساجد عباس اور



سید ساجد عباس اپنی دلہن جویریہ عباس کے ساتھ

جویریہ بھابی کی شادی اسی سال ماہِ فروری میں ہوئی۔ بھائی تو سبھی کے اچھے ہوتے ہیں مگر میرے یہ بھائی بہت اسپیشل ہیں کہ جن سے سب پاکستانی بھی بہت پیار کرتے ہیں وہ اس لیے کہ

میرے بھائی نے ایک نجی چینل کے موسیقی کے مقابلے ایل جی بنائے اسٹار میں نمایاں پوزیشن لی تھی اور پچھلے سال ہونے والے پاکستان آئیڈل کے پروگرام میں بھی نمایاں تھے۔ اس کے علاوہ پاکستان اور اس کے باہر بھی کئی موسیقی کے پروگراموں میں حصہ لے چکے ہیں...... اور میری بھابی دراصل ان کی آواز اور شخصیت سے بہت متاثر ہوئیں، خیر میں شادی کا احوال بتا رہی تھی جو یریہ بھابی کا میکا راول پنڈی میں ہے اس لیے ہمیں کراچی سے راول پنڈی بارات لے کر جانا تھا۔ ہماری فیملی بھی ماشاءاللہ کافی بڑی ہے۔ سب ہی لوگ بارات میں جانے کو تیار تھے کہ سفر میں خوب مزہ آئے گا...... ماہِ فروری میں شادی تھی موسم بھی بہت سہانا تھا۔ ہم نے کراچی کے رشتے داروں کے لیے مایوں یہیں رکھا تھا۔ پھر دو دن بعد بارات کی روانگی ہوئی اور پنڈی میں مہندی اور بارات کے فنکشن ہوئے جس میں بہت ہی مزہ آیا۔ ہمیں ایک بہت بڑا گھر دے دیا گیا تھا۔ دن بھر ہم لوگ خوب پنڈی، اسلام آباد گھومتے اور شام میں آکر فنکشن کی تیاری...... ایک ہفتہ ہم لوگ رکے تھے پتا بھی نہیں چلا۔ رات دیر تک خوب ہلا گلا رہتا...... میرے دونوں بھائیوں کی ہی آوازیں ماشاء اللہ



بہت اچھی ہیں رات گئے تک خوب محفل جمی رہتی اور کافی، چائے، ڈرائی فروٹس، مٹھائی کے دور چلتے رہتے۔ بزرگ لوگ تو جلدی سوجاتے تھے۔ ہم بچے خوب انجوائے کرتے۔ بھابی نے بارات میں سرخ رنگ کا گولڈن کامدار خوب صورت شرارہ پہنا تھا ہم سب لڑکیوں اور عورتوں نے غرارے، شرارے پہنے تھے۔ ولیمہ کراچی میں ہونا تھا جس میں بڑوں نے ساریاں اور ینگ لڑکیوں نے لانگ ڈریسز پہنے تھے۔ بھائی چونکہ خود گلوکار ہیں اس لیے مایوں اور مہندی پر انہوں نے بھی خود گانے گائے۔ غرضیکہ مجھے بہت مزہ آیا تھا اپنے بھائی کی شادی پر۔ میری بڑی بہن میڈیکل کالج میں پڑھتی ہیں ان دنوں انہوں نے خاص طور پر چھٹیاں لیں آخر کو بڑے بھائی کی شادی تھی کوئی مذاق نہیں تھا۔ ہماری ننھیال ددھیال میں یہ پہلی شادی تھی اس لیے سب نے ہی بھرپور حصہ لیا اور خوب انجوائے کیا۔ اللہ میرے بھائی، بھابی کو ہمیشہ شاد وآباد رکھے، آمین۔

تحریر: انمول عباس، کراچی

شادی میرے لاڈلے بھیا کی

بھائیوں کی شادی کا تو سب کو ہی ارمان ہوتا ہے مجھے بھی تھا ابھی بھائی جاب پہ لگے ہی تھے کہ میں نے اور امی نے لڑکی کی تلاش شروع کردی۔ میرے والد صاحب کو نہ جانے کیا جلدی تھی کہ وہ بھائی کے سر پر جلد سے جلد سہرا دیکھنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے



سید وجاہت علی اپنی شریک زندگی شایان علی کے ہمراہ

انہوں نے انتظامات بھی کرلیے تھے۔ پھر دو سال پہلے عید کی چھٹیوں کے بعد میرے والد کا اچانک انتقال ہوگیا جو ہم سب کے لیے یقیناً ایک گہرا شاک تھا، اتنا بڑا سانحہ اللہ کی مدد سے ہی ہم نے برداشت کیا۔ ابو بھائی کی جلدی شادی کیوں کرنا چاہتے تھے...... یہ اب پتا چلا تھا بہر حال دنیا اسی کا نام ہے انہی غموں کے ساتھ خوشیاں بھی آتی ہیں۔ والد صاحب کی پہلی برسی کے بعد میرے بھائی کی باقاعدہ منگنی ہوئی۔ لڑکی تو والد صاحب پسند کرہی گئے تھے پھر چند ماہ بعد شادی ہونا قرار پائی...... میری امی، خالائیں، پھپو، ممانی، چچیاں سب مل کر تیاری کرتو رہے تھے مگر بہت اداس بھی



تھے۔ الحمدللہ میری بھابی شایان فاطمہ اور ان کے گھر والے بہت ہی اچھے اور سلجھے ہوئے لوگ ہیں۔ ان لوگوں نے بھی ہمارا غم بانٹنے میں ہمارا مکمل ساتھ دیا۔ 13 جولائی 2017ء کو شادی ہوئی۔ اگرچہ گرمی تھی لیکن کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ ہفتہ دس دن مہمان داری چلی۔ ہم سب لوگ مل کر کام کررہے تھے۔ میں اپنے دو بھائیوں کی اکلوتی بہن ہوں اس لیے سب ہی میرا بہت خیال رکھ رہے تھے۔ ابو کی کمی ہر، ہر موقع پر محسوس ہوئی۔ میری امی نے شایان بھابی کی پسند سے ہی تمام جوڑے بنائے تھے۔ مایوں، مہندی اور نکاح ایک ہی دن اور کمبائنڈ تھا۔ بہت خوب صورت بینکوئٹ ہال میں مہندی ہوئی جو نہایت دیدہ زیب تھا۔ بارات میں لڑکی والوں کی طرف سے کھانے کا انتظام بھی بہت عمدہ تھا۔ مزے کی بات کہ بھائی کے ہر فنکشن میں بارش ضرور ہوئی اس لیے کہ وہ دیگچی ہی میں زیادہ ترکھاتے ہیں۔ کراچی میں عام طور پر اگست میں

برسات ہوتی ہے مگر اس دفعہ جون کے آخر اور جولائی کے شروع سے ہی بارشیں شروع ہوگئیں۔ ویسے کے دن بھی بارش ہونے کی وجہ سے زیادہ پریشانی تو نہیں ہوئی مگر آنے والوں کو سڑکوں پر پانی، کیچڑ کا سامنا ضرور کرنا پڑا۔ اس طرح یہ شادی یادگار بن گئی۔ ویسے کے دن کاٹی پنک کلر کا سوٹ تھا اور شادی کا سرخ رنگ کا شرارہ ہم سب کزنز نے ہر فنکشن کے الگ، الگ رنگوں کی تھیم اور اپنی پسند کے حساب سے اپنے، اپنے جوڑے بنائے تھے۔ غرضیکہ وجاہت بھائی کی شادی میں خوب مزہ آیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میرے بھائی، بھابی اور ہم سب ہمیشہ خوش وخرم رہیں۔ (الٰہی آمین)

تحریر: مدیحہ رضوی، کراچی

انوکھی شادی

ہر سال جب دلہن نمبر کا شمارہ نکلتا میں سوچتی کہ اب کی بار میں بھی لازمی شرکت کروں گی مگر ہر بار رہ جاتی لیکن اس دفعہ کاغذ قلم سنبھال کر میں نے ماضی کی پگڈنڈیوں پر قدم دھر ہی دیے۔ آہ نزہت کیا کچھ نہیں یاد دلا دیا۔

اپنی شادی کا آنکھوں دیکھا احوال اگر میں نے یہاں لکھ دیا ناں تو مجھے سو فیصد یقین ہے قارئین نے یہی مشورہ دینا ہے نرگس صاحبہ آپ اپنے شوہر کے ساتھ دوبارہ شادی کر کے اپنے رہ جانے والے ارمان پورے کرلیں۔ میرے شوہر جن کو میں شادی سے پہلے اپنے ہونے والے خالو اور انکل کہہ کر پکارتی تھی، آنٹی کے انکار پر مجھے سولی پر چڑھا دیا گیا۔ وہ شخص جسے شادی سے پہلے انکل کہہ کر پکارتی تھی اس کا نام اپنے ساتھ جڑتے دیکھنا اور اپنے آئیڈیل کے بالکل الٹ کہ مجھے فوجی اور کلین شیو مرد پسند تھے جبکہ ان کی یہ لمبی، لمبی زلفیں اور سینے تک آتی داڑھی اور جب وہ اپنی سرمہ بھری آنکھوں سے مجھے دیکھتے تو میں بہ مشکل اپنی چیخ روکتی...... مہندی کی رات جب گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا میں بغیر کوئی رسم کروائے سوگئی۔ سب کے جگانے پر بھی میں نہیں اٹھی، یہ میرا اپنے آئیڈیل کے الٹ شخص سے شادی پر احتجاج تھا...... میں شاید پہلی دلہن تھی جس نے مہندی نہیں لگوائی اور کورے ہاتھوں ہی رخصت ہوگئی۔ شادی پر اللہ جنت نصیب کرے میری جیٹھانی میک اپ کے نام پر تبت کریم، بے بی لوشن، ہاشمی سرمہ اور آئی شیڈ ولے آئی تھیں۔ ایک سرخی خوب خون، خون رنگ...... میرے ارمانوں کا خون نکلنے کے درپے لشک رہی تھی...... میں جو پہلے ہی چڑی بیٹھی تھی اپنی بیوٹیشن پلس کزن سے کہہ دیا کہ اس کی بھی ضرورت نہیں مجھے ایسے ہی بھیج دو...... بہر حال رخصتی ہوئی ناراضی کے طور پر ایک بھی آنسو نہیں بہایا...... شاید شدتِ غم سے آنسو ہی سوکھ گئے تھے۔ وہاں سسرال میں تو جیسے صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی۔ سنا تھا کہ شوہر صاحب کا میری آنٹی سے رشتہ طے ہونے سے پہلے اپنی چچازاد سے طے تھا جس کو انہوں نے ٹھکرایا تو اللہ نے انہیں ٹھکرا دیا...... میرے شوہر کا تو یہ کہنا ہے کہ میری کوئی نیکی ہی اللہ کو پسند آگئی جو تم جیسی سونی ملوک اور کم عمر مجھے مل گئی جبکہ اس کے برعکس میں سوچتی نہ جانے کون سے گناہوں کی سزا کی صورت یہ شخص ملا...... رخصتی کے بعد سسرال جاتے ہی سسرال والوں کے رویے سے مجھے پتا چل گیا کہ میں ان چاہی بہو ہوں میری بلا سے ادھر کسے پروا تھی، ہم تو خود رسیاں تڑوانے کے چکر میں تھے۔ سسرال میں صرف ساس اور نند نے منہ دکھائی دی اور ایک جیٹھانی، بڑی والی سے ناراض اور بڑی والی مجھے بٹھا کر یوں بھول گئیں جیسے میرا وجود ہی نہیں...... شادی کے احتجاج میں میکے میں کھانا سب کے کہنے پر نہیں کھایا تھا تو اب آنتیں چاروں قل کا ورد کر رہی تھیں۔ رات کھانے میں بکرے کا گوشت تھا جس سے مجھے الرجی تھی۔ میں نے کھانا کھایا نہیں تو کسی نے پوچھا ہی نہیں...... صبح ناشتے میں ایک پلیٹ بسکٹ مع ایک کپ چائے کا مجھے دو عورتوں کے ساتھ ملا ابھی ایک بسکٹ کھا کر دوسرے کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ خالی پلیٹ میرا منہ چڑا رہی تھی۔ دوپہر ایک بجے ویسے کا کھانا ملا جسے دیکھتے ہی میری بھوک ختم ہوگئی۔ پھر بکرے کا گوشت ساتھ میٹھے میں حلوا بہر حال کھانا کھانا تو تھا ہی، دو نوالے توڑ کر حلوے کے ساتھ کھانے چاہے بہ مشکل دو تین نوالے لے سکی اور پھر اٹھ کر خود ہی بے شرموں کی طرح آکر باہر بیٹھ گئی اور منہ سجا کر بیٹھ گئی...... ہوں نہ ہاں...... سب مہمانوں کے چلے جانے کے بعد آرام سے اٹھی کچن میں جا کر دیکھا تو ٹب میں حلوا پڑا تھا حلوا دیکھتے ہی ابکائیاں آنے لگیں مگر پیٹ تو بھرنا ہی تھا سو ایک خالی پلیٹ لی، اور پیڑھی کھینچ کر ٹب کے پاس بیٹھ گئی اور چن، چن کر ڈرائی فروٹ، کھویا، میوا پلیٹ بھر کے نکالے باہر آکر برآمدے میں بیٹھ کر کھانے لگی۔ سب مذاق اڑانے لگے مگر میں نے پروا نہیں کی اور جب شوہر مجھے دیکھ کر ہنسنے لگے تو میں نے ان کو ایک سائڈ پر لے جا کر کہہ دیا کہ مجھے ابھی اور اسی وقت اپنے گھر لے جائیں نہیں تو کسی ہوٹل میں تو ان کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا بہر حال رات کو ہم اپنے گھر آگئے۔ کھانا بھی مل گیا آملیٹ روٹی جو کہ اس وقت مجھے من وسلویٰ سے کم نہیں لگا۔ دوسرے دن شوہر نے اٹھتے ہی چائے کی فرمائش کی جب کچن میں گئی تو میری نفاست پسند طبیعت گرلانے لگی اُف ہر برتن پر مٹی کی تہیں دھول جمی، دراصل میری ساس بیمار تھیں کوئی کام کرنے

والا نہیں تھا۔ شادی بڑے بھائی کے گھر ہوئی تھی۔ ان کو چائے بنا کر دی اور خود صبح سویرے صفائی میں لگ گئی۔ پورے گھر کی تفصیلی صفائی کر چکی ابھی صحن رہتا تھا کہ میری چھوٹی جیٹھانی گاؤں کی دو عورتوں کے ہمراہ آگئی۔ وہ عورتیں دلہن دیکھنے اور مبارک باد دینے کے لیے آئی تھیں اور دلہن صاحبہ پرانا جوڑا پہنے سر پر دوپٹا باندھے دھول مٹی کا میک اپ کیے کھڑی حیرت سے انہیں اور وہ ٹکر ٹکر دلہن کا منہ دیکھنے لگیں بہر حال ان کو اندر جا کر بٹھایا۔ میری جیٹھانی سیانی بنتے ہوئے۔ ”یہ کیا حال بنایا ہوا ہے۔“ میں تو اپنی نظر میں اس سے بھی زیادہ سیانی تھی ترنت بولی۔ ”مجھ سے گندگی میں نہیں رہا جاتا یہ تو آپ لوگوں کا فرض تھا کہ گھر کی صفائی رکھتے ناں اب گھر تو صاف کرنا ہی تھا۔“ میری بات پر اس بیچاری کا منہ دیکھنے کے لائق تھا۔ بہر حال گھر تو صاف ہو گیا تھا خود بھی نہائی دھوئی اتنے میں چھوٹی جیٹھانی ناشتا لے آئی۔ ناشتا کر کے بڑی جیٹھانی کے گھر گئے تو آگے سے ان کا منہ سوجا ہوا تھا مجھے تو کچھ نہیں کہا مگر میرے شوہر سے لڑنے لگیں کہ بیاہ کر ہم لائے اور جب ہم دوسرے بھائی سے ناراض ہیں تو تم لوگوں نے ان کا ناشتا کیوں کیا۔ بھئی ہمارے لیے تو دونوں برابر تھے مگر ان کو کون سمجھاتا، دونوں ایسے تڑ، تڑ برسے کہ میں مارے صدمے کے بیمار پڑ گئی۔ خوف کے مارے دہشت زدہ کہ سنا تو تھا کہ سسرال والے وجہ بے وجہ لڑتے ہیں مگر اتنی جلدی یہ نہیں سنا تھا......سو شادی کے تیسرے دن بھائی ناراض ہو گئے۔ ساتویں دن میکے گئی......پہلی با قاعدہ ڈش چاول بنائے جو بہت پسند کیے گئے۔ باقی کوکنگ میں، میں اناڑی تھی۔ ساس اللہ کروٹ، کروٹ جنت نصیب کرے، اچھی تھیں بہت کم عرصہ میرے ساتھ رہیں مگر بیٹی سے بڑھ کر پیار دیا۔ ساری کوکنگ انہوں نے ہی سکھائی۔ شوہر کافی اچھے انسان ہیں۔ ہماری عمروں میں 24 سال کا فرق ہے تو مجھے بچوں اور پھولوں کی طرح رکھا......شادی سے پہلے میں نے اپنے سر میں کبھی تیل نہیں لگایا کہ مجھے تیل سے نفرت تھی تو میرے شوہر اپنے ہاتھوں سے میرے سر پر تیل لگاتے میری دو چوٹیاں گوندھتے......تو قارئین میں جو آئیڈیل نہ ملنے کی بنا پر شادی پر اداس تھی اب میں دعا کرتی ہوں کہ ہر کسی کو میرے جیسا شوہر ملے۔ انتہائی اچھے، میرا خیال رکھنے والے......میری ہر بات ماننے والے تو اب یہ لمبی، لمبی زلفوں اور لمبی داڑھی والا......یہی میرا آئیڈیل ہے......ہاں تو قارئین میں نے شادی پر کچھ تو رسمیں خود نہیں ہونے دیں اور کچھ سسرال والوں نے کی ہی نہیں تو میں ایسا ہی شادی کا احوال لکھ سکتی تھی۔

تحریر: نرگس نسیم، صابہ موہڑہ، چکوال

میں بنی دلہن

شادی کے بارے میں ہمیشہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ بور کے لڈو ہیں جو کھائے وہ بھی پچھتائے اور جو نہ کھائے۔ وہ بھی پچھتائے۔ سو ہم نے سوچا کہ جب پچھتانا ہی ہے تو کیوں نہ کھا کے پچھتایا جائے۔ سو ہم نے بھی شادی کے لیے ہاں کر دی۔ اور والدین نے سوچا کہیں پھر نہ پھر جائے اس لیے ڈاکٹر کزن سے رشتہ طے کر دیا کہ چلو علاج معالجہ تو مفت ہوگا۔ ہم آزاد کشمیر کے رہنے والے ہیں۔ ہماری بڑی خوب صورت سی رسمیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ ہم لوگ پنڈی رہتے تھے ڈیٹ فکس ہوتے ہی گاؤں روانہ ہو گئے۔ ہمارے ہاں شادی پر نہ صرف لڑکے بلکہ لڑکی کی بھی کسی سے دوستی کی جاتی ہے۔ اس کے لیے اپنے خاندان کے علاوہ دوسرے خاندانوں میں دوستی کی جاتی ہے۔ اور تا حیات اس دوستی کو نبھایا جاتا ہے۔ اور کئی، کئی دوستیاں کی جاتی ہیں۔ با قاعدہ گھر جا کے ریکوئسٹ کی جاتی ہے کہ ہم اپنے بیٹے یا بیٹی کی دوستی کے لیے آئے ہیں۔ دوستی ہو جانے کے بعد یہ لوگ با قاعدہ دوستی یعنی تحائف لے کر آتے ہیں۔ اور شادی میں گفٹ بھی تگڑا دیتے ہیں۔ اپنی حیثیت کے مطابق۔ کچھ لوگ دنبہ، بکرا، اور پیسے دیتے ہیں۔ میری بھی دو دوستیاں کی گئیں۔ جو میرے کپڑے، مہندی کی تمام چیزیں لے کر آئیں۔ لڑکی کی چاہے جتنی سہیلیاں بنائی جائیں کپڑے، جوتے، چوڑیاں، مہندی تمام میک اپ کا سامان، کنگھا، کلپ، شیشہ تک دولہا کے گھر سے آتا ہے۔ اور بارات میں وہی کپڑے پہنتی ہے جو دوستی کے دیے جاتے ہیں۔

شادی سے پندرہ دن پہلے مجھے ”چور گاہنا“ باندھا گیا۔ یہ کسی کو بتاتے نہیں صرف گھر والوں کو پتا ہوتا ہے۔ یہ خوب صورت رنگین دھاگوں سے بنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد کھانا پینا بھی خاص ہو جاتا ہے۔ ناشتے میں دیسی گھی سے بنائی گئی ”مانی“ مکھن میں چوری بنا کے کھلائی جاتی ہے۔ گھر سے باہر نکلنا بالکل بند لوگوں کے سامنے آنا جانا کم تا کہ زیادہ روپ چڑھے۔ میرا بھی آنا جانا بند...... آزادی ختم کے چور گاہنا باندھ کر باہر نکلو گی تو کوئی جن نہ عاشق ہو جائے۔ اب کیا بتاتے کہ اتنا بڑا دیو عاشق ہو گیا ہے تو بیچارے جن کی گنجائش کہاں نکلتی ہے۔

مہندی والے دن کیونکہ میری دو سہیلیاں بنی تھیں اس لیے دونوں طرف سے خوب دھوم دھڑکے سے دوستی آئی۔ مہندی اور خوب صورت ہاتھ کے بنے رنگ برنگے موتیوں اور دھاگوں سے بنے ہوئے گانے (گہنے) اپنی زبان میں مہندی کے گیت گاتی ہوئی خواتین رات کو کافی لیٹ پہنچیں۔ کیونکہ رات کو سب لوگ دلہن کے گھر ہی رہتے ہیں۔ اس لیے آنے جانے کا مسئلہ نہیں ہوتا۔ رسم کے لیے خوب

صورت پیڑھی یا رنگین کرسی کا استعمال کیا جاتا ہے۔ دلہن یا دولھا کو اٹھا کر کرسی پر بٹھایا جاتا ہے۔ مجھے بھائی اٹھا کر لایا پھر ایک سہیلی مہندی اور تیل لگا کر گاہنا باندھتی ہے۔ پھر دوسری سہیلی گانے (گہنے) پہلے



سہیلیاں باندھتی ہیں پھر خاندان کی دوسری خواتین، تقریباً جتنی خواتین آئی ہوتی ہیں سب گانا (گہنا) باندھتی ہیں۔ میرے دونوں بازو کہنیوں تک خوب صورت گاہنوں سے سجے ہوئے تھے۔ باقی خواتین مہندی کے گیت گاتی ہیں جو کہ پہاڑی زبان میں ہوتے ہیں۔ کھانے کے بعد سب خواتین نے ہاتھوں میں مہندی لگائی۔ بڑے، بڑے تھالوں میں مہندی گھولی جاتی ہے۔ صبح سویرے سب اپنے، اپنے گھر کو چلی گئیں۔ بارات والے دن بھی دونوں سہیلیاں خوب ملے گلے کے ساتھ پہنچیں۔ پہلے ایک سہیلی آئی پھر سب مل کر دوسری کو لینے گئیں۔ دونوں سہیلیاں خوب صورت نقش ونگار سے بنی مٹی کی گاگریں لے کر آئیں جس کے اندر ٹافیاں اور بتاشے تھے۔ خوب گیت گاتے ہوئے چشمے کی طرف گئیں تاکہ اس گاگر میں پانی لے کر آئیں تو پھر مجھے اس پانی سے نہلایا گیا کہ یہ بھی رسم ہے کہ دلہن اسی پانی سے غسل کرتی ہے جو دوستی والی لے کر آتی ہیں۔ بتاشے، ٹافیاں سب لوگوں میں بانٹی جاتی ہیں۔ بارات بھی خوب دھوم دھام سے آئی کیونکہ ہم دونوں ایک ہی خاندان کے تھے اس لیے رشتے داروں کی دوڑ لگی ہوئی تھی کبھی ایک طرف تو کبھی دوسری طرف۔

سفید شلوار قمیص اور کالی واسکٹ پہنے ڈاکٹر صاحب اور میرے بڑے بہنوئی جو کہ ڈاکٹر صاحب کے دوست بنے تھے۔ دونوں ایک ہی جیسے کپڑے پہن کر سفید براق گھوڑوں پر آئے۔ نکاح کے ٹائم مارے گھبراہٹ کے ہر جگہ سائن مختلف کر دیے کہ سب نے خوب مذاق کیا۔ نکاح کے بعد دولھا کو اندر لایا گیا اور ایک گہری ڈش میں چوری ڈال کر اوپر سے خوب گھی لگا کر چھوٹی پلیٹ فکس کر دی گئی کہ دولھا پلیٹ اٹھا کر چوری کھائے۔ چکنی پلیٹ ہاتھ لگانے سے سلپ ہو جائے بار، بار سب کا ہنس، ہنس کر برا حال تھا۔ میرے بڑے بہنوئی جو کہ دولھا کے دوست بھی تھے اور اس مرحلے سے پہلے گزر چکے تھے۔ وہ ایک بڑی پن اپنے ساتھ لائے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس پن کی مدد سے پلیٹ کو اٹھا کر دور پھینک دیا۔ سب نے خوب شور مچایا کہ یہ بے ایمانی ہے مگر نہ جی کس نے ماننا تھا کہ یہ بے ایمانی ہے۔ پھر رخصتی کے وقت بھائی نے گود میں اٹھا کر ڈولی میں بٹھایا کہ یہ بھی رسم ہے کہ دلہن خود چل کر نہیں جاتی۔ میرے ہاتھ میں کچے چاول دیے کہ واپس پلٹ کر گھر کے اندر پھینکو.....ڈولی میں بٹھا کر اوپر سے لال رنگ کی چادر سے ڈھانپ دیا گیا۔ اور بھائی، ماموں، بہنوئی اور چچا نے ڈولی اٹھالی سسرال پہنچی تو ڈز، ڈز ڈولی پر کچھ لگنا شروع ہو گیا۔ اور میں تو ڈر گئی کہ یہ پتھراؤ کیوں ہو رہا ہے۔ تو پتا چلا کہ میٹھی پھلکیاں اور بتاشے مارتے ہیں پھر دروازے پر ڈولی رکھ کر ڈیمانڈ کی جاتی ہے کہ دلہن کے نام کچھ کریں۔ کیونکہ میں بڑی تھی اس لیے سب گھر میرے نام کیا گیا کہ سب کچھ اسی کا ہے۔ ہمارے ہاں پہلے دن دلہن کو سب کے ساتھ رہنا پڑتا ہے دوسرے دن دلہن اور دولھا کو آمنے سامنے بٹھا کر کھانا کھلاتے ہیں۔ ایک بڑی ڈش میں دودھ اور پانی ڈال کر انگوٹھی ڈالتے ہیں۔ دونوں کو وہ نکالنی ہوتی ہے۔ اب دونوں ڈش میں ہاتھ مارتے ہیں کہ انگوٹھی مل جائے اب جیسے ہی ہاتھ ڈالا۔ ڈاکٹر صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اب مارے شرم کے کچھ بولا بھی نہیں جا رہا۔ سب کزنز نے شور ڈال دیا۔ چیٹنگ، چیٹنگ پھر ایک دوسرے کا گاہنا کھولتے ہیں۔ میری بھابی نے میرے گاہنے میں بہت گرہیں لگا دیں کہ ہمارے ڈاکٹر صاحب کو کھولتے، کھولتے بھی ٹائم لگا۔ سب لڑکے دولھا کی طرف اور لڑکیاں دلہن کی طرف ہوتی ہیں۔ ایک ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ سب انجوائے کر رہے تھے۔ پھر شام کو دلہن اپنے میکے جاتی ہے اور دوسرے دن واپسی ہوتی ہے۔ ڈھیروں سامان کے ساتھ یعنی جہیز کے علاوہ مکلاوے میں کھانے پینے کی چیزیں دی جاتی ہیں خاص کر ہاتھ سے بنے ہوئے گھر کے پیڑے۔ یہ ہمارے علاقے کی خاص چیز ہے۔ آٹا، سوڈا ڈال کر گوندھتے ہیں اور پھر چھوٹے، چھوٹے پیڑے بنا کے فرائی کرتے وہ پھول کر گول گپوں کی طرح ہو جاتے ہیں۔ یہ پھر سب خاندان میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔ لوجی اس طرح یہ کشمیری شادی اپنے اختتام کو پہنچی۔

تحریر: گلشاد نذیر، اسلام آباد



شیریں حیدر کی بیٹی مہرین اور داماد منصور بارات کے روز



نورالعین ساحرہ (یو ایس اے)



یمنیٰ احمد اپنے شریک حیات محمد امین کے ہمراہ



مونا رضوان بارات کے دن اپنے ہم سفر رضوان احمد کے ہمراہ



فائزہ شہزاد (اسلام آباد)



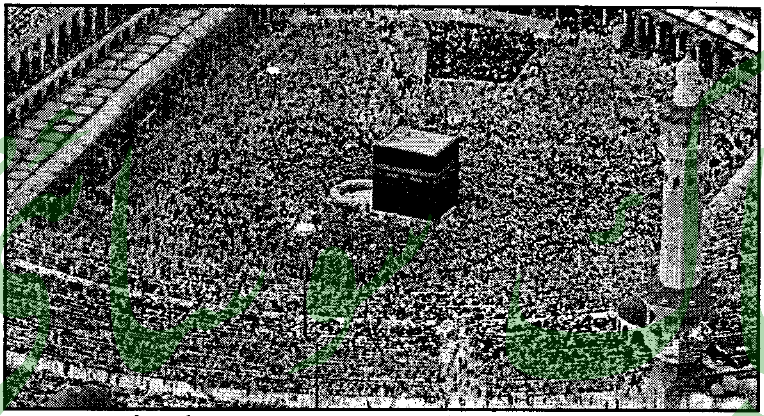
رابعہ عمران چوہدری (رحیم یار خان)



دلہن عنبرین تبسم (کراچی)

آیا ہے بلاوا

انجم مشیر



آج جب سب لوگ حج پر جارہے تھے تو مجھے بھی اپنا حج کا سفر یاد آگیا۔ 23 اگست 2016ء ہماری زندگی کا ناقابلِ فراموش دن تھا کہ جب اس دن ہم جدہ اور پھر مکہ مکرمہ میں شہرِ عزیز یہ حج کی غرض سے اترے۔ جہاں ہماری گورنمنٹ کی حج اسکیم کے تحت آنے والوں کو ہوٹل میں ٹھہرانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ جو بہت اچھا تھا......صاف ستھرے ہوٹل مستعد عملہ اور کھانے پینے کا مناسب انتظام، رات کچھ آرام کر کے اگلے دن صبح ہم مسجدِ عائشہ احرام باندھنے اور عمرے کی نیت کرنے پہنچے اور وہاں سے لبیک اللھم لبیک کہتے حرم کی جانب چلے۔ کیا نظارہ تھا، ہر طرف سر ہی سر نظر آرہے تھے احرام میں ملبوس مرد حضرت اور عبایا، حجاب اور چادروں میں لپٹی خواتین......کسی کو کسی جانب دیکھنے کی فرصت نہیں بس سب کو ایک ہی دھن......حاضر ہوں اللہ میں حاضر ہوں، چہار سو فرزندگانِ توحید تلبیہ پڑھتے قدم بقدم بڑھ رہے تھے۔ دلوں میں ایمان کی روشنی لیے جیسے ہی خانۂ کعبہ پر نظر پڑی لگا دل کی دھڑکن رک گئی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی لگ گئی۔ کہاں میں کہاں یہ مقام اللہ اللہ......آج ہمارا مقدر عروج پر تھا۔ اللہ کے گھر کے صحن میں قدم پڑتے ہی دل کو قرار آگیا۔ طوافِ کعبہ شروع ہوا......مقامِ ابراہیمؑ، رکنِ یمانی، حطیم نظروں کے سامنے حجرِ اسود، اللہ اکبر کیا شانِ پروردگار ہے۔ طواف مکمل کر کے نوافل ادا کیے زم، زم کے ٹھنڈے پانی سے سیراب ہوئے پھر سعی کے لیے صفا و مروہ کی جانب بڑھے چکر مکمل ہوئے پھر آنکھوں کو سیراب کرتے رہے۔ دل تو یہی چاہتا تھا کہ پانچوں وقت کی نمازیں حرم شریف میں ہی ادا کریں......دن تسبیح کے دانوں کی طرح تیزی سے گرتے رہے اور ذوالحج کی پانچ سے آٹھ تاریخ آن پہنچی......مناسکِ حج شروع ہوئے سات کی رات ہمیں بذریعہ بس منیٰ پہنچایا گیا تھا۔ چاروں جانب خیموں سے آباد اس شہر میں عجیب سا سماں تھا۔ خیموں ہی میں پانچ وقت کی نمازیں ادا ہوئیں اور پھر عرفات کو روانگی ہوگئی۔ عرفات کا لق و دق میدان خیموں سے بھر گیا تھا۔ عرفات کے میدان کو محشر کا میدان بھی کہتے ہیں وہاں مسجدِ نمرہ بھی ہے جہاں ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری خطبۂ حج دیا اور آپؐ نے تپتی دھوپ میں آسمان کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ

بلند کر کے ظہر اور عصر کے درمیان اپنی امت کی بخشش کی دعائیں کیں......اب ظہر کے وقت حج کا خطبہ اسی مسجد نمرہ سے دیا جارہا تھا اس کے بعد سب نے دو نفل پڑھے اور پھر خیموں سے باہر تیز دھوپ میں کھڑے ہو کر اللہ سے اپنی بخشش کی دعائیں، اہل و عیال اور دوست احباب، ملنے جلنے والوں کے لیے دعائیں، پورے عالم اسلام کے مسلمانوں کے لیے دعائیں کیں جو یقیناً میرے رب نے قبول کی ہوں گی پھر رات بھر عرفات میں قیام رہا اور عصر کی نماز پر ختم ہوا۔ اب پھر مزدلفہ کی جانب رخ تھا جہاں وقوف کرنا تھا کہ یہ پیارے نبی پاکؐ کی سنت ہے۔

مزدلفہ کا وقوف نہایت ضروری ہے یہاں کچھ دیر ٹھہرنا، سونا ہوتا ہے اس جگہ چاہے عرفات سے کسی بھی وقت پہنچیں نمازِ مغرب اور عشا ملا کر پڑھی جاتی ہے۔ مزدلفہ کا لق و دق میدان انسانوں سے اس طرح بھر گیا کہ تل دھرنے کی جگہ نہ بچی مگر لوگ جوق در جوق اپنے ملک کے جھنڈوں کے ساتھ مکتب نمبر کے حوالے سے چلے آرہے تھے، نمازیں ادا کی جارہی تھیں۔ نہ یہ خیال کہ کانٹے دار جھاڑیاں ہیں نہ مکہ کی ریتیلی پتھریلی زمین ہے، ہر کوئی چادر بچھائے اور کوئی ویسے ہی بیٹھا ہے۔ لگتا تھا کہ زندہ انسانوں کا قبرستان ہے، ہنسی نہ مذاق نہ فضول گوئی بس ذکرِ اللہ ہے۔ ایک خاص بات کہ حج پر بزرگوں اور معذوروں کے علاوہ کمسن بچوں کی بھی ایک بڑی تعداد آئی ہوئی تھی اور بڑے ذوق شوق سے اپنے بڑوں کو دیکھ کر ارکان ادا کرنے میں مگن تھے......اللہ ان کے جذبوں کو قائم و دائم رکھے آمین۔

رات بھر کے قیام اور فجر کی نماز کی ادائیگی کے بعد اب ہم دوبارہ منیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ حاجی صاحبان کو ابھی غسل کی اجازت نہیں تھی کہ ابھی جمرات کی طرف روانہ ہوتے کہ شیطان کو کنکریاں مارنی تھیں۔ بارہ ذی الحج کو حج کے تمام ارکان مکمل ہونے پر اللہ کا شکر ادا کیا، نفل پڑھے اور اب عزیزیہ واپسی کا سفر تھا۔ منیٰ سے مغرب سے پہلے، پہلے نکل جانا ہوتا ہے ورنہ پھر اگلے روز......

اللہ کا لاکھ، لاکھ شکر ادا کیا کہ اس مہربان رب نے تمام ارکان بخیر و خوبی کروادیے آج میرا دل مسرت کے احساسات سے سنبھل نہیں پارہا تھا کہ سنتِ ابراہیمیؑ ادا ہوئی، اللہ کے گھر کا دیدار......یہ میرا نصیب مجھے کہاں لے آیا۔

آج خوش بختوں میں شمار ہو گیا تھا کیسے ایک ماہ گزرا پتا ہی نہیں چلا ۱۳ تاریخ کو نبی پاکؐ کے روضے کی زیارت کو مدینہ شریف روانگی تھی۔ ہوٹل اشرفیہ مسجد نبوی سے بہ مشکل پانچ منٹ کی دوری پر ہے وہیں قیام تھا۔ رات میں وہاں پہنچ گئے اور تہجد کے وقت مسجد میں حاضری دینی تھی۔ پہلے جا کر نماز تہجد ادا کی پھر تسبیح و درود پاکؐ و تلاوت کلام پاک میں مشغول ہو گئے پھر اذانِ فجر کی پُرشکوہ صدا گونجی۔ فجر کی نماز ادا کی اور روضۂ رسول کا اچھی طرح دیدار کیا۔ کچھ دیر کھڑے رہنے کے بعد بہ مشکل تمام ریاض الجنہ کے گرین کارپٹ پر دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت ملی ہزاروں کے مجمع میں جم کر بیٹھنا ویسے بھی مشکل تھا پھر دوسروں کی حق تلفی بھی ہوتی ہے۔ دو نفل پڑھ کر خوب دعائیں مانگیں تمام رشتے داروں، دوست احباب کا سلامِ عقیدت رسول پاکؐ کے حضور پیش کیا دس دن مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ کوشش کی کہ تمام نمازیں مسجد نبوی میں ہی ادا ہوں۔ خوب آب زم زم پیا گنبدِ خضریٰ کا دیدار دل بھر کر کیا۔ اب آقا کے دربار سے رخصت ہونے کا وقت بھی آن پہنچا تھا۔ آمد جدہ ائر پورٹ پر تھی اور روانگی مدینے سے ہوئی چالیس دن کے اس مقدس سفر میں ساری زندگی کی حسرتیں جی بھر کر نکالیں۔ معلوم نہیں بعد میں آنا نصیب ہو نہ ہو......آخر میں بطورِ خاص ایک عزیزہ کا ذکر کروں گی جو مدینے میں رہتے ہیں اور انہیں جب پتا چلا کہ ہم لوگ مدینے آئے ہیں تو روز اپنی گاڑی پر دونوں میاں بیوی آتے تھے اور ہم کو مدینہ منورہ کا پورا شہر، پارک، شاپنگ سینٹر سب دکھائے، خوب، خوب ضیافت کی اللہ انہیں جزائے خیر دے۔ پیاری بہنو! عقیدت بھری یہ تحریر اگرچہ بے ربط ہے مگر میرا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے اس روح پرور سفر کی روداد آپ سے بھی شیئر کروں اللہ ہم سب کو اپنے دربار میں بار، بار بلائے آمین۔

☆☆☆

فکاہیہ کالم گوشۂ ظرافت ادارہ

مزاح نگاری، کمال کی صنفِ ادب ہے کہ جس میں وہ بات بھی بہ آسانی کہہ دی جاتی ہے کہ جسے سوچنے میں زمانے لگیں...... مگر ایسی نشتر زنی بخاطر اصلاح کا فن بھی کسی کسی کو آتا ہے۔ ورنہ مزاح نگاری کو عامیانہ طرزِ تحریر بننے میں دیر نہیں لگتی۔
اپنے پیارے پاکیزہ قارئین کے اس ذوق کی سیرابی کے لیے ہم ہر ماہ ان صفحات پر فکاہیہ ادب کے پُر لطف و یادگار شہ پاروں سے انتخاب پیش کریں گے۔ اس ماہ آپ کی جانی پہچانی مزاح نگار انجم انصار کے قلم سے منتخب کردہ شہ پارے نشرِ مکرر کے طور پر پیش کیے جا رہے ہیں۔

لڑاکا بیویوں کے شوہروں کے نام

آپ کو ڈبل، ڈبل عید مبارک کہ یہ عید آپ کے لیے خوشیوں اور دانش مندی کے خزانے ساتھ، ساتھ لے کر آئی ہے۔ بس اب یہ آپ کی اپنی ذہانت ہے کہ ان مواقع سے آپ کتنا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ تو ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ سب کی بیویاں نہ صرف لڑائی جھگڑے کی رسیا ہیں بلکہ آئے دن اپنی فرمائشوں سے آپ کا حشر بگاڑتی رہتی ہیں۔ گھر کے تمام تر ہنگامے صرف اور صرف انہی کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں۔ ان کی آئے دن میکے جانے کی ترٹیاں آپ کے ''ہارٹ ٹربلز'' کا سبب بھی بنتی رہی ہیں۔ اس ماہ آپ جی داری کا لبادہ اوڑھیے، اپنی بیگمات کی لڑائیوں کا مردانہ وار مقابلہ کیجیے، نتیجتاً وہ اپنے میکے چلی جائیں گی، آپ جانے دیجیے، ان کے جانے سے آپ ایک بہت بڑے کرائسس سے بچ گئے۔ پریشان نہ ہوں، عید کے بعد آپ سب اپنی، اپنی بیویوں کو منا لایے، چھوٹے موٹے تحائف بھی دیجیے مگر آپ کی یہ دانش مندی آپ کے سرمائے کو تباہ ہونے سے بچا لے گی۔ کیا خیال ہے؟ ایک ڈیڑھ ہفتے تو آپ کو آپ کی محلے والیاں بھی کھانا بھجوا سکتی ہیں۔ ہے ناں!

چولے......!

کشور خالہ کی شادی سترہ برس کی عمر میں ہوئی تھی اور اب ان کی شادی کو لگ بھگ پچاس سال تو ضرور ہوگئے تھے۔ ماشاء اللہ سے وہ بہت سارے بچوں کی نانی اور دادی بھی بن چکی تھیں۔

مگر وہ جب بھی بات کرتیں، اپنی کم عمری، اپنا بھولا پن اور اپنی شادی کا ذکر بڑے شوق ذوق سے کیا کرتیں۔

''ارے ہمیں تو کچھ پتا ہی نہیں تھا کہ دولھا سے بات کیسے کرتے ہیں ان کی شکل دیکھ کر ایسی ہنسی چھوٹی، برابر کے کمرے میں بڑی بچی تک سناٹے میں آ گئی تھیں۔''

''ہمیں تو پکانا تک نہیں آتا، روزانہ نمک، مرچ کی بوتلیں لے کر پڑوس میں جاتے، وہ مسالا بنا کر دیتیں تو گھر آ کر کھانا پکاتے۔''

''کتنے عرصے تک محلے والوں سے کھانا پکانا سیکھا۔''

ایک دن میں نے جل کر کہا۔

''بہت عرصے تک، ماشاء اللہ چار بچے سی پی برار سوسائٹی میں ہوئے۔ سارے محلے کے لوگ رشتے داروں جیسے تھے۔''

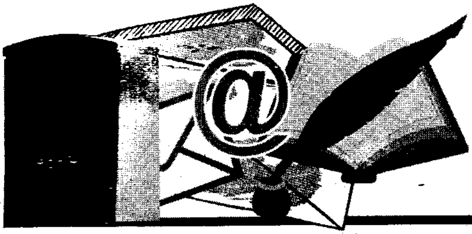
بات کہیں کی بھی ہوتی، سیاست، شرافت، قیامت وہ اس میں اپنا بھولا پن، سادگی، کم عمری اور شادی کے دن کا احوال ڈالنا ہرگز نہ بھولتیں۔

''یہ کشور خالہ، کیسی بے تکی باتیں کرتی ہیں، یہ نہیں دیکھتیں کہ ان کی گفتگو کون، کون سن رہا ہے۔'' اکثر ان کے داماد تو شرمندہ ہو کر ازخود اٹھ جایا کرتے تھے۔

''ان کی ذہنی عمر شادی کے بعد رک گئی ہے، وہ آج بھی وہیں کھڑی ہیں جہاں آج سے پچاس سال پہلے کھڑی تھیں۔''

کشور خالہ تو تعلیم سے نابلد ہیں مگر بہت سی تعلیم یافتہ خواتین بھی ازخود معصوم، بھولی اور پگلو کے چولے بڑے شوق سے پہنتی ہیں اور خوش ہوتی ہیں۔ نہ جانے کیوں؟''

☆☆☆



بہنوں کی محفل

مدیرہ

خط کتابت کے لیے پی او باکس 662 جی پی او کراچی 74200 ای میل: jdpgroup@hotmail.com

پیاری پاکیزہ بہنو! السلام علیکم رحمتہ اللہ و برکاتہ

تمام تعریفیں اس رب العزت جل شانہ کو زیبا ہیں جو ہمارا اور کل عالمین کا پروردگار ہے اور کروڑ ہا درود وسلام رحمتہ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر کہ جن کی آمد سے جہالت وظلمت کے اندھیرے چھٹے اور دنیا میں حق کا بول بالا ہوا۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہم سب کو ایمان کی قوت و پختگی کے ساتھ دونوں جہاں میں سرخروئی نصیب فرمائے۔ (الٰہی آمین)

☆☆☆

کچھ باتیں اپنی بہنوں سے

پیاری بہنو! سلام اور پُرخلوص دعائیں لیے آپ کی محفل میں حاضر ہوں۔ کیسے آپ کے کیا حال ہیں؟ پہلے تو آپ سب میری جانب سے عیدالاضحیٰ کی مبارک باد قبول کریں اور وہ بہنیں جو اس سال حج کی سعادت حاصل کر رہی ہیں ان کو خصوصی مبارک باد...... ان سب بہنوں کے خلوص اور محبت کا شکریہ ادا ہی نہیں کیا جاسکتا جو مسلسل رابطہ کیے ہوئے ہیں اور مزید ارسوغاتیں بھی بھیج رہی ہیں جبکہ آپ سب کا خلوص ہی ہمارے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس دفعہ افتخار شوق نے میاں چنوں سے اصلی گھی کی زبردست مٹھائیاں بھجوائیں۔ افتخار تمہاری مٹھائی کی تو منہ میں ایسی مٹھاس گھلی کہ اب جو بھی لفظ نکلیں گے وہ میٹھے، میٹھے ہی نکلیں گے اور ڈاکٹر ممتاز ضیا تم نے فون پر بتایا کہ تبصرہ کیوں نہیں بھیج سکیں اس لیے کہ تمہاری آنکھوں کا آپریشن ہوا ہے۔ اللہ تمہاری آنکھوں کی روشنی سلامت رکھے۔ ارے بھئی اگر تمہارے آپریشن کا پتا ہوتا تو ہرگز شکوہ نہیں کرتی کیونکہ تم تو خود ہی بہت خیال رکھتی ہو اور تبصرہ بھیجتی ہو۔ انشاء اللہ ٹھیک ہوتے ہی لکھ بھیجنا اور ملنے کا وعدہ تو کر رہی ہو تو کسی دن آ ہی جاؤ، مجھے خوشی ہوگی اور سب سے بڑھ کر رفاقت تمہاری صحت کے بارے میں تشویش ہے...... اپنا خوب خیال رکھا کرو اللہ تمہیں جلد از جلد صحت یاب کرے تمہارا شکریہ کہ اپنی خیریت سے آگاہ کرتی رہتی ہو...... انشاء اللہ تمام بہنیں بھی تمہارے لیے دعا کریں گی۔ جلد صحت یاب ہو جاؤ گی۔

ویسے تو ہماری تمام سینئر جونیئر رائٹرز بہت اچھا لکھ رہی ہیں اور قارئین انہیں اس کی داد بھی دے رہے ہیں مگر اس دفعہ طیبہ عنصر مغل کے افسانے کا سبجیکٹ بہت پسند کیا گیا۔ طیبہ ایسے ہی عمدہ موضوعات کا انتخاب کرتی رہنا قارئین نے تمہیں گولڈن اسٹار دے دیا ہے۔

عزیز بہنو آپ سب کے پُرخلوص جذبات اور دعائیں بذریعہ خطوط وفون کالز مجھے ملتی ہیں تو میں دل سے شکر گزار ہوتی ہوں کہ ہر بہن معراج صاحب کی صحت کے بارے میں اتنی فکرمندی کا اظہار کرتی ہے جس سے مجھے بہت حوصلہ ملتا ہے اور اس بات کا بہت اچھا احساس ہوتا ہے کہ ان کو سب نے اپنی دعاؤں میں یاد رکھا ہوا ہے۔

چلتے، چلتے آپ سب کو عید قربان کی ایک بار پھر مبارک باد...... بہنیں نت نئی ڈشز بنانے کی منصوبہ بندی میں مصروف ہوں گی اور یہ سلسلہ پورے مہینے چلتا رہے گا۔ اب اجازت......

اللہ حافظ

دعا گو، عذرا رسول

پیاری بہنو! عیدِ قرباں کی مبارک بادیں تو آپ سب نے وصول کرلیں اب یہ بتائیے کہ آپ نے اپنے پیاروں کے لیے کیا، کیا پکایا؟ ہماری بہنیں یقیناً سب باشعور ہیں۔آپ نے حفظانِ صحت کے اصولوں کو بھی مدِنظر رکھا ہوگا۔ ویسے تمام ٹی وی وریڈیو چینلز اور رسائل واخبارات میں گوشت کو محفوظ رکھنے اور پکانے کے متعلق ہدایات وکارآمد نسخے تو آتے رہتے ہیں جو یقیناً ہم سب کی رہنمائی کے لیے ہوتے ہیں۔آپ نے کس بات کا خیال رکھا اور کیا نئی اور مزیدار ڈشز بنائیں؟ ہمیں بھی ضرور بتائیے گا۔اس بار بھی قربانی کے جانوروں کی قیمتیں آسمان سے باتیں کررہی تھیں۔اپنے اپنے جانوروں کی خوب نمائش بلکہ ''فیشن شوز'' ہورہے تھے۔ان کے خواص اور نخرے بتائے جارہے تھے، ان کے رہنے سہنے کے بہترین انتظامات ہوئے......کاش کہ ہم بیچارے عوام کو اتنی ہی اہمیت حاصل ہوجائے مگر عوام تو بیچارے بغیر کسی خاص تیاری کے قربانی دیے چلے جارہے ہیں اور شاید یونہی دیتے چلے جائیں گے حالانکہ قربانی تو ''خواص'' کو دینی چاہیے......اب عید اور شادیوں کے موقع پر کیا تلخیوں کی باتیں کریں چلیں جانے دیں......آپ بہنوں کے فون وخطوط کے ذریعے ملنے والے مشورے، تجاویز اور تنقید قابلِ غور ہے۔آپ سب کے تعاون سے ہی ماہنامہ پاکیزہ ترقی کی مزید راہیں طے کرے گا ویسے تو تمام بہنیں ہی ہمارے لیے قابلِ احترام ہیں مگر جو مستقل تبصرہ نگار ہیں وہ اگر غیر حاضر ہوں تو یقیناً تشویش بھی ہوتی ہے اور کمی بھی محسوس ہوتی ہے جیسے ڈاکٹر ممتاز ضیا کی بیماری کا ذکر عذرا رسول صاحبہ نے کیا۔لاہور سے عظمیٰ خورشید، یو اے ای سے نفیسہ آرا، ویسے نفیسہ تو مراسلات کے ذریعے شرکت کرلیتی ہیں اسی طرح بے شمار اور بھی نام ہیں کوہاٹ سے تسنیم قریشی اور صائمہ سجاد بنگش، کراچی سے ذکیہ ایوب پشاور سے نازنین آفریدی وغیرہ۔خصوصی خبر یہ ہے کہ پاکیزہ کے صفحات عنقریب آپ کی بے حد پسندیدہ اور معروف رائٹرز کی تحریروں سے سجنے والے ہیں بس دو تین ماہ انتظار کریں کہ اس کی اپنی ہی لذت ہے۔

آپ کو ہر آن خوش آمدید کہنے کے لیے ہمارے رابطہ نمبر درج ہیں۔نزہت اصغر 03316266612 / آفس لینڈ لائن

EXT:122,107,118..........021-35802552-35895313-35386783

اور حسبِ روایت مختلف خبروں اور سرگرمیوں پر ایک نظر ڈالنے سے قبل ایک بار خلوصِ دل سے درودِ ابراہیمی اور اس کے بعد تین بار آیت کریمہ ضرور پڑھ لیں اور اپنی دعاؤں میں اپنے پیاروں کے ساتھ، ساتھ تمام اہلِ وطن کو بھی ضرور یاد رکھیں۔پروردگارِ عالم اسلام کی تمام پریشانیوں کو دور کرے اور تمام مسلمانانِ عالم کو کامیابیاں نصیب ہو۔(الٰہی آمین)

مصنفات، شاعرات اور قارئین پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ مصنفہ عذرا آفتاب کی کتاب کچھ یادیں کچھ باتیں شائع ہوگئی ہے۔اس میں مصنفہ نے بہت خوب صورت انداز میں حساس دل پر گزرنے والی کیفیات بہت دل گداز انداز میں نظم کی ہیں۔کتاب کا انتساب کچھ حقیقتوں، غلطیوں، رشتوں اور یادوں کے نام ہے۔اس بے حد دلنشین کتاب کی قیمت صرف 350 روپے ہے اور یہ آکسن کنسلٹنٹ لمیٹڈ کے تحت شائع ہوئی ہے۔

☆ نوجوان اور پُرجوش مصنفہ ثنا احمد کا نیا ناول کانچ کی تتلی شائع ہوگیا ہے۔یہ دو گھرانوں کی خوب صورت کہانی ہے جس کے کردار منفی اور مثبت دونوں پہلو لیے ہوئے ہیں۔ناول کی ہیروئن اپنے مضبوط کردار کو منوانے کی جدوجہد میں ہر آن کوشاں نظر آتی ہے۔خوب صورت سرورق لیے یہ کتاب فیض الاسلام پرنٹرز راولپنڈی نے بڑے اہتمام سے شائع کی ہے کتاب کے ملنے کا پتا رمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز اقبال مارکیٹ راولپنڈی ہے اور فون نمبر 0515551519 ہے۔

☆ نادیہ احمد کا دوسرا ناول وہ نہیں ملا تو ملال کیا کتابی شکل میں چھپ گیا ہے اور القریش پبلشرز لاہور سے دستیاب ہے۔

☆ پاکیزہ سے وابستہ ہماری شاعرہ شگفتہ شفیق، کینیڈا میں اپنی شاعری کی دھوم مچا کر وطن واپس آچکی ہیں۔

☆ مصنفہ مصباح نوشین کی چوتھی کتاب عشقِ مجذوب حال ہی میں القریش پبلی کیشنز نے شائع کی ہے۔

☆ پچھلے دنوں ریڈیو پاکستان کراچی اسٹیشن میں ہونے والے اسپرنگ ڈراما فیسٹول کے سلسلے میں پروڈیوسر سیما رضا ردا کی پروڈکشن میں تیار کیے گئے پلے ملن رُت بہار کی کو بیسٹ رائٹرز ایوارڈ ملا، اور یہ ایوارڈ بیسٹ رائٹر شاہد مسرور نے حاصل کیا ہے۔(بہت مبارک باد سیما آپ کی پروڈکشن بھی تو اعلیٰ ہی ہوگی)

☆ پچھلے دنوں دلشاد نسیم، کراچی تشریف لائیں۔ اور بہت سی رائٹرز سے ملاقاتیں کیں۔
☆ مستقل قاری شائستہ اعجاز کی بیٹی جویریہ کے ہاں بیٹی ہوئی ہے جبکہ شائستہ اعجاز کے چھوٹے بھائی انیس کی بیٹی کے ہاں بیٹا تولد ہوا ہے (بہت، بہت مبارک باد)
☆ پاکیزہ کی دیرینہ تبصرہ نگار، مصنفہ شاعرہ اور ماہر قانون سعدیہ ہما شیخ، سرگودھا کو پاک نوبل ایوارڈ 2017ء رائٹرز ویلفیئر فاؤنڈیشن اینڈ ہیومین رائٹس پاکستان کی جانب سے ان کی شاعری اور ادب کی خدمات پر دیا گیا۔ (مبارک باد) سعدیہ کے حوالے سے دوسری خبر یہ ہے کہ انہوں نے سرگودھا کورٹ بار میں درسِ قرآن کا اہتمام کیا علاوہ ازیں سعدیہ نے خواتین جیلوں میں جا کر اصلاحی دروس کا اہتمام کیا اور توبہ کے متعلق قرآن وسنت کے حوالے سے درس دیا۔ سعدیہ ہما شیخ سرگودھا کے علاوہ پنجاب کے دیگر شہروں میں بھی ایک معروف وفعال قانون داں کی حیثیت سے جانی جاتی ہیں۔
☆ تبصرہ نگار نگینہ ضیا بنگش، کراچی کی پیاری دوست آیت لیاقت کی بہن آمنہ کاشف کی شادی گزشتہ دنوں بخیرو خوبی انجام پائی۔ (مبارک باد) نگینہ ضیا کے حوالے سے دوسری خبر یہ ہے کہ ان کی پیاری بیٹی مہرین ضیا نے میٹرک اے ون گریڈ سے پاس کرلیا ہے۔ (بے حد مبارک باد)
☆ مستقل تبصرہ نگار مسز یاسین، لیہ کے لیے بہنیں ضرور دعا کریں کہ اللہ انہیں پیاری سی بیٹی سے نوازے۔ (الٰہی آمین)
☆ مصنفہ طیبہ عنصر مغل کی پیاری بیٹی عندلیب عنصر مغل نے میٹرک سائنس کے امتحان میں اے گریڈ حاصل کیا ہے۔ (بہت مبارک ہو)
☆ شاعرہ ومصنفہ یمنیٰ احمد کے بھائی رضوان احمد کے ہاں دوسرا بیٹا تولد ہوا ہے جس کا نام محمد شاہ زین رضوان رکھا گیا ہے۔ (بہت بہت مبارک ہو)
☆ مستقل تبصرہ نگار، صائمہ سید، کراچی کے بھائی کے مستقل روزگار کے لیے بہنیں ضرور دعا کریں۔ اگر کوئی خاص وظیفہ ہو تو وہ بھی بتائیں۔ (صائمہ، اکتوبر کے روحانی مشوروں میں ضرور وسعتِ رزق کی دعائیں شامل ہوں گی۔ اللہ آپ کے مسائل حل کرے)

دعائے صحت کے لیے التماس ہے

☆ بنتِ زہرا ثانی کی صحت کے لیے خصوصی دعا کی درخواست۔
☆ شاعرہ اور مستقل تبصرہ نگار فریدہ جاوید فری، لاہور کے چھوٹے بھائی کے گلے میں کینسر تشخیص ہوا ہے بھائی کی پریشانی کے باعث فریدہ فری کی خود کی شوگر بڑھ گئی ہے۔ (فریدہ پریشان نہ ہوں...... اللہ آپ کو اور بھائی کو صحت دے)
☆ پاکیزہ کی پُرخلوص ساتھی، مصنفہ رفاقت جاوید کی طبیعت پچھلے دنوں کافی خراب رہی اور اب بھی وہ ڈاکٹرز کے زیرِ علاج ہیں۔ (رفاقت اللہ آپ کو صحت کاملہ عاجلہ عطا فرمائے، آمین)۔
☆ مصنفہ شیریں حیدر کی کلائی کی سرجری حال ہی میں اسلام آباد میں ہوئی وہ کافی عرصے سے درد میں مبتلا تھیں۔
☆ مصنفہ سیما بنت عاصم، کراچی کی مکمل صحت یابی کے لیے خصوصی دعا۔
☆ مراسلہ نگار پاکیزہ کی دیرینہ ساتھی امینہ عندلیب، سلانوالی کو آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔
☆ مصنفہ زاہدہ پروین کی بیٹی اور شوہر کے لیے دعائے صحت۔
☆ پاکیزہ کی مستقل قاری مسز یسین، لیہ کے بھتیجے کی آنکھوں میں پانی آنے کی شکایت ہے۔ بہنیں دعا کرنے کے ساتھ اگر کوئی نسخہ بتا سکیں۔
☆ مستقل قاری عصمت، اوکاڑہ کی بڑی بہن کے لیے دعائے صحت۔
☆ رائٹر سویرا فلک کے شوہر جگر کی کامیاب سرجری کے بعد اب روبہ صحت ہیں۔ (الحمدللہ)
☆ ہماری پیاری رائٹر رفعت سراج کی پچھلے دنوں کچھ طبیعت ناساز رہی۔ اب الحمدللہ خیریت سے ہیں۔

انتقالِ پُرملال

☆ مصنفہ اسما صدیقہ کے والد ماجد انتقال کر گئے۔
☆ مصنفہ بشریٰ ماہا کی پُرشفیق دادی جان انتقال کر گئیں۔

☆ پچھلے دنوں مصنفہ صائمہ اکرم کے والد کی پہلی برسی کے سلسلے میں ختم القرآن اور فاتحہ خوانی ہوئی۔ (صائمہ آپ کے غم میں ادارہ و قارئین برابر کے شریک ہیں)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری و تبصرہ نگار عصمت، اوکاڑہ کے جواں سال بھانج داماد کا ایک ٹریفک حادثے میں انتقال ہوگیا۔ مرحوم اوکاڑہ اور گردونواح کی جانی پہچانی شخصیت اور معروف وکیل تھے۔ ادارہ ان کے خاندان کے اس غم میں برابر کا شریک ہے۔

☆☆☆

اب آتے ہیں اپنی بہنوں کے دلچسپ خطوط کی طرف......

✉ زہرہ جنید، کراچی۔ ''آپ سے بات کر کے بہت اچھا لگا ایک عرصے بعد آواز سنی۔ ہاں دلکش کا زمانہ یاد آگیا اب انشاء اللہ پھر ملیں گے آپ بیچ میں کافی مصروف ہوگئی تھیں مگر اب تحریر بھی ضرور بھیجیں اور شاعری بھی...... پاکیزہ تو اپنے دیرینہ و نئے دوستوں کو جوڑے رکھتا ہے۔

✉ دردانہ نوشین خان، مظفر گڑھ سے۔ ''ماہنامہ پاکیزہ پر یہ اللہ کا کرم ہے کہ اس کی چھپائی پڑھنے پر آمادہ کرتی ہے۔ اس کی اداریتی فضا میں اسلامی مہک ہے۔ (دل سے سراہنے پر شکریہ) کبھی وہ دور میرا بھی ہوا کرتا تھا جب، ایک منتخب کردہ شعر کا چھپ جانا یا سوالات، جوابات میں چھپ جانا اتنا خوش کرتا تھا کہ دل میں لڈو پھوٹتے رہتے تھے۔ خوشی کا تعلق سراہے جانے، عزت و توقیر ملنے، شناخت ملنے اور شاباش ملنے سے ہے سو جس طرح کی خوشی ہم چاہتے ہیں۔ ہمیں دوسروں کو دینے میں بھی فراخ دل ہونا چاہیے (جی بے شک)۔ عذرا آفتاب سے خوشگوار ملاقات قابلِ مطالعہ، قابلِ داد ہے۔ اختر شجاعت نے غیبت، مذمتِ الٰہی بہت اچھی اور مفید ہدایت کی ہے۔ آج کل ہمارے سیاسی ماحول میں بدکرداری کا الزام لگانا اور جی کھول کر غیبت کرنا معمول بن گیا ہے جو بے حد افسوس ناک ہے۔ غیبت اور خصوصاً بدگمانی غیبت کبیرہ گناہ ہے۔ (جی بالکل)۔ منشا محسن علی کا ناولٹ اب تو کوئی خضر ملے پاکستان کے حوالے سے عمدہ تحریر تھی۔ اب وطن سے محبت کی کہانیاں خصوصاً بڑوں کی سطح پر کم لکھی اور پڑھی جاتی ہیں۔ پاکستان کی تشکیل کی المناک قربانیاں یاد ہوتی رہنا ضروری ہیں۔ (جی بالکل درست کہا) طیبہ عنصر مغل کا افسانہ گولڈن اسٹار عصرِ حاضر کے انتہائی حساس موضوع پر ہے۔ اسی موضوع پر میں نے بھی ایک افسانہ لکھا تھا۔ زنجیر غم ہے اس میں ٹیچرز کا قصور زیادہ ہے۔ ٹیچرز نے طلبا کے ساتھ ضرورت سے زیادہ بے تکلفی اپنالی ہے، وہ خود کو تجربہ کار بننا ناپسند ہی نہیں کرتیں۔ وہ استاد کے بالا مقام کو اپنانا نہیں چاہتیں کہ وہ مبادا بڑی عمر کی لگیں۔ یہ فیشن زدہ ہم عمر بننے والی استانیاں کم سن لڑکوں کے اذہان پر برے اثرات مرتب کرتی ہیں۔ ٹیچرز کا اپنے اسٹوڈنٹس کے ساتھ میسجز کا تبادلہ وغیرہ تو عام بات ہوگئی ہے۔ (ایسی کہانیاں لکھنے اور چھاپنے کا مقصد آگاہی دینا ہوتا ہے اور یہ کریڈٹ رائٹرز کو ہی جاتا ہے۔) ناہید سلطانہ اختر کا افسانہ اچی تو آگ بھی پیاری سادہ، مختصر اور مؤثر ہے۔ ناہید فاطمہ حسنین کا ناولٹ کوہِ گراں کچھ سوالات پیدا کرتا ہے۔ ناقابلِ تلافی صورتِ حال میں ثمین کا شاہ میر سے ملوث ہو جانے کے بعد گریز اور فرار غیر حقیقی ہے۔ ایسے حالات میں لڑکی کی مجبوری اسے نخرہ دکھانے کا موقع نہیں دیتی مگر ثمین نے شاہ میر کا نمبر ہی hide کر دیا پھر اس کے بعد وہ کیونکر یہ توقع کر سکتی ہے کہ پیدا ہونے والے بچے کو وہ (own) کرے...... دوسری وہ صورتِ حال جب بدمزاج ستم گر پھپو ثمین کو حاملہ دیکھ کر غصہ آتا ہے۔ یہ غصہ ہرگز زیادتی نہیں بلکہ برجستہ اور برحق ہے۔ زارا کی ماں کا سکون سے بتانا کہ اس سے زبردستی ہوئی۔ پاکیزہ بہنوں سے اپنے ناولٹ میں عورت ہوں پر رائے دینے کی التماس ہے۔'' (جی اس مرتبہ اپنی کہانی پر تبصرے تو آپ نے پڑھ لیے ہوں گے ویسے تفصیلی تبصرے کا شکریہ)

✉ سعدیہ رئیس، کراچی سے۔ ''پیاری نزہت اصغر امید ہے کہ اپنی نئی ذمے داریوں اور مصروفیات میں دل لگ گیا ہوگا۔ ایڈیٹر شپ کا نیا عہدہ بہت مبارک ہو (بہت شکریہ)۔ انجم انصار کے جانے کا دکھ اپنی جگہ ہے بلاشبہ ان کی قابلِ تحسین خدمات قارئین کے دل سے کبھی فراموش نہیں ہوسکتیں۔ (جی بالکل) ویسے نزہت ہم تو سن رہے تھے کہ عنقریب پاکستان کی حکومت بدلنے والی ہے۔ مگر یہاں تو پاکیزہ میں ہی بڑی تبدیلی ہوگئی۔ جس طرح کسی بھی ملک کی حکومت ایک دن ضرور بدلتی ہے اور مقررہ مدت پوری کر کے کرسی پر نئے وزیراعظم آجاتے ہیں تو ایسا ہی یہاں بھی محسوس ہو رہا ہے۔ صدارت کا عہدہ تو

عذرا رسول کے پاس ہے (جی ہاں بالکل ان ہی کی سربراہی میں سب کام کرتے ہیں)۔ جولائی کے شمارے میں ان کی عید مبارک وصول کرلی تھی۔ معراج صاحب کے لیے بہت سی دعائیں۔ اب نئے وزیراعظم یعنی پاکیزہ کی نئی ایڈیٹر نے کرسی سنبھال لی ہے۔ عوام کی کثیر تعداد کی طرح پاکیزہ کے قارئین کی کثیر تعداد کو بھی آپ سے بہت سی امیدیں وابستہ ہوں گی کیونکہ ایڈیٹرشپ بہت ذمے داری کا کام ہے مگر مجھے یقین ہے کہ آپ سنبھال لیں گی۔ (خوش گمان توقعات کا شکریہ سعدیہ) مجھے تو آپ کے نام کے ساتھ ہی دلکش کی یاد آگئی۔ بڑا مختصر ساتھ رہا دلکش اور مصنفین کا لیکن اس میں خطوط کی محفل میں آخر میں جو راز و نیاز کرتی تھیں وہ بہت خوب صورت لگتا تھا۔ امید ہے کہ پاکیزہ میں بھی اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھا کر سب کو اپنا معتقد کرلیں گی۔ (آپ سب کا تعاون ساتھ رہا تو ضرور) ویسے پاکیزہ اپنے اعتبار سے بہترین ہے کچھ جدت کے رنگ آپ ڈالیں گی تو اور نکھر جائے گا۔ (جی ضرور) افسانوں پر لگی تصاویر میں بہتری کی ضرورت ہے۔'' (سعدیہ بہت عرصے بعد آپ کی تحریر پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ ڈیئر کوئی کسی کی جگہ نہیں لے سکتا بلکہ اپنا مقام خود ہی بنانا ہوتا ہے۔ انجم باجی نے بلاشبہ قارئین اور پاکیزہ کا مضبوط رشتہ نبھایا ہے۔ انشاء اللہ یہ مزید بہتری کی طرف ہی جائے گا آپ لوگوں کا مثبت و پُرخلوص تعاون چاہیے)

✿ عقیلہ حق کراچی سے۔ ''رسالہ ہاتھ میں ہے۔ عذرا رسول صاحبہ کی محبت بھری شکایت سر آنکھوں پر۔ رسالے میں بہت ساری مثبت تبدیلیاں نظر آرہی ہیں۔ مخصوص رائٹرز کے حصار سے نکل کر بہت ساری نئی رائٹرز کو موقع دیا جارہا ہے۔ اچھی بات ہے ویسے کبھی کبھار میری تحریر کو بھی جگہ مل جائے تو عنایت ہوگی (جی ضرور...... ! جلد لگے گی) طیبہ عنصر مغل کا افسانہ گولڈن اسٹار پڑھا، بہت اچھا لکھا ہے۔ رفعت سراج کی تحریر کی تعریف کرنا تو سورج کو چراغ دکھانے کے برابر ہے۔ رفعت سراج کی تحریر کے ساتھ ساتھ مجھے ان کے لہجے کی بے ساختگی بہت پسند ہے جو ان کی تحریر میں بھی نظر آرہی ہے۔ ناہید سلطانہ اختر نے ہمیشہ کی طرح بہت اچھا لکھا، شیریں حیدر اور سیما رضا ردا کا ناول خوب صورتی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ افسانوں میں زیادہ تر نئے نام تھے لیکن سب نے اچھی کوششیں کیں لیکن چھوٹا منہ بڑی بات ایک جملہ مجھ سمیت سب رائٹرز کے لیے ہے کہ پلیز سینئرز کو زیادہ سے زیادہ پڑھیں۔ (پڑھنا تو خیر سب کو ہی چاہیے۔ اپنی صلاحیتوں کو بھی جلا ملتی ہے)۔ مجھے عذرا رسول صاحبہ سے کچھ کہنا ہے۔ میں جانتی ہوں آپ بہت بزی رہتی ہیں۔ انجم باجی کے جانے کے بعد آپ کی ذمے داریوں میں اضافہ ہوگیا۔ میں یہ نہیں کہہ رہی کہ آپ پریشان ہوں گی۔ کیونکہ ہر مسئلے کو چیلنج سمجھ کر قبول کرنا آپ کی خداداد صلاحیت ہے۔ رسالے کی دنیا سے ہٹ کر میں آپ کی گھریلو زندگی سے بھی واقف ہوں، جس احسن طریقے سے آپ سارے معاملات کو لے کر چلتی ہیں وہ قابلِ تحسین ہے۔ بہت سی رائٹرز رسالہ جوائن کرنا چاہتی ہیں لیکن قارئین شاید آپ نہیں جانتے میرے اور عذرا رسول کے درمیان ایک معاہدہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کو تحائف نہیں دیں گے بلکہ تحفے کی قیمت سے کسی ضرورت مند کی مدد کریں گے۔ میری پیاری بہن اور دوست عذرا رسول آج میں آپ سے کہنا چاہتی ہوں کہ اپنے آپ کو تنہا نہیں سمجھنا، نہ ہی مجھے ایڈیٹر کی کرسی چاہیے یا کسی اور قسم کی جاب یا رعایت، نہ ہی رسالے میں اپنا نام نہ کوئی معاوضہ اور نہ ہی معاوضے کا کسی قسم کا نعم البدل لیکن اگر آپ کو جہاں بھی جس وقت بھی میری ضرورت ہو، کسی افسانے کی ایڈیٹنگ، ریڈنگ یا کوئی بھی رسالے سے وابستہ کام ہو تو بلا جھجک آدھی رات کو بھی آواز دیں گی تو میں حاضر ہوں۔ اگر میری کوئی صلاحیت میرے پاکیزہ کے کام آسکتی ہے، آپ کا بوجھ ہلکا کرسکتی ہے تو میرے لیے اعزاز ہوگا۔ میں جانتی ہوں ماشاء اللہ نزہت اصغر ایک باصلاحیت ایڈیٹر ہیں (بہت شکریہ عقیلہ)۔ آپ کے اِردگرد خیر خواہ لوگ ہیں۔ نزہت اصغر کی صلاحیتیں رسالے کی ہر سطر میں جگمگا رہی ہوتی ہیں لیکن پھر بھی ایک اور ایک گیارہ کے تحت میری ایک محبت بھری آفر آپ کی میز پر ہے۔ تبصرہ پھر طویل ہوگیا۔ ارے ہاں میری اس آفر پر بہت سارے لوگوں کو اعتراض ہوگا تو برائے مہربانی اعتراضات مجھ سے کیجیے گا عذرا رسول صاحبہ کا قیمتی وقت ضائع مت کیجیے گا بلکہ اس وقت آپ اپنے بچوں کے لیے آلو کا بھرتا بنا لیجیے گا آلو بھرے پراٹھوں کے ساتھ غیبت سے بھی محفوظ اور میاں، بچے بھی خوش۔'' (ارے عقیلہ بہت پُرلطف تبصرے اور باتوں کا شکریہ۔ آپ کی خلوص بھری دوستی پر کوئی شک نہیں کرسکتا۔ عذرا صاحبہ بھی آپ کے جذبات کو سراہ رہی ہیں)۔

✿ افتخار شوق، میاں چنوں سے۔ ''رفعت سراج کا پہ کہاں بچیں کہ دل ہے ایک خوب صورت تحریر جس میں عورت کی نسوانیت، انا اور تاجور کی مضبوط شخصیت کو دکھایا گیا ہے۔ لیڈی صوفیہ جو ایک تاریخی شخصیت کا تاثر دیتی ہیں۔ ان کی خوب صورت شخصیت بلکہ کلاسیکل شخصیت جو ماضی، حال اور مستقبل کی آئینہ دار ہے۔ پرنس کا معصوم سا عشق اور احتیاط پسندی...... شیریں حیدر کا امرت لاجواب موضوع جس میں تسلسل ہے۔ سماجی اور گھریلو تعلقات اور مزاج کی آئینہ دار تحریر۔ دردانہ نوشین خان کی تحریر، میں عورت ہوں پڑھ کر عورت کے دکھ کو محسوس کرتے ہوئے آنسو سرزمینِ دل پر گرتے رہے! ناہید سلطانہ اختر کی تحریر اپنی تو آگ بھی

پیاری اگر اس کا عنوان یہ ہوتا کہ اپنی تو اولاد بھی پیاری کتنا مزہ آتا۔ (اولاد کی خاطر ہی تو سارے خودساختہ اصول توڑ دیے گئے جبھی تو اپنی آگ بھی پیاری لگتی ہے) 14 اگست کے حوالے سے دلسوز تحریریں بھی دل کو چھو گئیں۔ پاکیزہ نوجوان نسل کے لیے تاریخی اور تعمیری کردار ادا کر رہا ہے (جی شکریہ)۔ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی سے ملنے کی شدید خواہش ہے۔ (اس دفعہ آپ سب کی طرف سے ہم نے ملاقات کر لی۔ احوال شروع کے صفحات میں پڑھ لیا ہوگا) عذرا رسول کو ہم احتراماً فون نہیں کرتے وہ تو ازلی اور ابدی محبت کا شاہکار ہیں۔ بہنوں کی محفل میں ان کے ابتدائیہ کلمات یوں ہیں جیسے صبح صادق کی روشنی۔ (جی بالکل، عذرا صاحبہ آپ سب بہنوں کی تسلی کے لیے ہی لکھتی ہیں)۔ میری بہنوں فرحت ناہید، شہر بانو، ماہ نور کی طرف سے عذرا رسول اور آپ کو بہت سلام پیار۔ میرے پیارے بھانجوں جہانزیب، سہیل، شہریار اور حسنین کی طرف سے محبت بھرے سلام۔ پیارے بھانجوں ماہ نور کے سالار اور یاسر کی طرف سے شکریہ۔ اتراتے پھرتے ہیں کہ ہمارا نام پاکیزہ میں آتا ہے میرا اور میری فیملی کا نام پاکیزہ میں شائع ہونا ہمارے لیے بہت بڑا اعزاز ہے (ہمارا بھی سلام پہنچا دیں یہ سب آپ کی محبت اور خلوص ہے، اللہ آپ سب کو سلامت رکھے)۔ پاکیزہ کے لیے سہیل (بھتیجا) سے میں نے کہا کہ پڑھ کر سنا دیا کرو، ہاتھ کی تکلیف کی وجہ سے میں پڑھ نہیں سکتی تھی۔ فرمایا گیا کہ پاکیزہ سنانے کا ریٹ زیادہ ہوگا دوسری کتابوں کی نسبت کیونکہ یہ آپ کو ہم سے بھی زیادہ پیارا ہے۔ صریحاً بلیک میلنگ۔ میرے میاں فلک شیر کی طرف سے بھی پاکیزہ کو سلام۔" (وعلیکم السلام! اللہ آپ کی شگفتہ بیانی سلامت رکھے۔ ہم بھی آپ کی محبتوں کے مقروض ہیں ڈیئر)

✉ زاہدہ پروین، میرپور خاص۔ اللہ آپ کو بھی سلامت رکھے اور آپ کے شوہر کو بھی عمر طویل دے۔ بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنی بچیوں کی ذمے داری بہ احسن پوری کی۔ آپ کی دعائیں ہمارے ساتھ رہیں تو پاکیزہ ترقی کرتا چلا جائے گا۔ عذرا صاحبہ دعاؤں کے لیے شکریہ کہتی ہیں۔

✉ عصمت، اوکاڑہ سے۔ "میں تو پاکیزہ کی بہت' بہت پرانی قاری ہوں، کبھی کبھی فون کر کے تبصرہ کرتی ہوں اس لیے کہ خط لکھنا میرے بس کی بات نہیں۔ میرے تو سارے گھر والے پاکیزہ پڑھتے ہیں اور سب لوگ میری پاکیزہ سے وابستگی کو جانتے ہیں بس رمضان میں ہمارے گھر ایک سانحہ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے دل بہت اداس رہا۔ بھانجی کے شوہر کا ایکسی ڈنٹ میں انتقال ہو گیا۔ میں دو مہینے اسی کے پاس تھی۔ میرے اپنے بچے نہیں ہیں مگر بہن، بھائی اور نند، دیور جیٹھ کے بچے مجھے چھوٹی نانو اور چھوٹی دادو کہتے ہیں۔ سب نے مجھے بہت پیار دیا۔ پاکیزہ قارئین کا بھی تو آپس میں رشتہ ہے۔ یہاں ہم سب دکھ سکھ بانٹتے ہیں انجم باجی سے بھی بہت اچھی دعا سلام تھی۔ آپ کا شکریہ کہ بہت اچھی طرح بات کی۔" (عصمت بہن سب سے پہلے تو تعزیت قبول کریں اور اگر آپ فون پر تبصرہ لکھوانا چاہتی ہیں تو کوئی بات نہیں۔ پاکیزہ سے آپ کی وابستگی کی دل سے قدر کرتے ہیں۔ آپ سب قارئین کے پُرخلوص ساتھ نے ہی ہمیں حوصلہ دیا ہوا ہے۔ جبھی تو بہنیں یہاں اپنا دکھ، سکھ آرام سے کہہ دیتی ہیں۔ اس لیے کہ دوستوں کے پُرخلوص جملے دل کو تقویت دیا کرتے ہیں۔ اللہ آپ کو اور آپ کی بھانجی اور بچوں کو صبر جمیل عطا فرمائے.... الٰہی آمین)

✉ شاہینہ مبارک، ہالہ۔ آپ کے فون کرنے کا شکریہ، پاکیزہ کے لیے آپ کے جذبات قابل قدر ہیں۔ تفصیلی تبصرہ بھی ضرور بھیجیں۔

✉ طیبہ عنصر مغل، راولپنڈی سے۔ "سب سے پہلے تو سرورق کی تعریف نہ کرنا سخت ناانصافی ہوگا اس کے بعد دین کی باتوں اور اسمائے گرامی نے ایمان کو تازگی بخشی، اس کے بعد ذکیہ بلگرامی کے تو ہم ممنون رہیں گے کہ کس قدر عرق ریزی سے دین کی معلومات بانٹ رہی ہیں۔ سلامت رہیں آمین، اب بات کرتے ہیں سلسلے وار ناولز کی تو دونوں ہی بہت خوب صورتی سے آگے بڑھ رہے ہیں لیکن اس بار مجھے شیریں حیدر کا ناول بہت ہی زبردست لگا ہے، رفعت سراج بھی مشکل نہیں لکھ رہی ہیں۔ پتا نہیں کچھ قاری بہنوں کو مشکل کیوں لگ رہا ہے (اپنی، اپنی پسند ہے) اپنی تو آگ بھی پیاری ناہید سلطانہ جی بہت خوب، مبارک باد کی مستحق ہیں پیاری دوست سحر ساجد کا من جان بازم میرا فیورٹ رہا لیکن اس کا اختتام لگتا ہے جلدی میں کیا، کچھ کردار بکھر گئے جیسے تیمور کے بارے میں کچھ نہیں لکھا بہرحال مومی سے حیدر کی شادی بہت انوکھا انداز بہت خوب، (ڈیئر یہ تین چار قسط پہلے تیمور کا قصہ انجام کو پہنچ چکا تھا) ہاجرہ ریحان کی اس بار کی کہانی پہلے جیسی نہیں تھی اس کہانی میں کچھ باتیں ہضم نہیں ہوئیں۔ غزالہ عزیز نے اچھے طریقے سے اختتام کیا، بہت مبارک قرۃ العین سکندر رویل ڈن، عید، محبت اور تم میں کچھ نیا پن نہیں تھا معذرت کے ساتھ مگر اچھا

ہے۔فرحین اظفر کی خدا جانے، بہت پیاری تحریر، ماشاء اللہ لکھتی رہیں ایسی ہی پیاری، پیاری تحاریر، میں عورت ہوں ایک اچھی تحریر لیکن ایک عورت جو بہت بولڈ ہے اور دوسروں کی مدد کے لیے کھڑی ہونے والی اپنے لیے اتنی کمزور کیسے اور بے وقوف بھی اور سب کچھ جانتے بوجھتے کئی سوال اٹھتے ہیں، بہر حال اندازِ تحریر بہت خوب صورت (عورت کبھی کبھی اپنے شوہر کے ہاتھوں کمزور بھی پڑ جاتی ہے۔) ضرورتِ پاکستان وطن کے موضوع پر لکھنے کی اچھی کاوش لیکن تحریر میں کچھ مزہ نہیں آیا۔ سیمارضا بہت، بہت مبارک باد پیاری آپ نے تو ہم کو عبث بدنام کیا لکھ کر کمال دھمال کر ڈالا واہ سبحان اللہ، ناہید فاطمہ حسنین۔ جی آپ کو ہم یہی کہیں گے کہ عذرا اپیا کے بہت ممنون و مشکور ہیں کہ ان کی وجہ سے آپ نے لکھا اور ہم ایک بہترین تحریر پڑھ سکے میرا پیغام ہے کہ اب لکھتی رہیں پلیز ایسا ہی ادب پڑھنے کو دل چاہتا ہے پاکیزہ کے معیار کا تقاضا ہے یہ، مہر وفا فرح بھٹو اچھا لکھا لیکن ایک تو اس طرح کی تحریر کافی دفعہ پڑھ چکے اور دوسرے تھوڑی محنت اور بہنا، صبح آرزو، ایک اچھی تحریر ہے، منشا محسن علی بہت اچھا لکھا لیکن منطقی طور پر آمنہ اور رحمان علی والی کہانیوں کا آپس میں تال میل ہی نہیں ملایا آپ نے تشنگی سی رہ گئی۔ (دوبارہ پڑھیں تشنگی دور ہو جائے گی) اختر شجاعت جی آپ کو اللہ تعالیٰ بہت ساری راحتوں سے نوازے (آمین) بہت ہی اچھی طرح ہماری دینی تربیت کر رہی ہیں۔ جزاک اللہ! عذرا آفتاب سے ملاقات .... بہت خوب صورت رہی، سلامت رہیں عقیلہ حق جی کا خصوصی ذکر کروں گی کہ ان کے دونوں افسانے بہت ہی اعلیٰ تھے ماشاء اللہ! باقی پورا کا پورا پاکیزہ ہی پاکیزہ ٹیم کی محنت کا عکاس رہا پاکیزہ ڈائری، بزم پاکیزہ، میں اکثر گنگناتی ہوں اور ہومیو کلینک، خوش ذائقہ ہو یا حسن نکھاریے یا کارنرز سب بہترین اب آخر میں بہت شکریہ نزہت اصغر جی آپ نے بہت خوبی سے پاکیزہ کو سنبھال لیا۔ بے شک انجم آپی کی کمی پوری نہیں ہو سکتی لیکن آپ ناکام نہیں رہی ہیں یہ طے شدہ بات ہے، بہنوں کی محفل میں عذرا اپیا ہم سے بات کرنے آئیں اس وجہ سے محفل کا رنگ ہی کچھ اور ہو گیا واہ اپیا اب آپ بھی مستقل تھوڑی سی بات کر لیا کریں (جی عذرا صاحبہ ضرور پاکیزہ بہنوں سے باتیں کرتی رہیں گی انشاء اللہ) اور اداریہ بے مثال تھا میں نے دو تین بار پڑھا سادہ الفاظ میں بہت اچھے پیغام .....'' (تفصیلی اور دقیق تبصرے کا شکریہ...... آپ لوگوں کی تجاویز اور تعاون سے ہی ہم اسے مزید بہتر کرتے رہیں گے)

✉ تسنیم کوثر، کراچی سے۔ ''اگست کا شمارہ پڑھا سب سے پہلے من جان بازم کی لاسٹ قسط پڑھی اس کہانی کا اینڈ واقعی بہت اچھا لگا۔ او ور آل من جاں بازم مناسب تحریر تھی (مبارک ہو سحر)۔ یہ کہاں بچیں کہ دل ہے کیا عرض کریں اس کے بارے میں لفظوں کی خوب صورتی کے ساتھ ایک تصوراتی طلسمات کسی اور دنیا کی ماورائی اونچے خوابوں سے سجی تحریر جو ہماری حقیقی دنیا سے بالاتر ہو کر ناول کی صورت میں ہم پڑھ رہے ہیں دل کو نہیں لگ رہی ویری سوری (اپنی، اپنی پسند ہے ڈیئر) ہم کو عبث بدنام کیا سیمارضا ردا کے ناول میں کوئی چارم نہیں رہا۔ ناہید فاطمہ حسنین کا کوہِ گراں پڑھا یقین نہیں آتا کہ آج کل کے دور میں بھی اپنی غلطی پر پشیمان ہو کر کفارہ ادا کرنے والے بھی لوگ ہوتے ہیں اسے بھی بہتر ناولٹ کہہ سکتے ہیں۔ غزالہ عزیز کا ناولٹ مسافت لاجواب، بے مثال نہایت شاندار لگا۔ افسانوں میں محبت میں رنگے اسے تو چاکلیٹی افسانہ کہنا چاہیے اتنی زیادہ محبت، لگتا ہے کچھ زیادہ ہی شوگر میں بھگو کر لکھا گیا ہے۔ عید محبت اور تم بالکل بچگانہ تحریر لگی۔ پسند نہیں آئی۔ (چلیں باقی تو پسند آئیں ناں) باقی افسانوں میں صبح آرزو اور بیٹی اچھے لگے۔ مگر گولڈن اسٹار' طیبہ عنصر مغل نے لاجواب لکھا۔ بالکل حقیقت سے قریب آج کل کے ماحول کے مطابق بالکل درست لکھا بہت پسند آیا، طیبہ ویل ڈن۔ شمع ہدایت میں اختر شجاعت صاحبہ نے غیبت کے بارے میں نہایت تفصیل سے بیان کیا ان کا اندازِ بیاں دل میں اترتا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس برے عمل سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ باقی تمام سلسلے نہایت عمدہ رہے۔ خاص کر بہنوں کی محفل تو پاکیزہ کی جان ہے اور پیاری دوست نزہت آپ نے بھی بہت پیار سے بہنوں کی محفل کو سجا رکھا ہے۔ ہمیشہ خوش رہیے۔ اللہ حافظ۔'' (تسنیم تفصیلی تبصرے کا شکریہ اور آپ کی دعاؤں کے لیے بہت، بہت نوازش آپ سب بھی تو اتنے خلوص سے شرکت کرتے ہیں)

✉ آسیہ مظہر چوہدری، آزاد کشمیر۔ ''آسیہ آپ مطالعہ جاری رکھیں۔ مصنفات کی تحریروں کو باریک بینی سے پڑھیں اور کچھ سیکھیں پھر لکھیں۔ کہانیوں پر تبصرہ بھی ضرور کریں۔ آزاد کشمیر سے قارئین کی ایک بڑی تعداد محفل میں شرکت کرتی ہے۔ آپ اپنا تعارف، علاقے کا تعارف اور کوئی دلچسپ واقعہ، بات ضرور بھیجیں۔ سلسلہ باتیں بہار و خزاں کی میں ضرور شرکت کریں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



فریدہ افتخار، اسلام آباد سے۔ ’’عرصہ دراز کی غیر حاضری کے بعد حاضرِ خدمت ہوں پاکیزہ اور پاکیزہ والوں سے رابطہ قدرے منقطع رہا۔ انٹرنیٹ کے سہارے کچھ شمارے زیرِ مطالعہ رہے مگر جو مزہ ہاتھ میں رسالہ لے کر پڑھنے کا ہے وہ کہاں (یہ تو بالکل درست کہا) جو جھٹکا میرے دل کو لگا وہ انجم انصار کا رسالے کو چھوڑنے کا ہے۔ ہم تو ان کے اس قدر عادی ہو چکے تھے کہ سب سے پہلے بہنوں کی محفل پڑھتے۔ جولائی کا شمارہ پڑھ رہی ہوں سب کچھ ویسا ہی ہے اگر کمی ہے تو وہ انجم انصار صاحبہ کی (جی وہ تو ہے) کس طرح انہوں نے تمام قاری بہنوں لکھاری بہنوں اور ادارے کو جوڑے رکھا تھا۔ قابلِ صد تعریف ہے۔ مرے پاس ان کے گھر کا جو نمبر ہے کئی بار رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر جواب ندارد۔ (ان کا وہی فون نمبر ہے۔ وہ کچھ مصروف ہوں گی۔ ویسے وہ خیریت سے ہیں) نزہت اصغر صاحبہ خوش آمدید، آپ کا نام نیا نہیں ہے مگر یہ محفل سجانے کی اب آپ کی باری ہے۔‘‘ (جی سراہنے کا شکریہ...... آپ کا تعاون چاہیے فریدہ آپ کا نام بھی میرے لیے نیا نہیں خوش آمدید)

انیلا احمید، پیرس سے۔ ’’میرے پسندیدہ میگزین میں پاکیزہ سرفہرست ہے۔ میرا نہیں خیال کہ کوئی بھی مہینہ ایسا ہو کہ پاکیزہ میری لائبریری کی زینت نہ بنا ہو۔ (بہت خوب) اس میں معیاری اور خوب صورت کہکشاں بکھیرتی کہانیاں پڑھنے اور سمجھنے کو ملتی ہیں۔ پاکیزہ میں لکھنے والی بہنیں بھی خواتین کے لیے ایک کہکشاں کے مانند ہیں۔ جو اداس دلوں کو جگمگاتی ہیں۔ ان کی حکمت و دانائی کے موتی جیسے الفاظ ہماری زندگی کی گرہیں سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پاکیزہ ہر لحاظ سے ایک مکمل اور معیاری میگزین ہے جو خواتین کی زندگی کے ہر گوشے کو سنوار رہا ہے۔ کوئی پل ایسا نہیں ہوتا جب دیارِ غیر میں اپنے وطن کی یاد نہیں آتی ہو۔ ایسے میں پاکیزہ کی تحریریں ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کی طرح اپنے لوگوں، اپنے وطن کی یاد تازہ کر دیتی ہیں۔ آپ سب کے لیے ڈھیروں دعائیں۔‘‘ (انیلا آپ کی آمد سر آنکھوں پر رسالے کی پسندیدگی کا شکریہ...... ہماری تو یہی کوشش ہوتی ہے اسے بہتر سے بہترین بنائیں۔ بس آپ لوگوں کا ساتھ چاہیے)

زرینہ الماس، گوجرہ سے۔ ’’مجھے سب رسالوں میں پاکیزہ بہت اچھا لگتا ہے آپ یقین کریں پانچویں جماعت میں تھی تو شروع کیا تھا۔ بڑی بہنوں سے چھپ چھپ کر پڑھتی تھی۔ اب تو ایک عمر گزر گئی۔ پڑھتے پڑھتے۔ پاکیزہ کے سب سلسلے اچھے لگتے ہیں۔ شروع سے لے کر آخر شوابے کلینک تک پڑھتی ہوں۔ آپ کو دلکش کے زمانے سے جانتی ہوں۔ انجم باجی کے بعد آپ نے بھی بہت اچھا سنبھالا ہے میں تو اتنے سنبھال کر رسالہ رکھتی ہوں کہ اگر صفحہ مڑ جائے تو استری سے سیدھا کرتی ہوں (واہ بھئی خوب) کچھ بہنوں کو پرانے رسالے اگر چاہئیں تو میرے پاس ہیں اگر کوئی لینا چاہیے کیونکہ میں گھر شفٹ کر رہی ہوں رسالے ردی میں دینے کو دل نہیں چاہتا۔ (بہنیں متوجہ ہوں) اور اپنے سامنے کسی ایسے ویسے کو دے دوں جو قدر نہیں کرے تو وہ میں دیکھ نہیں سکتی...... میں سچ کہہ رہی ہوں آپ سے...... پہلے تو میں باقاعدگی سے یو کے اپنی بہن کو بھجواتی تھی اب بیماری کی وجہ سے وہ پڑھ نہیں پاتی ہیں۔ میری طرف سے عذرا رسول صاحبہ کو بہت سلام اور پاکیزہ کے تمام لوگوں کو بھی سلام۔‘‘ (زرینہ آپ کی دلی وابستگی کی ہم دل سے قدر کرتے ہیں۔ بہت خوشی ہوئی آپ سے بات کر کے...... پاکیزہ کو پسند کرنے کا شکریہ)

حدیث اختر، حاصل پور سے۔ ’’باجی مجھے بہنوں کی محفل میں شامل کرنے کا شکریہ۔ میں بہت چھوٹی عمر سے آپ کا رسالہ پڑھ رہی ہوں اب تو میری نواسی بھی گیارہ سال کی ہوگئی ہے (ماشاء اللہ) اور اتفاق سے آدھے خاندان کی پیدائش اگست کی ہے (چلیں آپ پھر بھی سالگرہ ہوں کی مبارک باد لے لیں حدیث) باجی اگر بیٹا منیب پاکیزہ وقت پر نہ لائے تو یہی دھمکی کافی ہوتی ہے کہ منیب مجھے پاکیزہ لا دو ورنہ رات کے کھانے کا مجھ سے مت پوچھنا (ارے بھئی ایسا غضب نہ کیا کریں اگر دکان بند ہوئی تو بیچارہ بھوکا ہی سو جائے گا ہاہاہا) شاباش نزہت اصغر آپ نے بہت اچھا اداریہ لکھا۔ (بہت شکریہ) باقی سب کچھ بہت اچھا ہے۔‘‘

✉ تہمینہ عباسی، بہاول پور۔ آپ کی کہانیاں قابلِ اشاعت ہیں۔ اپنی باری کا انتظار کیجیے۔

رومانہ انور، اسلام آباد سے۔ ’’میں بار، بار یہی کہوں گی کہ آپ لوگ بہت نیکی کما رہے ہیں۔ آگاہی اور شعور بانٹنا بہت بڑا کام ہے۔ آپ کی محفل کے ذریعے بہت لوگوں کے مسائل حل ہوتے ہیں۔ شہناز جن کو بریسٹ کینسر تشخیص ہوا

ہے ان کے لیے عرض ہے کہ فوری علاج کروائیں۔ زیادہ دیر مت کریں انشاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گی معمولی سرجری ہو گی پریشان نہ ہوں۔ اپنی سوچ کو مثبت رکھیں بس مسکرائیں اور میں بحیثیت ایک ڈاکٹر یہ ضرور کہوں گی کہ خواتین اپنی صحت کا خود خیال رکھا کریں اپنی جانب سے غفلت مت برتیں کیونکہ آپ کی صحت پر ہی سارے گھر کا کارخانہ چلتا ہے۔ سیما بنت عاصم آپ پتے کے درد سے پریشان نہ ہوں سرجری کے علاوہ بھی اس کا علاج ممکن ہے چکنائی، چاول اور بادی اشیا سے پرہیز کریں۔ میڈم افتخار شوق کے لیے بطورِ خاص عرض ہے کہ ہومیو پیتھک کی آرنیکا جیل سے مالش کریں آپ کے درد میں ضرور آرام آئے گا۔ اس دفعہ بھی ساری کہانیاں بہت عمدہ تھیں۔ کارنرز بڑی محنت سے تیار کیے گئے۔'' (رومانہ علاج اور نسخے بتانے کا شکریہ آپ بھی تو نیکی کما رہی ہیں جزاک اللہ!)

ٹھ صفیہ بیگم، لالہ موسیٰ سے۔'' آپی عذرا سے بات کر کے بہت خوشی ہوتی ہے پاکیزہ تو میرے بچپن کا ساتھی ہے۔ شادی کے بعد بھی پاکیزہ نہیں چھوٹا بلکہ اباجی نے بطورِ خاص میرے شوہر سے پاکیزہ کے متعلق کہا کہ صفیہ کو رسالہ پڑھنے سے نہیں روکنا۔ میرے شوہر میرے پھوپی زاد ہیں۔ ماموں کا آرڈر سن کر وہ خاموش ہو گئے اور کبھی رسالہ پڑھنے سے نہیں روکا۔ ایک دفعہ تو حد ہو گئی میں بہت بیمار پڑ گئی کہ ہلا جلا نہیں جا رہا تھا مگر پھر بھی رسالہ نہیں چھوڑا۔ میرے ایک رشتے دار مجھے دیکھنے آئے تو حیران رہ گئے کہ اس بیماری کے عالم میں بھی پاکیزہ پڑھنا نہ چھوڑا میں نے تو یہ تک کہہ دیا ہے کہ رسالے بھی میرے ساتھ ہی دفن کر دینا اجازت ملنے پر پڑھ لیا کروں گی۔ ویسے میری آخری بات پر کوئی اعتراض بھی کر سکتا ہے مگر میرا مقصد تو رسالے سے وابستگی بتانا ہے۔'' (اچھا ہوا صفیہ آپ نے اپنی بات کی صفائی خود دے دی ورنہ تو خطوط کی بھرمار ہو جاتی۔ رسالے کی اتنی پسندیدگی پر خوشی ہوئی۔ آپ لوگوں کا تعاون ہے جو آپ کی پسند کی چیزیں ہم شامل کرتے ہیں)

ٹھ ثریا فرخ، کراچی سے۔'' اتنا اچھا رسالہ اس تسلسل سے نکالنے پر عذرا رسول اور آپ سب بہت مبارک کے مستحق ہیں۔ اگست کے رسالے میں من جاں بازم کی آخری قسط پڑھی بہت زبردست ناولٹ ہے۔ میں پاکیزہ کی ایک بہت پرانی قاری ہوں، کئی عشروں پر محیط میرا اور پاکیزہ کا ساتھ محبت اور عادت میں بدل چکا ہے۔ امرت حسبِ معمول شیریں حیدر بازی لے گئیں۔ ہر قسط زبردست، گوشۂ ظرافت بہت اچھا اضافہ ہے۔'' (آپ کی بھیجی گئی کہانیاں بہت عمدہ ہیں۔ مختصر تبصرے کا شکریہ...گوشہ ظرافت آپ سب کی فرمائش پر شروع کیا ہے)

ٹھ شمائلہ دلعبادُ صلالہ عمان سے۔'' پاکیزہ بہت اچھا لگتا ہے۔ من جاں بازم ہارٹ فیورٹ ہے۔ رفعت آپی کا تو جہاں کہیں آتا ہے تو ضرور پڑھتی ہوں۔ ٹین ایج سے پڑھ رہی ہوں۔ ہاجرہ ریحان کا جب بھی افسانہ آتا ہے اچھا لگتا ہے۔ شوق سے پڑھتی ہوں۔ بہنوں کی محفل میں جیسے آپ لکھتی ہیں ویسے ہی بات بھی کرتی ہیں۔ یہاں پاکستان سوشل کلب میں نے جوائن کیا ہے۔ ہم سب خواتین مل کر پڑھتی ہیں۔ انڈین اردو پڑھنے اور سمجھنے اور بولنے والے پاکیزہ شوق سے پڑھتے ہیں۔ کافی ریڈرشپ بڑھی ہے۔ یہاں بک ریڈنگ پر زور ہے۔ ہماری رائٹرز بہت شعور دے رہی ہیں۔ یہ ایڈیٹرز کی بھی خوبی ہے کہ اچھا میٹر چنتی ہیں۔ پاکستان کے تقریباً تمام ڈائجسٹ، رسالے، اخبار یہاں پڑھے جاتے ہیں۔ اللہ آپ کو اس کا اجر دے کہ نوجوان لڑکیاں اور شادی شدہ خواتین آپ کے رسالوں کے ذریعے رہنمائی حاصل کر رہی ہیں۔'' (شمائلہ بہت خوشی ہوئی آپ سے جان کر کہ وہاں پاکیزہ پڑھنے والوں کی ایک بڑی تعداد ہے ہم صلالہ میں بھی اس کی ترسیل آسان بنائیں گے اور اس کے لیے سالانہ خریداری کے اشتہار سے معلومات آپ کو رسالے سے ہی مل جائیں گی رائٹرز تک آپ کا پیغام سلام پہنچا رہے ہیں۔ آپ لوگوں کا یہی تعاون ہے کہ پاکیزہ پڑھیں اور تعمیری اصلاحی تنقید ضرور کریں)

ٹھ حرا قریشی، ملتان سے۔'' جب میں فائیو یا سکس گریڈ میں تھی کسی رسالے کو اٹھا کر دیکھتی نہ دیکھتی پاکیزہ کو ضرور اٹھا کر دیکھتی اس کے رنگین صفحات کی وجہ سے پاکیزہ جیسے نایاب جریدے سے تعلق ہونے کے باوجود اس کی بزم میں یہ میری پہلی شرکت ہے۔ آج قلم نے شور مچایا تو قرطاس کے سینے پر کئی باتیں رقم کرنے کو مچل اٹھا امید ہے پاکیزہ کے صریر خانہ میں شرکتِ یار بھلی لگی ہو گی (جی بالکل)۔ اس میں شک نہیں کہ عزیزی نزہت اصغر کا اس ماہ کا اداریہ پاک سرزمین سے محبت کا دلکش غماز تھا۔ دین کی باتیں تو ایک سحر انگیز وجدانیت کا بحر معلوم ہوتی ہیں کہ جس کے آب سے جس قدر تشنہ لبی دور کی جائے

کم ہے۔ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کا دیدار خیر کریں تو فرشتہ صفت لوگوں کا خیال آتا ہے جن کے چراغِ نور کی روشنی سے ہر ذی روح کا مستفید ہونا بے حد ضروری ہوتا ہے۔ (جی ہاں) رفعت سراج کی بات ہو اور معیار نہ ہو ارے میاں کیسی باتیں کرتے ہیں۔ یہ کہاں بچیں کہ دل...... بلاشبہ اعلیٰ درجے کی معیاری تحریر ہے جسے قلمکار کا قلم خوش اسلوبی سے منزلِ مقصود تک پہنچا رہا ہے۔ ناہید سلطانہ اختر کا ڈاکٹر موٹو کی بپتا سناتا مختصر افسانہ برجستگی و روانی کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ آہا سحر ساجد کے قلم کی تو بات ہی نرالی ہے کہ جو بھی لکھتی ہیں ہوتا وہ بڑا مثالی ہے۔ من جاں بازم کا بہترین طریقے سے اختتام اس بات کی بخوبی گواہی دیتا ہے۔ ہاجرہ جی کے پہلے بھی افسانے پڑھے ہیں اس بار بیٹی بھی ان کے قلم کا حق ادا کرتا دکھائی دیا۔ رب سوہنا ہر بیٹی کا بخت نیک کرے اور اپنی خصوصی رحمت کی چھاؤں میں رکھے۔ آمین...... غزالہ جی کے ناولٹ کا پہلا اور آخری حصہ دونوں اچھے رہے۔ پیاری قرۃ العین سکندر کے معاشرتی موضوعات پر لکھے افسانے ان کی قابلیت کا ثبوت ہیں۔ محبت میں رتجگے بھی اچھا رہا۔ شیریں حیدر کی تحریر توجہ طلب ہے۔ زندگی تنویر خلیل کا افسانہ بے حد پسند آیا۔ زوجہ دکاندار اور ٹماٹروں کے محاذ نے تحریر میں کئی رنگ بھر دیے۔ (خوش ہو جاؤ اب پیاری لڑکی) فرحین اظفر نے مختصر سی تحریر میں محبت کے اچھوتے رنگ سے آگہی بخشی۔ میں عورت ہوں کمال کا ناولٹ تھا۔ گولڈن اسٹار کے توسط ایک تلخ نکتے پر سے طیبہ عنصر نے پردہ اٹھایا۔ بڑھتی بے راہ روی اور آزادی کی بنا پر استاد اور شاگرد میں محدود فاصلے کا تعین بے حد ضروری ہے۔ قبل اس کے کہ پانی سر سے گزر جائے۔ کوہ گراں بہت خوب صورت نام تحریر کی طرح...... ناہید اور عذرا رسول کی محبت پر بے اختیار پیار آیا۔ سلامت رہیں...... اب تو کوئی خضر ملے ٹپ ٹپ پڑتی بوندوں کی مانند پھر سے کسی نے ایک بار حب الوطنی کی برسات میں نہلا دیا۔ سرسید ہال کی سیڑھیوں پر کھڑے اب بھی جانے کتنے کسی جناح کی راہ تک رہے ہیں...... اس دور میں ایسی تحریریں لکھنے، پڑھنے اور شائع کرنے والے بھی شاید خبطی ہیں سو بالاصل میں بھی تو ایک خبطی ہو، غیبت پر رقم اختر شجاعت کا مضمون بہترین رب سوہنا اس بدفعل سے ہر فرد کو محفوظ رکھے۔ پھولوں سی مہک والی عذرا آفتاب سے ملاقات ہوئی کہ آپ اپنا تعارف ہوا بہار کی ہے۔ جشنِ آزادی سے متعلق سروے میں سب کے جوابات جان کر مزہ آیا۔ موسم گرما پر کرن کا آرٹیکل خوب تھا۔ باتیں بہار و خزاں کی...... جبیں اور ملالہ دونوں کے جوابات عمدہ تھے۔ ہما بیگ نے خواتین کے کردار پر اچھی طرح روشنی ڈالی۔ صبا کی سوگوار عید نے پل بھر کو سوگوار کیا۔ گوشۂ ظرافت حسبِ معمول پُرلطف تھا۔ بہنوں کی محفل میں جس بے لوث محبتوں اور احترام سے بہنوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے اس کا الفاظ میں احاطہ کرنا مشکل ہے اور اس کا کریڈٹ پاکیزہ کی ہونہار ٹیم کو جاتا ہے۔ پاکیزہ ڈائری ہو، میں اکثر گنگناتی ہوں، بزمِ پاکیزہ، حسن نکھاریے، غزلیات یا خوش ذائقہ ہر سلسلہ ایک سے بڑھ کر ایک ہے۔ اگر میں کہوں یومِ آزادی کا یہ شمارہ ہر لحاظ سے قابلِ تعریف تھا تو غلط نہ ہوگا۔'' (حرا بہت مفصل تبصرے کا شکریہ...... ہماری سب ہی رائٹرز تن دہی سے قارئین تک مثبت سوچ پہنچانے میں کوشاں ہیں اور آپ سب کی شرکت ہی رسالے کو پُرلطف بناتی ہے)

✿ عظمیٰ زہری، اوستہ محمد، بلوچستان سے۔ ''اگست کی ماڈل جلتے دیے کے ساتھ بڑی خوب صورت لگی۔ یوں جیسے دیے کو دیکھ کر پروانہ ارد گرد منڈلا رہا ہو۔ یہ کہاں بچیں کہ دل ہے رفعت آنٹی کا ناول اب سمجھ آ رہا ہے۔ زبردست موڑ لیا ہے ناول نے۔ (چلو تمہیں جلدی سمجھ آ گیا جبھی تبصرہ بھی کر رہی ہو۔ شاباش) لیڈی صوفیہ کسی بھی قسط میں اپنے عشق کی داستان بیان کرنا نہیں بھولتیں۔ (یہی تو اس کا تھیم ہے) شیریں حیدر جی کا امرت من پسند ناول ہے۔ اس ناول میں ایک خاندان کی کہانی ہے جہاں کچھ فیصلے بڑے وقت سے پہلے کرتے ہیں تو ضروری نہیں کہ بچے ان فیصلوں کو مانیں اور یہیں پر آ کر خاندان بکھر جاتے ہیں۔ دلوں میں کدورتیں بڑھ جاتی ہیں اور مرتے دم تک ایک دوسرے کے چہرے نہ دیکھنے کا فیصلہ کیا جاتا ہے یہ تو پھر ہر گھر، ہر خاندان کی کہانی ہے۔ (رائٹر کی نظر گہری ہوتی ہے جبھی تو بہترین تخلیق وجود میں آتی ہے) ہم کو عبث بدنام کیا' سیما رضا ردا خوب جا رہا ہے آہستہ آہستہ روزی کے ماضی سے پردے ہٹتے جا رہے ہیں۔ مہر النسا اور زوار شاہ کا کچھ کنکشن ہے محبت اللہ کی انٹری ناول میں نیا موڑ لے آئی ہے۔ (جی بالکل) ریبال کا کردار زبردست ہے سحر ساجد کا من جاں بازم...... میرا فیورٹ ناولٹ سحر ساجد کی خاصیت یہ رہی ہے کہ تحریر کے حصار سے نکلنے نہیں دیا۔ کیا کسی کے ہاتھ میں اتنا جادو ہو سکتا ہے وہ مجھے جہاں کہیں ملیں تو ان کے ہاتھ چوم لوں۔ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں ان کی تعریف کر سکوں آخر کار مومنہ مجیب عالم کا حصار ٹوٹ گیا ویلڈن، سپرب (سحر ساجد شکریہ کہتی ہیں) بہت خوب اداریے

میں ہر پاکستانی کے لیے ایک پیغام نظر آیا دین کی باتیں اور ڈاکٹر ذکیہ کے قلم سے لکھے موتی پڑھ کر دل و جان کو سکون سا ملا۔ جانوروں کا تذکرہ پڑھا کہ اللہ نے انسانوں کو نافرمان کرنے پر کیسا کیسا بنادیا جانوروں سی شکل دی۔ جانوروں کی مثالیں دے کر ہدایت کی ہے اللہ تعالیٰ ہماری خطاؤں کو معاف فرمائے آمین۔ ایک بات پوچھنی ہے جون کے شمارے میں اکثر گنگناتی ہوں میں ایک شعر تھا۔ جمیلہ بلوچ کا بھیجا ہوا۔ مجھے ان سے پوچھنا ہے۔ جمیلہ بلوچ کیا آپ منصورہ سندھ سے ہیں کیا اگر آپ وہی ہیں تو میں آپ کی اسٹوڈنٹ عظمیٰ زہری ہوں مس جمیلہ بلوچ اور فرح بھٹو کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ آپ کہاں سے ہو؟ پلیز میرا پیغام ان تک پہنچایئے گا۔ (بھئی جمیلہ بلوچ اور فرح بھٹو اگر پڑھ رہی ہوں تو پاکیزہ کے ذریعے عظمیٰ زہری سے رابطہ کرلیں) میں عورت ہوں اب تو خضر ملے، ضرورتِ پاکستان بہت پیاری کہانیاں تھیں سبق آموز اور دل موہ لینے والی خون میں جوش سا بھر گیا ان کہانیوں کو پڑھ کر گولڈن اسٹار طیبہ عنصر مغل کی کہانی پڑھ کر لرز ہی گئی۔ ویری نائس طیبہ جی ہمارے ضمیروں کو جگانے کے لیے، ہاں یہ سچ ہے ہم مائیں آج کل موبائل، ٹی وی، کمپیوٹر بچوں کو تھما کر خود کو آزاد کرلیتی ہیں بچے تو بچے ہیں انہیں جس سانچے میں ڈھالو وہ ویسے بنیں گے یہ ہم والدین کی ذمے داری ہے ان کی کیسی تربیت کرتے ہیں۔ آپ نے ماں کی گود کو پہلی درسگاہ یوں ہی تو نہیں کہا ناں۔ اولاد کی تربیت کی بہت بڑی ذمے داری ہے۔ آنکھیں کھولنے کے لیے بہت، بہت شکریہ طیبہ جی" (مفصل تبصرے کا شکریہ...... پاکیزہ مصنفات ایسے ہی سوشل ایشوز پہ قلم اٹھاتی ہیں)

فریدہ تحمل، ڈالاس امریکا سے۔ "میں آپ کے چاروں رسالوں کی برسوں سے خاموش قاری ہوں جن میں پاکیزہ میرا موسٹ فیورٹ ہے۔ اس میں تقریباً سبھی بہترین لکھنے والے ہیں۔ جی چاہتا ہے پاکستان جاکر ان سے ملوں اور کہوں کہ مجھے بھی لکھنا سکھادیں۔ (جی ضرور آئیں) لیکن ہم ہندوستانیوں کو ویزے کا مسئلہ ہے۔ خیر کوشش کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا۔ میں خود بھی شارٹ اسٹوریز لکھتی ہوں۔ اگر بھیجوں تو آپ شائع کریں گے۔ خط مختصر اس لیے لکھ رہی ہوں کہ آپ اسے ردی کی ٹوکری کی نذر نہ کردیں۔" (خوش آمدید، آکر دیکھ لیجیے گا خطوط کے لیے کوئی ردی کی ٹوکری نہیں ہے۔ رسالوں کی پسندیدگی کا شکریہ...... آپ ضرور کہانی بھیجیں پڑھ کر فیصلہ کیا جائے گا۔ اگلی مرتبہ کہانیوں پر تبصرہ بھی ضرور لکھیے)

☆☆☆

پیاری بہنو! محفل کا وقت تمام ہوا مگر اب بھی کئی خطوط منتظر ہیں تو انہیں آئندہ شمارے میں ضرور جگہ ملے گی۔ آپ سب کی صحت وسلامتی کی دعاؤں کے ساتھ اجازت طلب کرتے ہیں۔ سانس کی ڈور یونہی بندھی رہی تو اگلے ماہ مزید جوش و خروش سے محفل سجائیں گے۔ دفتر کا مکمل پتا اور رابطہ نمبرز اس صفحے پر بھی ہیں اور محفل کے آغاز میں بھی...... پوسٹ بکس نمبر وای میل ایڈریس درج ہے۔

آخر میں رب کائنات اللہ جل شانہ کے حضور سب مل کر دعا کریں کہ اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے۔ اے معبودِ برحق! ہمیں اپنی اس نظرِ کرم سے بہرہ مند فرما جس سے ہماری سبھی سختیاں، آلام ٹل جائیں۔ یاارحم الراحمین ہم پر موت کے وقت رحم فرما اور موت کے بعد عذابِ قبر، فشارِ قبر سے محفوظ رکھنا اور قیامت کے روز ہمارا نامۂ اعمال ہمارے داہنے ہاتھ میں دینا بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

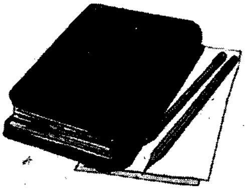
آپ کی خیریت کی طالب

نزہت اصغر

پاکیزہ میں خط لکھنے کا پتا

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ 63.c فیز III ایکسٹینشن، ڈیفنس۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500

فون نمبر 021-35804200 , 021-35386783,021-35802552 EXT 107,118



پاکیزہ ڈائری

عظمیٰ آفاق سعید

حمدیہ کلام

پرندے بولتے ہیں
جو صدائیں
جو نوائیں
کون ہے؟
جس نے انہیں
تاثیر بخشی
نطق کی جاگیر بخشی
صبح دم
سب کو جگائیں
کون ان میں
بولتا ہے؟
ہے ازل سے
تا ابد
اور ابد کے
بعد بھی
بس اسی کو پکارو
جو ہوا تیرا خدا، میرا خدا
ہے وہی حاجت روا

کلام: یاسمین کنول، پسرور

نعت

یا مصطفیٰؐ یا مصطفیٰؐ
ہم کو بھی اپنے در بلا
بن جائے جنت میں جگہ
طیبہ کا وہ رستہ دکھا
روشن چراغِ دل کروں
ہو دور میری ہر بلا
ہر سانس ان پہ وار دوں
اپنی ہے اب تو یہ صدا
ہم پہ کرو نظرِ کرم
ہے زندگانی بے مزا
دامن مرا جب جل اٹھے
سر پر ہو رحمت کی گھٹا
ان کے نگر جا کر مروں
ساگر کرے رب سے دعا

شاعر: محمد ایوب ساگر
انتخاب: محمودہ نبیل احمد، اوکاڑہ

عمدہ حج کرنے پر مغفرت

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ”جس شخص نے اس طرح حج کیا کہ اس میں نہ تو کسی شہوت، فحش بات کا ارتکاب کیا اور نہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو وہ گناہوں سے ایسا پاک، صاف ہو کر واپس ہوگا جیسا اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔“ مسلم شریف

انتخاب: ہمشیرہ محمد لطیف، فوجیوں والا

حضرت علیؓ کا فرمان

اپنوں کو ہمیشہ اپنے ہونے کا احساس دلاؤ.... ورنہ وقت تمہارے اپنوں کو تمہارے بنا جینا سکھا دے گا۔

مرسلہ: زرّیں زبیر کوٹھاری، کراچی

دعا

پیاری بیٹی ہنزہ کے لیے

تجھ سے دعا ہے یہ میری اے رب ذوالجلال
علی اور ہنزہ رہیں ہمیشہ خوشیوں سے نہال
والہ وشیدا رہے ہمیشہ ددھیال، ننھیال اور سسرال
علی اور ہنزہ رہیں ہمیشہ سب کی محبتوں سے مالا مال

ہر کامیابی ہو ہمیشہ بے مثال، ہر ہنر ہو باکمال
سعد ہو ہمیشہ ہر ساعت، ہر دن، ہر ماہ و سال
علی اور حمزہ کی زندگی میں نہ آئے کبھی کوئی ملال
ان کی کامیابیوں اور خوشیوں کو نہ آئے کبھی کوئی زوال

ایک ماں کے قلم سے صبا آصف، گلشن حدید، کراچی

بے دریغ

کرتی تھی بے دریغ انہیں خرچ اس لیے
لائی تھی اپنے ساتھ وہ جوتے جہیز میں

از: سمیہ شاہ، چکوال

تخلص

مولانا شوکت علی جن خوبیوں کی وجہ سے ملک بھر کے نوجوانوں کے محبوب تھے اس میں ان کی بے پناہ ظرافت کو بہت دخل تھا۔ ان کی ہر بات اور ہر حرکت میں ہنسنے مسکرانے کا سامان موجود ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ آپ کے بڑے بھائی ذوالفقار علی کا تخلص گوہر ہے اور محمد علی کا جوہر ہے۔ آپ کا تخلص کیا ہے؟

مولانا شوکت علی نے بے تکلف جواب دیا۔ ”شوہر......“

بہت خوب

الہ آباد کے مشاعرے میں ایک بزرگ شاعر نے تیغ الہ آبادی (مصطفیٰ زیدی مرحوم) سے پوچھا۔ کیوں میاں تیغ! کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے؟

تیغ کے جواب دینے سے پہلے شمیم کرمانی نے کہا۔ اجی جناب! کون باپ ایسا ہو گا جو اپنی بیٹی کو خود اپنے ہی ہاتھوں تہ تیغ کر دے۔

مرسلہ: گلشاد نذیر، اسلام آباد

شوہر بیچارہ

شادی نہ کرنا یارو
میں تم سے کہہ رہا ہوں
آفت گلے پڑی ہے
اس کو نبھا رہا ہوں
صبح کے نو بجے ہیں
میری بیوی سو رہی ہے
بچوں کے پاس بیٹھا
پراٹھے پکا رہا ہوں
آفت گلے پڑی ہے
اس کو نبھا رہا ہوں
(اچانک بیوی جاگ جاتی ہے)
شادی ہی کرنا پیارو
میں تم سے کہہ رہا ہوں
رانی گلے لگی ہے
اس کو نبھا رہا ہوں
میری بیوی سب سے اچھی
میری بیوی سب سے پیاری
میری ساس، میری ماں ہے
میری سالی ہے نرالی
میری بیوی ہنس رہی ہے
میرا دل لگا رہی ہے
میرے ساتھ اب تو وہ
شاپنگ پہ جا رہی ہے

مرسلہ: تسنیم ریاض، جہلم

بیٹیاں

جو پیدائش سے پرائی ہوتی ہیں۔ جس آنگن میں کھیلتی ہیں، ایک دن وہی آنگن سونا کر کے چلی جاتی ہیں اور جب دوبارہ اس آنگن میں قدم رکھتی ہیں تو ڈرتی ہیں۔

وہ جس آشیانے میں پل کر بڑی ہوتی ہیں پھر اسی آشیانے پر کھاتے ہوئے شرم محسوس کرتی ہیں۔ وہ جس گھر میں مرضی سے چیزوں کو ادھر اُدھر رکھتی ہیں، اسی گھر کی چیزوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے جھجک محسوس کرتی ہیں کیونکہ وہ بیٹیاں ہوتی ہیں جن کا حق کہیں نہیں ہوتا۔

مرسلہ: صائمہ قیصر، راولپنڈی

میرا پیا

میرا شام سلونا شاہ پیا
تیری شکل بصارت آنکھوں کی
تیرا مَس ریاضت سانسوں کی
تیرا نام لبوں کی عادت ہے
میری اِک، اِک سانس گواہ پیا
میرا شام سلونا شاہ پیا
ہمیں بھا گئی تیری چاہ پیا

کلام: فرحت عباس شاہ

پسند: شاہینہ، لاہور

وفاداری

نواب سراج الدولہ کی قسمت کا سورج زوال پزیر تھا۔ وہ بے یارومددگار ہو چکا تھا۔ اس عالم میں صرف اس کی بیوی لطف النسا اس کے ساتھ تھی۔ وہ قدم،قدم پر شوہر کا حوصلہ بڑھاتی تھی لیکن غداروں نے اس کے شوہر سے اسے جدا کر دیا اور جدائی کے زمانے میں یہ اندوہ ناک خبر سنی کہ اس کا شوہر فوت ہو گیا ہے۔ اسے ڈھاکا بھیج دیا گیا۔ اس کی صرف ایک خواہش تھی کہ اسے اپنے شوہر کی قبر پر رہنے کی اجازت دی جائے۔ اس نے اس سلسلے میں ایک درخواست دی جو منظور ہو گئی اور لطف النسا نے اپنی ساری زندگی شوہر کی قبر پر گزار دی۔

صبح وہ اپنے ہاتھوں سے قبر صاف کرتی اور شام کو اس پر پھول چڑھاتی۔ اس کے نازک ہاتھوں نے کبھی یہ کام نہیں کیے تھے لیکن مرحوم شوہر کی محبت اس سے قربانی کی طالب تھی۔ وہ سیاہ لباس میں ہر وقت شوہر کی قبر پر موجود رہتی تھی۔ آخر میں اتنی کمزور ہو گئی کہ اٹھ کر کھڑی نہیں ہو سکتی تھی۔

از: نیلوفر خان، بہارہ کہو

جیون ساتھی

میرے جیون ساتھی
جیون سے ناتا توڑ کر
مجھ کو اکیلا چھوڑ کر
ذمّے داری کی بھاری گٹھری
لاد کر میرے کاندھوں پر
تم چل دیے عدم کی راہوں پر
دور تھی منزل کڑی تھی دھوپ
اجڑ گیا میرا رنگ وروپ
چھوڑ دیا میرا اپنوں نے ساتھ
میرے رب نے تھاما میرا ہاتھ
ہر مشکل پھر ہوئی آسان
کیونکہ ہے وہی رحمٰن
اب رحمٰن کی مدد سے میں نے
اپنی ہر ذمے داری نبھا دی ہے
میں نے آج اپنی
آخری بیٹی بیاہ دی ہے

کاوش: یاسمین اقبال، لاہور

مثالی شوہر

اس کو جادوگر مانیں گے
چھلنی میں جو پانی لائے
جب بھی گوالا گھاٹا کھائے
پانی کی مقدار بڑھائے
اس کو نیند کہاں آتی ہے
مچھر جس کو راگ سنائے
راشد وہ ہے مثالی شوہر
بیوی کا جو ہاتھ بٹائے

شاعر: ممتاز راشد

انتخاب: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

کتنے جتن

”محبت ایسے نہیں کی جاتی......اس کے لیے بڑی محنت کرنی پڑتی ہے......راتوں کی نیند، دن کا چین، سکون برباد کرنا پڑتا ہے، رسوا ہونا پڑتا ہے۔“ ایک دوست آسمان کو تکتا ہوا محبت کے بارے میں اپنے نادر خیالات کا اظہار کر رہا تھا جیسے اس نے پی ایچ ڈی کر رکھی ہو......“ اور گھر میں جنگِ عظیم لڑنی پڑتی

ہے......اور ماں کے جوتے کھانے پڑتے ہیں اور ابو کے طعنے تناول کرنے ہوتے ہیں جو بڑے پیار سے کہتے ہیں ناخلف بدتمیز......کام کا نہ کاج کا بڑا آیا محبوب بنتِ حوا کا......

اور دادا کی چھڑی کھانی پڑتی ہے جو کمر پر پڑتی ہے......اور ساتھ میں ارشاد ہوتا ہے نکمے، الو کے.... پہلے الف ب تو پڑھنا سیکھو پھر محبت کرنا......''

''کیا تمہارے باپ دادا آج تک پچھتا رہے ہیں محبت کر کے۔'' دوسرے نے پھلجڑی چھوڑتے ہوئے کہا۔

از: راحیلہ بنت مہر علی شاہ گاؤں آما خیل ضلع ٹانک

بیوی کی نظر میں

☆ دنیا کا سب سے بہترین اور مکمل آدمی...... اس کا باپ۔

☆ دنیا کا سب سے دکھی خاوند......اس کا بھائی۔

☆ دنیا کا سب سے خوب صورت مرد......اس کا بیٹا۔

☆ دنیا کا سب سے خوش نصیب آدمی......اس کی بہن کا شوہر۔

☆ اور دنیا کا سب سے کنجوس، خود غرض اور بیکار شخص......یہ بھی بتانا پڑے گا کیا؟ آپ خود تجربہ کار ہیں۔

از: کائنات عبدالحلیم، میر پور خاص

اصل جوہر

☆ ہمیشہ احساس وہ انسان کرتا ہے جو خود غرض نہیں ہوتا......کیونکہ احساس ہی وہ جوہر ہے جس پر رشتوں کی بنیاد ہوتی ہے۔

☆ انسانیت کا رشتہ بہت بڑا خزانہ ہے اسے لباس میں نہیں انسان میں تلاش کرو۔

☆ اگر دل میں نفرت اور غصہ بنائے رکھو گے تو زندگی میں خوشیوں کے لیے جگہ نہیں بچے گی۔

☆ دعا جب ایڑیاں رگڑنے لگے تو قبولیت کا زم، زم جاری ہو ہی جاتا ہے۔

☆ رب جب ناراض ہوتا ہے تو کچھ نہیں چھینتا بس سجدے کی توفیق چھین لیتا ہے۔

از: حسینہ ممتاز خان، اسلام آباد

غزل

محبت کو کسی صورت امر کرنا نہیں آیا
کسی سنسان بستی میں بسر کرنا نہیں آیا
کسی صحرا کی بستی میں بہت مدت سے رہتی ہوں
تمہارے ساتھ بھی ہمدم سفر کرنا نہیں آیا
ہماری جھیل سی گہری یہ آنکھیں رقص کرتی ہیں
تمہیں تو اس طرف کو بھی نظر کرنا نہیں آیا
یہ مانا کہ محبت کے ہی مجرم تو ہیں لیکن
مری غلطی کو پھر بھی درگزر کرنا نہیں آیا
محبت میں تمہیں ہم نے مری جاں کس طرح چاہا
تمہیں تو اس طرح دل میں بھی گھر کرنا نہیں آیا

کلام: فریدہ جاوید فری، لاہور

بارش اور شادی

ایسی بارش ہم نے صرف مسوری میں اپنی شادی کے دن دیکھی تھی کہ پلاؤ کی دیگوں میں بیٹھ کر دلہن والے آجا رہے تھے۔ خود ہمیں ایک کفگیر پر بٹھا کر قاضی کے سامنے پیش کیا گیا پھر نہ ہم نے ایسی حرکت کی نہ بادل ایسا ٹوٹ کر برسا۔ عجیب سماں تھا جدھر دیکھو پانی ہی پانی۔ اس دن سوائے دلہن کی آنکھ کے کوئی چیز خشک نظر نہ آئی۔ ہم نے ٹھوکا دیا کہ رخصتی کے وقت دلہن کا رونا رسومات میں داخل ہے۔ انہوں نے بہت آنکھیں پٹپٹائیں مگر ایک آنسو نہ نکلا پھر کار میں سوار کراتے وقت ہم نے سہرا اپنے چہرے سے ہٹایا تو خوب پھوٹ پھوٹ کر رو ئیں۔

مشتاق احمد یوسفی کی کتاب زرگزشت سے اقتباس

مرسلہ: گل شہزادی، مانسہرہ

گزارش

غم کے سانچے میں ڈھل سکو تو چلو
تم مرے ساتھ چل سکو تو چلو
دور تک تیرگی میں چلنا ہے
صورتِ شمع جل سکو تو چلو

شاعر: حبیب جالب

انتخاب: عرشیہ جنید، کراچی



☆ صبا سجاد...... دبئی

نماز پڑھ کے ترا غم گلے لگالوں گا
اکیلے عید منانا مری سرشت نہیں

☆ ناعمہ تحریم...... کراچی

شامِ غم لیکن خبر دیتی ہے صبحِ عید کی
ظلمتِ شب میں نظر آئی کرن امید کی

☆ فصیحہ آصف...... ملتان

ہر چہرے کے ساتھ مسکرا کے
رکھیں گے ہم بھرم عید کا

☆ فرح طاہر...... ملتان

اس سے ملنا تو اسے عید مبارک کہنا
یہ بھی کہنا کہ میری عید مبارک کردے

☆ مریم بنت کاشف...... حیدرآباد

میرے مالک نے مرے حق میں یہ احسان کیا
خاک ناچیز تھا میں، سو مجھے انسان کیا

☆ زرناب...... کمالیہ

وسوسے پیار کے لیے آخر
بے کلی اپنی رنگ لائی ہے
آپ میں ہم میں رنج ہی کب تھا
آپ آئے ہیں عید آئی ہے

☆ صبا نور...... لیہ

اب کے تو درد ہے ایسا کہ بچا کچھ بھی نہیں
راستہ خاک میں ملنے کے سوا کچھ بھی نہیں
تو بھی دیوار سے ہنس، ہنس کے مجھے دیکھتی ہے
میری تنہائی مجھے تجھ سے گلہ کچھ بھی نہیں

☆ پروین افضل شاہین...... بہاول نگر

آئینہ دیکھ کے خوش ہوتی ہیں آنکھیں میری
میرے چہرے میں شباہت جو میری ماں کی ہے

☆ ناظمہ شاہین...... واہ کینٹ

دردِ دل، پاسِ وفا، جذبۂ ایماں ہونا
آدمیت ہے یہی اور یہی انساں ہونا

☆ نازنین آفریدی...... پشاور

پاؤں پھیلائے مگر ہاتھ نہیں پھیلایا
زندگی بھر کا توکل ہے میرا سرمایا

☆ ثمینہ کوکب...... جہلم

خوشحال لڑکیاں تو پیا گھر چلی گئیں
وہ صرف دیکھتی رہی شہنائیوں کے خواب

☆ نگینہ ضیا بنگش...... کراچی

مضبوط تو بہت ہوں مگر پھر بھی ٹوٹ جاتی ہوں
کبھی اپنوں کا اجنبی لہجہ بہت تکلیف دیتا ہے

☆ فریحہ شبیر...... شاہ نکڈر

یہ ہم محبت میں لاتعلق سے جو ہو رہے ہیں تو دیکھ لینا
دعائیں تو خیر کون دے گا سلام ممکن نہیں رہے گا

☆ ایمن رانی...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

لبوں پہ رنگِ تبسم نہ دل میں موجِ سرور
میرے وطن کے غریبوں کی عید کیا ہوگی

☆ انیقہ انا...... چکوال

گم کردہ راہ میں ہمیں منزل نہیں ملی
تاروں تمہاری طرح سے بکھرا ہے کارواں
کتنی ذرا سی بات ہے خواہش سکون کی
اِک داستان ہو گئی تعمیرِ آشیاں

☆ صائمہ سجاد بنگش...... کوہاٹ

تقدیر نے جیسے چاہا ویسے ڈھل گئے ہم
بہت سنبھل کے چلے پھر بھی پھسل گئے ہم
کسی نے بھروسا توڑا تو کسی نے دل
اور لوگوں کو لگتا ہے کہ بدل گئے ہم

منتخب غزلیں

ماہِ ستمبر اردو زبان کے قادر الکلام استاد شاعر میر تقی میرؔ کا ماہِ وفات ہے اسی حوالے سے میر کا نادر و خوب صورت کلام آپ کے ذوق کی نذر....

کون کہتا ہے نہ غیروں پہ تم امداد کرو
ہم فراموش ہوؤں کو بھی کبھو یاد کرو

ہیں کہاں مجھ سے وفا پیشہ نہ بیداد کرو
نہ کرو ایسا کہ پھر میرے تئیں یاد کرو

ایسے ہم پیشہ کہاں ہوتے ہیں اے غم زدگاں
مرگِ مجنوں پہ کڑھو ماتمِ فرہاد کرو

اے اسیرانِ تہ دام نہ تڑپو اتنا
تا نہ بدنام کہیں چُنگل صیاد کرو

گوکہ حیرانیِ دیدار ہے اے آہ و سرشک
کوئی روشن کرو آنکھیں کوئی دل شاد کرو

کیا ہوا ہے ابھی تو ہستی ہی کو بھولے ہو
آخر کار محبت کو تک اِک یاد کرو

اولِ عشق ہی میں میرؔ جی تم رونے لگے
خاک ابھی منھ کو ملو نالہ و فریاد کرو

عاشق ہوئے تو گو غمِ بسیار کیوں نہ ہو
ناسورِ چشم ہو مژہ خوں بار کیوں نہ ہو

کامل ہو اشتیاق تو اتنا نہیں ہے دور
حشرِ دگر پہ وعدۂ دیدار کیوں نہ ہو

گل گشت کا بھی لطف دلِ خوش سے ہے نسیم
پیشِ نظر وگرنہ چمن زار کیوں نہ ہو

مخصوص دل ہے کیا مرضِ عشق جاں گداز
اے کاش اس کو اور کچھ آزار کیوں نہ ہو

آوے جو کوئی آئینہ بازارِ دہر میں
بارے متاعِ دل کا خریدار کیوں نہ ہو

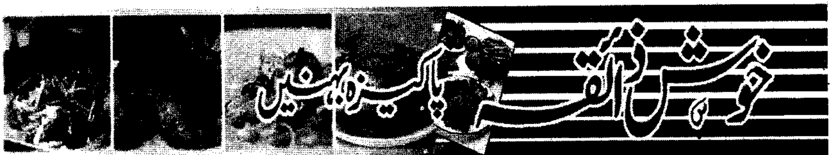
مقصود دردِ دل ہے نہ اسلام ہے نہ کفر
پھر ہر گلے میں سبحہ و زنّار کیوں نہ ہو

شاید کہ آوے پرسشِ احوال کو کبھو
عاشق بھلا بھلا سا ہووے تو بیمار کیوں نہ ہو

تلوار کے تلے بھی ہیں آنکھیں تری ادھر
تو اس ستم کا میرؔ سزاوار کیوں نہ ہو

کلام: میر تقی میر

فروری 1725ء تا 21 ستمبر 1810ء



بُھنی کلیجی

اشیا: بکرے کی کلیجی، آدھا کلو۔ کارن فلاور، دو کھانے کے چمچ۔ سویا ساس، دو کھانے کے چمچ۔ پانی، آدھا کپ۔ سرکہ، ایک کھانے کا چمچ۔ تیل، آدھا کپ۔ چینی، آدھا چائے کا چمچ۔ ہری پیاز، بارہ عدد۔ (لمبی لمبی کاٹ لیں) نمک، سیاہ مرچ، حسبِ پسند۔

ترکیب: کلیجی کو دھو کر پانی خشک کر کے باریک، باریک لمبائی کے رخ اسٹرپس کاٹ لیں۔ اس پر کارن فلاور آدھی سے کم پیالی پانی میں گھول کر سرکہ، سویا ساس اور چینی لگا کر آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کر کے کلیجی کو فرائی کریں لمبائی کے رخ کٹی ہوئی ہری پیاز بھی شامل کر دیں۔ چند منٹ پکائیں۔ نمک اور کالی مرچ آخر میں چھڑک کر اتار لیں اور گرم، گرم پیش کریں۔

مرسلہ: منیزہ نعیم، راول پنڈی

آسان ران روسٹ

اشیاء: بکرے کی ران یا دستی (اضافی چربی صاف کر لیں) نمک، حسبِ ذائقہ۔ پیاز، (دو درمیانی باریک کاٹ لیں) گرم مسالا، ایک چائے کا چمچ۔ سرکہ، ایک پیالی دہی، ایک پیالی لہسن، ادرک کا پیسٹ، ایک کھانے کا چمچ۔

ترکیب: ران کو دھو کر صاف کر کے خشک کریں اور پھر سرکے میں ڈبو کر دو سے تین گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ پیاز گولڈن کر کے چورا کریں اور دہی، نمک، گرم مسالا، لہسن، ادرک کے پیسٹ کے ساتھ خوب پیس لیں۔ ران کو سرکے سے نکال کر خشک کریں اور اس پر یہ آمیزہ اچھی طرح لیپ دیں بلکہ کانٹے کی مدد سے گود دیں۔ دو گھنٹے کے بعد اوون میں بیک کریں یا ایک بڑے دیگچے میں اسٹینڈ پر ران رکھ کر اور پتیلے میں دو مگ پانی ڈال کر ڈھکن بند کر کے درمیانی آنچ پر رکھ دیں۔ ایک گھنٹا پکائیں اور چیک کریں کہ گوشت گل گیا ہو تو اتار لیں۔ مزیدار روسٹ تیار ہے۔

مرسلہ: نیلوفر خان، بہارہ کہو

کڑھی

اشیا: لسی (چھاچ)، ایک لیٹر۔ (دہی بھی استعمال کر سکتے ہیں) بیسن، آدھا کلو۔ (پاؤ رکھ لیں پکوڑوں کے لیے) زیرہ ثابت، ایک چمچ۔ مرچ، نمک، حسبِ ذائقہ۔ ہلدی، دو چائے کے چمچ۔ دھنیا، پسا ہوا ایک چمچ۔ سبز دھنیا، آدھی پیالی۔ سبز مرچیں، چار عدد۔ لیموں، دو عدد۔ پانی حسبِ ضرورت۔ انار دانہ، دو چمچ (صاف کر لیں) تیل، ایک پیالی، ڈھائی پیالی الگ پکوڑے تلنے کے لیے۔ پیاز، ایک عدد۔ لہسن، پانچ جوئے۔ آلو، چار عدد۔ درمیانے۔

ترکیب: سب سے پہلے ایک پیالی تیل میں سے آدھی پیالی دیگچی میں ڈال کر آدھی پیاز کاٹ کر براؤن کر لیں پھر ایک لیٹر لسی میں ایک پاؤ بیسن ڈال کر اچھی طرح مکس کر لیں۔ جب پیاز براؤن ہو جائے تو بیسن ملی لسی دیگچی میں ڈال کر چمچہ ہلاتی رہیں، خیال رہے ابلے نہیں۔ اسے اتنا پکائیں کہ بیسن بلبلے مارنے لگے۔ آدھا چمچ پیاز، پانچ جوئے لہسن، ایک چمچ انار دانہ، لیموں، مرچ، دو عدد۔ سبز مرچیں، آدھا خشک دھنیا، آدھا ثابت۔ زیرہ، نمک اور سبز دھنیا کاٹ کر اسی دیگچی میں ڈال دیں اور کچھ دیر پکائیں پھر چولھے سے نیچے اتار لیں اور چمچہ سے ہلا کر ڈھکن بند کر دیں۔ اب آلو باریک چھوٹے، چھوٹے کاٹ لیں اس میں باقی کا دھنیا، زیرہ، میٹھا سوڈا، انار دانہ، سبز مرچیں، نمک، مرچیں اور آدھا پاؤ بیسن ڈال کر پکوڑے کا آمیزہ بنا لیں۔ اور پکوڑے تل لیں۔ تلنے کے بعد ذرا سی دیر پانی میں بھگوئیں پھر ہلکے ہاتھ سے دبا کر کڑھی میں شامل کریں۔ آخر میں پیاز، رائی، کلونجی، کڑھی پتا، سبز مرچ اور لہسن کا بگھار لگائیں۔ مزیدار کڑھی ابلے سفید چاولوں کے ساتھ تناول فرمائیں۔

مرسلہ: سنبل ملک اعوان، شاہدرہ لاہور

بہاری ملائی تکہ بوٹی

اشیا: گائے کی بوٹی، آدھا کلو۔ نمک، حسبِ

ذائقہ۔ لال مرچ (کُٹی ہوئی)، ایک چائے کا چمچ۔ کباب چینی اور پیری، آدھا چائے کا چمچ (پیس لیں)۔ دہی، ایک کپ۔ خشخاش، ایک چائے کا چمچ۔ سفید زیرہ، (بھنا ہوا کٹا ہوا) آدھا چائے کا چمچ۔ ثابت دھنیا، ایک چائے کا چمچ۔ (کوٹ لیں) فریش کریم، چار کھانے کے چمچ۔ کوئلہ، ایک عدد۔ پسا گرم مسالا، آدھا چمچ۔ ہری مرچ، چھ عدد (باریک پیس لیں) پپیتا، ایک چائے کا چمچ۔ لہسن، ادرک، ایک ایک چائے کا چمچ۔ تیل، چار، پانچ کھانے کے چمچ۔ پیاز، دو عدد۔ (چھوٹی) پانی، آدھی پیالی۔

ترکیب: تمام اجزا بوٹیوں میں ڈال کر مکس کرلیں۔ کریم کے علاوہ اور دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ دہی بھی اس میں ڈال دیں۔ دیگچی میں تیل گرم کرکے پیاز ڈالیں اور ہلکا گرم کرلیں براؤن نہیں کریں۔ پھر میرینیٹ گوشت ڈال دیں۔ پانی بھی ڈال دیں۔ ہلکی آنچ پر پکنے دیں۔ گوشت گل جائے تو آخر میں کریم ڈال کر بھون لیں ہلکا سا پکائیں پھر کوئلے کا دم دیں۔

کوئلے کا دم دینے کے لیے کوئلہ چولہے پر دہکائیں پھر روٹی کے ٹکڑے یا پیاز کی پرت پر رکھ کر دیگچی کے اندر رکھیں اور اس پر گھی ٹپکا کر ڈھکن کو فوراً بند کردیں۔

مرسلہ: نفیسہ آرا۔ راس الخیمہ

بار بی کیو بریانی

اشیا: گوشت، مرغ یا بکرا، آدھا کلو۔ دھنیا کٹا ہوا، ایک چائے کا چمچ۔ ادرک، لہسن، ایک چائے کا چمچ۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ لال مرچ، ایک چائے کا چمچ۔ گرم مسالا، آدھا چائے کا چمچ۔ دہی، ایک چوتھائی کپ۔ زردرنگ، چٹکی بھر۔ تکہ مسالا، دو کھانے کے چمچ۔ ادرک، لہسن ایک چائے کا چمچ۔ ہلدی، ایک چوتھائی چائے کا چمچ۔ چاول بریانی کے، آدھا کلو ایک کنی ابال لیں۔ ہرا دھنیا، آدھی گڈی۔ ٹماٹر، دو عدد۔ دہی، ایک چوتھائی کپ۔ ادرک کٹی ہوئی، ایک کھانے کا چمچ۔ گرم مسالا، ایک چوتھائی چائے کا چمچ۔ پیاز، تلی ہوئی، ایک چوتھائی کپ۔ ہری مرچ، تین سے چار عدد۔ لال مرچ، آدھا چائے کا چمچ۔ نمک، حسبِ ضرورت۔ کیوڑا، آدھا چائے کا چمچ۔

ترکیب: گوشت میں دھنیا، ادرک، لہسن، نمک، لال مرچ، گرم مسالا، دہی، زردرنگ، تکہ مسالا اور ہلدی ڈال کر ایک گھنٹا میرینیٹ کریں اور پھر اوون میں بیک کریں یا کوئلے پر سینک لیں۔ چیک کرلیں، گوشت گل گیا ہو۔ اب تیل گرم کرکے اس میں ہرا دھنیا، ٹماٹر، دہی، ادرک، گرم مسالا، پیاز، ہری مرچ، لال مرچ، نمک ڈال کر مسالا تیار کرلیں۔ جب مسالا اچھی طرح بھن جائے تو اس میں کٹی ہوئی ادرک اور ہرا مسالا شامل کرلیں۔ پھر ابلے ہوئے چاول، کیوڑا، زردے کا رنگ شامل کریں اور دس سے پندرہ منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں اور ڈش میں چاول نکالنے کے بعد اوپر چکن کے پیس پھر چاول رکھ کر سرو کریں۔

مرسلہ: نگہت آصف، اسلام آباد

بہاری بوٹی

اشیا: گوشت، (بغیر ہڈی کا) ایک کلو۔ کچا پپیتا، ایک چوتھائی کپ۔ ادرک، لہسن کا پیسٹ، دو چائے کے چمچ۔ نمک، حسبِ ضرورت۔ سرخ مرچ پاؤڈر، دو چائے کے چمچ۔ گرم مسالا پاؤڈر، ایک چائے کا چمچ۔

ترکیب: گوشت کے ٹکڑوں میں تمام مسالے لگا کر تین سے چار گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ اسے بغیر تیل کے کڑاہی میں ڈال کر خوب بھون لیں۔ جب پانی خشک ہوجائے تو ایک چوتھائی کپ تیل ڈال کر بھونیں اور پیاز کے لچھوں، ہری چٹنی اور پراٹھوں کے ساتھ پیش کریں۔

مرسلہ: عرشیہ جنید، کراچی

آئس چاکلیٹ ٹرائفل ودنٹس

اشیا: دودھ آدھا کلو۔ کارن فلور یا کسٹرڈ (کسی بھی فلیور کا)، چار کھانے کے چمچ۔ شکر، دو کپ۔ مکس فروٹ، آدھا کپ۔ فریش کریم (بیٹ کرلیں)، ایک کپ۔ چاکلیٹ آئس کریم، ڈیڑھ کپ۔ خشک میوہ، چار سے پانچ کھانے کے چمچ۔ چاکلیٹ بسکٹ، چار سے پانچ عدد۔ کوئی سی بھی جیلی، آدھا کپ۔ چاکلیٹ اسپرنکلز، سو گرام۔

(ترکیب) کسٹرڈ بنا کر ٹھنڈا کرلیں جب ٹھنڈا ہوجائے تو فریش کریم، چاکلیٹ اور آئس کریم ملائیں اور پھر میوہ فروٹ جیلی ملا کر فریزر میں رکھ دیں۔ سرو کرتے وقت ٹھنڈی کی ہوئی کریم اور چاکلیٹ اسپرنکلز سے گارنش کریں۔

مرسلہ: ایلیا شیراز، لاہور



بزمِ پاکیزہ — پاکیزہ بہنیں

پہلا انعام یافتہ سوال

☆ارم کمال، فیصل آباد
سوال: دلوں کو زیر کرنے کا آسان سا نسخہ بتائیں؟
جواب: خلوص بھرے میٹھے بول اور ان پر عمل بھی۔

دوسرا انعام یافتہ سوال

☆نسرین یٰسین، حیدر آباد
سوال: شوہر کی چٹنی بنانے کا طریقہ بتادیں؟
جواب: ویسے آج تک کسی شیف نے تو بتایا نہیں تو ہم بھی کیا بتائیں، تم آس پاس خود ہی نظر ڈال لو۔

☆پروین افضل شاہین...... بہاول نگر
سوال: آپ کی بھینس کتنا دودھ دیتی ہے اور آپ کتنا دودھ فروخت کرتی ہیں؟
جواب: یہ سوال تم نے غلط جگہ بھیج دیا ہے۔
سوال: سیاستدان ملک کو دونوں ہاتھوں سے ہی کیوں لوٹتے ہیں؟
جواب: تیسرا ہاتھ بھی ہوتا تو یقیناً اسے بھی کام میں لاتے۔
سوال: خدا نے عورت کو اتنی محدود عقل کیوں دی ہے؟
جواب: عقل تو مرد، عورت دونوں کو ایک جیسی دی ہے عورت استعمال کم کرتی ہے، اس کی باقی عقل تو اس کا شوہر استعمال کرتا ہے ناں۔

☆امامہ تجمل......کراچی
سوال: ڈیٹ اور تاریخ میں کیا فرق ہے؟
جواب: ڈکشنری اور لغت بھی کبھی پڑھ لیا کرو۔
☆سوال: واپڈا کے الیکٹرک اور محکمۂ گیس کی کارکردگی میں آپ کی کیا رائے ہے؟
جواب: وہی جو ہر دردمند پاکستانی کی ہے۔

سوال: نادان کی دوستی جی کا جنجال کب بنتی ہے؟
جواب: ہر وقت ہی۔

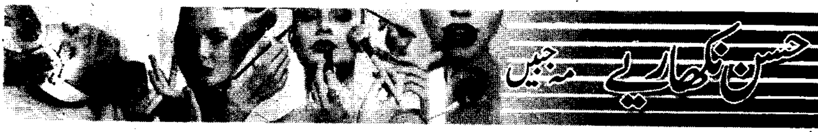
☆ساجدہ ظفر، کمالیہ
سوال: وہ ہیں خاص میں ہوں عام...... پھر کیا ہو کلام؟
جواب: وہی کلام جو ہو سرِ عام تاکہ نہ ہوں بدنام۔
سوال: دلدار کی دلداریاں اگر حد سے بڑھ جائیں تو؟
جواب: دلدار کی بیوی کو بتا دو۔

☆فلک ناز بنت عبدالندیم، حیدر آباد
سوال: پیار بھرے دو شرمیلے نین بھلا کس کے؟
جواب: 1950ء کی دلہنوں کے۔
سوال: محبت اندھی ہوتی ہے لیکن پڑوسی؟
جواب: دوربین رکھتا ہے۔
سوال: دنیا کی عزت حال سے اور آخرت کی عزت؟
جواب: آخرت کی عزت بھی حال کے کارناموں سے ہی۔

☆حمنیٰ قندیل، کمالیہ
سوال: عید کے دن بیویوں کے چہرے کھلے، کھلے اور شوہروں کے چہرے مرجھائے، مرجھائے کیوں ہوتے ہیں؟
جواب: بیوی کا پرس بھرا ہوا اور شوہر کی جیب خالی، خالی جو ہوتی ہے تو بیچارہ کیا کرے۔
سوال: عید کے تحفے اور سالگرہ کے تحفے میں کیا فرق ہونا چاہیے؟
جواب: سالگرہ پر تو یک طرفہ ہوتا ہے جبکہ عیدی تو دونوں طرف سے آتی اور جاتی ہے۔

☆ایمن رانی، ٹوبہ ٹیک سنگھ
سوال: کتاب، خواب میں نظر آجائے تو آنکھ کھل جاتی ہے، کیا وجہ ہوسکتی ہے؟
جواب: چلو اٹھو اور امتحان کی تیاری کرو۔
☆نرگس نسیم، صابہ موہڑہ
سوال: اس بار تو میں نے لے کے ہی جانا ہے بھلا کیا؟
جواب: انعام اور کیا...... ویسے تم کیا توقع کررہی تھیں۔
سوال: شادی سے پہلے سب کہتے ہیں صرف لڑکی چاہیے اور شادی کے بعد؟
جواب: یہ جملے...... ارے وہ آپ لوگوں نے جہیز کی چیزیں تو بھجوائی نہیں، ہم نے تو پڑوس کے گھر بھی خالی کروالیے تھے۔
☆ماہ رخ، حیدرآباد
سوال: ذرا جلدی سے ساس پر سوا ساس بننے کا طریقہ تو بتادیجیے؟
جواب: بھئی ہمارے ہاں تو ساس کی خدمت گزاری کا ہی سبق دیا جاتا ہے۔
سوال: غصے کا آنا کنوارے لڑکے کی نشانی ہے اور غصے کو پی جانا کس کی نشانی ہے؟
جواب: شادی شدہ لڑکی کی نشانی ہے، کیوں ٹھیک ہے ناں۔
سوال: میرے شوہر گرجتے تو بہت ہیں پر برستے نہیں؟
جواب: تمنا مت کر بیٹھنا برسنے کی پھر برسات تھمے گی نہیں۔
☆عظمیٰ زہریٰ اوستہ محمد، صوبہ بلوچستان
سوال: وہ آنکھوں سے کیوں بولتے ہیں؟
جواب: تم نے ان کے منہ پر ٹیپ جو لگا رکھی ہے۔
سوال: وہ مونچھوں کو تاؤ دے کر کیا بولے؟
جواب: مجھ ٹیں تے کج ٹیں۔
سوال: چڑیلیں رات کو ہی کیوں نظر آتی ہیں؟
جواب: تم رات کو باہر کیا کررہی تھیں۔
سوال: ہم آپ کے ہیں کون...... جلدی سے بتائیں؟
جواب: پیاری سی پاکیزہ قاری
☆ناعمہ تحریم، بلیر ہالٹ
سوال: نفرت شیطان کا حصہ ہے، معافی انسان کا وصف ہے اور محبت؟
جواب: شریکِ حیات کا حق۔
سوال: کسی کی دل آزاری سے کیسے بچا جائے؟
جواب: کسی کو آزار مت دو جوابا پاؤ گی بھی نہیں۔
سوال: آزمائے ہوئے کو بار، بار کیوں آزمایا جاتا ہے؟
جواب: ہر کوئی اپنا تجربہ خود ہی کرنا چاہتا ہے۔
☆شازیہ ہاشم، کھڈیاں خاص قصور
سوال: مسرت کا ابر ہو اور کربِ گھٹا ہو تو سنگم کیسا ہوگا؟
جواب: بہت خوب صورت...... تیز دھوپ میں رم جھم۔
☆توقیر ہاشمی، منڈی بہاؤالدین
سوال: دیکھیں ذرا صحیح، صحیح بتائیں کہ مجھے وہ اس سالگرہ پر کیا دیں گے؟
جواب: ارے بھئی ہم نے ان کے دماغ میں سی سی کیمرا تھوڑی فٹ کیا ہوا ہے۔
سوال: سوچیں اور بھی ہیں مگر......؟
جواب: ارے تو اور سوچوں کو سوچ لوں ناں...... تحفے کے بارے میں ہی کیوں سوچ رہی ہو۔
☆نسرین یاسین، حیدرآباد۔
سوال: بارات والے دن گھوڑا اتنا پُرجوش کیوں ہوتا ہے؟
جواب: انسانی گھوڑا یا بگھی کا گھوڑا......؟
سوال: وقت واقعی پر لگا کر اڑتا ہے؟
جواب: جی ہاں...... دیکھو تو کتنی عمر ہوگئی تمہاری پتا بھی نہیں چلا۔
سوال: عورت شادی سے پہلے سپنوں کی رانی ہوتی ہے اور بعد میں؟
جواب: گھر اور محل کی رانی۔

☆☆☆



حسین اور خوب صورت بہنو! سلامت رہیں اور سجتی سنورتی رہیں۔ اس مرتبہ کافی بہنوں نے بال گرنے سے بچاؤ کے بارے میں پوچھا ہے۔ دراصل ہر سر کی جلد اور بالوں کی قسم اور ساخت الگ ہوتی ہے مگر مجموعی طور پر ہم ایسے نسخے بتاتے ہیں جو سب کو ہی بھاجاتے ہیں اور نقصان نہیں ہوتا۔

جہاں تک بالوں کے گرنے کی بات ہے تو موسم کی تبدیلی بالوں اور جلد پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ اب خزاں کا موسم قریب ہے۔ لہٰذا بالوں کی دیکھ بھال پہلے سے بڑھ کر کریں۔ کڑوے بادام کا تیل اگر مل جائے تو بالوں میں لگائیں۔ زیادہ حساس جلد والوں کو ہوسکتا ہے کچھ جلن محسوس ہو تو بس تھوڑا سا لگا کر انگلیوں سے خوب مساج کریں۔ اس کے علاوہ کالے ماش رات بھر کر بھگو کر صبح سل پر پیس لیں میتھی دانہ اور اور سیکا کائی بھی رات بھر بھگو کر ہم وزن لے کر یہ چٹنی کی طرح پیس لیں اور اس سے سر دھولیں بال گرنا بند ہوجائیں گے اور پُر رونق بھی ہوجائیں گے۔ کم از کم ایک ماہ تو ضرور کریں ویسے مدت تین ماہ ہے۔ ایک دفعہ کے لیے ایک، ایک چمچ کافی ہے۔

☆ سر دھو کر آخر میں ایک ڈونگا پانی میں چند قطرے ڈیٹول ڈال کر اس سے بالوں کو دھوئیں۔

☆ نہانے سے پہلے روئی کی مدد سے سر میں ڈیٹول لگائیں اور کچھ دیر بعد سر دھولیں۔

☆ اپنی غذا پر دھیان دیں...... سبزیاں، پھل اور اناج یعنی بینز، چنا، جو وغیرہ کو غذا کا حصہ بنائیں۔

☆ لیموں کا رس ہلکے گرم پانی میں ڈال کر سر دھونے سے بال گرنا بند ہوجاتے ہیں اور ملائم بھی ہوجاتے ہیں۔

☆ اگر سر میں خشکی ہوجائے تو ہفتے میں دو بار لیموں کا عرق پانی میں ڈال کر سر دھوئیں خشکی صاف ہوجائے گی۔

☆ جہاں تک بالوں میں خشکی کا تعلق ہے تو اس کے لیے ناریل کے تیل میں لیموں کا عرق ملا کر لگائیں اور تقریباً ایک گھنٹے بعد سر دھوئیں۔

☆ تیل میں لیموں کا رس ڈال کر بالوں میں لگانے سے بال چمک اٹھیں گے۔

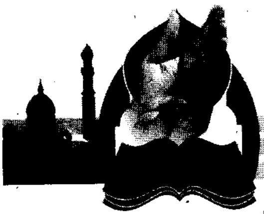
☆ ہیموگلوبن کی کمی آئرن سے دور ہوتی ہے اور بال بھی اس کی کمی سے خراب ہوتے ہیں۔ جس کے لیے گائے یا بکری کا گوشت، کلیجی، لوبیا، دالیں، مٹر، ڈرائی فروٹ، براؤن شوگر، گنے کا رس، ساگ، پالک وغیرہ استعمال کریں۔

☆ خشک بال اگر ہیں تو مہندی لگائیں تو اس میں تیل اور انڈے کی زردی ضرور ڈالیں 30 منٹ بعد دھولیں کنڈیشنگ ہوجائے گی۔

☆ تیل خشک، روکھے اور چکنے دونوں بالوں کے لیے ضروری ہے زیتون کا تیل بہت اچھا ہے اگر سوٹ کر جائے۔ اسے نیم گرم کر کے لگائیں۔

☆ اپنا ہیئر برش، کنگھا اور تولیا ہمیشہ الگ رکھیں۔ رات سونے سے پہلے بالوں میں پندرہ منٹ تک کنگھا کریں اور بالوں کو چوٹی کی شکل میں باندھ کر سوئیں۔ اپنے سر کی صفائی کا خصوصی خیال رکھیں۔ اپنی نماز کی چادر، اسکارف اور عبایا کا دوپٹا باقاعدگی سے دھویا کریں۔

☆☆☆



روحانی مشورے

ادارہ

سورۂ یٰسین کی برکت

سورۂ یٰسین کو صرف عالمِ نزاع ہی میں پڑھنے کو ہم نے لاعلمی میں اپنا شعار بنالیا ہے جبکہ اس کے اسنادو محاسن کا کوئی شمار نہیں...... یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی بیمار کی عیادت کو گئے اور سورۂ یٰسین پڑھنے کا کہہ دیا تو گھر والے ڈر جاتے ہیں کہ شاید ان کا آخری وقت آن پہنچا۔ یہ سوچ جہالت پر مبنی ہے۔ قرآن پاک شفا ہے اور سورۂ یٰسین قرآن مجید کا دل ہے اور دل کا کام دھڑکتے رہنا ہے پس سورۂ یٰسین کی تلاوت روز کا معمول بنالیں۔

☆ خوشنودیِ پروردگار کی نیت سے اس کی تلاوت کرنا بہترین ہے۔

☆ مرحومین کی مغفرت کے لیے پڑھنا ان کے اور ہمارے دونوں کے حق میں بہترین ہے۔

☆ کسی بھی جائز مقصد کے حصول کی غرض سے پڑھنا احسن ہے۔

☆ بیمار، مریض کے سرہانے پڑھنا اس کے اور ہمارے حق میں بہتر ہے۔

☆ بچیوں کی شادی کی نیت سے اس طرح پڑھیں کہ ہر مبین والی آیت پر رک جائیں اور خلوصِ دل سے دعا مانگیں، اس طرح سات مبین پر رک کر خوب دعا کریں اور سورہ تمام کریں۔ پروردگارِ عالم اس دعا کو ضرور مستجاب فرمائے گا۔ دیر یا سویر ہمارے حق میں ہی بہتر ہوتا ہے اگر تو اس نقطے کو سمجھ لیں تو خواہ مخواہ کی بے صبری، بے چینی اور الٹی سیدھی ترکیبوں میں پڑنے سے بچ سکتے ہیں۔ شادی کے لیے تو خاص یہ ہے ہی دیگر جائز مقاصد کے لیے بھی یہی عمل کیا جاسکتا ہے۔ اخلاصِ نیت شرط ہے۔

خوب صورت تحفہ

بروز جمعتہ المبارک مغرب اور عشا کی نماز کے درمیان یہ وظیفہ رزق، روزگار کے لیے مجرّب ہے۔

سورۂ فاتحہ۔ گیارہ بار

سورۂ اخلاص۔ گیارہ بار

سورۂ کوثر۔ گیارہ بار

اول و آخر درود شریف تین، تین مرتبہ ضرور پڑھ لیں۔

(یہ وظیفہ خاص طور پر مہرین بنگش نے کیماڑی سے ارسال کیا ہے)

دو رکعت نفل

ہر مسئلے کا حل قرآن پاک اور اسوۂ حسنہ میں موجود ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم احکامِ ربی اور تعلیماتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جاننے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش تو کریں۔

ہر حاجت شرعی کے لیے چاہے وہ بیٹی کی شادی ہو، نوکری کی تلاش ہو، امتحان میں کامیابی کی چاہ ہو یا کوئی سفر درپیش ہو، دو رکعت نماز حاجت کی نیت سے پڑھیں اور بعد نماز، پروردگار کی بارگاہ میں ہاتھوں کو بلند کر کے باگریہ وزاری اپنی دعا مانگیں اگر اس دعا کے اول و آخر ایک تسبیح درود شریف کی پڑھ لیں تو سبحان اللہ......!

ہر کام میں آسانی

یا حیُّ یا قیوم برحمتك استغیث

ترجمہ: اے زندہ، اے ہمیشہ قائم رہنے والے رب میں تجھ سے تیری رحمت کی..... طلب گار ہوں۔

یہ آیت قرآنی صبح شام ورد میں رکھیں، مشکلیں آسان ہوں گی۔

☆ **رب یسّر ولا تعسِّر تمّم بالخیر**

ترجمہ: اے پروردگار آسان کردے، مشکل نہ کر اور خیر کی تکمیل کو پہنچا۔

ہر کام میں آسانی کے لیے اس آیت کا ورد کریں۔

اولاد، والدین کے لیے یہ دعا کریں

قرآن کریم اور احادیث میں بعض ایسی دعائیں انبیائے کرام کی زبانی ہمیں سکھائی گی ہیں جو خود انبیا نے اپنے

والدین کے لیے یا والد کے لیے مانگی ہیں۔ ہم بھی ان دعاؤں کو مانگ کر اپنے والدین کے لیے اللہ کی رحمت کو متوجہ کر سکتے ہیں اور اپنی اولاد کو یہ دعائیں سکھلا کر اپنے معصوم بچوں اور بچیوں کی زبانی اپنے لیے بھی دعائیں کرا سکتے ہیں۔ مثلاً

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ

ترجمہ: اے ہمارے رب! مجھ کو بخش دے اور میرے ماں، باپ کو بخش اور سب ایمان والوں کو اس دن جب کہ حساب ہو۔"

(یہ مبارک دعا اپنے لیے اور والدین کے لیے گناہوں کی معافی کی دعا ہے۔) اے اللہ! ہم سب کی مغفرت فرما، اپنی اولاد، نواسے، نواسیوں، پوتے، پوتیوں سب کو وصیت کر جائیں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا تین مرتبہ ضرور مانگ لیا کریں۔ یہ جناب ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے۔

رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِیْ صَغِیْرًا

ترجمہ: اے رب! ان پر (والدین) رحم فرما جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا۔

یہ مبارک دعا والدین کے لیے رحمت کی دعا ہے، اولاد اللہ تعالیٰ سے یہ مانگے کہ اے اللہ! جیسے والدین نے بچپن میں مجھ پر رحم کیا ویسے تو ان پر رحم فرما۔

بڑھاپے کے آخری دور میں جب عقل و فہم بھی جواب دینے لگتے ہیں تو والدین کی خواہشات و مطالبات کچھ ایسے بھی ہو جاتے ہیں جن کا پورا کرنا اولاد کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے ان حالات میں والدین کی دلجوئی اور راحت رسانی کے احکام دینے کے ساتھ انسان کو اس کا زمانۂ طفولیت یاد دلایا کہ کسی وقت تم بھی اپنے والدین کے اس سے زیادہ محتاج تھے، جس قدر آج وہ تمہارے محتاج ہیں تو اس طرح انہوں نے اپنی راحت و خواہشات کو اس وقت تم پر قربان کیا اور تمہاری بے عقلی کی باتوں کو پیار کے ساتھ برداشت کیا اب جبکہ ان پر محتاجی کا یہ وقت آیا ہے تو عقل و شرافت کا تقاضا ہے کہ ان کے اس سابق احسان کا بدلہ ادا کرو...... آیت میں (کما ربینی صغیرا) سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور آیات مذکورہ میں والدین کے بڑھاپے کی حالت کو پہنچنے کے وقت چند تاکیدی احکام دیے گئے ہیں۔

ان کو اُف بھی نہ کہے، لفظ اُف سے مراد ہر ایسا کلمہ ہے جس سے اپنی ناگواری کا اظہار ہو۔ یہاں تک کہ ان کی بات سن کر اس طرح لمبی سانس لینا جس سے ان پر ناگواری کا اظہار ہو وہ بھی اس کلمۂ اُف میں داخل ہے۔

ایک حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بروایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ، رسول کا ارشاد ہے۔ "ایذا رسانی میں اُف کہنے سے بھی کم کوئی درجہ ہوتا تو یقیناً وہ بھی ذکر کیا جاتا۔"

مطلب...... کہ جس چیز سے ماں، باپ کو کم سے کم بھی اذیت پہنچے وہ بھی ممنوع ہے۔

والدین کی پوری راحت رسانی تو انسان کے بس کی بات نہیں، اپنی مقدور بھر راحت رسانی فکر کے ساتھ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے بھی دعا کرتا رہے کہ وہ اپنی رحمت سے ان کی سب مشکلات کو آسان اور تکلیفوں کو دور فرمائے۔ یہ آخری حکم ایسا وسیع اور عام ہے کہ والدین کی وفات کے بعد بھی جاری ہے۔ جس کے ذریعے اولاد ہمیشہ والدین کی خدمت کر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور ہماری آل اولاد کو فرمانبردار اور ہمارے لیے صدقۂ جاریہ بنائے، آمین۔

شوہر کا رویّہ بہتر ہو جائے

☆ایک حاجت مند حیدر آباد سے لکھتی ہیں۔

سوال: میری بیٹی کے شوہر کا رویہ اس کے ساتھ ٹھیک نہیں ہے۔ وہ اپنی بیٹیوں کی طرف بھی دھیان نہیں دیتا۔

جواب: سب سے پہلے تو گھریلو ماحول کو ہر اعتبار سے صاف ستھرا اور پُرسکون رکھیں، بلاوجہ کے بحث و مباحثے سے بچیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ درود پاک پڑھنے والے کے لیے مخلوق کے دل میں اس کی محبت پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا ہر نماز کے بعد سو مرتبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خصوصاً فجر و عشا کے بعد پانچ سو چھپن مرتبہ یارحیم پڑھ کر تصور میں وہ اپنے شوہر پر دم کر دیا کریں۔ انشاء اللہ ان کے دل میں آپ کی بیٹی کی محبت و قدر پیدا ہو جائے گی۔

☆☆☆



اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔ (اپنے علاقے میں دوا نہ ملنے کی صورت میں ہم سے رجوع کریں)

پُراسرار بیماری

ع......نواب شاہ

میری عمر 23 سال ہے۔ سردی کی وجہ سے میرے ہاتھ، پاؤں اور ناخن نیلے پڑ جاتے ہیں اور بعد میں کالے لگنے لگتے ہیں۔ ہاتھوں کی انگلیوں کی پوریں نیلی اور سُن ہوجاتی ہیں۔ پھر ان میں سرخ سرخ نشان بنتے ہیں جیسے خون کے چھوٹے چھوٹے قطرے اور ایسے ہی نشان ناخن کے کناروں پر بھی بنتے ہیں پھر ان میں پھوڑے کی طرح مواد بھر جاتا ہے۔ جب وہ مواد نکلتا ہے تو زخم بن جاتا ہے۔ زخم میں درد بہت زیادہ ہوتا ہے، کبھی کبھی خارش بھی ہوتی ہے اور جلن تو بہت زیادہ ہوتی ہے۔ پانی والا کام بالکل نہیں کرسکتی اور زخم دو تین ماہ سے پہلے ٹھیک نہیں ہوتا۔ پہلے یہ بیماری صرف سردی کے موسم میں ہوتی تھی اب گرمی میں بھی ہونے لگی ہے جن پوروں پر سردی میں زخم بنتے ہیں ان پر کھرنڈ مسلسل موجود ہی رہتا ہے یعنی ختم نہیں ہوتا اور درد بھی ہوتا رہتا ہے۔ انگلیوں کی پوریں سخت دھوپ کے ٹائم پر ہی صحیح رنگ میں ہوتی ہیں ورنہ صبح شام ان کا رنگ نیلا اور ٹھنڈی ہوتی ہیں۔

میرا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے سر کی جلد سے میل

ٹوکن

برائے شوابے ہومیو کلینک

اکتوبر 2017ء

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: ____________

پتا: ____________

____

صاف نہیں ہوتی حالانکہ دیکھنے سے وہ میل نظر بھی نہیں آتی جب سوکھے بال، کنگھی کرتی ہوں تو کنگھی میل سے بھر جاتی ہے جیسے کئی دنوں سے بال دھوئے ہی نہیں۔جب گیلے یا تیل لگے بال کنگھی کرتی ہوں تو کنگھی صاف ہوتی ہے۔اس پُراسرار بیماری نے مجھے بہت زیادہ پریشان کردیا ہے۔کوئی اچھی سی دوا تجویز کریں۔

جواب:۔آپ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Carbo Veg 30 کے 5,5 قطرے ایک گھونٹ پانی میں صبح شام لیں جبکہ Natr. Mur 30 کے 5,5 قطرے دوپہر اور رات میں لیں ۔ایک ماہ بعد اپنی کیفیت سے مطلع کریں۔اسی طرح تفصیل سے۔

رنگت وبال

آمنہ.....خانیوال

میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے پورے جسم اور چہرے پر بہت موٹے اور کالے بال ہیں۔ہر دفعہ ویکسنگ کے بعد اور بھی موٹے اور گہرے رنگ کے نکلتے ہیں۔بریسٹ گروتھ نہ ہونے کے برابر ہے۔میرے چہرے پر بہت زیادہ تل ہیں، میری ساری رنگت کالی ہوتی جارہی ہے، براؤن بلیک اسپاٹس ہیں۔ناخنوں کی رنگت بھی سیاہ ہورہی ہے۔اپنی ٹیسٹ رپورٹ بھی بھیج رہی ہوں۔

جواب:۔متوازن غذا کا استعمال کریں اور ورزش کریں۔آپ نے اپنے ماہانہ نظام کے متعلق کچھ نہیں بتایا کہ اس کی کیا پوزیشن ہے۔بہر حال آپ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Iodium 30 Calc Phos 30 Sepia 30 Sarsaparilla 3x کے 7,7 قطرے ایک گھونٹ پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں اور 2 ماہ بعد اپنی کیفیت سے آگاہ کریں۔

نسوانی حُسن کا مسئلہ

دوسرا مسئلہ میری بہن کا ہے اس کے بھی جسم پر بال ہیں اور بریسٹ گروتھ کا مسئلہ ہے۔غیر شادی شدہ ہے برائے کرم کوئی اچھی سی دوا تجویز کردیں۔

جواب۔آپ بھی ورزش کریں، متوازن غذا کا استعمال کریں اور Oleum Jecoris 30 Sabal Serrulata 30 کے 7,7 قطرے ایک گھونٹ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

مُٹاپا اور نسوانی حُسن

مریم......فیصل آباد

ڈاکٹر صاحب میں بہت امید سے خط لکھ رہی ہوں۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھ میں نسوانی حسن کی بے حد کمی ہے ایسا نہیں کہ میں بہت دبلی پتلی ہوں، میرا جسم بھرا ہوا ہے۔ اس وجہ سے میں بہت پریشان ہوں، کوئی ایسی دوا بتائیں جو جلدی اور دیرپا اثر کرے اور اس دوائی کا کوئی نقصان تو نہ ہوگا۔نیز یہ بھی بتائیں کہ اگر وزن ذرا کم کرنا ہو تو ڈائٹنگ کے ساتھ ساتھ آپ کی دوائی بھی استعمال کریں تو کیا اس کا اثر پھر بھی اتنا ہی ہوگا۔

جواب:۔وزن اور قد لکھنا چاہیے تھا تاکہ اندازہ ہوتا کہ آپ کا وزن کتنا زیادہ ہے اور کیوں زیادہ ہے۔اس کی کئی وجوہات ہیں، کھانا، پینا کیسا ہے، زیادہ آرام کرنا، ماہانہ نظام کی خرابی، خاندانی ہارمونز کی خرابی وغیرہ۔لہٰذا تمام تفصیلات لکھیں تاکہ زیادہ مفید دوا تجویز کی جاسکے۔

ہاتھ میں دانے

ع......نواب شاہ

میری چھوٹی بہن کی عمر 16 سال ہے، اس کا مسئلہ یہ ہے کہ گرمیوں میں اس کے ہاتھوں کے اندر یعنی جِلد کے اندر دانے بنتے ہیں، ان پر خارش ہوتی ہے اور جِلد

From Nature. For Health.

سخت ہو جاتی ہے، جلن بھی ہوتی ہے، دانے وہیں سوکھ جاتے ہیں، جلد اکڑ جاتی ہے اور پھر دوبارہ دانے بن جاتے ہیں۔ ساری گرمیاں اس کے ہاتھوں کا یہی حال رہتا ہے اور اس کے پورے جسم پر کبھی، کبھی سرخ دانے بنتے ہیں جن میں درد ہوتا ہے اور مواد بہت نکلتا ہے۔ ان دانوں کا کوئی موسم نہیں ہے یعنی سردیوں میں بھی نکل آتے ہیں اور گرمیوں میں بھی۔ کوئی اچھی سی دوا تجویز کریں اللہ پاک آپ کو اجر دے گا۔

جواب:۔ باہر کی پیکنگ والی چیزیں استعمال نہ کریں یا جن میں Preservatives ہوتا ہے، سادہ متوازن غذا کھائیں اور ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Sulphur 1M کی ایک خوراک لیں اس کے دو دن بعد Anagallis 30 کے 7 قطرے ایک گھونٹ پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔ ایک ماہ بعد حال بتائیں۔

ایگزیما

ظفر احمد سیال......سرگودھا

گزشتہ 20 سال سے میری کمر پر ایگزیما ہے۔ سارے جسم پر خارش ہوتی ہے، کمر کی جلد کھردری اور خشک ہے۔ جسم پر دانے اور کبھی پھوڑے نکلتے ہیں خون میں الرجی ہے، جسم پر Dermil کریم لگانے سے آرام آتا ہے اور الرجی کی گولی صبح و شام کھانا پڑتی ہے۔ بڑا گوشت یا انڈا کھانے سے الرجی بڑھ جاتی ہے۔ مہربانی فرما کر ایسی دوائی تجویز کریں جس سے خون صاف ہو جائے، الرجی اور خارش ختم ہو جائے اور ایگزیما مکمل طور پر ختم ہو جائے ساتھ ہی ساتھ کمر اور جسم کی خشکی بھی دور ہو جائے۔

جواب:۔ محترم ظفر صاحب، ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Graphites Pentarkan Ptk 50 ایک ایک گولی دن میں تین مرتبہ لیں اور ایک ماہ بعد اپنی کیفیت سے آگاہ کریں۔

درد اور پیشاب کی زیادتی

مسز شاہنواز......راولپنڈی

بیماری نمبر 1۔ پیشاب بار بار آنے کی شکایت ہے۔ کھانسی اور چھینک کی صورت میں نکل جاتا ہے۔ پانی پینے کے فوراً بعد حاجت ہوتی ہے، برداشت نہیں کر سکتی نکل جاتا ہے۔ اکثر پیشاب کے بعد قطرے آتے ہیں۔ سردیوں میں بار بار پیشاب کی حاجت ہوتی ہے گرمیوں میں غسل کے بعد بار، بار جاتی ہوں۔

بیماری نمبر 2۔ کچھ مہینے سے بے انتہا کمزوری محسوس کر رہی ہوں، تھک جاتی ہوں۔ پہلے ران میں گوشت ایسا محسوس ہوا کہ موٹا موٹا ہے اور اس میں درد بھی تھا، پھر بائیں ہاتھ میں کہنی کے اوپر جو گوشت ہوتا ہے وہاں بھی موٹا، موٹا محسوس ہوا اور درد بھی ہے۔ کوئی چیز پکڑو تو درد ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ گردن کے پٹھے، گھٹنوں میں چیخ چیخ کی آوازیں نکلتی ہیں، زمین پر سے اٹھنا محال ہوتا ہے، کندھے درد کرتے ہیں حتیٰ کہ کنگھی کرو تو کندھوں میں درد ہونے لگتا ہے، کمر میں درد ہوتا ہے، اسکول سے آنے کے بعد اتنی تھکن ہوتی ہے کہ کیا بتاؤں، چہرے سے ہی تھکن ظاہر ہوتی ہے۔ آنکھیں سوج جاتی ہیں اور زبان کٹی کٹی سی محسوس ہوتی ہے، جلن ہوتی ہے، بال بہت گرتے ہیں، پانی پینے کو دل نہیں چاہتا،

جواب:۔ آپ نے اپنی رپورٹس منسلک نہیں کیں۔ کیفیات کے حوالے سے Urine D/R اور HbA1c کا ٹیسٹ ضرور کروائیں۔ آپ کے اندر وٹامنز کی کمی بھی لگ رہی ہے۔ فروٹ اور سبزیوں کا استعمال بڑھائیں، دہی اور پنیر بھی لیں، چکن اور انڈا بالکل بند کر دیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Rhustox Pentarkan Ptk 73 کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر دن میں چار مرتبہ لیں اور

ساتھ میں Borax 30 Calc.Carb 30 Merec.sol 30 کے 7,7 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ لیں۔ ایک ماہ بعد اپنی کیفیت سے مطلع کریں۔

شوگر اور بلڈ پریشر

ثمینہ شمیم......لاہور

تقریباً دس سال سے مجھے گردوں میں پتھری تھی۔ میں بربس ولگیرس پیتی تھی اور چھپاکی یعنی پتی اچھلنا کا بھی مرض تھا اس کی میں Ptk 86 دوائی پیتی تھی۔ اللہ کا خاص کرم ہے کہ دونوں مرض ختم ہوگئے ہیں۔ اب تقریباً ایک سال سے 140 تک شوگر اور بلڈ پریشر 140/100 تک ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ میری گردن کے دائیں طرف تقریباً 5 انچ بڑا گلہڑ ہے۔ یہ گلہڑ کسی طرح بھی کم نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس کا آپریشن کرواؤں۔ اس کو تقریباً 12 سال ہوگئے ہیں لیکن اس میں کوئی درد وغیرہ نہیں ہوتا۔ جب میں صبح اٹھتی ہوں تو اس میں سے ہلکا سا خون اور ریشہ نکلتا ہے۔

میں کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتی اور نہ ہی ٹانگیں دوہری کر سکتی ہوں، زیادہ چل پھر نہیں سکتی نہ ہی واک کرنے کی ہمت ہوتی ہے۔ گردن اور مونڈھے کے پیچھے اور ہاتھوں پیروں میں شدید اکڑاؤ ہو جاتا ہے پھر ایسا لگتا ہے کہ جیسے میں پتھر کی ہوگئی ہوں۔ برائے مہربانی کوئی اچھی دوائی تجویز فرما دیں۔

جواب:۔ سب سے پہلے اللہ سے اچھی امید لگائیں، دعا کریں اور اس پر چھوڑ دیں یعنی ڈپریشن آؤٹ۔ متوازن غذا لیں۔ جتنا ممکن ہو سکے چلیں پھریں اور ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔

Viscum Pentarkan Ptk 89 کے 10 قطرے ایک گھونٹ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں اور ساتھ میں Rhustox Pentarkan Ptk 73 کے 7 قطرے ایک گھونٹ پانی میں دن میں تین مرتبہ استعمال کریں۔ ایک ماہ بعد آگاہ کریں۔

پرانا نزلہ

سنیعہ سعید......کراچی

میں بچپن سے شوگر کی مریضہ ہوں۔ میرے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ مجھے بہت پرانا نزلہ ہے جو اَب بہت بڑھ گیا ہے۔ بے تحاشا چھینکیں آتی ہیں، سر میں شدید درد ہوتا ہے، ناک بھی بند رہتی ہے، گلے اور کان میں بھی درد ہے، میں کوئی بھی ٹھنڈی یا کھٹی چیز نہیں کھا سکتی یہاں تک کہ دودھ بھی برداشت نہیں ہوتا بخار چڑھ جاتا ہے اور بہت چکر آتے ہیں۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ ناک کے دونوں طرف کا گوشت بڑھا ہوا ہے اور ریشہ حلق میں اور حلق سے معدے میں جا رہا ہے جس کی وجہ سے معدے کی تیزابیت بھی بہت بڑھ گئی ہے۔ معدے میں بہت درد اور جلن ہوتی ہے، میں کوئی کام نہیں کر سکتی، سانس بہت پھول جاتی ہے، کوئی گرم چیز بھی نہیں کھا سکتی، مرغی بھی نہیں، مکمل پرہیزی کھانا کھا رہی ہوں۔ تقریباً ڈیڑھ سال سے میرے پورے منہ میں چھالے بھی بہت ہو جاتے ہیں کہ ٹوتھ پیسٹ تک سے جلن ہوتی ہے۔ معدے کی دوائی کھا رہی ہوں مگر تیزابیت کم نہیں ہوتی۔ مجھے پیشاب کی بھی تکلیف ہوگئی ہے یعنی انفیکشن ہو گیا ہے۔

جواب:۔ فروٹ اور سبزیوں کا استعمال بڑھائیں، گائے، بکرے کا گوشت بھی استعمال کریں، کھلی فضا میں چہل قدمی کریں، کراچی میں کلینک پر مل سکتی ہیں۔ خود کے اندر ہمت و حوصلہ پیدا کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Cinnabaris Pentarkan Ptk 31 کی ایک گولی دن میں تین مرتبہ کھا لیا کریں اور ساتھ میں Borax 30 Merc.sol 30 کے 5,5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ استعمال کریں۔

ایک ماہ بعد اپنی کیفیت سے آگاہ کریں۔

+++ سے کیا مراد ہے؟

نظام نظامی ....لاہور

مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ پیشاب کی رپورٹ میں ایک پلس +، دو پلس ++، یا تین پلس +++ سے کیا مراد ہوتی ہے؟ شکریہ، والسلام!

جواب: +، ++، +++ شدت کو ظاہر کرتا ہے۔

پیچیدہ مسئلہ

نمرہ امین ....ساہیوال

محترم ڈاکٹر صاحب! میں پاکیزہ بہت شوق سے پڑھتی ہوں اور خاص کر شوابے ہومیو کلینک بہت شوق سے پڑھتی ہوں جس میں آپ ہر قسم کی بیماری کی تشخیص کر کے لوگوں کی رہنمائی اور مدد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کاوش میں کامیاب کرے، آمین! محترم ڈاکٹر صاحب! میرا مسئلہ بہت پیچیدہ ہے اور میں بہت زیادہ پریشان ہوں۔ کبھی تو دل کرتا ہے کہ خودکشی کر لوں مگر پھر اس خیال سے رک جاتی ہوں کہ خودکشی حرام ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ خدا کے لیے مجھے اس مشکل سے نجات دلائیں۔ میرے بریسٹ بہت چھوٹے ہیں اس کے علاوہ مجھے ماہواری بھی نہیں آتی بلکہ ایک مرتبہ بھی نہیں آئی۔

جواب: والدین کو اپنے بچوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ ان پر گہری نظر رکھنی چاہیے تاکہ وہ غلط کاریوں سے بچیں۔ ساتھ بچوں کو چاہیے کہ وہ بھی ہر بات بغیر کسی شرم کے اپنے بزرگوں کو بتائیں تاکہ صحت، عزت، دین اور دنیا خراب نہ ہو۔ نادانی میں جو کچھ ہوا اس کو بھول جائیں۔ اللہ سے استغفار کریں اور اس سے مدد مانگیں۔

سادہ لیکن متوازن غذا کا استعمال کریں۔ صبح و شام چہل قدمی کیا کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Iodium-30، Calc. carb-30، Pulsatilla-30 کے 5-5 قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

بواسیر

عاصم وقار............چکوال

میری والدہ صاحبہ کو عرصہ 5 ماہ سے بواسیر (خونی) کی تکلیف ہے جو کہ اس وقت شدید صورت اختیار کر چکی ہے۔ انہوں نے مختلف دیسی دوائیاں استعمال کی ہیں لیکن افاقہ نہیں ہو رہا۔ دائمی قبض، تین سے چار مسے اور خون کے آنے سے مرض شدت اختیار کر چکا ہے اور درد بھی بہت شدید ہے جس کی وجہ سے چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا حتیٰ کہ چارپائی پر لیٹنا بھی دشوار ہو چکا ہے۔ آپ سے بہت عاجزی کے ساتھ درخواست ہے کہ مندرجہ بالا موذی مرض کا مناسب علاج تجویز فرمائیں۔ BP کنٹرول کرنے والی گولیاں، خون پتلا کرنے والی دوائی اور سانس کے لیے انہیلر (Inhalor) استعمال کر رہی ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ ایسی دوا تجویز کریں جو دل پر گھبراہٹ و تنگی نہ لائے۔

جواب: پانی کا استعمال بڑھائیں۔ لہسن، بادام، اخروٹ کھائیں۔ چہل قدمی کیا کریں۔ قبض نہ ہونے دیں۔ خون پتلا کرنے والی دوائی فوراً بند کریں اس کی جگہ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Arnica-200 ایک خوراک 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 1 مرتبہ لیا کریں۔ Nux vomica-30، Aesculus-30، Hamamelis-30 کے 5-5 قطرے آدھے گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔